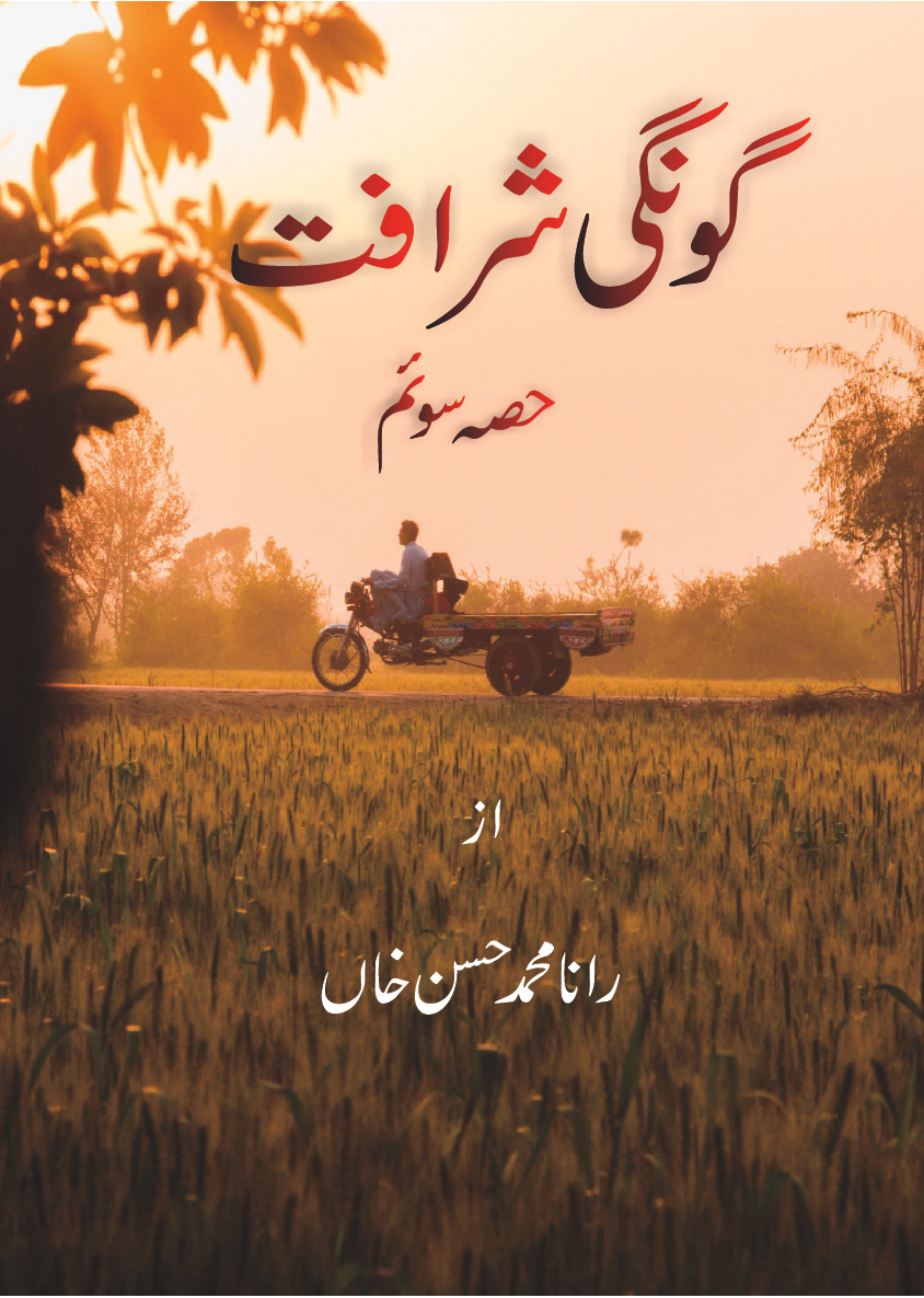


گونگی شرافت

حصہ سوئم

از

رانا محمد حسن خاں

''جذب سے عاری دِلوں پر ہے جمی کائی بہت''

بھیڑ ہر سُو ہے مگر پھر بھی ہے تنہائی بہت
کھوج میں اِک یار کی ملتے ہیں ہرجائی بہت

نفرتوں کے ہی آلاؤ نُور کہلانے لگے
اَب مَذاہِب میں ہیں فنکار و تماشائی بہت

کس قدر مدّھم ہے نُورِ آفتابِ دیں ہوا
دُھند ہے لادینیت کی چار سُو چھائی بہت

غیر نے گر لکھ لیا دیوار پر اللہ کبھی
شیخ نے کی اس پہ بھی ہنگامہ آرائی بہت

گنبد و محراب جب بھی غیر مسلک کے گرے
شیخ سمجھا دین کی ہے صحّت افزائی بہت

مسجدوں سے خوف کھاتی ہے خدائی اس لئے
شیخ کی شیطان سے اب ہے شناسائی بہت

آپ دے عشقِ حقیقی کا تُو اپنے فضل سے
جذب سے عاری دِلوں پر ہے جمی کائی بہت

اے حَسنؔ خاموش! حق گوئی سے کیا حاصِل یہاں
ظلم و اِستِبداد کی ہے یاں پذیرائی بہت

رانا محمد حسن خاں

گونگی شرافت

(حصہ سوئم)

رانا محمد حسن خاں

جُملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	**گونگی شرافت (حصہ سوئم)**
مُصنّف	رانا محمد حسن خاں
ناشر	محمد ثاقب رشید (لندن)
معاونین	رانا عبدالصمد خاں، محمود الحسن خاں
سن اشاعت	اگست 2023ء
قیمت	------

رابطہ

2. London road sm4 5bq Morden.

E.mail. peshwaltd@gmail.com

Tel. 02036747909

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انتساب

سیاسی، معاشی اور سماجی ناانصافی کی بدولت دنیا بھر میں بسنے والے
دکھی، لاچار اور غربت کی چکی میں دن رات پسنے والے مفلسوں
اور دُعا گو شفیق والدین، بیوی بچوں کے نام

فہرست مضامین

تَعارُف مُصَنِّف

رانا محمد حسن خاں صاحب ابن رانا محمد خاں صاحب چک نمبر۱۲۶ اسلام آباد تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ لاہور میں پلے بڑھے۔ آپ کے والدین مشرقی پنجاب کے ایک گاؤں سڑوعہ جو ضلع ہوشیار پور کی تحصیل گڑھ شنکر میں واقع ہے، کے رہنے والے ہیں۔ تقسیم ہندوستان کے بعد ہجرت کر کے انہوں نے پاکستان میں فیصل آباد کے قریب ایک گاؤں 60 چک ج ب شہباز پور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بعد میں ملازمت کے سلسلے میں دوسری ہجرت تک لاہور میں رہے۔ رانا محمد حسن خاں صاحب کے والدین اور بھائیوں کے خلاف توہین رسالت، تبلیغ، دہشت گردی اور بہت سے دوسرے مقدمات ایک مقامی مولوی کرامت علی قادری نے ایک با اثر شخص ولی محمد کی ایما پر درج کروائے تھے۔ عرصۂ دراز سے موصوف کے والدین اور سب بہن بھائی ہجرت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل و احسان پر بے حد مشکور اور مسرور ہیں۔

رانا محمد حسن خاں صاحب نے لاہور میں تعلیم حاصل کی اور چند برس سرکاری ملازمت کرنے کے بعد 1985ء میں جرمنی آ گئے، 2007ء میں برطانیہ کے شہر لندن میں سکونت اختیار کر لی۔ برطانیہ آنے کے بعد موصوف کے اندر کا چھپا ہوا لکھاری نمایاں ہونے لگا۔ 2009ء میں ان کی پہلی کتاب ''خزینۃ الشفاء'' شائع ہوئی جس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔ 2012ء میں ان کی دو کتابیں ''علماءِ سوٗ'' اور ''وارثانِ ابوجہل'' شائع ہوئیں۔ 2013ء میں ان کی مزید دو کتابیں ''سائبان'' اور ''امراضِ خواتین'' شائع ہوئیں۔ اسی سال موصوف نے مذہبی، سیاسی، ادبی، طبی، سائنسی اور معاشرتی سرگرمیوں کا ترجمان سہ ماہی منفرد رسالہ پیشوا انٹرنیشنل لندن کا اجراء کیا۔ جو تا حال قارئین کی علمی پیاس بجھا رہا ہے۔ 2021ء میں ان کی کتاب

''امراض مردانہ'' شائع ہوئی۔ 2022ء میں موصوف کی بیگم شگفتہ حسن صاحبہ کی اخلاقی مضامین پر مشتمل کتاب ''اچھی باتیں'' ان کی راہنمائی میں شائع ہوئی۔ 2022ء ہی میں رانا محمد حسن خاں صاحب کی دو کتابیں ''گونگی شرافت'' حصہ اول اور ''گونگی شرافت'' حصہ دوئم شائع ہوئیں۔ اور اب ''گونگی شرافت'' کا تیسرا حصہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

خاکسار اللہ تعالیٰ کا انتہائی مشکور ہے جس نے محترم رانا محمد حسن خاں صاحب کی دسویں کتاب شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف مختلف موضوعات پر لکھتے رہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان تحریروں کو شائع کرنے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ اللہ تعالیٰ رانا صاحب کو صحت و سلامتی والی لمبی، فعال زندگی عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین

ناشر

خاکسار

محمد ثاقب رشید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

عاجز اپنے ربّ کا انتہائی شکر گزار ہے جس نے اپنے فضل واحسان سے ''گونگی شرافت'' (حصہ سوئم) لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ میرے اُن تمام کرم فرماؤں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے جنہوں نے گونگی شرافت کو زبان عطا کرنے اور شائع کرنے میں بھرپور تعاون فرمایا۔ عاجز اُن مصنفین کا بھی غائبانہ طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے جن کی قیمتی کتب سے عاجز نے موتی چُنے اور پھر ان سے کتاب کو آراستہ کیا ہے۔ خاکسار کی رفیقہ حیات محترمہ شگفتہ حسن صاحبہ نے بھی قیمتی مشوروں سے نوازا اور پرسکون ماحول فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی دین و دُنیا کی حسنات سے نوازے۔ آمین۔

''گونگی شرافت'' اس عاجز کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو جولائی ۲۰۱۸ء تا جولائی ۲۰۲۳ء تک پیشوا انٹرنیشنل لندن اور دیگر رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس مجموعہ کا گونگی شرافت نام رکھنے کی وجہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سچ بولنے اور غلطیوں کی نشاندہی کو جرم سمجھا جانا بنا ہے۔ وطن عزیز کی بربادیوں اور ناکامیوں کی سب سے بڑی وجہ اشرافیہ کا گونگا ہونا ہے۔ عوام اور اشرافیہ کی گونگی شرافت نے جو گل کھلائے ہیں اس پر تمام قومی ادارے عالمی جگ ہنسائی کا باعث بن چکے ہیں۔ وطن عزیز میں بے شمار ایسے دانشور اور صحافی پائے جاتے ہیں جو بہت اچھی اچھی باتیں اور برے حالات و واقعات پر تبصرے بھی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن آپ کو کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملے گا جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی بار بار کی جانے والی عصمت دری پر سراپا احتجاج ہو اور یہ مطالبہ کرے کہ آئین پر لگے سیاہ دھبے صاف کرکے اسے اس کی اصل شکل میں بحال کیا جائے۔ اسی طرح جرنیلوں کی من مانیوں پر بھی سبھی کے لب خاموش ہیں، کوئی ان سے یہ نہیں کہتا کہ پاکستان صرف تمہارا نہیں، ہمارا بھی ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں انصاف کا پھول بن کھلے ہی مرجھا چکا ہے، کوئی یہ نہیں کہتا کہ ایسے منصفوں کو جو انصاف فراہم نہیں کر سکتے انہیں انصاف کے ٹھیکیدار بننے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کرپٹ سیاستدان ایوانوں میں دندناتے پھرتے ہیں کوئی یہ نہیں کہتا کہ ان سے ان کی اوقات کے مطابق سلوک ہونا چاہیے۔ مولانا حضرات سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ تم لوگوں نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کو کافرستان، منافقستان اور پلیدستان بنا کر اتنے لوگ

مروا دیے ہیں کہ اب ملک ''قبرستان'' لگنے لگا ہے۔کوئی مولانا حضرات سے یہ نہیں کہتا کہ جو اسلام تم ہمیں پڑھا اور دکھا رہے ہو وہ ہمارے حبیب آقا رسول اللہ رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسلام نہیں ہے۔ بجائے اس کے کہ دانشور، صحافی، سیاستدان، جرنیل اور منصف ان مولانا حضرات کو واشگاف الفاظ میں بتاتے کہ اے ناہنجارو! تمہاری تمام کاروائیاں خلاف اسلام ہیں، الٹا ان کے ہاتھ میں توہین مذہب قانون نامی آئینی کلہاڑا تھما کر انہیں اپنے کندھوں پر بٹھا لیا۔کوئی نہیں کہتا کہ دن رات زندہ باد مردہ باد کہنے والے احمق ووٹرو! جو خواب سیاستدان، جرنیل اور مولانا حضرات دکھا رہے ہیں وہ دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔کوئی یہ بھی نہیں کہتا کہ ۷۵ برس میں جو گلا سڑا انظام دو کروڑ اٹھائیس لاکھ بچوں کو اسکول نہیں بھیج سکا اسے دفن کر دینا چاہیے۔

معزز قارئین! ''گونگی شرافت'' میں پیش کیے گئے سبھی مضامین میں وطن عزیز کے سلگتے مسائل کو اجاگر کرنے کی ایمان داری سے کوشش کی گئی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رہتے ہوئے بے لاگ تبصرے کرنا ممکن نہیں ہے مگر اب پاکستان میں بسنے والے مفلوک الحالوں کو لازماً لب کھولنے ہوں گے گونگی شرافت کے خود ساختہ بت توڑ کر سچ کا علم بلند کرنا ہی ہوگا ورنہ زندہ درگور ہوتے ہی رہیں گے۔اشرافیہ کو اپنا قبلہ درست کر کے اپنے یارانے کرپٹ عناصر سے توڑ کر عوام کے شہری حقوق کے لیے آواز بلند کرنا ہی ہوگی ورنہ اشرافیہ کو بھی جب طوفان اٹھے گا تو تنکوں کی طرح بہا لے جائے گا۔

امید ہے کہ معزز قارئین کو عاجز کی یہ ادنیٰ سی کاوش پسند آئے گی۔ ہر انسان سے غلطیاں سرزد ہو جایا کرتی ہیں یقیناً اس عاجز سے بھی نادانستہ طور پر اس کتاب میں غلطیاں ہوئی ہوں گی۔امید ہے قارئین درگزر فرمائیں گے، یقیناً نشان دہی کی صورت میں اصلاح بھی ہو جائے گی۔

رحیم وکریم ربّ کائنات میرے وطن اور ہم وطنوں کو سیدھا رستہ اور شادمانی عطا فرمائے۔

آمین یاربّ العالمین

طالب دُعا

رانا محمد حسن خاں

گاڑیوں، بھینسوں سے اُردوتقریر تک!

جو کچھ نظر پڑے ہے حقیقت میں کچھ نہیں
عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہے خواب کا

پاکستان کی عوام نے جناب عمران خان کو اپنا نیا وزیر اعظم منتخب کرلیا ہے۔عمران خان نے پاکستانی قوم سے تبدیلی لانے کے وعدے پر ووٹ لیے ہیں۔عمران خان کو اب جبکہ حلف اٹھائے ایک مہینہ اور کچھ دن اوپر ہو چکے ہیں، بہت کچھ ان کی کارکردگی پر کہا جاسکتا ہے، گو زیادہ کہنے کا موقع حکومت کے ایک سو دن مکمل ہونے پر ہی ملے گا۔عمران خان نے قوم کو اتنے سنہرے خواب دکھائے ہیں کہ عوام دن رات انہیں کے متعلق سوچتے اور باتیں کرتے ہیں، جذبات کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر پی ٹی آئی کے ووٹروں کو یہ بتانے کی کوشش کی جائے کہ ایک کروڑ نوکریوں اور پچاس لاکھ مکانات بنانے کی بات قابل عمل نہیں ہے تو ان کا ردعمل اتنا شدید ہوتا ہے کہ سمجھانے والا بھاگنے پر یا خاموش ہو جانے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ امید پر دنیا قائم ہے مگر ایسی امید جس کے پورا ہونے کا امکان صفر ہو اس پر فریفتہ ہونا دانائی ہرگز نہیں ہوسکتی۔اور فارسی زبان میں ایک ضرب المثل ہے کہ ''چرا عاقل کند کاری کہ باز آرد پشیمانی''۔یعنی عقل مند آدمی ایسا کام ہی کیوں کرے کہ بعد میں پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔سچی بات یہ ہے کہ حکمرانوں کے بدلنے سے کبھی تبدیلی نہیں آسکتی، انسانوں کی سوچ بدلنے سے تبدیلی آتی ہے۔لیڈر وہی ہوتا ہے جو قوم کی سوچ کو منفی سے مثبت سوچ میں تبدیل کرنے کی قوت رکھتا ہو۔اور ایسی شاندار قوت کے اولین مصداق انبیاء کرام ہوتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ریاست مدینہ کی طرز پر اسلامی فلاحی ریاست بنانے کا خواب قوم کو دکھا کر گمراہ کرنا بھی اول درجہ کا ظلم ہے۔جب ریاست مدینہ بنانے کے لیے عمران خان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا وہ آئین پاکستان کو بھی غیر اسلامی قوانین سے آزاد کروا کر اسلامی بنائیں گے؟ تو ان کا جواب ناں میں ہوتا ہے۔شاید عمران نے ریاست مدینہ کی بات ابن رشد کے اس قول سے اخذ کی ہے کہ ''جاہلوں! پر حکمرانی چاہتے ہو تو ''مذہب'' کا غلاف اوڑھ لو''۔ابھی تک عمران خان کے تمام اقدامات بچگانہ دکھائی دیتے ہیں۔مثال کے

طور پر عمران خان نے کہا تھا کہ کوئی وزیر پہلے تین ماہ میں بیرون ملک دورے پر نہیں جائے گا۔ سرکاری ہوائی جہاز استعمال نہیں کرے گا اور نہ ہی فرسٹ کلاس میں سفر کرے گا۔ مگر پہلے مہینے ہی میں یہ وعدے ہوا ہو گئے۔ پروٹوکول کو بھی برا سمجھ کر ترک کرنے کا فیصلہ تھا مگر پی ٹی آئی کے وزراء محدود پروٹوکول لینا حالات کی مجبوری بتاتے ہیں۔ معیشت کی بہتری، صحت اور تعلیم کی بہتری کے وعدے بھی پورا کرنے کے لیے کوئی واضح پروگرام دینے میں بھی حکومت تا حال کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ معیشت کو ٹھیک کرنے کے لیے عوام پر ہی بوجھ ڈالا گیا ہے، مہنگائی میں ایک مہینے میں پچاس فیصد اضافہ ہوا ہے۔ گیس کی قیمتوں میں اضافہ نے لوگوں کو بے چین کر دیا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ اسد عمر کہتے ہیں کہ غریب عوام کے لیے دس سے بیس فیصد اور امیروں کے لیے ۱۴۳ فیصد گیس مہنگی کی گئی ہے۔ کوئی اس دانا سے پوچھے کہ کیا امیر افراد اضافی رقم عوام سے نہیں بٹوریں گے۔ اب گیس سلنڈر بھی غریب عوام کے لیے ۶۵ روپے مہنگا اور بزنس کرنے والوں کے لیے دو سو پینتالیس روپے مہنگا کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے سوائے یہ بتانے کے کہ مدارس سمیت تمام اسکولوں میں یکساں بنیادی نصاب تعلیم رائج کریں گے، تمام اداروں کو ایک سرکاری ادارہ اسناد جاری کرے گا کچھ نہیں کیا ہے۔ اس کے جواب میں مولانا فضل الرحمان کہہ چکے ہیں کہ ''دینی علوم کے نصاب میں مداخلت کو نہیں مانیں گے۔'' ڈیم فنڈ کے نام پر بھی عوام سے رقم بٹوری جا رہی ہے، تمام دھما چوکڑی کے بعد ساڑھے تین ارب روپے اکٹھے کر لیے گئے ہیں، صرف ۳۴ کروڑ روپے بیرون ملک مقیم پاکستانیوں نے ڈیم فنڈ میں جمع کروا کر اپنی بیزاری کا اظہار کر دیا ہے۔ یاد رہے ڈیم بنانے کے لیے ۱۴۰۰ ارب روپے درکار ہیں۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی افغانستان و سعودی عرب سے شروع ہو کر چین پر آ کر ختم ہو جاتی ہے، امریکہ اور یورپ کے لیڈران شاید عمران کی تسبیح دیکھ کر انہیں مولوی سمجھ کر شک کرتے ہیں، ویسے عمران اپنی اداؤں سے نجانے کیوں متکبر سے لگتے ہیں۔ حکومت ابھی تک کی اچھی باتوں میں قیمتی گاڑیوں اور بھینسوں کی نیلامی اور وزیر خارجہ کی سلامتی کونسل میں اردو زبان میں تقریر کرنا اول نمبر پر ہیں۔ افغانیوں اور بنگالیوں کے متعلق اچھی سوچ بچار اچھا قدم ہے مگر پاکستان جس میں شہریت رکھنے والی اقلیتیں زندہ بھٹی میں جلائی جاتی ہیں، وہاں کوئی بھی اچھا کام کرنا آسان نہیں ہے۔ بھارت سے کشیدہ تعلقات کی وجہ بھی نئی حکومت کی عجلت اور غیر دانشمندانہ رویہ ہی بنا ہے۔

☆☆☆

پروفیسرعاطف میاں اور حکومتی قلابازی

پروفیسر ڈاکٹر عاطف میاں کے معاملے پر پاکستان تحریک انصاف کا رویہ منفی سوچ کا عکاس ہے۔ بلاشبہ عاطف میاں کو معاشی مشیر بنانا احسن فیصلہ تھا۔ان کے احمدی ہونے کی بنا پر مولویوں کی جانب سے ہونے والی مخالفت پر وزیر اطلاعات جناب چوہدری فواد صاحب کا نپا تلا جاندار بیان مثبت سوچ رکھنے والوں کے لیے ایک خوشگوار جھونکا تھا۔فواد چودھری نے اپنے بیان میں نہایت واضح طور پر مولویوں کو منہ توڑ جواب دیا تھا۔جناب نے کہا تھا:۔

''ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے ساتھ بسنے والی اقلیتوں کی حفاظت،احترام اور عزت کرے۔ عاطف میاں پر جو لوگ اعتراض کر رہے ہیں وہ بنیادی طور پر انتہا پسند ہیں اور ہمیں انتہا پسندوں کے سامنے بالکل نہیں جھکنا چاہیے۔اکنامک ایڈوائزری کونسل میں اسے لگایا گیا ہے جسے اگلے پانچ سال میں نوبل پرائز ملنے والا ہے۔''

مگر جب مولوی خادم رضوی جیسے نام نہاد مولویوں نے غیر مہذب اور نا معقول انداز میں بدتمیزی کی تو حکومت پسپا ہوگئی۔حکومت کی پسپائی اس لحاظ سے بھی قابل شرم ہے کہ خادم رضوی جیسے مولویوں کو اس بدترین یوٹرن کی بنیاد پر کھل کھیلنے کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔اسی رضوی نے عمران کو دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

''میاں عاطف کو فی الفور دفع کرو،ورنہ اس کے ساتھ تمہیں بھی دفع ہونا پڑے گا۔عمران نیازی ،چُوڑے تمہیں شعور نہیں !!''

اور حکومت نے اپنے ناتواں گھٹنے ٹیکتے ہوئے فی الفور کہہ دیا کہ:۔

''عاطف میاں کی مشاورتی کمیٹی سے نامزدگی فی الفور واپس لے لی جائے ،حکومت علماء اور تمام معاشرتی طبقہ کو ساتھ لے کر ہی آگے بڑھنا چاہتی ہے۔''

اور وہی فواد چودھری جو عاطف میاں کی نامزدگی پر مخالفت کرنے والوں کو''انتہا پسند'' کہہ رہے تھے، انہوں یوٹرن لیتے ہوئے صاف کہہ دیا:''وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کے اراکین عاشقان رسول کریم ﷺ کہلاتے

ہیں۔"

اوراس نامعقول اور غیر دانشمندانہ فیصلہ نے عمران خان کی سابقہ بیوی جمائما خان کو بھی یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ:۔

"فیصلہ نا قابل دفاع اور مایوس کن ہے، نئی حکومت پاکستان نے معروف ماہر اقتصادیات کا نام ان کے مذہبی عقیدے کی وجہ سے واپس لیا۔ بانی پاکستان قائد اعظم نے ایک احمدی کو وزیر خارجہ مقرر کیا تھا۔"

اکنامک ایڈوائزری کونسل میں پروفیسر ڈاکٹر عاطف میاں کے علاوہ دو اور معاشی ماہرین کو بیرون ملک سے شامل کیا گیا تھا۔ عاطف میاں کے استعفیٰ کے بعد جناب عاصم خواجہ نے رکنیت سے مستعفی ہوتے ہوئے لکھا تھا کہ "مَیں نے اقتصادی مشاورتی کونسل سے استعفیٰ دے دیا ہے، یہ فیصلہ میرے لیے بہت تکلیف دہ اور افسردہ کن تھا۔ یہ بہت نادر موقع تھا کہ اینالیٹکل ریزننگ میں معاونت کرسکتا لیکن جب ایسی اقدار پر سمجھوتہ کیا جائے گا، تب نہیں۔ ذاتی طور پر بحیثیت مسلمان مَیں عاطف میاں کو ہٹائے جانے کے اقدام کا جواز تلاش نہیں کر سکتا۔"

اسی طرح جناب عمران رسول صاحب نے استعفیٰ دیتے ہوئے لکھا:

"آج صبح بوجھل دل کے ساتھ مَیں نے اقتصادی مشاورتی کونسل سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ عاطف کو جن حالات میں عہدے سے مستعفی ہونے کے لیے کہا گیا، مَیں ان سے قطعاً اتفاق نہیں کرتا۔ مذہب کی بنیاد پر فیصلے میرے اصولوں اور اقدار کے خلاف ہیں جو مَیں اپنے بچوں کو سکھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اقتصادی مشاورتی کونسل میں ایسا اگر کوئی ماہر تھا جس کی پاکستان کو ضرورت تھی تو وہ عاطف میاں تھا۔"

اس کے بالمقابل نام نہاد دانشور ڈاکٹر دانش صاحب نے حکومت سے مطالبہ کر دیا ہے کہ "فواد چودھری کو بھی اہم عہدے سے ہٹایا جائے جس نے کروڑوں عاشقان رسول ﷺ کو انتہا پسند کہا۔"

شاید ڈاکٹر دانش کو جواب دیتے ہوئے یا ڈاکٹر دانش کی دانش کا پول کھولنے کے لیے کامران خان نے کہا تھا۔

"بہت ہی افسوس ناک دن ہے آج قائد اعظم محمد علی جناح کے پاکستان نے اقلیتوں کے لیے اپنے

دروازے بند کر دیے۔''



جناب انور لودھی نے کہا ہے کہ:۔

''میاں عاطف پر پی ٹی آئی ایسا جوا کھیل رہی ہے جس میں اس کی ہار یقینی ہے۔''

گزشتہ دنوں عمران خان نے مذاکرات کی درخواست رد کیے جانے پر بھارت کو مخاطب کرتے ہوئے بلکہ کہنا چاہیے کہ مودی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

'' بھارت کا منفی اور متکبر رویہ باعث افسوس ہے۔اپنی پوری زندگی میں نے ادنیٰ لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر قابض ہوتے دیکھا ہے۔ یہ لوگ بصارت سے عاری اور دور اندیشی سے یکسر محروم ہوتے ہیں۔''

کسی زمانے میں عمران خان نے شیخ رشید کے متعلق کہا تھا کہ:۔

''میں تو اسے اپنا چپڑاسی بھی نہ رکھوں۔'' وہی شیخ رشید آج ان کی حکومت میں وفاقی وزیر ریلوے ہیں۔شیخ رشید کہتے ہیں کہ'' عاطف میاں کو ہٹانے میں میرا اور وزیر مذہبی امور کا دخل ہے، خواہش تھی کہ جمعہ سے پہلے ہو جائے۔''

کیا کہیں گے عمران خان، ان کی خواہش پر، کہیں آپ نے ان کی خواہش کو پورا کر کے بصارت سے عاری کام تو نہیں کیا؟ ویسے چپڑاسی یا وزیر اعظم جیسے سرکاری ملازموں کو ادنیٰ کہنا ہم بہرحال پسند نہیں کرتے کیونکہ بندہ ادنیٰ تب کہلاتا ہے جب وہ گری ہوئی بات یا دور اندیشی سے یکسر محروم بات کرے۔

بدقسمتی اور بدنصیبی ہوتی ہے اس عوام کی جن کا وزیر اعظم اور وزراء سطحی سوچ کے حامل ہوں اور ان کے فیصلے دور اندیشی سے یکسر محروم ہوں۔

وزیر اعلیٰ پنجاب عثمان بزدار نے کہا ہے کہ''تحریک انصاف مساوی انسانی حقوق پر یقین رکھتی ہے ،اقلیتوں کو آئین کے مطابق برابر حقوق دیں گے۔''

ہمیں تو حیرت ہوتی ہے کہ سیاستدان جھوٹ ایسے بولتے ہیں جیسے اللہ کو جان نہیں دینی۔ عاطف میاں کے معاملہ میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ عقیدہ کے اختلاف پر کسی قابل ترین پاکستانی کو بھی درخور اعتناء

نہیں سمجھا جا سکتا۔آئین اسلامی جمہورہ پاکستان،اقلیتوں اور خاص طور پر احمدیوں کے انسانی حقوق غصب کیے بیٹھا ہے اور ہمارے حکمران یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اقلیتوں کو آئین پاکستان کے مطابق حقوق دیں گے۔سچ کہا تھا جالبؔ نے

حکمراں ہیں جب تلک یہ بے درد
اس زمیں کا چہرہ رہے گا زرد

☆☆☆

سوشلسٹ اقدار اور اسلامی اقدار

خلافت تحریک کی تحریک پر ہزاروں لوگوں نے ہجرت کر کے اپنا جانی اور مالی نقصان کیا۔کچھ لوگ افغانستان سے ہوتے ہوئے روس بھی پہنچے اور ہندوستان واپسی پر اپنے ساتھ روسی انقلاب کا شوشہ بھی لے آئے۔مولانا عبید اللہ سندھی نے تو اپنے مضامین میں سوشلسٹ اقدار اور اسلامی اقدار کو ایک دوسرے کے بہت قریب قرار دیتے رہے۔مولانا حسرت موہانی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ Soviet دراصل عربی لفظ سَوِّیَت سے نکلا ہے جس کے معنی برابری کے ہیں۔اور یوں مولانا حسرت موہانی کیمونزم کا رشتہ اسلام سے جوڑ دیتے ہیں۔ (نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی سے ماخوذ)

معزز قارئین! خدائی فوجدار، خاکسار،احرار،جمیعتہ علمائے ہند، جماعت اسلامی اور مومن برادری وغیرہ بہت سے تحریکیں اسلام کے نام پر بے بس، بھوکے ننگے لوگوں کو بیوقوف بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرتی رہیں ہیں۔ہمیں تو سمجھ نہیں آتی کہ یہ علماء انگریزوں کے خلاف تھے،انگریزی کے خلاف تھے،کالج کے خلاف تھے،سائنسی ایجادات کے خلاف تھے،مسلم لیگ کے خلاف تھے،قائداعظم کے خلاف تھے، پاکستان کے بھی خلاف تھے تو تھے کس کے حق میں؟ ہم اگر یہ کہہ دیں کہ یہ مولانا حضرات دراصل کسی کے خلاف نہ تھے بلکہ اسلام کے خلاف تھے، بے جا نہ ہوگا۔

مولانا حسین احمد مدنی کے دعوے اور تاریخی حقائق

تحریک دیو بند نے ہندو پاکستان میں ایسے نشان چھوڑے ہیں جن کے اثرات ونتائج آج تک برآمد ہورہے ہیں۔اسی تحریک نے انگریزوں کے خلاف مسلح جہاد کیا تھا، جب انگریزوں نے ان سے سختی شروع کی تو ان کے جہادی مولویوں نے جہاد سے انکار کر کے جان بچائی تھی۔دیوبندیوں نے جہاد کیوں کیا تھا؟ یہ بڑا اہم سوال ہے۔اس سوال کا جواب مولانا حسین احمد مدنی نے دیا ہے۔مولانا اپنی خودنوشت نقش حیات میں انگریزوں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''ہندوستان کی آزادی اور عزت اور شوکت تمام دنیا میں مثل دیگر آزاد اقوام ہمیشہ سے تسلیم کی جاتی تھی۔چونکہ یہاں کے علوم ہندسہ،حکمت وفلسفہ،حساب وغیرہ نے بے مثل ترقی کی تھی جس سے دوسرے ممالک ایشیا وافریقہ وغیرہ بھی فیض یاب ہوتے تھے۔۔۔۔مسلمان بادشاہوں نے یہاں کے صنائع اور تجارت اور اخلاق وعلوم میں چار چاند لگا دیے تھے اور دور دور سے نامور اساتذہ کو بلا کر بھاری بھاری تنخواہیں دے کر ان کے صنائع اور کمالات ملک میں پھیلا دیے تھے۔۔۔۔فرقہ واریت کا نام نہ تھا۔تمام ہندوستانی دنیا میں ایک قوم شمار کیے جاتے تھے۔''

مولانا حسین مدنی صاحب ہندوستانی بادشاہوں کی خوبیاں اور کام گنوانے کے بعد انگریزوں کی آمد کے بعد پیدا ہونے والی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''جب سے انگریزی راج شروع ہوا اسی وقت سے ہندوستانیوں کی قومی توہین اور تذلیل اور وطنی امتیاز اور رنگت اور یورپین اور دیسی کا ذلیل کرنے والا تفرقہ شروع ہوا۔''

مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

یورپین تجارت اور دستکاری کو ٹھونس دیا گیا۔جس سے جو ہندوستانی تجارت اور دستکاری سے بسر اوقات کرتے تھے وہ فاقوں میں مبتلا ہو گئے۔۔زمین کے لگان اور مال گزاری میں اس قدر اضافہ کر دیا کہ کاشت

کارآبادی تباہ وبرباد ہوگئی۔"

مولانا حسین احمد مدنی صاحب ہندوستانی باشندوں کی اخلاقی گراوٹ کا انگریزوں کو ذمہ دار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہندوستان قدیم زمانہ سے روحانی پیشواؤں کا مرکز رہا ہے اورانہیں کا اثر تھا کہ انگریزی عروج تک یہاں کے عام باشندے اعلیٰ ترین کریکٹر اور اخلاق کے عادی تھے۔۔۔اس زمانہ میں عام طور پر ہندوستانیوں میں مہمان نوازی، انسانی ہمدردی، غرباء اور مصیبت زدوں پر شفقت اور رحم، عہدو پیمان کا تحفظ اور پابندی، خدا ترسی اور سچائی، امانت داری اور سخاوت وفاداری اور صداقت،، دیانت داری اور عدالت، بلندحوصلگی اور شرافت ، بیدارمغزی جفاکشی، چستی اور بیداری، شجاعت اور مردانگی وغیرہ اوصاف جمیلہ بڑے پیمانے پر پائے جاتے تھے۔ سچ بولنا تواس قدر ضروری سمجھا جاتا تھا کہ جرائم پیشہ اشخاص بھی اس کے بہت زیادہ پابند ہوتے تھے۔۔۔ خلاصہ یہ کہ ایسے بدکردارانگریزوں کے اقتداراوران کے گوشہ گوشہ ملک میں پھیل جانے اورآزادانہ طور پر ایسی بداعمالیاں کرنے سے ملک کی ثروت اور دولت تو برباد ہوئی ہی تھی، ان لوگوں کے اخلاق اوراعمال بھی بگڑ گئے۔"

تعلیم کے متعلق مولانا لکھتے ہیں کہ "انگریزوں نے ہندوستانیوں کو جاہل بنادیا۔ زمانہ سابق میں ہندوستان میں ابتدائی تعلیم سے اعلیٰ تعلیم تک اس کا انتظام بغیر کسی فیس اور معاوضے کے کیا جاتا تھا۔۔۔نصاب میں وہ کتابیں سائنس اور طبیعات کی داخل کی گئیں جن کی خیالی اور موہوم مگر مزین باتیں نوعمر بچوں کو مذہب اور عقائد دینیہ سے یک قلم منحرف کرکے لامذہب اور بے دین بنادیں۔"

مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوستان کو سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا، انگریزوں نے ہندوستان کی دولت کو انگلینڈ بھیج کر ہندوستانیوں کو غریب کردیا تھا۔

معزز قارئین! مولانا نے کچھ اس طرح سے نقشہ کھینچا ہے کہ جیسے انگریزوں کی آمد سے پہلے ہندوستان جنت نظیر ملک تھا جہاں دولت اور علمیت کے دریا بہتے تھے اور مسلمان سلطان نیکی اور شرافت کا مجسمہ تھے۔فرقہ واریت اور مذہبی جنونیت کا نام نشان نہ تھا۔انصاف کا دورہ دورہ تھا۔مولانا کی خوش فہمی کے جواب میں ہمیں کسی ہندو یا سکھ کے متعلق اوران کے خیالات بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔مگر چونکہ کہا جاتا ہے کہ

مسلمان حکمرانوں نے ہندوستان کو انگریزوں کے حوالے کیا تھا اس لیے ذیل میں مسلمانوں اور مسلمان بادشاہوں کا ہی ذکر کیا جائے گا۔

بلاشک وشبہ اکبراعظم کا پچاس سالہ دورحکومت مثالی تھا۔گو اکبراعظم کو علماء نے گمراہ کرنے کی پوری کوشش کی تھی اور وہ بھی کسی حد تک گمراہی کی دلدل میں کچھ دیر دھنسا رہا مگر جب ایک ہندو کے ایک مسجد کی اینٹیں اٹھانے کی پاداش میں علماء کے ہاتھوں مار دیے جانے کا واقع پیش آیا تو اکبراعظم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو اس نے بڑے بڑے علماء کو مروادیا یا جلاوطن کردیا اور فیضی جیسے دانشوروں پر مشتمل نورتن نامی مشیران کی ٹیم تشکیل دی ۔اور چین وراحت سے نا صرف حکمرانی کی بلکہ رعایا کے دلوں پر راج کیا۔اکبراعظم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نورالدین محمد سلیم تخت نشین ہوا اس کا اور اسکے بعد آنے والے بادشاہ شاہ جہاں کا دور بھی بہتر دور ثابت ہوا۔اورنگ زیب عالمگیر کا دور بھی مثالی تو نہ تھا مگر بہت بہتر تھا۔اورنگ زیب ہی کے زمانے میں فتاویٰ عالمگیری مرتب کی گئی۔پہلی بار اس میں شیعوں کو کافر کہا گیا۔اس کتاب میں باب حیلہ بھی شامل کیا گیا ہے۔اسی بادشاہ پر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ اس کے حکم پر ہزاروں سکھوں کا زبردستی ختنہ کیا گیا اور ان سکھوں کے ایک گرو کو قتل کیا گیا۔اورنگ زیب عالمگیر ہی وہ بادشاہ ہے جس نے انگریزوں کو ہندوستان میں تجارت کی نا صرف اجازت دی بلکہ مکمل تحفظ بھی فراہم کیا۔ بلاشک وشبہ کہا جاسکتا ہے کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کی پہلی اینٹ اورنگزیب عالمگیر کے دورحکومت میں رکھ دی گئی تھی۔محمد شاہ رنگیلا تک بہت کم وقت کے لیے مغل سلطنت کے چھ بادشاہ ہوئے۔محمد شاہ رنگیلا نے اٹھائیس برس تک حکومت کی ۔ یہ حد درجہ نالائق اور عیاش بادشاہ ثابت ہوا۔اسی بادشاہ کے دور میں نادرشاہ نے ہندوستان پر حملہ کر کے لاکھوں لوگوں کو ہلاک کر کے بیشمار دولت سمیٹی تھی۔ایک لاکھ مغلیہ فوج نادرشاہ کی ۵۵ ہزار فوجیوں پر مشتمل فوج کا مقابلہ کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہی تھی۔نادرشاہ،محمد شاہ کو گرفتار کر کے دہلی آیا اور تمام خزانوں کا مالک بن بیٹھا۔

محمد شاہ رنگیلا کے کردار وافعال کا پردہ چاک کرتے ہوئے ستار چودھری اپنی کتاب رنگیلا خاندان میں لکھتے ہیں:۔

''محمد شاہ رنگیلا دن رات شراب کے نشے میں دھت رہتا تھا،رقص وسرور اور فحاشی وعریانی کا دلدادہ تھا

۔وہ دربار میں اکثر ننگا آجایا کرتا تھا اور درباری بھی اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری میں کپڑے اتار دیتے ۔بعض اوقات جوش اقتدار میں دربار میں سرعام پیشاب کر دیتا اور تمام معزز امراء دہلی کے شرفاء اور اس وقت کے علماء اور فضلاء واہ واہ کہہ کر بادشاہ سلامت کی تعریف کرتے ۔وہ بیٹھے بیٹھے حکم دیتا کل تمام درباری زنانہ کپڑے پہن کر آئیں اور فلاں فلاں وزیر گھنگرو باندھیں گے۔وزراء اور درباریوں کے پاس انکار کی گنجائش نہ ہوتی ۔وہ اعلان کر دیتا کہ جیل میں بند تمام مجرموں کو آزاد کر دیا جائے اور اتنی ہی تعداد کے برابر مزید لوگ جیل میں ڈال دیے جائیں ۔بادشاہ کے حکم پر سپاہی شہروں میں نکلتے اور انہیں راستے میں جو بھی شخص ملتا وہ اسے پکڑ کر جیل میں پھینک دیتے ۔وطوائفوں کے ساتھ دربار میں آتا اور ان کی ٹانگوں، بازوٗں اور پیٹ پر لیٹ کر کاروبار سلطنت چلاتا ۔قاضی شہر کو شراب سے وضو کرنے پر مجبور کرتا ۔اس کا حکم تھا کہ ہندوستان کی ہر خوبصورت عورت بادشاہ کی امانت ہے اور جس نے اس امانت میں خیانت کی اس کی گردن ماردی جائے گی ۔اس نے اپنے دور میں اپنے عزیز ترین گھوڑے کو وزیر مملکت کا سٹیٹ دے رکھا تھا اور یہ گھوڑا شاہی خلعت پہن کر وزراء کے ساتھ بیٹھتا تھا۔محمد شاہ رنگیلا کی موت کثرت شراب نوشی کے باعث ہوئی تھی ۔اس کی تاریخ وفات ۲۶ اپریل ۱۷۴۸ء ہے۔''

مغل بادشاہ شاہ جہاں ثالث کے دور میں مغلیہ سلطنت کا سورج عملاً ڈوب گیا تھا۔شاہ جہاں ثالث بادشاہ تو تھا مگر تمام اختیارات وزیر اعظم عماد الملک اور مرہٹوں کے پاس تھے۔شاہ عالم ثانی جس نے تقریباً ۴۷ برس تک بے اختیار حکمرانی کی تھی ،اس کی سلطنت کا حدود اربعہ دہلی تک محدود تھا ۔باقی تمام ہندوستان یا تو انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا اور یا آزاد ریاستوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔شاہ عالم کے دور میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ ''حکومت شاہ عالم،دلی تا پالم'' ۔

بہادر شاہ ظفر مغل سلطنت کا آخری بادشاہ تھا،انگریزوں نے بغاوت کے جرم میں اس پر مقدمہ چلایا اسے باغیوں کا ساتھ دینے پر جلاوطن کر دیا اور رنگون بھیجنے سے پہلے اس کے چاروں بیٹوں کے سر کاٹ کر ایک تھال میں رکھ کر اس کے سامنے رکھے تھے۔

سلطان ٹیپو اور سراج الدولہ جنہیں مسلمان ان کی بعض خوبیوں کی وجہ سے ہیرو کہتے ہیں ۔متذکرہ دونوں سلطان اپنی رعایا اور افواج کی نظر میں نہایت ناپسندیدہ تھے۔یہی وجہ ہے کہ دونوں کو غداروں اور رعایا نے

ان کا ساتھ نہ دے کر مروا دیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نااہل بادشاہوں کی شکست کو ہمیشہ رعایا کی غداری سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ نااہل بادشاہ کے ظلموں سے عاجز عوام کو اس وقت تماشا دیکھنے کا لطف آتا ہے جب نااہل بادشاہ مصیبت میں ہوتا ہے۔ ایسے برے وقت میں عوام بادشاہ کا ساتھ نہ دے کر تمام بدلے چکا دیتی ہے۔ اور ایسا ہی مغلوں اور دوسرے بادشاہوں کے ساتھ ہوا۔

مولانا حسین احمد مدنی صاحب جن بادشاہوں کے گن گا رہے ہیں، ان کی حقیقت نہایت مختصر مندرجہ بالا سطور میں بیان کر دی گئی ہے۔ اگر کسی نے مغل بادشاہوں کی کرتوتیں تفصیل سے دیکھنا ہوں تو وہ MUGHAL INDIA نامی کتاب دیکھ لے۔ یا ڈاکٹر مبارک علی کی کتاب مغل دربار دیکھ لے۔

آیئے اب مسلمان حکمرانوں کا مرثیہ پڑھنے کے بعد دیکھتے ہیں، انگریزوں کی آمد سے پہلے مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی حالت کیا تھی۔ اس ضمن میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ (وفات ۱۷۸۱ء) فرماتے ہیں:۔

''ہر چہار طرف کفرستان است'' چاروں طرف کفرستان بن گیا ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:۔

''اِن ایام میں رزق حلال نایاب ہے اور جہالت کا دور دورہ ہے۔ اکثر کی اولاد علم و ادب سے بے بہرہ ہے۔ نکاح میں بدعات کے رواج سے بہت خلل پیدا ہو گیا ہے۔ معاملات تباہ ہو گئے اور شریعت کے مطابق عمل موقوف ہو گیا ہے۔'' (مقامات مظہری از شاہ غلام حسین ترجمہ اردو محمد اقبال مجددی صفحہ ۴۰۱ اشائع کردہ اردو سائنس بورڈ ناشر محمد اکرام چغتائی طبع اول ۲۰۰۱ء)

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سے بھی پہلے حضرت شاہ ولی اللہؒ (۱۷۰۳ء تا ۱۷۶۲ء) مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرما چکے تھے:۔

''تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بے جا حرص و آز کا ہوکھا سوار ہے، عورتیں مردوں کے سَر چڑھ گئی ہیں، حرام کو تم نے اپنے لیے خوشگوار بنا لیا ہے، حلال تمہارے لیے بے مزہ ہے۔۔۔ چاہیے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو، خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح کیوں نہ کرنے پڑیں، اس قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو، تم نے نمازیں برباد کیں، تم نے زکوٰۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے، تم میں بعض نے روزے چھوڑ

رکھے ہیں، خصوصاً فوجی ملازم۔'' (تفہیمات الٰہیہ ومقامات مظہری صفحہ ۱۰۲ از شاہ غلام حسین)

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ علماء کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''اے بدعقلو! جنہوں نے اپنا نام ''علماء'' رکھ چھوڑا ہے، تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صرف ونحو ومعنی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، علم تو قرآن کی آیات میں ہے یا سُنّت ثابۃ قائمہ ہے۔لیکن تم جن چیزوں میں اُلجھے ہوئے ہو اور جس میں سَر کھپار ہے ہو اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ؟ تم نے دینی شعار اور اُس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں۔

اِس زمانہ میں فقیہ اُس شخص کا نام ہے جو باتونی ہو زور زور سے ایک جبڑے کو دوسرے جبڑے پر پٹکتا ہو۔ جو فقہا کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف سب کو یاد کر کے بغیر اِس امتیاز کے کہ ان میں سے کسی میں قوّت ہے، کسی میں نہیں ہے وہ انہیں اپنے جبڑوں کے زور سے چلتا کرتا ہے، فقہا جو پہلے عوام کے مطلوب تھے اب یہی عوام کے طالب ہو گئے ہیں اور سلاطین اور بادشاوں سے الگ رہنے کی وجہ سے جو معزز شمار کیے جاتے تھے اب بادشاہوں کے آستانوں پر جُھک کر ذلیل اور خوار ہو رہے ہیں۔'' (الفوز الکبیر، تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۲۵۴)

نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۸۲۳ء تا ۱۸۹۰ء) فرماتے ہیں:۔

''اب اسلام کا صرف نام، قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے۔ مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن ہدایت سے بالکل ویران ہیں۔ علماء اِس اُمّت کے بدتر اُن کے ہیں جو نیچے آسمان کے ہیں۔ انہیں سے فتنے نکلتے ہیں، انہیں کے اندر پھر کر جاتے ہیں۔'' (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۲)

مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:۔

''ہندوستان میں اسلام ضعیف ہو چکا ہے، کفر کے ظہور اور مغلوبی اسلام کا دور دورہ ہے۔ بادشاہوں میں جہاد اور اعلاء کلمہ حکمۃ اللہ کی سکت نہیں رہی۔''

شاہ غلام حسین (خلیفہ اول وفات ۱۸۲۶ء) فرماتے ہیں:۔

''جن دنوں چیچک کی وبا پھیلتی تھی تو مسلمانوں کے گھروں میں طرح طرح کے ٹونے ٹوٹکے عمل میں آتے تھے، اِس موقع پر بالعموم سیتا دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ اُن ایام میں نہ صرف دہلی بلکہ سارے ہندوستان میں

جادوگر، شعبدہ باز موجود تھے۔ میر شمس، تقی بھگتیہ اور نمود اور انمود جیسے جادوگر موجود تھے۔ انہوں نے اپنی شعبدہ بازی کے ذریعے اتنی شہرت حاصل کر لی تھی کہ بادشاہ تک اُن کے معتقد ہو گئے تھے، عورتوں میں اُن کا اثر بہت بڑھ گیا تھا۔''

شاہ غلام حسین مزید فرماتے ہیں:۔

''مرقع دہلی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مزارات عیاشی کا اڈہ بن گئے تھے۔ بسنت کے روز عوام وخواص قدم حضرت رسالت پناہ (دہلی) کے مقام پر جمع ہوتے تھے، قوالی، مُجرا اور پری پیکر نازنین بھی شامل ہوتی تھیں، یہاں سے فارغ ہو کر لوگ مع ساز وسامان راگ ورنگ، دیگر مزارات پر جاتے تھے۔ دہلی کے تقریباً ہر عُرس پر موسیقار بکثرت جاتے تھے۔ حضرت مظہرؒ نے اس دور کی عورتوں کی جہالت اور مذہب سے بیگانگی کا ذکر بھی کیا ہے وہ بزرگوں کے نام پر روزے بھی رکھتی تھیں۔ جہلا اولیاء کے مزارات پر حج کے ارادہ سے جاتے تھے۔ اور اُنہوں نے اُن کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ اسی وجہ سے چودھویں صدی کے فقیہ احمد رضا خان کو عورتوں کے عُرسوں میں شمولیت اور مزارات پر جانے کے عمل کو غیر شرعی قرار دینا پڑا۔''

(مقامات مظہری صفحہ ۱۰۸)

اس زمانہ کے ایک مشہور مولوی طاہر القادری جنہیں شیخ الاسلام بھی کہا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ گزشتہ اڑھائی صدی سے مسلمانوں کا بگاڑ جزوی نہیں رہا۔ سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی اقدار میں جو زوال آیا ہے اُس نے اخلاقی، رُوحانی، مذہبی، فکری، تعلیمی اور ہر طرح کی اقدار کو ملیا میٹ کر دیا ہے۔ اب دو صدیوں سے پیدا ہونے والا بگاڑ جزوی نہیں رہا۔ یہ کُلّی بگاڑ ہے۔ ایسے بگاڑ کا ازالہ کُلّی اور ہمہ گیر انقلاب سے ہی ممکن ہے۔

(قومی ڈائجسٹ نومبر ۱۹۸۶ء صفحہ ۳۰)

مجلس احرار کے لیڈر ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء تا ۱۹۵۸) لکھتے ہیں:۔

''ان میں سے کوئی نحوست اور بلا کی ایسی نہیں ہے جو مسلمانوں پر نہ چھا چکی ہو، اور کوئی گمراہی نہیں جو اپنے کامل سے کامل اور شدید سے شدید درجہ تک اس اُمت میں بھی نہ پھیل چکی ہو''۔

مزید فرماتے ہیں:۔

''اہل کتاب نے گمراہی کے جتنے قدم اُٹھائے تھے، گن گن کر مسلمانوں نے بھی وہ سب اُٹھائے حتیٰ کہ **لو دخلو حجرَ ضبِ لدخلتمو** کا وقت بھی گزر چکا۔ ہماری جانیں اور روحیں اس صادق مصدوق پر قربان کہ واقعی اور سچ سچ مسلمان مشرکوں سے ملحق ہو گئے اور دین توحید کا دعویٰ کرنے والوں نے بت پرستی کی ساری ادائیں اور چالیں اختیار کرلیں اور جس لات اور عزیٰ کی پوجا سے دُنیا کونجات دلائی گئی تھی اُسی کی پوجا پھر سے شروع ہوگئی۔''

آزاد نے یہ بھی کہا تھا کہ ''اکبر (اعظم) کی امامت کے محضر کا حال یہ ہے کہ شیر شاہ اور سلیم شاہ کے زمانہ میں دنیا پرست عالموں کی کثرت وطاقت نے ملک کے امن وسکون کو تہہ وبالا کر رکھا تھا۔''

(تذکرہ صفحہ ۲۷۸ مصنف ابوالکلام آزاد ناشر کتابی دُنیا لاہور تاریخ تالیف اکتوبر ۱۹۱۹ء)

مولانا حسین احمد مدنی کے بیان کردہ افسانے کا پردہ چاک کرنے کے لیے اب تک بیان کیے گئے حقائق ہی کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سچ بولنے، سچ لکھنے کی توفیق دے اور عقل سلیم عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

جج، فوج اور احتساب

وفاقی وزیر قانون فروغ نسیم نے کہا ہے کہ ججز اور فوج کو احتساب کے دائرے میں ہرگز نہ لایا جائے۔

جناب فروغ نسیم نے یہ بات کہہ کر قوم کی کیا خدمت کی ہے؟ ہم نہیں جانتے، مگر یہ جانتے ہیں کہ فوج اور عدلیہ نہایت طاقتور ادارے ہیں اور ان سے کسی حکومت کا پنگا لینا اپنی موت کو آواز دینا ہے۔ پاکستان کی چھوٹی سی تاریخ گواہ ہے کہ جو بھی ان اداروں سے ٹکرایا وہ پاش پاش ہوگیا۔ یہاں تک کہ مجیب الرحمان نے عام انتخابات جیتنے کے بعد پاکستان کے وزیراعظم بننے کا جائز حق مانگا تو اس کے حق مانگنے کا انداز فوجی حکمران کو پسند نہیں آیا اور قائداعظم کا ملک دو ٹکڑے ہوگیا۔ جنرلوں کو بھٹو پسند نہیں تھا، عدلیہ نے پھانسی دے دی۔ ابھی حال ہی میں جنرلوں کی آنکھوں میں چبھنے والا نواز شریف تیسری مرتبہ کرسی گنوا بیٹھا ہے۔ جسے لایا جا رہا ہے۔ اس تناظر میں فروغ نسیم کا بیان اور سوچ دانشمندانہ لگتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری نظر میں جب تک جنرلوں اور ججوں کا اور آئین کا احتساب نہیں ہوگا ، بربادحالی ہمارا مقدر بنی رہے گی اور امن اور خوشحالی کا پھول بنا کھلے ہی مرجھاتا رہے گا۔

غزنوی خاندان کا عروج و زوال

سامانی خاندان کے پانچویں بادشاہ عبدالملک ابن نوح کا ایک ترکی غلام الپتگین تھا۔ یہ ترکی غلام بادشاہ کو بھان متی اور نٹ کے تماشے دکھا کر خوش کیا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اسے اس کی خوبیوں کی وجہ سے خوش ہو کر خراسان کا حاکم مقرر کر دیا۔ بادشاہ عبدالملک نے مرنے سے پہلے اس سے مشورہ لیا کہ میرے بعد میرے بیٹے منصور کو بادشاہ بننا چاہیے یا میرے بھائی کو۔ قاصد کے جواب لانے سے پہلے بادشاہ مر گیا اور امراء نے منصور کو بادشاہ بنا دیا، جب منصور تک الپتگین کا خط پہنچا تو اسے یہ پڑھ کر بے حد غصہ آیا کہ الپتگین نے اسکے چچا کو بادشاہ بنانے کا مشورہ دیا تھا۔ منصور نے الپتگین کو خراسان کی حکومت سے معزول کر دیا اور دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ مگر الپتگین غزنی، ہرات اور بلخ وغیرہ کو فتح کر کے بادشاہ بن گیا اور منصور کو بھی دو جنگوں میں شکست دی۔

الپتگین کا بھی ایک ترکستان سے لایا گیا ایرانی غلام سبکتگین نامی تھا۔ اس کی فراست اور شجاعت نے اسے فوج کا سالار اور سب سے بڑا وزیر بنا دیا۔ یہی نہیں بلکہ الپتگین نے اس سے اپنی بیٹی کا نکاح بھی کر دیا تھا۔ الپتگین کی وفات کے بعد امیر ناصر الدین سبکتگین بادشاہ بن گیا اور اندرونی خلفشار دور کرنے کے بعد ۳۶۷ھ میں ہندوستان کی طرف توجہ پھیری۔ اور بہت سا علاقہ ہندوستان برباد کیا اور دولت لوٹی۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ''جب محمود غزنوی پیدا ہوا تھا تو امیر ناصر الدین سبکتگین نے ہندوستان پر حملہ کیا اور ہندوؤں کا وہ مشہور بت خانہ جو سودرہ کے کنارے پر واقع تھا مسمار کیا اور اس طرح گویا خداوند باری تعالیٰ کے حضور میں اس لڑکے (محمود) کی پیدائش کا شکر بجالایا۔''

امیر ناصر الدین سبکتگین کے مرنے کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا امیر اسماعیل سلطان بن گیا۔ محمود غزنوی نے جو غزنی سے دور نیشا پور میں تھا، باپ کی وفات اور بھائی کے تخت نشین ہونے کی خبر سن کر اپنے چھوٹے بھائی کو تعزیت نامے میں لکھا کہ:۔

''امیر سبکتگین میرا تمہارا پشت پناہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔ اے برادر عزیز مجھے دنیا میں کوئی چیز تجھ سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔ اگر تیری عمر بڑی ہوتی اور تو زمانہ کا تجربہ کار ہوتا، سلطنت کی وفائق سے اور ثبات ملک و

دولت کے قوائد سے ماہر ہوتا تو میری عین آرزو ہوتی کہ تو تخت پر بیٹھے۔ باپ نے جو تجھ کو جانشین کیا وہ مصلحت تھی۔ تو پاس تھا اس لیے تخت پر بٹھا دیا اب انصاف کی نظر سے تامل کر اور شریعت کے موجب دولت اور ملک کو تقسیم کر اور دارالسلطنت میرے حوالے کر، بلخ خراسان کا ملک تیرے لیے صاف کیے دیتا ہوں۔''

چھوٹے بھائی کے انکار پر دونوں بھائیوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی، میدان جنگ میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ محمود نے جنگ جیت کر بھائی کو گرفتار کر لیا۔ اسے جرجان کے قلعے میں اسباب چین و آرام کے ساتھ قید کر دیا، یہیں قید میں اس کی موت ہوئی۔ (تاریخ فرشتہ)

محمود غزنوی نے اپنے بھائی سے لڑائی اور دوسری اندرونی و بیرونی مہمات سے فارغ ہوتے ہی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہندوستان پر چڑھائی کر دی۔ اس نے فیصلہ کیا تھا سال میں ایک بار ہندوستان پر چڑھائی کی جائے گی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ غزنی میں قیام کے دوران بھی محمود مسلمانوں کے ساتھ بھی جنگ و جدل میں مشغول رہتا تھا۔ زر و جواہرات حاصل کرنے کا اسے جنون تھا۔ جس طرح آج کل دشمنیاں نبھانے اور جائداد ہتھیانے یا کسی کو بھی ذلیل کرنے لیے توہین رسالت کا الزام لگایا جاتا ہے، شاید مسلمانوں میں یہ گندی روایت محمود غزنوی کے واسطے سے پہنچی ہے۔ درج ذیل واقعہ سے تو یہی لگتا ہے۔

مولوی ذکاءاللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ:۔

''سلطان محمود کو خبر ہوئی کہ ایک شخص نیشا پور میں دولت رکھتا ہے۔ اس کے حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا جب وہ حاضر ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ مجھے خبر لگی ہے کہ تُو ملاحدہ اور قرامطہ میں سے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مَیں نہ ملحد ہوں نہ قرمطی ہوں۔ یہ دونوں عیب نہیں نہیں۔ مگر ایک بڑا بھاری عیب یہ ہے کہ مَیں دولت مند ہوں۔ جو کچھ میرے پاس ہے وہ حضور لے لیں مگر مجھے بدنام نہ کریں۔ سارا مال اس کا لے کر فرمان اس کے ایمان دار ہونے کا سلطان نے لکھ دیا۔'' (تاریخ ہندوستان جلد ۱ از مولوی ذکاءاللہ دہلوی ۲۹۶ صفحہ)

محمود غزنوی مال و دولت کا نا صرف دیوانہ تھا بلکہ وہ اپنے خزانے پر فخر بھی کرتا تھا چنانچہ جب ایک مرتبہ اسے معلوم ہوا کہ امیر نوح سامانی کے پاس سات رطل جواہر ہیں تو اس نے اُس وقت یہ کہا کہ ''خدا کی عنایت ہے میرے پاس سات سو رطل جواہرات کے ہیں۔''

مولوی ذکاءاللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں:۔

''یہ عیب اس میں ضرور تھا کہ وہ اپنے عمدہ کاموں میں دولت کی حرص کو ایسے پیدا کر دیتا تھا کہ وہ کام اچھا بھی برا معلوم ہوتا تھا۔اس کے سارے جہاد اور لڑائیاں یہ معلوم ہوتے ہیں کہ فقط دولت جمع کرنے کے لیے تھیں۔''

خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ صاحب دہلوی مرحوم مزید فرماتے ہیں:

''(اپنی وفات سے پانچ چھ برس پہلے)اب محمود کا دل لوٹ مار کے حملوں سے بھر گیا تھا اور (قنوج کی فتح کے بعد)ایسی مہموں سے اسے مزانہ آتا تھا اب ساری توجہ اس بات پر تھی کہ اسلام کی اشاعت میں گو وہ کوئی بڑا آدمی شمار نہ کیا جائے مگر یہ بات تو حاصل ہو کہ بت پرستی کے حق میں وبا سمجھا جائے اور بت شکن نام پائے۔اس لیے اس نے ارادہ سومنات کیا۔''

سلطان محمود غزنوی کو شاید مندروں کو تباہ کرنے اور انہیں لوٹنے کی لت لگ گئی تھی۔سومنات کے مندر کی تباہی کرنے سے پہلے وہ متھرا،تھانیسر اور قنوج کے مندروں کو لوٹ کر تباہ کر چکا تھا۔سمندر کے کنارے ضلع گجرات میں سومنات کا مندر ہندوؤں کے لیے نہایت اہمیت کا حامل تھا،سوم کے معنی چاند اور ناتھ کا معنی آقا ہے،ہندوؤں کا عقیدہ ہے،روحیں بدن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں مسئلہ آواگون کی نسبت آتی ہیں اور سمندر کا مدوجزر نہیں ہوتا بلکہ سمندر اس کی پرستش میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ہندوؤں نے ہر طریقے سے کوشش کی کہ ان کے مذہب کی توہین مندر توڑ کر نہ کی جائے۔جنگ تین دن تک ہوتی رہی جس میں زیادہ تر ہندوؤں کا پلہ بھاری رہا،شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ صاحب نے لکھا ہے:۔

''راجپوتوں کا حال یہ ہے کہ جیسے وہ جلد سرد ہو جاتے ہیں ویسے ہی جلد حرارت میں بھر آتے ہیں غرض غیرت سے خون ان کا جوش میں آیا اور مسلمانوں سے ایسا لڑے کہ ان کے پیر اکھیڑ دیے،مسلمان نقصان اٹھا کر اُلٹے پھرے۔مسلمانوں نے تیسرے روز حملہ کیا اور بہت نقصان اٹھایا۔سلطان محمود مضطرب ہوا اور خدا کی درگاہ میں التجا لایا عجز و نیاز سے دعائیں مانگیں۔''اور خرقہ شیخ ابوالحسن خرقانی پہنا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ حملہ کر کے ۵ ہزار ہندوؤں کو مار دیا اور مندر پر قبضہ کر لیا۔

شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

''بعد اس فتح کے محمود مندر کے اندر داخل ہوا اور بت کی ناک تبرے سے اڑادی، اور اسے توڑنے کا حکم دیا تو پجاری بیچارے دوڑ کر پاؤں میں گر پڑے اور عرض کرنے لگے کہ بت کو نہ توڑیں، جس قدر روپیہ چاہیے ہم نذر کردیں گے۔'' مگر محمود نے انکی ایک نہ سنی اور بت توڑ کر تمام ہیرے جواہرات لوٹ لیے۔ بت کے دو ٹکڑے مدینہ بھیجے، اور دو غزنی۔''

اس ضمن میں ابوریحان البیرونی لکھتے ہیں:۔

''سومنات کا بت ۴۱۶ھ میں سلطان محمود نے تڑوادیا تھا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ اس کا اوپری حصہ توڑ دیا جائے اور باقی ماندہ حصے کو اس کے جڑاؤ غلاف اور جواہرات کے ساتھ اس کے دارالسلطنت غزنی بھیجا جائے۔ اس کا ایک ٹکڑا ایک دوسرے بت چکرسوامی کے ساتھ غزنی کے میدان میں پڑا ہے۔ سومنات کے بت کا دوسرا ٹکڑا غزنی کی جامع مسجد کے دروازے کے سامنے پڑا ہے جس پر لوگ اپنے پیروں کی مٹی اور کیچڑ صاف کرتے ہیں۔'' (کتاب الہند از ابوریحان البیرونی۔ صفحہ ۲۴۵)

کہا جاتا ہے کہ محمود کو سومنات مندر سے جو دولت ملی اسے کسی مہم سے اتنی دولت حاصل نہ ہوئی تھی۔ محمود نے اپنے ۲۵ سالہ دور میں ۱۷ بار ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ سومنات کی فتح کے بعد محمود کی حرص و ہوس میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ وہ سری لنکا کو فتح کر کے وہاں کے سونے اور جواہرات کی کانوں سے متمتع ہونے کے خواب دیکھنے لگا۔ یہ اچھا ہوا کہ اس کے ساتھیوں کے سمجھانے پر اس خیال سے باز آ گیا، اور واپس چلا گیا۔ ورنہ مزید انسان مرتے۔ نہایت دشواری اور سختیاں جھیل کر واپس غزنی پہنچا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر ہندوستان کے جاٹوں سے لڑنے آدھمکا۔ اور یہ اس کی آخری مہم تھی۔ ۱۹ اپریل ۴۲۱ھ، ۱۰۳۰ء میں ۶۳ برس کی عمر میں اسہال کے مرض میں مبتلا ہو کر محمود غزنوی نے وفات پائی۔

اپنی وفات سے دو دن پہلے حکم دیا کہ سونے، چاندی اور ہیرے، جواہرات کی شکل میں اس کی ساری دولت کو اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ جس وقت ایک میدان میں شامیانے کے نیچے یہ نفاست سے سجائے گئے وہ ایک چمن معلوم ہوتا تھا۔ وہ سلطان محمود جو اقبال کے گھوڑے پر ہمیشہ سوار رہتا تھا ایک پالکی میں نیم جان پڑا آیا

،چہرہ پر مردنی کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ چار سوار کان سلطنت ایک سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ محمود چاروں طرف ان چیزوں کو دیکھتا تھا اور سرد آہیں بھرتا تھا اور روتا تھا۔ پھر وہ ایک میدان سبز میں گیا اور حکم دیا کہ اصطبل سے گھوڑے، اور فیل خانہ سے ہاتھی کوہ پیکر اور شتر خانہ سے شتران قوی ہیکل منگائے جائیں۔ یہ بھی مرصع جھولوں میں ایک طلسم کا عالم دکھا رہے تھے، ان کو بھی دیکھ کر زار زار رویا مگر حیف ہے کہ اس وقت ایک پیسہ کسی کو ہاتھ اٹھا کر نہ دیا۔

مولوی ذکاءاللہ صاحب، محمود غزنوی کی بت شکنی اور اسلامی خدمت کے تناظر میں لکھتے ہیں:۔

”جیسا اس کو مندروں اور بتوں کے توڑنے پھوڑنے کا شوق تھا ایسا ہندوؤں کو مسلمان بنانے کا ذوق نہ تھا۔ کہیں تاریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کی اس نے اشاعت اسلام اور دعوت اسلام میں ہمت صرف کی ہو۔ گجرات میں اتنے دنوں تک پڑا رہا مگر ایک ہندو کو مسلمان نہ بنایا۔ اس کا طریقہ محمد بن قاسم جیسا تھا کہ ہندوؤں کو مسلمان ہونے کے لیے کہتا پھر جہاد کرتا۔ غرض محمود ان مسلمانوں میں شمار نہیں ہوسکتا کہ جنہوں نے مذہب اسلام کا علم بلند کیا ہو۔ محمود دیندار مسلمان تھا، لڑائی اور جہاد فقط غنیمت کے لیے کرتا۔ جہاں اس کو دولت مل گئی، پھر اس کو کچھ پرواہ کسی بات کی نہ تھی۔ اگر وہ بالاستقلال کسی صوبہ ہندوستان کے قبضہ کرتا تو اسکے ہاتھ ایسی غنیمت تو نہ آتی مگر اسلام کے حق میں زیادہ فائدہ مند یہ امر ہوتا۔ اس نے اسلام کو ایسی ہیبت ناک شکل میں دکھایا کہ ہندوؤں کو اس کی طرف رغبت پیدا نہ ہوئی، بلکہ نفرت زیادہ ہوگئی۔ اور پھر ان کا اسلام میں لانا زیادہ دشوار ہو گیا۔“

جناب منیب رشید صاحب لکھتے ہیں:۔

”اگر غزنوی حکومت کو سلجوقیوں اور شاہان کی حکومت سے مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی میں کس عنصر کی افسوسناک کمی تھی۔ اس کے نام سے کوئی قانون اچھا یا برا جاری نہیں ہوا۔ نہ کوئی مشہور انتظامی حکم اس کے ذکی الفہم دماغ نے اختراع کیا۔ سلطان محمود غزنوی کا دماغ سوائے روز افزوں شان وشوکت کے کسی اور اعلیٰ اور برتر چیز کے تصور سے قاصر تھا۔ مختلف لوگ مثلاً ہندی، افغانی، ترک تاتاری، ایرانی قوت کے زور سے سلطنت میں شامل ہو گئے تھے مگر سوائے اس کے کہ ایک بادشاہ کی رعایا ہونے کے لحاظ سے ایک کہے

جائیں اور کوئی رابطہ اتحاد کا ان کے مابین نہ تھا۔ممکن تھا کہ ایک پر مغز مستحکم اور فائدہ رساں انتظام حکومت کی دیکھ کر وہ اپنی آزادیوں کے سلب ہو جانے کے غم کو بھول جاتے لیکن سلطان محمود غزنوی یہ کہاں سے مہیا کرتا ۔سلطنت کے قائم رکھنے میں اگر کسی کو دلچسپی تھی تو صرف سلطان اور اس کے عمال سلطنت کو۔چنانچہ جب سلطان محمود غزنوی کی وفات کے نو برس بعد سلجوقیوں نے اس کھڑاگ کو نکال باہر کیا تو کسی نے اس کی قسمت پر چار آنسو بھی نہ بہائے۔ان امور کو مدنظر رکھ کر تاریخ مشرق میں سلطان محمود غزنوی کے رتبے کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔" (سلطان محمود غزنوی از مبین رشید صفحہ ۱۸۹،۱۹۰)

اور مولوی حبیب صاحب،محمود غزنوی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"محمود پکا دنیا دار تھا وہ یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ مولویوں کو ملکی معاملات میں شریک مشورہ کر کے سر پر چڑھا لے اور اپنی عزت و احترام میں فرق دلوائے۔محمود کے ہندوستانی حملوں کی غایت ،نشر و اشاعت اسلام نہ تھی ، بلکہ دولت و حشمت کی ہوس تھی۔محمود مذہب کی پیچیدگیوں کو فضول سمجھتا تھا۔۔۔۔خانگی زندگی میں بھی محمود صفات حسنہ کا نمونہ نظر نہیں آتا۔مسلمان متعصبین نے خوامخواہ اس کی شخصیت کو اتنا بڑھا چڑھا دیا ہے۔ اخلاق و عادات کے اعتبار سے محمود میں اور پچھلے اگلے بادشاہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ان کی طرح محمود بھی صنف نازک اور بادہ نوشی کا شائق اور شاعری اور موسیقی کا دلدادہ تھا۔اور افواہ یہ بھی ہے کہ محمود کی ناجائز اولاد بھی تھی۔" (سلطان محمود غزنوی از مولوی حبیب صفحہ ۳۱)

معزز قارئین!حقیقت یہی دکھائی دیتی ہے کہ سلطان محمود زبردست لڑاکا سلطان تھا اور لوٹ مار کرنے کے سوا اسے کوئی کام نہ آتا تھا۔کہا جاتا ہے کہ سلطان کے دربار میں جتنے علماء،شاعر اور دوسرے باصلاحیت دانشور تھے اتنے کسی اور بادشاہ کے ہاں نہیں پائے گئے۔اگر یہ سچ ہے تو مزید صدمہ کی بات ہے کہ اتنے زیادہ عالم مل کر بھی سلطان کو لوٹ مار،قتل و غارت اور ہندوؤں کے مقدس مقامات کو تباہ و برباد کرنے سے نہ روک سکے۔مشہور شاعر فردوسی کے ساتھ سلطان نے جو سلوک کیا وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔سلطان محمود نے فردوسی شاہنامہ فردوسی لکھنے پر دینار دینے کا وعدہ کیا تھا مگر فردوسی کے ساٹھ ہزار اشعار کہنے کے صلہ میں حسب وعدہ ساٹھ ہزار دینار کی بجائے ساٹھ ہزار روپے بھجوا دیے۔فردوسی نے یہ روپے بانٹ دیے،سلطان نے فردوسی

کو قتل کرنے کا حکم دیا فردوسی نے معافی مانگ کر اپنی جان بچائی۔ دنیا میں بخیل و حاسد کا لیبل لگنے کے ڈر کی وجہ سے جس دن سلطان نے ساٹھ ہزار دینار بھجوائے اس دن فردوسی فوت ہوا، اسکی بیٹی نے دینار لینے سے انکار کر دیا ۔اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان کے سامنے کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ سلطان کے مزاج کے خلاف بات کر سکے۔ محمود غزنوی کا رعایا سے تعلق نہ ہونے کے برابر تھا، سوائے ایک دو واقعات کے رعایا کے ساتھ قربت کا کوئی واقعہ یا قانون سازی کرنے کا شائبہ تک نہیں ملتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ قانون سازی کو خلاف اسلام سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے سلطان کو بتایا کہ تمہارا بھانجا میری بیوی کے ساتھ رات گزارتا ہے اور مجھے مار پیٹ کے گھر سے نکال دیتا ہے۔ اور سلطان کو جو کام آتا تھا اس نے وہی کیا اور بھانجے کو قتل کر دیا۔ ایک عورت نے شکایت کی کہ میرا بیٹا جو ایک قافلے کے ساتھ جا رہا تھا قذاقوں نے اسے قتل کر دیا ہے اور قافلہ لوٹ لیا ہے، ان لٹیروں قاتلوں کو سزا دی جائے تو سلطان نے صاف کہہ دیا کہ اس دور دراز علاقے میں ان پر قابو پانا مشکل ہے ،اور عورت نے بھی جواباً کہہ دیا کہ ''جب تجھ سے دور کے ملکوں کا نظم و نسق نہیں ہو سکتا تو پھر کیوں ملکوں کو فتح کرتا ہے اس بات کو خوب یاد رکھو کہ ان کی حفاظت اور حراست کی جواب دہی تیرے ذمہ ہے۔'' اس لعنت ملامت سے سلطان نادم ہوا۔ عورت کو بہت کچھ دے دلا کر راضی اور رخصت کیا۔

اس بات میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ سلطان محمود غزنوی نہایت بہادر جنگجو تھا اور اس خوبی نے اسے تاریخ میں زندہ رکھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ جس طرح اس کے چہرے پر چیچک کے گہرے داغ اسے پریشانی میں مبتلا کرتے تھے اسی طرح اس کی سیرت پر بھی ہندوؤں کے مندر اور بت تباہ و برباد کرنے اور ہندوستانیوں کے جان و مال لوٹنے جیسے گہرے داغ موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔

سلطان محمود کے تین بیٹے تھے۔ پہلے محمود نے امیر مسعود کو ولی عہد مقرر کیا تھا بعد میں ایک دوسرے بیٹے امیر محمد کو جانشین بنانے کا فیصلہ کیا۔ امیر محمد جب تخت نشین ہوا تو امیر مسعود نے اسے پیغام بھیجا کہ:۔

''میں تمہارا ملک نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کے میرا نام خطبہ میں اول پڑھا جائے۔''

امیر محمد نے بھائی کو سخت جواب دیا۔ جس پر امیر مسعود نے غزنی پر چڑھائی کر دی۔ اپنے سگے چچا جس کی بیٹی کی شادی امیر محمد سے ہوئی تھی اسے قتل کر دیا اور اپنے بھائی امیر محمد کو اندھا کر کے قید میں ڈال دیا۔ امیر محمد

۵ ماہ سلطان رہا،نو برس قید رہنے کے بعد جب امیر مسعود ہندوستان کو لوٹنے کی مہم میں خود لٹ گیا تو امراء نے امیر محمد کو سلطان بنا دیا۔ چونکہ امیر محمد اندھا تھا اس لیے اس نے ۴۳۲ھ میں اپنے اوباش بیٹے احمد کو تخت سونپ دیا۔ احمد نے سلطان مسعود کو تلوار سے قتل کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زندہ کنوئیں میں مٹی ڈال کر اس کو مٹی سے بھروا دیا۔ سلطان مسعود کا بیٹا مودود باپ کے قتل کے وقت بلخ میں تھا۔ امیر محمد اور اس کے بیٹوں کے ساتھ لڑائی میں مودود فتح یاب ہوا۔ مودود نے امیر محمد اور اس کے دو بیٹوں کے علاوہ دیگر شر پسندوں کو قید کر کے قتل کر دیا۔ مودود کو کسی اور سے کوئی خطرہ نہیں تھا سوائے اپنے بھائی مجدود بن مسعود کے۔ اور سب سے پہلے اس نے مجدود نامی کانٹے کو راہ سے ہٹایا۔ مجدود کی بے پناہ طاقت اور فراست مودود کو بے چین کیے دے رہی تھی۔ مجدود لاہور میں بڑی عید کے دن مردہ پایا گیا۔ مودود، مجدود کے زیر تمام علاقہ کا مالک بن گیا۔ ۴۴۱ھ کو مودود کا انتقال ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا چار سالہ بیٹا مسعود بن مودود کو امراء نے سلطان بنا لیا۔ مگر چند روز بعد باسگین اور دیگر امراء کے مشورہ سے مسعود بن مودود کے چچا ابوالحسن بن مسعود کو سلطنت غزنی کا سلطان بنا دیا۔ ابوالحسن نے پہلا کام یہ کیا کہ مودود کی بیوہ سے شادی رچالی۔ چونکہ محمود کا ایک صلبی بیٹا عبدالرشید زندہ تھا، اس لیے ابوالحسن کو دھڑکا لگا رہتا تھا کہ نجانے وہ کب آ جائے، اس خوف کو مٹانے کے لیے اس نے خزانے کا منہ کھول دیا رعایا اور سپاہیوں پر لطف و کرم کی بارش کر دی۔ مگر وہ یعنی عبدالرشید جب آیا تو وہ اس قدر خوف زدہ ہوا کہ لڑے بغیر بھاگ نکلا۔ عبدالرشید سلطان بن گیا۔ اس نے سب سے پہلے ابوالحسن کو قید میں ڈالا۔ سلطان عبدالرشید کی حکمرانی کے ایک برس کے بعد، مودود کے برادر نسبتی طغرل نے نمک حرامی کرتے ہوئے غزنی پر حملہ کر کے سلطان عبدالرشید کے علاوہ غزنوی خاندان کے نو افراد کو قتل کر کے بادشاہ بن بیٹھا۔ اور امیر مسعود کی بیٹی سے شادی کر لی۔ وفادار امراء نے طغرل کو قتل کر دیا اور قید میں تین شہزادوں فرخ زاد، ابراہیم اور شاہ شجاع میں سے فرخ زاد بن سلطان مسعود بن محمود غزنوی (عبدالرشید کا بیٹا بھی کہا جاتا ہے۔) کو سلطانی کے لیے منتخب کیا۔ چھ سال غزنی پر حکمرانی کے بعد درد قولنج سے ۴۵۰ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی شاہ ابراہیم سلطان بنا۔ اس سلطان کے بارے میں تاریخ داں اچھے جذبات رکھتے ہیں۔ ابراہیم کی فراست نے سلجوقیوں سے لڑائیوں کا سلسلہ ختم کر دیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے مسعود کی شادی ملک شاہ سلجوقی سے کر کے امن قائم کر کے ۴۷۲ھ میں ہندوستان کی طرف

متوجہ ہوا۔تاریخ داں اس کے ۴۱ سالہ دورحکومت کو اچھا قرار دیتے ہیں اور اسے نیک بادشاہ سمجھتے ہیں،مگر سلطان ابراہیم کی نیکی اس واقع میں دکھائی نہیں دیتی کہ'' قلعہ روپال فتح کرنے کے بعد شہر درہ پر حملہ کردیا اور اسے بھی فتح کرلیا۔شہر درہ سے اس نے بیشمار بیش قیمت مال واسباب پر ہاتھ صاف کیا اور اس شہر سے ایک لاکھ لونڈیاں و غلام بنائے۔'' سلطان ابراہیم کے چھبیس بیٹے تھے اور بیٹیوں کی تعداد چالیس تھی ۴۹۲ھ میں اس کی وفات ہوئی۔اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان بنا،اس نے سلطان سنجر کی بہن مہوعراق کے ساتھ شادی کی اور سالار حاجب طغا کو ہندوستان پر حملے کا حکم دیا اس نے ان علاقوں کو لوٹا جنہیں کبھی محمود نے لوٹا تھا۔بیشمار مال و دولت حاصل کر کے طغا لوٹ آیا۔سولہ برس بعد مسعود مر گیا اور اس کا بیٹا شیر زادٹ تخت نشین ہوا،ایک برس بعد شیر زادا اپنے بھائی ارسلان شاہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ارسلان باشاہ بن گیا۔ارسلان نے بادشاہ بنتے ہی سوائے ایک بھائی کے سبھی کو گرفتار کرلیا،بچ جانے والا بھائی بہرام شاہ تھا جس نے سلطان سنجر یعنی اپنے ماموں کے پاس پناہ لی۔بہرام شاہ نے اپنے ماموں سلطان سنجر کے ساتھ مل کر غزنی فتح کرلیا،ارسلان شاہ ہندوستان بھاگ گیا۔سلطان سنجر کے غزنی چھوڑنے کی اطلاع پر ارسلان دوبارہ حملہ آور ہوا اور بہرام کو قلعہ بامیان میں محصور ہونا پڑا۔سلطان سنجر نے ارسلان پر حملہ کر کے اسے گرفتار کرلیا اور بہرام کے حوالے کردیا بہرام نے اپنے ۲۷ سالہ بھائی کو قتل کردیا۔بہرام شاہ ارسلان کو قتل کر کے ہندوستان پر حملہ آور ہوا ایک جرنیل کو غداری کی سزا دی۔بہرام شاہ نے اپنے آخری زمانے میں اپنے داماد قطب الدین سوری کو قتل کروا دیا تو اس کا حقیقی بھائی سیف الدین ثوری سوری نے بدلہ لینے کے لیے غزنی پر حملہ کر کے بہرام کو کرمان کی طرف بھاگنے پر مجبور کردیا۔غزنی کے امراء اور بہرام نے ایک چال چل کے سیف کو گرفتار کر کے منہ کالا کر کے شہر میں پھرا کر قتل کردیا اور اس کا سر سلطان سنجر کو بھیج دیا۔جب سیف الدین سوری کے بھائی علاؤالدین سوری کو اس کے انجام کی خبر ہوئی تو اس نے غزنی پر حملہ کر کے بہرام شاہ کو ہندوستان بھاگنے پر مجبور کردیا اور شہریوں اور امراء کو نہایت بے دردی سے قتل کیا۔اس جنگ میں بہرام کا جواں سال بیٹا بھی مارا گیا۔چندروز بعد بہرام بھی مر گیا اور غزنی پر علاؤالدین غوری کے حملے کی اطلاع پر سلطان بننے والے بہرام کے بیٹے خسرو شاہ نے لاہور میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ آ گیا اور حکومت کرنے لگا۔۵۵۵ھ میں خسرو شاہ فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا خسرو ملک تخت نشین ہوا اور لاہور کو

دارالسلطنت قرار دیا اپنے باپ دادا کے مفتوحہ علاقوں کو زیر کر کے حکومت چلاتا رہا۔غوریوں نے غزنی پر قابض ہونے کے بعد غزنویوں کا پیچھا ہندوستان میں بھی نہ چھوڑا پے در پے حملے کر کے نہ صرف غزنویوں کے اقتدار کا سورج ڈبو دیا بلکہ ان کی عزت بھی خاک میں ملادی۔خسرو ملک کو شہاب الدین غوری نے گرفتار کر کے فیروز کوہ کے حاکم غیاث الدین کے پاس بھیج دیا جس نے خسرو ملک اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے غزنوی سلطانوں کا خاتمہ کر دیا۔

☆☆☆

اگر مختون ہے تو مسلمان ہے ورنہ کافر!

مولوی امیر بخش صاحب جو مولانا (ابوالکلام آزاد) کے شاگرد ہیں۔ مولانا کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ:۔

"افغانستان کی سرحد پر مولانا کو افغانوں نے پکڑ لیا۔اور کہا تم جاسوس ہو۔اس لیے ہم تم کو قتل کریں گے۔ہزار منتیں کیں اور یقین دلایا کہ مَیں جاسوس نہیں ہوں۔لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔آخر کاران منچلے افغانوں نے یہ تو مان لیا کہ تم جاسوس نہیں ہو۔لیکن پھر یہ سوال اٹھا دیا کہ تم کافر ہو،اور ہمارے ملک میں کافر کی سزا قتل ہے۔۔مولانا نے ہر چند یقین دلایا کہ مَیں کافر نہیں ہوں،مسلمان ہوں۔قرآن کی آیات پڑھیں،نماز سنائی۔لیکن کسی نے نہیں مانا اور اس بات پر اڑے رہے کہ تم کافر ہو اور تم نے دھوکا دینے کے لیے نماز اور آیتیں وغیرہ یاد کر لی ہیں۔آخر مولانا نے پوچھا! خدا کے لیے تم یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کیسے یقین آسکتا ہے کہ مَیں مسلمان ہوں اور کافر نہیں ہوں۔وہ سب سوچ میں پڑ گئے۔آخر ان میں سے ایک شخص جو کسی قدر زیادہ سمجھ دار تھا۔بولا! یہ دیکھ لو کہ یہ شخص مختون بھی ہے یا نہیں،اگر مختون ہے تو مسلمان ہے ورنہ کافر۔اس فیصلے کو سب نے تسلیم کر لیا۔آخر کار ثابت ہو گیا کہ مولانا مسلمان ہیں اور کافر نہیں۔"

(آب حیات کے لطیفے۔صفحہ ۶۵۔۶۶)

گورنر ہائوس اورعوام

عمران خان حکومت نے اپنا ایک اور نامعقول وعدہ پورا کرتے ہوئے گورنر ہاؤس سندھ، پنجاب اور مری عوام کے لیے کھول دیے۔ سب سے پہلے سندھ گورنر ہاؤس کو عوام کے لیے کھولا گیا۔ سندھ گورنر ہاؤس میں عوام کی بے ہودہ آمد سے گورنر ہاؤس کا حلیہ بگڑ گیا۔ شیشے توڑ دیے گئے، گندگی کے ڈھیر لگ گئے، پھلدار درختوں سے بے دردی کے ساتھ پھل توڑے گئے۔ لاوارث گورنر ہاؤس اجڑے گلشن کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اسی طرح کا حشر گورنر ہاؤس پنجاب کا کیا گیا، یہاں ایک جھیل پر بنا پل بھی توڑ دیا گیا۔

پاکستانی سیاستدانوں کی طرح ان سیاستدانوں کو زندہ باد اور مردہ باد کہنے والی عوام بھی نہ زندوں میں ہیں اور نہ مردوں میں۔ یہ نیم مردے تبدیلی چاہتے ہیں مگر تبدیلی کے مفہوم سے بھی نا آشنا ہیں۔ ان زندہ لاشوں کو کبھی سیاستدان اٹھا کر جلسہ گاہوں میں بٹھا دیتے ہیں اور کبھی مولوی مساجد یا میدانوں میں جمع کر کے انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ نیم پاگل کبھی ماتم کرتے ہیں اور کبھی ہنستے بستے گھروں کو ماتم کدوں میں تبدیل کرتے ہیں۔ بے شعوری اور جہالت کی انتہا ہے کہ یہی عوام مذہب کے نام پر سانپوں میں تبدیل ہو جاتی ہے، دن رات انسانیت کو خود ڈستے ہیں اور انسانیت کے علمبردار نبی کریم ﷺ سے نام نہاد محبت کے نام پر بھیڑیے بن جاتے ہیں۔ حسن نثار نے سچ کہا تھا کہ " پاکستانی قوم، قوم نہیں ہجوم ہے اور ہجوم بھی وہ جس میں سانپ چھوڑ دیا گیا ہو۔"

اس ہجوم کو نہ کھانے کی تمیز ہے اور نہ بولنے کا سلیقہ، نہ برداشت ہے اور نہ صبر، مذہبی جنونیت آسمان کو چھوتی ہوئی اور عمل زیرو ہے۔ ان کی نظر میں ہر بدگو، ملاوٹی، جھوٹا، زانی، رشوت خور، یتیموں اور بیواؤں کا مال کھانے والا، شرابی، جواری، معصوم چھوٹے بچوں سے زیادتی کرنے والا، بجلی، پانی چوری کرنے والا، ناجائز قبضہ کی زمین پر مسجد بنانے والا اور دوسری تمام برائیاں کرنے والا مسلمان بہرحال جنتی ہے اور باقی روئے زمین کے تمام انسان بیان کردہ اور نابیان کردہ اچھائیاں ہونے کے باوجود کافر اور جہنمی ہیں۔

اللہ تعالی میری قوم کی زندہ لاشوں کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

کلثوم نواز مادر جمہوریت ہے ؟

گزشتہ دنوں بیگم کلثوم نواز شریف طویل علالت کے بعد لندن میں وفات پا گئی تھیں ۔ان کا جنازہ لاہور لایا گیا اور نماز جنازہ مشہور مولوی و مفتی طارق جمیل نے پڑھائی۔بیگم کلثوم نواز کو ن لیگیوں نے مادر جمہوریت کہہ کر نجانے کس کا مذاق اڑایا ہے، ماں کا یا جمہوریت کا۔ مادر جمہوریت، یعنی جمہوریت کی ماں ۔اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جمہوریت کو جنم دینے والی ماں مگر بہت پہلے بیگم نصرت کو بھی مادر جمہوریت قرار دیا گیا تھا ۔ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ کلثوم نواز مادر جمہوریت کیونکر بن گئیں ۔ویسے کل تک لوگ نواز شریف کو چور کہتے تھے اور آج ن لیگی نصرت بھٹو کا مادر جمہوریت کا خطاب چوری کر کے مرحومہ کلثوم کی روح کو تکلیف دے رہے ہیں ۔ہمیں یہ بھی سمجھ نہیں آتی کہ ان دونوں خواتین نے ایسا جمہوریت کے لیے کیا کیا تھا کہ انہیں مادر جمہوریت کہا جائے ۔ یہ سوال بھی ابھی تک لا جواب ہے کہ کیا پاکستان میں جمہوریت نامی سنہری چڑیا موجود بھی ہے؟ ہم نے محترمہ کلثوم نواز کی کتاب جبر اور جمہوریت میں ان کی تقاریر پڑھی ہیں ، یہ تقاریر پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ان کا سیاسی نظریہ نواز شریف کے گرد گھومتا تھا یا مذہب کے گرد طواف کرتا تھا۔ جب نواز شریف اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوتے تھے تو بیگم کلثوم نواز مذہب کی بجائے سیاسی ہو جاتی تھیں ،اور جب اقتدار نواز شریف سے چھن جاتا تو محترمہ مذہب کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی تھیں ،مشرف دور میں انہوں ختم نبوت کو خاص طور پر مشرف کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ختم نبوت کارڈ کھیلنا،ن لیگ نے محترمہ کلثوم نواز سے سیکھا ہے ۔ن لیگیوں کی مادر جمہوریت نے مشرف دور میں ختم نبوت کارڈ کھیلتے ہوئے مشرف کا ساتھ دینے والوں کو کہا تھا:۔

> ''میں بقول عطا اللہ شاہ بخاری ان سے پوچھ رہی ہوں کہ محشر کا میدان ہوگا، اللہ کے حضور حاضری ہوگی اور ہم حضور اقدس ﷺ کی شفاعت کے منتظر ہونگے ۔اگر وہاں کسی نے پوچھ لیا کہ خطہ پاکستان کے مسلمانو!تم نے میری رضا کے لیے کیا کام کیے اور جب میرے محبوب ﷺ کی ختم نبوت پہ ڈاکے ڈالے گئے تو تم نے کیا قربانیاں دیں؟ تم اپنے ضمیر کو تو تسلی دے سکتے ہو مگر روز محشر کا بوجھ کم نہیں کر سکتے۔'' (جبر اور جمہوریت از کلثوم نواز)

کلثوم نواز صاحبہ نے مولویوں اور عوام کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا:۔

آج علماء ومشائخ بلکہ تمام مسلمانوں پر فرض ہوگیا ہے آج ملک کے ساتھ جو سازش ہو رہی ہے اسے بے نقاب کریں۔ یاد رکھو نفاذ شریعت ہی ہمارا مقصد اور ہماری منزل ہے۔۔۔۔۔ وفاقی وزیر مذہبی امور ڈاکٹر محمود احمد غازی یہ کہہ رہا ہے کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینا ایک جذباتی فیصلہ تھا۔ کیا یہ توہین رسالت نہیں ہے؟۔۔۔۔ آج پیر مہر علی شاہ صاحبؒ (گولڑوی) کی روح کس قدر کرب میں ہوگی کہ تحفظ ختم نبوت کا جو مشن انہیں گنبد خضریٰ سے سونپا گیا تھا۔ آج اس تحفظ ختم نبوت پر حکومت نے ۱۲ اکتوبر کو پاکستان کے آئین کو ختم کر کے براہ راست حملہ کیا گیا ہے۔۔۔ آج میں سرفروشان اسلام کی دھرتی صوبہ سرحد میں کھڑی ہو کر یہ اعلان کرتی ہوں کہ اب گھر گھر غازی علم دین شہید پیدا کرنے ہوں گے، علماء کو اپنے فروعی اختلافات بھلا کر ناموس رسالت ﷺ کے لیے متحد ہونا پڑے گا۔۔۔۔ آج علماء اگر ون پوائنٹ ایجنڈا ختم نبوت پر اکٹھے نہ ہوئے تو یاد رکھو! قیامت کے دن کس منہ سے حضور پاک ﷺ کی شفاعت کی بھیک مانگو گے۔۔۔۔۔ میری دعا ہے کہ اس تاریخی علماء کنونشن میں بیٹھے ہوئے تمام علماء پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں اور بالخصوص مولانا عبدالستار نیازی اور مولانا مودودی پر، جن کی تحفظ ختم نبوت کے لیے خدمات اور قربانیوں کو ہم کبھی بھلا نہیں سکتے۔۔۔۔ تمام علماء کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ نظریہ پاکستان اور تحفظ ختم نبوت کے لیے ۱۹۵۳ء کی طرح متحد ہو کر اللہ کے ہاں سرخرو ہوں۔۔"

اور جونہی نواز شریف جیل سے سعودی عرب منتقل ہوئے، محترمہ کی قادیانیوں سے دشمنی دم توڑ گئی، تحفظ ختم نبوت کا جوش ختم ہو گیا اور کلثوم نواز پھر مرنے تک کبھی سیاسی یا مذہبی فورم پر دکھائی نہ دیں، انتہائی بیمار حالت میں انہیں ضمنی انتخاب میں ممبر اسمبلی بنوایا گیا، وائے قسمت حلف اٹھائے بغیر ہی دنیا سے اُٹھ گئیں۔ محترمہ سچی بات یہ ہے کہ کلثوم نواز صاحبہ فقط مادرِ حسن، حسین، مریم۔۔۔ تھیں اور زوجہ نواز شریف تھیں۔ اللہ مرحومہ کو معاف کرے اور لواحقین کو صبر دے۔ آمین ☆☆

وہ جو حد سے گزر جاتے ہیں
وقت سے پہلے مر جاتے ہیں
ان کے کیا کہنے وہ پھول جو
خزاں میں اور نکھر جاتے ہیں

وزیر اعظم کا کتا ”موٹو“

عمران خان کے وزیر اعظم بنتے ہی ان کے کتے موٹو کے بھی وارے نیارے ہو گئے ہیں۔ بلاشبہ عمران خان اور ان کے کتے کی شان وشوکت کو چار چاند لگانے والی خاتون اول قرار پانے والی محترمہ بشریٰ بی بی عرف پنکی ہیں۔ محترمہ نے ننگے پاؤں لاہور سے پاکپتن بابا فرید شکر گنج کے مزار پر جا کر روحانی درجات اور باطنی علوم تک رسائی حاصل کر رکھی ہے۔ ایسی عالمہ کے لیے موٹو سے کراہت بے وجہ نہ تھی، چند دن وہ موٹو سے اکھڑی اکھڑی رہیں۔ خاتون اول نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ ایک دن جبکہ وہ جائے نماز پر نماز پڑھنے لگی تھیں کہ موٹو ان کی طرف بڑھا تو میں نے اس غرض سے کہ جائے نماز پر نہ آ جائے اسے سختی سے پرے کر دیا۔ جس پر موٹو چلا گیا۔ نماز کے بعد دیکھا کہ وہ صوفہ کے پیچھے بیٹھا رو رہا تھا، اس کی آنکھوں میں پانی تھا، بس اس دن سے وہ میرا دوست بن گیا، اب میں جہاں بھی جاتی ہوں موٹو میرے ساتھ ہوتا ہے۔ موٹو کی طرح جناب وزیر اعظم بھی ہیلی کاپٹر پر دفتر آتے جاتے ہیں، جب وزیر اعظم گاڑی میں سفر کرتے تھے تو موٹو کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اس کا یہ حل نکالا گیا ہے کہ سرکاری نمبر پلیٹ والا سرکاری ڈالہ موٹو کے آنے جانے کے لیے مختص کر دیا گیا ہے اب وزیر اعظم کا کتا موٹو وزراء جیسی رعونت سے سرکاری پروٹوکول میں آتا جاتا ہے۔ موٹو بھی کتا ہے اور گلی میں آوارہ گھومنے والا بھی کتا ہی کہلاتا ہے، فرق بس اتنا ہے کہ موٹو عمران یعنی وزیر اعظم کا کتا ہے۔ اگر کوئی کتا بھی عمران کو اچھا لگے گا تو وہ بھی ہیلی کوپٹر اور سرکاری ڈالے پر ہی گھومے گا۔ دم ہلاتے ہوئے۔

جب ہم نے احادیث میں کتوں کے متعلق تحقیق کی تو پتا چلا کہ گھروں میں کتا رکھنا غیر اسلامی حرکت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ”جب رات کو کُتّے کی آواز سُنو تو **"اعوذ باللّٰہ"** پڑھو یعنی اللہ کی پناہ مانگو۔ جس کالے کُتّے کی آنکھوں پر دو کالے نُقطے ہوں، وہ شیطان ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ”حضرت جبرائیلؑ صرف اس وجہ سے نہیں آتے تھے کہ ایک کُتّے کا پلاّ کمرے میں موجود تھا اور فرمایا کہ جس گھر میں سَگ اور تصویر ہو ہم اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔“

صحیح بخاری میں ہے کہ ”کوئی شخص کسی بھائی کو کوئی شے ہبہ (دے) کر کے واپس لیتا ہے تو اُس کی

مثال کُتّے کی سی ہے، جو قے کر کے کھالیتا ہے۔"

اور امام غزالیؒ فرماتے ہیں :۔

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بستر پر کتے کی تصویر کا ہونا مکان میں فرشتوں کے نزول کو مانع ہوتا ہے اور حالانکہ تیرے بدن کے مکان میں دس کتے موجود ہیں اس واسطے تجھ کو دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ وہ دس کتے یہ ہیں حرص، امید، جھوٹ، بخل، لالچ، ریا، نفاق، حسد، تہمت، چغل خوری۔۔۔۔۔ کیا تو نے سنا نہیں کہ شارع علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے؟ قیامت کے روز بہت لوگ خنزیروں اور بندروں اور کتوں کی صورت پر حشر کیے جائیں گے اور یہ صورت مسخ ہونا جہالت کے سبب سے ہے اور تجھ کو اختیار ہے کہ چاہے فرشتہ بنے یا شیطان بنے۔۔۔ (مجموعہ رسائل غزالی۔ جلد اول۔ باب بادشاہ بننا چاہتے ہو یا ولی۔ صفحہ ۱۳۲)

اس اقتباس میں بیان کردہ اجماع سے ایک بات تو واضح ہوگئی کہ بنی گالا گھر کے اندر اور وزیر اعظم ہاؤس میں "موٹو" کی موجودگی میں فرشتے نہیں اترتے۔

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں :۔

سگ خصالت نیست طالب سگ طریق
طالبے انسان بہ باید حق رفیق

یعنی "کتوں کی خصوصیت رکھنے والا طالب نہیں ہوتا بلکہ وہ کتوں کے طریق پر ہوتا ہے۔ اصل طالب اور انسان کو تو حق کا رفیق ہونا چاہیے۔"

ایک اور شعر میں حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں :۔

دُرّ بدہن سگ میںداز ای حکیم
لائق انسان درّش یافتیم

یعنی "اے صاحب حکمت! کتوں کے منہ میں موتی نہ ڈال۔ ان موتیوں کے لائق ہم نے صرف انسان ہی کو پایا ہے۔"

اس شعر کے نیچے لکھتے ہیں :۔

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ **لا تَترُكِ الدُّرَّ فی اَفوَاهِ الكِلابِ**۔ یعنی کتوں کے منہ میں موتی نہ ڈالو۔'' (کلید التوحید (کلاں) از سلطان باھو۔مترجم۔احسن علی سروری قادری۔صفحہ ۱۲۱۔ناشر سلطان الفقر پبلیکیشنز لاہور)

معزز قارئین! یعنی کتوں کی خصوصیت رکھنے والے انسان علم وحکمت کی بات نہیں سمجھتے۔اور ایسے کتوں کی خصوصیت رکھنے والے انسانوں کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بلعام ابن باعور کے بارے میں فرماتا ہے:۔

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث۔ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۷۶)

ترجمہ:''پس اُس کی مثال کُتّے کی سی ہے کہ اگر تُو اس پر ہاتھ اُٹھائے تو ہانپتے ہوئے زبان نکال دے گا اور اگر اسے چھوڑ دے تب بھی ہانپتے ہوئے زبان نکال دے گا۔یہ اُس قوم کی مثال ہے جس نے ہمارے نشانات کو جھٹلایا۔''

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مثال کمال کی ہے، کتے تو کتے ہوتے ہیں ان کی فطرت میں یہ بات ہے کہ اس کی کسی قسم کی صورت حال میں بھی زبان اندر نہیں ہوتی۔مگر جب ہم نے اس آیت مقدسہ کے تناظر میں اپنی قوم کو دیکھا تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔آپ بھی سوچیئے۔گھر سے باہر گھر بار کی رکھوالی کرتے اور شکار کرتے ہی کتے اچھے لگتے ہیں، گھروں اور پارلیمنٹ میں بیٹھنے والے کتے فائدہ کی بجائے نقصان کا باعث بنتے ہیں بالکل ویسے ہی جیسے گلیوں میں گھومنے والے آوارہ کتے۔بھونکتے کتے کاٹا نہیں کرتے اس کے برعکس عالیشان گھروں اور وزراء کے محلوں میں پلنے والے کتے بھونکتے بھی ہیں اور کاٹتے بھی ہیں۔عرفی نے کہا تھا'' آواز سگاں کم نہ کند رزق گدا را''یعنی کتے کے بھونکنے سے بھکاری کا رزق کم نہیں ہوتا۔شاید اسی لیے وطن عزیز میں کتوں کے دن رات بھونکنے کے باوجود غریبوں اور گداگروں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے۔اگر دیسی کتوں نے اپنی عادتیں نہ بدلیں تو وطن عزیز کا ہر فرد بھکاری بن جائے گا۔اگر وطن عزیز میں خوشحالی چاہیے تو گلیوں کے آوارہ کتوں اور عالیشان گھروں، پارلیمنٹ لاجز میں ناز ونعم سے پلنے والے کتوں کو مارنا اشد ضروری ہے۔ریاست مدینہ جیسی فلاحی

ریاست بنانے کا خواب تبھی پورا ہوسکتا ہے جب گھر اور پارلیمنٹ سوفیصد کتوں سے پاک ہوجائیں۔اوراس کے ساتھ ساتھ چوکیدار کتوں کا محاسبہ بھی ضروری ہے۔جس گھر کے چوکیدار کتے بھونکتے رہیں یا سوتے ہی رہیں اس گھر کا صفایا یقینی ہوتا ہے۔اصحاب کہف جب کہ وہ سوئے ہوئے تھے ان کا کتا چوکھٹ پر اپنی اگلی دونوں ٹانگیں پھیلائے ہوئے پہرہ دے رہا تھا۔کتے کو اصحاب کہف کی نہایت مستعدی سے حفاظت کرنے کی وجہ سے یورپین قومیں بے حد محبت کرتی ہیں۔

ہلکا پھلکا مضمون تفصیلی اور تفسیری کے ساتھ ساتھ علمی بھی ہوگیا۔چلیے چھوڑیے بڑی باتیں ہماری قوم سے برداشت نہیں ہوتیں۔لطیفہ سمجھ آتا ہے۔تو سنیئے عقل کا تالا کھولنے والا لطیفہ:۔

ایک جاہل معتقد اپنے پیر کے پاس گیا، اور کہا کہ قبلہ جی! علاقہ میں چوریاں بڑھ گئی ہیں، سارا دن کام کر کے تھکے ہارے رات کو جاگ نہیں سکتے، کوئی تعویز دی جائے، کہ گائیں بکریاں باڑے میں چوروں سے محفوظ رہیں۔ پیر جی نے تعویز دے کر کہا، کہ بابا یہ دروازے پہ باندھ لو، لیکن اچھے چوکیدار کُتّے کا بھی انتظام کرو۔ دنیوی اسباب اور حیلہ بھی ضروری ہے۔ جاہل نے پوری سادگی اور عقیدت سے کہا، کہ قبلہ جی! ہمارے لیے تو دُعا اور تعویز بھی آپ اور حیلہ اسباب اور کُتّے بھی آپ! آپ کے ہوتے ہوئے ہم اور کوئی حیلہ اسباب کُتّاؤ تا کیوں رکھیں گے؟ ☆☆☆☆

مولانا کوثر نیازی اور شراب

جناب قیوم نظامی اپنی کتاب ''جو دیکھا جو سنا'' میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے محمد حنیف رامے نے بتایا تھا کہ:۔

''ایک دن مولانا کوثر نیازی کا فون آیا اور شکایت کی کہ سب ان کو حج کی مبارکباد دینے آئے ہیں مگر ان کا بھائی حنیف رامے مبارک دینے کے لیے نہیں آیا۔'' مَیں نے مولانا سے پوچھا آپ کہاں ہیں انہوں نے بتایا ریواز گارڈن والے گھر میں ہوں۔مَیں نے کہا کہ ابھی ان کو ملنے آتا ہوں مَیں مولانا کے گھر گیا تو وہ مجھے خصوصی حجرے میں لے گئے۔مولانا فرمانے لگے ''حنیف آپ بھٹو صاحب سے مل کر آ جاتے ہیں جب کہ سیاست اس وقت شروع ہوتی ہے جب جام چھلکتے ہیں۔آپ بھٹو صاحب کو بتاؤ کہ مَیں شراب پیتا ہوں تا کہ وہ مجھے خصوصی محفل میں بلائیں۔'' بھٹو صاحب سے بات کی تو وہ کہنے لگے کہ پارٹی کے لیے بہتر یہ ہے کہ مولانا کی عوام میں عزت برقرار رہے، حنیف مولانا کو سمجھاؤ۔مَیں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ مولانا کو شراب کوکا کولا میں ڈال کر دے دی جائے اس طرح مولانا کی ضد بھی پوری ہوجائے گی اور ان کا بھرم بھی قائم رہے گا۔بھٹو نے میری بات مان لی۔''

(جو دیکھا جو سنا از قیوم نظامی صفحہ ۲۵۰)

ارکان پارلیمنٹ کی شراب دوستی

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین اسلامی ہے۔اور اسی اسلامی آئین نے پاکستان کو اسلامی جمہوریہ پاکستان قرار دیا ہے۔ جی ہاں یہ وہی آئین ہے جس کی آبرو آئین بنانے والوں نے اسلام کے نام پر ۱۹۷۷ء میں لوٹی تھی۔ پھر ضیاء الحق اس اسلامی آئین کو ردی کاغذ کے ٹکڑوں سے تشبیہ دے کر ۱۱ برس تک اس کو بے آبرو کرتا رہا۔اور خود ساختہ اسلام کو قوم کے سینے پر رگڑتا رہا اور اس بات کا بھی اعلان کرتا رہا کہ اسلامی آئین بنانے والے سیاستدان، شرابی، جواری اور زنا کار تھے۔شراب پینا پاکستانی جنرلوں ،سیاستدانوں،صحافیوں، بعض مذہبی شخصیات اور امیر اور غریب قوم کا وطیرہ رہا ہے۔ جنرل یحییٰ خان تو شراب کے نشے میں دھت اقلیم اختر عرف رانی جیسی بدقماش موٹی عورتوں کی گود میں پڑا رہتا تھا، سننے میں آیا ہے کہ یہ جنرل نشے میں دھت ننگا گھر سے نکلنے کی کوشش کرتا تھا۔ذوالفقار علی بھٹو نے تو سرعام ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے صاف صاف بتا دیا کہ وہ شراب پیتے ہیں۔ بھٹو نے کہا تھا کہ وہ بہت کام کرتے ہیں اس لیے شراب پینی پڑتی ہے، میں شراب پیتا ہوں، مولوی کی طرح حلوہ نہیں کھاتا۔ یہ وہی بھٹو ہے جس نے مولویوں کو خوش کرنے کے لیے اور خود کو اچھا مسلمان ثابت کرنے کے لیے ریس، جوئے اور شراب پر پابندی لگائی تھی۔اسی طرح حسن نثار صاحب بعض اوقات نشے کی حالت میں پروگرام کرتے ہیں۔ان کے متعلق ایک بار جماعت اسلامی کے فرید پراچہ نے کہا تھا کہ انہیں رات نو بجے کے بعد مدعو نہ کیا جائے۔ سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل مولانا طاہر اشرفی کی شراب نوشی کے قصے زبان زد عام ہیں۔امیروں کے بنگلوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو شاید ہی کسی بنگلے میں بار روم نہ ہو۔ میری ایسے بلڈروں سے بات ہوئی ہے جنہوں نے خود نئے بننے والے بنگلوں میں خفیہ بار روم بنائے ہیں۔اور غریب عوام جو مہنگی ولائتی شراب خریدنے کی استعداد نہیں رکھتے کچی دیسی شراب پی کر آئے روز مرتے رہتے ہیں۔

چند برس قبل جمشید دستی نے پارلیمنٹ لاجز کے اطراف سے درجنوں شراب کی بوتلیں اکٹھی کر کے قوم کو دکھائی تھیں اور بتایا تھا کہ ممبران اسمبلی شراب پی کر خالی بوتلیں باہر پھینک دیتے ہیں اور یہ انکشاف بھی کیا کہ ممبران اسمبلی یہاں خواتین کو بھی لاتے ہیں اور ناچ گانا ہوتا ہے۔ان کے پیش کیے گئے ثبوتوں کو مدنظر رکھتے

ہوئے ،شراب نوشوں کے خلاف کاروائی کرنے کی بجائے جمشید دستی ہی کے خلاف ریفرنس پارلیمنٹ میں پیش کر دیا گیا۔ جب اس واقعہ پرمولانا حمداللہ نے پارلیمنٹ لاجز میں رہنے والوں کے طبی معائنے کرانے کا مطالبہ کیا تو انہیں اسپیکر نے خاموش ہونے کے لیے کہا تو حمداللہ نے کہا کہ ''اگر پارلیمنٹ کے ارکان شراب نہیں پیتے تو کیا ملازمین اور بھنگی پارلیمنٹ لاجز میں مہنگی شراب کی بوتلیں پی کر خالی بوتلوں کے انبار لگاتے ہیں؟''

پاکستانی مسلمان سیاستدان اس قدر شراب کے عادی ہیں کہ اسپتالوں میں بھی اپنا شوق پورا کرتے ہیں،گزشتہ دنوں چیف جسٹس آف پاکستان جناب ثاقب نثار نے ایک اسپتال میں داخل شرجیل میمن کے کمرے میں چھاپہ مارااور دوشراب کی بوتلیں برآمد ہوئیں۔

کالم نگار شہزاد احمد بھٹی لکھتے ہیں کہ ''کون نہیں جانتا کہ اسلام آباد،لاہور ،کراچی اور کوئٹہ کے تمام بڑے ہوٹلوں اور نجی محفلوں میں شراب نوشی سرعام کی جاتی ہے۔ بلکہ اسے اسٹیٹس سمبل کے طور پرلیا جاتا ہے۔اگر کوئی ان کی محفل میں شریک ہو اور وہ شراب پینے سے اجتناب کرے تو اسے بیمار مہذب قرار دیا جاتا ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا!اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کہا جاتا ہے لیکن یہاں قانون صرف کتابوں میں اور استعمال صرف غریبوں پر کیا جاتا ہے۔اگر کوئی غریب یا عام آدمی شراب کے نشے میں دھرلیا جائے تو پولیس نہ صرف درگت بناتی ہے بلکہ جیل میں ڈال دیتی ہے۔اوراگر امیر پی لے تو

پیاس بجھانے کو چسکی لی ہے
کون شرابی کس نے پی ہے

معزز قارئین! دنیا بھر میں ۲۰۱۰ء سے اب تک شراب کی کھپت میں کمی آئی ہے مگر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں شراب کی مانگ میں دس فیصد اضافہ ہوا ہے،شراب کی تین قانونی فیکٹریاں دن رات شراب بنانے میں مصروف ہیں،ان فیکٹریوں میں سے ایک فیکٹری مری بریوری کے چیف ایگزیکٹو ایم بھنڈرا کا کہنا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہر سال شراب کی مانگ میں اضافہ ہورہا ہے۔کالم نگار عبدالصبور شاکر نے ایک رپورٹ میں بتایا ہے کہ'' صرف ایم بھنڈرا کی فیکٹری میں سالانہ پچاس ہزار ہیکٹو لیٹر یعنی پچاس لاکھ لیٹر بیئر اور چار لاکھ گیلن لکر بناتی ہے، پاکستان میں ڈیڑھ کروڑ سے زائد پاکستانی شرابی ہیں۔''ایک اور رپورٹ کے مطابق

۹۹ ننانویں فیصد مسلمان غیر مسلموں کے اجازت ناموں پر شراب بیچتے اور خریدتے ہیں۔ مسلمان شرابیوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

اس لمبی تمہید کے بعد اب چلتے ہیں عمران خان کی خیالی ریاست مدینہ کی جانب جس میں مسلمان شرابیوں کی کثیر تعداد اسلام کا منہ چڑا رہی ہے اور پی ٹی آئی کے ارکان بھی شراب پر پابندی کے خلاف ہیں۔ پی ٹی آئی کے اقلیتی ممبر اسمبلی رمیش کمار نے پارلیمنٹ میں انکشاف کیا ہے کہ شراب تمام مذاہب میں حرام ہے۔ اس لیے شراب پر پابندی عائد کی جائے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جیسے مسلمان شراب حرام سمجھتے ہیں ایسے ہی دوسرے مذاہب بھی اسے حرام سمجھتے ہیں تو پھر مسلمانوں کا دوسرے مذاہب کے کندھوں پر بیٹھ کر شراب پینا دوسرے مذاہب کی توہین ہے، اس لیے شراب (ام الخبائث۔ ام الفواحش) پر پابندی لگائی جائے۔ جب رمیش کمار نے ارکان پارلیمنٹ کی قرارداد کے حق میں ووٹنگ کروانے کا مطالبہ کیا تو اسپیکر نے اس بات پر ووٹنگ کروائی کہ کیا رمیش کمار کی قرارداد ووٹنگ کروانے کے قابل ہے یا نہیں؟ تو حکومتی اور اپوزیشن کے ممبران اسمبلی کی اکثریت نے رمیش کمار کی تجویز کو مسترد کر کے شراب دوستی کا بھرم قائم رکھا۔ اس شراب دوستی کا پول ہم مضمون کے پہلے حصے میں کھول چکے ہیں، مزید تبصرہ کیے بغیر سابق ایم این اے جماعت اسلامی جناب مولانا محمد حسین محنتی کے اقتباس پر مضمون کا خاتمہ کرتے ہیں۔

مولانا صاحب لکھتے ہیں:۔

''ایک طرف وزیراعظم عمران خان ملک کو مدینے کی ریاست بنانے کے دعوے کرتے نہیں تھکتے تو دوسری جانب ان کی پارٹی سے تعلق رکھنے والے اقلیتی رکن قومی اسمبلی کی جانب سے شراب پر پابندی کے بل کو مسترد کرنا نا صرف شرمناک عمل بلکہ حکومتی دعووں کی سراسر نفی ہے، ایک اقلیتی رکن تو شراب پر پابندی کا بل پیش کر رہا ہے مگر کلمہ اور قرآن کے نام پر معرض وجود میں آنے والے ملک کے مسلمان اراکین اسمبلی کی جانب سے اس بل کی مخالفت میں ووٹ کرنا پوری امت اور پاکستان کے بیس کروڑ (مسلمان) عوام کے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف ہے۔ (مظلوم) اقلیتوں کے نام پر ملک بھر میں جاری شراب کے کاروبار سے کون مستفید ہوتا ہے اور سب سے زیادہ شراب کون سا طبقہ استعمال کرتا ہے؟ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں (مسلمان)۔ شراب کو

اسلام میں ام الخبائث یعنی تمام برائیوں کی ماں قرار جبکہ تمام مذاہب میں ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے لیکن وطن عزیز میں ہر بڑے شہر اور گاؤں میں بڑے پیانے پر شراب کا کاروبار جاری ہے اور مسلمان شراب کا استعمال کر رہے ہیں۔'' (روزنامہ نوائے وقت ۱۴ دسمبر ۲۰۱۸ء)

اے وہ کوئی جو آج پیے ہے شراب عیش
خاطر میں رکھیو کل کے بھی رنج و خمار کو

☆☆☆

''میڈم نور جہاں یا فتور جہاں''

مشہور کالم نگار سبط حسن گیلانی اپنے ایک مضمون ''میڈم نور جہاں، ستو کنجری اور باوا مست شاہ'' میں لکھتے ہیں:۔

''پچھلے دنوں ایک معروف آن لائن ویب سائٹ پر ایک مضمون شائع ہوا 'میڈم نور جہاں یا فتور جہاں'۔ یہ کسی مذہبی انتہا پسند مولوی کے قلم کا فتور تھا جس نے اپنی کم علمی و کم فہمی و تعصب کا کھل کر اظہار کیا اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ کسی کے فن اور ذاتی زندگی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ یہ دو الگ الگ چیزیں ہوتی ہیں۔ اپنے قلم سے اعلیٰ درجے کا مزاح تخلیق کرنے والا ذاتی زندگی میں انتہائی سرد مزاج واقع ہوسکتا ہے۔ انسانی اخلاق و اقدار پر صبح و شام قلم گھسانے والا ذاتی زندگی میں انتہائی کمینہ صفت ثابت ہوسکتا ہے۔ جبہ و دستار میں لپٹا ہوا مذہبی رہنما اپنی ذاتی زندگی میں انتہائی بدکردار ہوسکتا ہے۔ اسی طرح گناہ سمجھے جانے والے پیشوں سے منسلک لوگوں کے درمیان کوئی نیکوکار بھی ہوسکتا ہے۔ کون زیادہ گناہ گار ہے اور کون کم؟ روزِ حساب کس کے گناہوں کا وزن زیادہ ہوگا اور کس کی نیکیوں کا؟ یہ کام صاحب میزان پر چھوڑ دیا جائے تو مناسب ہے۔ مگر کم ہی اسے سمجھ پاتے ہیں۔ نور جہاں کے گناہ کتنے بھی زیادہ ہوئے تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ پوری کی پوری قوم کو دہشت گردی کی آگ میں جھونکنے والے آمروں، لوگوں کے بچے جہاد کے نام پر مروا کران کے خاندانوں کو برباد کرنے والے مذہبی رہنماؤں، اور سیاست کے نام پر لوگوں کے بچوں کے منہ سے نوالہ چھین کر اپنے بچوں کا مستقبل سنوارنے والے سیاسی رہنماؤں، مذہب کو جنس بازار بنا کر منہ مانگے داموں پر فروخت کرنے والے ذاکروں، خطیبوں، نعت خوانوں، عاملوں، پیروں اور واعظوں کے گناہوں کے مقابلے میں بہت کم وزن ثابت ہوں گے۔'' (بشکریہ ہم سب۔ یکم جنوری ۲۰۱۸ء)

چوروں اور ڈاکوئوں کا محاسبہ

یہ بات بالکل سچ ہے کرپشن، چوری، فراڈ اور اقرباء پروری کی منحوس بدبو نے اہل وطن کا نا صرف جینا حرام کر دیا ہوا ہے بلکہ وطن عزیز کو بین الاقوامی طور پر بھی رسوا کیا ہوا ہے۔عمران خان نے گزشتہ پانچ برس میں قوم کو ان بدبودار چوروں اور ڈاکوؤں سے متعارف کرایا ہے، اور قوم کو بتایا ہے کہ ان چوروں اور ڈاکوؤں کا محاسبہ کیے بغیر اور لوٹی ہوئی قومی دولت واپس لیے بغیر ملک ترقی کے زینے نہیں چڑھ سکتا۔عمران خان کی بات کا پاکستانی عوام نے نا صرف یقین کیا بلکہ انہیں وزیر اعظم کی کرسی پر بٹھا کر انہیں چوروں اور ڈاکوؤں کو قابو میں لانے اور ان سے لوٹی رقم بازیاب کروانے کا ٹاسک بھی دے دیا۔اس وقت چند بڑی سیاسی مچھلیاں قابو میں آ چکی ہیں اور چند ایک قابو میں آنے کے باجود بار بار ہاتھ سے پھسل رہی ہیں۔اور یہ بھی نا قابل تردید حقیقت ہے کہ ان قابو آئی مچھلیوں کے ہاتھوں سے پھسلنے کی سب سے بڑی وجہ انصاف کرنے والی ہستیوں کے ہاتھوں کا نہایت کمزور ہونا ہی ہے۔وہ عدالتیں جن کے پاس نو لاکھ سے زائد کیس زیر التواء ہوں اگر وہ عدالتیں چند چوروں کا فیصلہ کرنے میں کئی برس لگائیں گی تو ان کے پاس نا صرف زیر التواء کیسوں میں اضافہ ہوگا بلکہ قوم مزید پستی میں گرتی چلی جائے گی۔

احتساب عدالت نے تقریباً ڈیڑھ برس تک مریم نواز شریف اور نواز شریف کے کیس کی سماعت کی اور آخر ان دونوں کو قصوروار قرار دے کر جیل بھیج دیا، اور کچھ ہی دنوں بعد ہائی کورٹ نے احتساب عدالت کی سرزنش کی اور ناکافی ثبوتوں کی بناء پر ان کی سزا معطل کر دی اور ضمانت پر رہا کر دیا، اور آج کے دن تک خاموشی ہے۔۲۴ دسمبر کو احتساب عدالت نے نواز شریف کے خلاف دو ریفرنسز کا فیصلہ سنایا ہے، العزیزیہ ریفرنس میں نواز شریف کو سات سال قید، پونے چار ارب روپے جرمانہ، تمام جائداد کی ضبطی اور دس سال تک کسی بھی عہدے پر فائز ہونے پر پابندی عائد کرنے کی سزا سنا دی ہے جبکہ دوسرے ریفرنس میں نواز شریف کو بری کر دیا ہے۔اس فیصلے کے خلاف بھی نواز شریف نے ہائی کورٹ میں اپیل داخل کر دی ہے۔عدالتوں کے سابقہ چلن پر اگر غور کیا جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ ہائی کورٹ نواز شریف کی سزا معطل کر دے گی اور یہ کیس بھی نجانے کب تک زیر

التواء رہے گا۔ زرداری صاحب کو جنہیں لوگ ٹین پرسنٹ کہتے ہیں ان پر بھی گزشتہ دہائی میں درجنوں کرپشن کے مقدمے درج کروائے گئے تھے، مگر وہ تمام مقدمات سے باعزت بری کر دیے گئے اور پھر زرداری صاحب با اختیار صدر پاکستان بھی بن گئے۔ سابق صدر جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف نے جب نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا تو انہوں نے نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کو پاکستان کی تمام بربادیوں کا باعث قرار دیا تھا اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا تھا کہ ان دونوں برائیوں کو واپس وطن نہیں آنے دیا جائے گا اور آخر کار ان دونوں کو تمام الزامات سے بری کر کے انہیں پاکستانی سیاست کے سب سے بڑے لیڈر بنا دیا۔ یاد رہے کہ مشرف پرویز کی حکومت کے آغاز میں ہی نواز شریف پر ۲۸ مقدمے دائر کیے گئے تھے۔ اور چار برس میں ۱۵ کیس ناکافی ثبوت ہونے کی وجہ سے خارج ہو گئے، چار کیسز میں سزا ہوئی اور باقی نو کیسز اب تک زیر التواء ہیں۔ جن چار کیسز میں نواز شریف کو سزا سنائی گئی ان میں پہلا ہیلی کاپٹر کیس تھا جس میں نواز شریف کو بدعنوانی کے جرم میں ۱۴ سال قید اور دو کروڑ روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ یہ واحد کیس ہے اب تک جب نواز شریف کو کرپشن کے جرم میں سزا سنائی گئی۔ دوسرا مقدمہ جس میں نواز شریف کو عمر قید کی سزا سنائی گئی تھی وہ طیارہ ہائی جیکنگ کیس تھا۔ اور باقی دو کیس کئی برس نواز شریف کو ذلیل کرنے کے بعد ختم کر دیے گئے۔ دسمبر ۲۰۰۰ء کو نواز شریف کی دس سالہ جلاوطنی کے معاوضہ کے طور پر نواز شریف کو ملنے والی سزائیں کالعدم قرار دے کر بھاڑ میں پھینک دی گئیں۔

جناب عمران خان صاحب کہا کرتے تھے کہ ہم اداروں کو ٹھیک کریں گے، یہ بالکل درست بات تھی۔ پاکستان کے سبھی ادارے کرپشن کی غلیظ دلدل میں سڑ رہے ہیں اور انکی بدبو ناقابل برداشت ہو چکی ہے۔ پولیس، عدلیہ اور فوج جیسے بڑے ادارے اگر کرپشن بند کر دیں تو نواز شریف اور نہ ہی چھابڑی والا بشیرا کرپشن کر سکیں گے۔ اللہ کرے کہ عمران خان اداروں کو کرپشن فری کر پائیں۔ بدبودار ناسوروں کے حالات و واقعات تو یہی بتا رہے ہیں کہ ''عصر حاضر کا مرض ہے لا دوا''۔

> ''یہ لوگ جو اپنے گھروں کا نظام درست نہیں کر سکتے، یہ لوگ جن کا کیریکٹر بے حد پست ہوتا ہے، سیاست کے میدان میں اپنے وطن کا نظام ٹھیک کرنے اور لوگوں کو اخلاقیات کا سبق دینے کے لئے نکلتے ہیں۔۔۔ کس قدر مضحکہ خیز چیز ہے!''
>
> (سعادت حسن منٹو)

پاکستان کے کسان......!

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور زراعت کو وطن عزیز کی ریڑھ کی ہڈی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔گزشتہ چند دہائیوں سے حکومت اور ریاستی ادارے اس ریڑھ کی ہڈی سے نامعقول چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں،اگر یہ چھیڑ چھاڑ جاری رہی تو خطرہ ہے کہ وطن عزیز کہیں فالج زدہ نہ ہوجائے۔اس برس کاشتکاروں کو ۸۵ شوگر ملوں کے ہوتے ہوئے گنے کی فصل کھیتوں میں جلانے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔۱۵دسمبر تک شوگر ملیں چالو نہ ہونے کی وجہ سے کچھ کاشتکاروں نے گنے کی فصل جلا دی اور کچھ کاشتکاروں کے گنے کی فصل کٹائی کے بعد ٹرک،ٹرالیوں میں خشک ہوکر لکڑی بن گئی۔اور کچھ نے بھٹہ مالکان کو بیچ دی۔

شوگر مل مالکان کا کہنا ہے کہ شوگر ملیں تب چالو کریں گے جب وفاقی اور صوبائی حکومتیں سبسڈی کی مد میں واجب الادا ۱۶ ارب روپے کے فنڈ جاری کریں اور ایک ملین میٹرک ٹن چینی برآمد کرنے کی غیر مشروط اجازت دیں۔شوگر مل مالکان کی اکثریت ایسے ڈریکولا کا روپ دھار چکی ہے جن کا حکومت اور کاشتکاروں کا خون دن رات چوس کر بھی پیٹ نہیں بھرتا۔ایک کاشتکار گنے کی فصل کس طرح محنت ومشقت سے تیار کر کے شوگر مل تک لاتا ہے اس کا حال سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔کچھ تفصیل ذیل میں پیش ہے۔

پاکستان میں گنے کی فصل زیادہ تر دریاؤں کے قریب اگائی جاتی ہے۔۷۳ فیصد گنے کی کاشت کرنے والے ایسے چھوٹے کاشتکار ہوتے ہیں جن کے پاس ۱۵ ایکڑ سے پچاس ایکڑ تک زرعی رقبہ ہوتا ہے۔عام طور پر بیج حکومت شوگر ملوں کے ذریعے فروخت کرتی ہے۔(اگر گنے کا ایک بار بیج بو دیا جائے تو اگلے برس بیج کی ضرورت نہیں ہوتی۔ایک بیج دو فصلیں دیتا ہے۔)پھر بیج،گندم کی کٹائی کے بعد بویا جاتا ہے۔دس بار ہل چلایا جاتا ہے۔ایک ایکڑ زمین پر گنے کی کاشت کے لیے چار ٹرالی گوبر کھاد،ڈی اے پی کے دو تھیلے،پوٹاش کا ایک یوریا کے تین تھیلے ڈالنے ضروری ہوتے ہیں۔گنے کی فصل کو کم از کم چالیس دفعہ پانی دیا جاتا ہے۔ہر سال گنے کی فصل پر دو مائع اور دو دانے دار دوائیں چھڑکی جاتی ہیں۔گنے کی فصل کاٹنا بھی دشوار عمل ہے،گنے کی فصل کٹ جانے کے بعد گٹھے بنا کر ٹرک یا ٹرالی پر لاد کر قریبی شوگر مل تک لے جایا جاتا ہے۔ایک سال کی سخت محنت و

مشقت اور موٹی رقم خرچ کر کے زمیندار جب شوگر مل پہنچتا ہے تو اسے سال بھر کی محنت و مشقت کے سامنے، شوگر مل کے گیٹ پر بیٹھنا زیادہ اذیت ناک لگتا ہے۔ بعض زمیندار تو فصل کے ساتھ چار پائی بھی لاتے ہیں۔

زرداری دور میں گنے کی فی من قیمت ۱۸۰ روپے مقرر کی تھی جو آج دس سال بعد بھی وہی ہے۔ بلکہ تجویز ہے کہ ۱۲۸ روپے فی من گنا خریدا جائے۔ شوگر مل مالکان کی بدمعاشی دیکھیئے کہ ۱۸۰ روپے والا ریٹ کبھی بھی کاشتکاروں کو نہیں دیا گیا۔

شوگر مل کے گیٹ پر پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ ابھی مل چالو نہیں ہے۔ (اس سال تو ۱۵ دسمبر تک کاشتکار مل چالو ہونے کے انتظار میں کڑھتے رہے) جب تک مل چالو ہوتی ہے کاشتکار کا خون اور گنے کا رس خشک ہو چکا ہوتا ہے۔ جب تلائی ہوتی ہے تو گنے کی کوالٹی کا بہانہ کر کے ریٹ کم لگایا جاتا ہے رہی سہی کسر کانٹے والا ڈنڈی مار کر پوری کر دیتا ہے، اور کسان بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنا ان کے گناہ پر کم اور اپنے ناکردہ گناہ پر زیادہ شرمندہ ہوتا ہے۔ بہرحال انہیں رسید دے دی جاتی ہے اور رقم کئی ماہ بعد مزید اخراجات کے بعد ملتی ہے۔

مل مالکان کی اکثریت سیاسی بیک گراؤنڈ رکھتی ہے اس لیے غریب کاشتکار کو گڑ اور شکر بھی بنانے نہیں دیتے کیونکہ وہ ان کے گلے میں اپنے نام کی زنجیر باندھے رکھنا چاہتے ہیں۔

شوگر مل مالکان کاشتکاروں کے خون پسینے سے تیار ہونے والی فصل سے سونا کشید کرتے ہیں اور زمینداروں کو پھوک دیتے ہیں۔ مل مالکان چینی، گنے کی راب اور پھوک بیچ کر اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔ اللہ مل مالکان کو ہدایت دے اور انہیں مالک حقیقی سے ڈرنے والے بنائے۔

اے وطن کے مزدورو کوئی بھی تمہارا نہیں
خوشحالی تمہاری کسی کو بھی تو گوارا نہیں
آئین تو جی دشمن ہے دوست تمہارا نہیں
عزت تمہیں دے ایسا کوئی ادارہ نہیں
بت گونگی شرافت کا اب توڑ دو تم مل کر
اب بولو بھی منہ میں تمہارے انگارہ نہیں

گناہ ٹیکس

گزشتہ دنوں سگریٹ اور مشروبات پر گناہ ٹیکس لگائے جانے کی خبر پر شور شرابہ مچا رہا۔ گناہ ٹیکس لگانا حکومتوں کا بہت پرانا وطیرہ ہے۔ حکومتوں کا سگریٹ، شراب اور جوئے کو اور اب چینی کو بھی گناہ قرار دینا ایسے ہی ہے جیسے نام نہاد مولوی کا فتوے دے کر گھر گرہستی چلانا۔ جس طرح نام نہاد مولوی گناہ اور ثواب کے چکر میں ڈال کر اپنا پیٹ بھرنے کا سامان کرتا ہے اسی طرح مضرِ صحت اشیاء کو گناہ قرار دے کر حکومتیں ریاستی خزانے کا منہ بھرتی ہیں۔ امریکہ میں سگریٹ پر گناہ ٹیکس لگانے کی تاریخ کا آغاز ۱۹۴۷ء سے ہوا ۲۰۱۴ء میں امریکہ نے سترہ اعشاریہ چار بلین ڈالر تمباکو پر گناہ ٹیکس کی مد میں عوام سے بٹورے۔ اور جوئے پر لگائے گئے گناہ ٹیکس کی مد میں آٹھ اعشاریہ چھ بلین ڈالر حاصل کیے گئے۔ اور لاٹری پر لگے گناہ ٹیکس کی مد میں چھیاسٹھ بلین ڈالر اکٹھے کیے گئے۔ لاٹری اور جوئے کے کاروبار کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اٹلانٹک سٹی، لاس ویگاس اور نیواڈا میں یہ کاروبار عروج پر ہے۔ نیوجرسی اور نیویارک ریاستیں جو جوئے سے پاک ہیں وہ بھی جوئے زدہ ریاستوں کو حسرت سے دیکھتی ہیں۔ امریکہ میں ٹوٹل ریونیو کا پندرہ فیصد جوئے، لاٹری اور سگریٹ پر لگے گناہ ٹیکس سے حاصل کیا جاتا ہے۔ شراب جوام الخبائث ہے، بیماریوں اور گھریلو تشدد کی جڑ ہے وہ معمولی قیمت میں یورپ اور امریکہ میں مل جاتی ہے۔ گناہ ٹیکس لگانے کا بظاہر مقصد لوگوں کی بدعادات کو چھڑانا ہی ہوتا ہے، اس کا خاطر خواہ فائدہ بھی ہوتا ہے۔ مگر اس کا حقیقی فائدہ تبھی ہوتا ہے جب بھاری ٹیکس لگایا جائے۔ مثلاً امریکہ میں بھاری گناہ ٹیکس لگانے سے امریکہ میں اسموکنگ کرنیوالوں کی بھاری تعداد تائب ہوگئی ۲۰۰۰ء میں چارسو چھپن بلین سگریٹ، نوش کیے گئے اور ۲۰۱۰ء میں یہ تعداد کم ہو کر ۲۹۹ بلین سگریٹ پر آ گئی۔ ہندوستان میں سگریٹ پر چالیس فیصد گناہ ٹیکس لگانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اور پاکستان میں دس فیصد گناہ ٹیکس لگائے جانے کی خبر ہے۔ گناہ ٹیکس لگانے کا فائدہ حقیقی طور پر ریاست اور صوبوں کو ہوتا ہے۔ اور حقیقی نقصان غریبوں اور متوسط طبقہ کا ہوتا ہے، کیونکہ وہ پہلے ہی غربت کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہوتے ہیں اور بھاری ٹیکس لگا کر انہیں گھٹیا سگریٹ نوش کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ وہ گناہ ٹیکس جوان کی صحت کا ضامن بتایا جاتا ہے وہ گھٹیا سگریٹ نوشی کرنے سے مزید صحت بگاڑنے کا باعث بنتا

ہے۔امیروں کواس طرح کے ٹیکسوں سے فرق نہیں پڑتا۔جنہیں صاف پانی بھی میسر نہ ہوان کو سافٹ ڈرنک پر گناہ ٹیکس لگا کر یہ باور کرانا کہ یہ مشروبات مضرصحت ہیں،طفلانہ اور جاہلانہ بات ہے۔ہم بھی سمجھتے ہیں کہ مضر صحت اشیاء پر بھاری ٹیکس لگا کران مضرصحت اشیاء کے استعمال سے عوام کو بچایا جائے۔مگرتب جب عوام کے بنیادی مسائل حل ہو جائیں۔غربت، ناانصافی اور تعلیم وصحت کے مسائل جہاں ماؤنٹ ایورسٹ کی طرح سر اٹھائے کھڑے ہوں وہاں گناہ ٹیکس لگانے سے جرائم میں اضافہ ہوگا اور غریب عوام میں برداشت کی قوت کم سے کم تر ہوتی چلی جائے گی۔

جغادری مولوی!!

سرسید احمد کالج کیلئے چندہ جمع کرتے ہوئے جمعہ کے دن لاہور شاہی مسجد لاہور پہنچے۔سرسید لوگوں کو مخاطب کرنا چاہتے تھے لیکن نماز کے بعد کوئی ان کی تقریر سننے کیلئے تیار نہ تھا۔اکثر لوگ ان کے مذہبی خیالات سے متفق نہ تھے۔ڈپٹی نذیر احمد نے سنا تو سرسید کو مشورہ دیا کہ دیواروں پر اشتہار لگوادو کہ ایک جغادری مولوی سرسید سے مناظرہ کرنے آرہا ہے۔اس لئے سرسید کا انجام دیکھنے کیلئے بہت تعداد میں لوگ اکٹھے ہوگئے۔نذیر احمد کلام پاک کی تلاوت کرتے ہوئے اور سرسید کو ملامت کرتے ہوئے ان کے عیوب گنوانے لگے۔اس کے بعد مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے کہ خدا کا حکم ہے اور اس کے رسول کا ارشاد ہے کہ دشمن بھی اپنی بات کہنا چاہے تو سنو اور اس پر غور کرو۔ یہ تمہارے بچوں کیلئے کالج بنا رہا ہے اور تم سے کچھ کہنے علی گڑھ سے یہاں آیا ہے۔اس کے بعد سرسید نے معرکہ آراء تقریر کی۔آنکھیں نم اور دل گداز تھے پھر تو ہر طرف سے چندے کی بارش ہونے لگی۔

ظفر علی اینا وڈّا، تے قد اینا چھوٹا!!

مولانا ظفر علی خاں 1935 میں راولپنڈی کی جامع مسجد میں تقریر کررہے تھے۔حاضرین جلسہ میں سے ایک کو حیرت ہوئی کہ اتنے بڑے نامی گرامی انسان اور اتنے چھوٹے قد کے؟ وہ بار بار یہ بات بڑبڑا رہا تھا: ظفر علی اینا وڈا، تے قد اینا چھوٹا۔اس پر ایک دراز قد پٹھان کو غصہ آگیا اور وہ بولا: ”تم خاموشی سے اس کی تقریر سنو، اور قد ہمارا دیکھ لو“ (بہ شکریہ: نارنگ ساقی 2019 ، شگفتگی وبرجستگی قلم کاروں کی، ایم آر پبلی کیشنز نئی دہلی)

پاکستان کا سب سے بڑا شیطان

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیر ہوابازی جناب غلام سرور خان نے حسن ابدال میں ۲۵ جنوری ۲۰۲۱ء کو کہا تھا:۔

''پاکستان میں شیطان کے نائب بھی موجود ہیں، شیطان کبھی پی ڈی ایم اور کبھی ایم آر ڈی کی صورت میں سامنے آتے ہیں، پاکستان میں سب سے بڑے شیطان کا نام فضل الرحمان ہے۔'' (مہر نیوز ۲۵ جنوری ۲۰۲۱ء)

یادر ہے کہ ۲۵ اگست ۲۰۲۰ء کو ٹیکسلا میں لیبر کمپلیکس کے دورے کے دوران غلام سرور خان نے کہا تھا کہ:۔

''ان چور، کرپٹ اور بدکردار ڈکیتوں نے پچھلے 35 برسوں کے دوران ملک کو جمہوریت کے نام پر لوٹا ہے۔ ان کرپٹ سیاست دانوں نے غریبوں کا خون چوسا ہے، اس لیے یہ واجب القتل ہیں۔'' (۲۵ اگست ۲۰۲۰ء بی بی سی نیوز)

یہ بھی یادر ہے کہ غلام سرور خان نے ۱۲ مارچ ۲۰۲۲ء کو یہ بھی کہا تھا کہ ''میری خواہش ہے کہ جہاں ملک اور دین کے دشمن بیٹھے ہوں، میری سوچ تو یہ ہے کہ جہاں سارے ملک اور دین کے دشمن بیٹھے ہوں وہاں خودکش دھما کا کروں اور سب کو نیست و نابود کردوں لیکن اسلام میں خودکشی حرام ہے۔'' (روزنامہ جنگ۔ 14 مارچ 2022ء)

اس ضمن میں جناب شاہنواز فاروقی کہتے ہیں کہ ''چار مارچ کو قصہ خوانی بازار پشاور کی امامیہ مسجد میں خودکش حملہ آور نے درجنوں عبادت گزار شہید کر دیے۔ اب ریاست کے ذمے دار مناصب پر فائز افراد کی بے حسی دیکھیے۔ 12 مارچ کو ہوابازی کے وفاقی وزیر غلام سرور خان جلسہ عام میں اس خواہش کا اعلان فرماتے ہیں کہ وہ خودکش بمبار بن کر ملک اور دین کے دشمنوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اشارہ معنی خیز ہے کہ 73 برس قبل 12 مارچ (1949) ہی کے دن ریاست نے بابائے قوم کے طے کردہ نصب العین سے انحراف کرتے ہوئے قرارداد مقاصد کی صورت میں قوم کا تشخص بدل ڈالا تھا۔ قائداعظم نے کسی مذہبی امتیاز کے بغیر تمام شہریوں کی برابری کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

''ریاست کا حقیقی فرض تمام شہریوں کا معیار زندگی بہتر بنانا ہے۔ قائد کو ادراک تھا کہ کسی خاص مذہب کو ترجیحی درجہ دینا ریاست کی تباہی کا نسخہ ہے کیوں کہ عقیدہ فرد کے ضمیر کا انتخاب ہے، اسے دوسروں پر نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ انسانی معاشرے میں انفرادی رنگارنگی کی طرح عقیدوں کی تفہیم میں بھی بے پناہ تنوع پایا جاتا ہے۔ ریاست کا منصب عقاید کی تحکیم یعنی غلط یا صحیح کا فیصلہ کرنا نہیں بلکہ تمام شہریوں کے حق عقیدہ کی حفاظت ہے''۔ (روزنامہ جسارت۔ ۲۷ مارچ 2022ء)

ریاست کی زمینوں پر ناجائز قبضہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان پر کچھ اس طرح کا عذاب الٰہی ہے کہ اگر اس ملک کے کرتا دھرتا کسی خیر کے کام کا آغاز بھی کرتے ہیں تو اس میں بھی شر در آتا ہے۔ ریاست مدینہ بنانے کے دعویداروں نے ناجائز تجاوزات کے خلاف آپریشن کا آغاز حکومت ملتے ہی شروع کر دیا تھا۔ یقیناً ریاست کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کر کے گھر، مساجد، مدارس اور شادی گھر وغیرہ بنانا قانون کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے اور ایسے قبضہ گروپوں کے خلاف ایکشن لینا ریاستی اداروں کی اولین ذمہ داری ہے اور قانون شکنی کے مرتکب افراد کو سزا دینا بھی ریاست کا فرض ہے۔

صرف غریبوں کو بے گھر کر کے کھلے آسمان تلے بٹھا کر نشان عبرت بنانا کسی صورت بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ایسے اقدامات کو خیر سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان غریبوں کے لیے جو قبضہ گروپوں اور ریاستی اداروں کی بدمعاشیوں کے ڈسے ہوئے ہیں ان کے لیے متبادل رہائشی منصوبے تیار کیے جاتے اور پھر ناجائز تجاوزات پر بلڈوزروں سے حملہ کیا جاتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ نہ قبضہ کی زمین پر بنی کسی مسجد کو اور نہ ہی کسی صاحب ثروت با اثر شخصیت کی ناجائز جائداد کو مسمار کیا گیا ہے۔ بحریہ ٹاؤن کراچی کے رہائشیوں پر بھی قیامت توڑے جانے کا امکان موجود ہے، کہا جا رہا ہے کہ بحریہ ٹاؤن کو ریگولائز نہیں کروایا گیا۔ ہم بھی یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر بنی گالہ پندرہ برس بعد ریگولائز ہوسکتا ہے تو کراچی کے مضافاتی علاقہ میں بنی کالونی کا کیا قصور ہے کہ اسے آزاد نہ کیا جا سکے؟ مہران ٹاؤن گورنگی کراچی میں علاقہ مکینوں نے بلڈوزروں کو اپنا کام کیے بغیر موقعہ سے بھگا دیا اور وہ کام جو ریاستی اداروں کے کرنے کا تھا، علاقہ مکینوں نے وہ کام ناجائز طریق پر کرتے ہوئے کم از کم پانچ اسٹیٹ ایجنسیاں جلا دیں جو ناجائز کام کر کے سادہ لوحوں کو الو بناتی تھیں۔

ناانصافی کی انتہا ہے کہ پی این ٹی کالونی کراچی جو پوش ڈیفنس آبادی سے متصل ہے میں آپریشن تا حال شروع نہیں کیا گیا حالانکہ کے ایم سی کے ڈائریکٹرز نے ۳۵۰ سے زائد پلاٹوں کو غیر قانونی لیز دلا کر چائنا کٹنگ کر کے اربوں روپے بنائے تھے۔ ابھی تک کراچی میں ۲۲ ہزار قیمتی اراضی پر ناجائز تجاوزات تا حال محفوظ

ہیں۔حکومت کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے ان چوروں اور ڈاکوؤں کو گرفتار کرے جنہوں نے خیر بتا کر شر بیچا ہے اور کسی بھی گھر کو گرانے سے پہلے متاثرہ خاندان کے لیے متبادل رہائش کا انتظام کرے۔اگر ایسا نہ کیا گیا تو لوگوں کی بددعائیں عذاب الٰہی کی شدت میں اضافہ کا باعث بنیں گیں۔

بلیک لسٹ،واچ لسٹ

گزشتہ برس ۲۰۱۷ء میں پاکستان میں ہونے والی مذہبی غنڈہ گردی پر پاکستان کو واچ لسٹ میں اب بلیک لسٹ میں امریکہ کی طرف سے ڈالا گیا تھا۔مگر پاکستان نے اس اقدام کی مذمت کی اور دنیا کو بتایا کہ پاکستان میں اقلیتیں بالکل محفوظ اور برابر کے شہری حقوق انہیں حاصل ہیں۔

قارئین کرام!یہ ایسا سفید جھوٹ ہے کہ کوئی ذی شعور انسان اس بیانیہ کو سچ نہیں مان سکتا۔جس ملک میں اقلیتوں کے لیے آئین میں امتیازی قوانین موجود ہوں اور یہ قوانین مذہبی شر پسندوں کو کھلی چھٹی دیتے ہوں کہ وہ اقلیتوں کے جان و مال سے جیسے اور جب چاہیں کھیلیں وہاں خیر کا پہلو بہر حال نہیں ہو سکتا،ہاں شر کے خونی کانٹے اہل وطن کو دن رات لہولہان ضرور کرتے ہیں،اور گزشتہ چند دہائیوں سے ایسا ہی ہو بھی رہا ہے۔کبھی ریاست ختم نبوت پر مذہبی شر پسندوں کی پیٹھ ٹھونکتی ہے اور سیاسی مقاصد حاصل کرتی ہے اور کبھی مذہبی شر پسند اپنے مالی،مذہبی اور سیاسی مقاصد کے لیے مذہب کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہوئے حکومت کو بلیک میل اور اقلیتوں پر ظلم کرتے ہیں۔لبیک تحریک جیسی تحریکیں پاکستان کو عالمی طور پر بدنام کرتی ہیں۔پاکستان میں اقلیتوں سے مذہبی منافرت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ تحریک لبیک اور ریاست کے درمیان ہونے والے حالیہ معاہدے میں سپریم کورٹ سے باعزت رہا ہونے والی مسیحی خاتون آسیہ بی بی کا نام ''عاصیہ'' (یعنی گناہ گار) لکھا گیا تھا۔اور عاصیہ ایک بار نہیں بلکہ ہر سطر کے شروع میں لکھا تھا۔اس کا مطلب یہ تھا کہ ریاست اور تحریک لبیک کے کرتا دھرتا اسے گناہ گار ہی سمجھتے ہیں اگر چہ پاکستان میں انصاف کرنے والا سب سے بڑا ادارہ سپریم کورٹ بھی اسے بیگناہ سمجھتا ہو۔یہی نہیں بلکہ تمام مولوی نما صحافی بھی آج تک سپریم کورٹ سے باعزت بری ہونے والی آسیہ بی بی کو ''آسیہ ملعونہ'' ہی کہتے ہیں۔

امریکا کے پالتو۔سعودیہ ۔اورپاکستان؟

حال ہی میں صدرٹرمپ نے مسی سپی میں ایک انتخابی ریلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

''مَیں شاہ سلمان سے محبت کرتا ہوں لیکن انہیں کہتا ہوں کہ ہم آپ کی حفاظت کر رہے ہیں ۔ ہمارے بغیر آپ کی حکومت دو ہفتے بھی نہیں چل سکتی ۔اس لیے آپ کو اس قیمت ادا کرنا ہوگی۔''

ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے ،سوائے اس کے کہ کیا سعودی عرب واقعی امریکہ کا پالتو۔ہے۔ آج عمران خان جس سعودی عرب سے قرض مانگنے کے لیے دوروزہ دورے پر سعودیہ پہنچے ہیں ۔یہ وہی سعودی عرب ہے جس کے وزیر دفاع محمد بن سلمان آل سعود نے ۲۳ اپریل ۲۰۱۵ء کو پاکستانیوں کو برا بھلا کہتے ہوئے شاہ سلمان کو ایک خط میں لکھا تھا:۔

''پاکستان ہمارے لیے دھوکا باز ہے اور پاکستانی حکمران اپنی نام نہاد جمہوریت کے دعویدار بن کر ہم پر فخر کرتے ہیں ۔ان دھوکا بازوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ جن اپنے اعلیٰ فوجی عہدوں پر ناز کرتے ہیں ان کی اصل حالت تو یہ ہے کہ وہ اتنے بے بس ہیں کہ اپنی چھوٹی سی اندرونی مشکل بھی تنہا حل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور اگر ہم مالی طور پر ،میڈیا اور انفارمیشن کے میدانوں میں ان کی مدد نہ کرتے تو یہ کبھی بھی اپنے مخالفین کو ہٹا کر آج حکمران نہ ہوتے اور کل تک تو وہ ہم سے بھیک اور خیرات مانگا کرتے تھے اور اب بھی ہمارے مال و دولت سے بھیک اور خیرات مانگ رہے ہیں ۔یہ احسان فراموش ہیں ،ہم سے کہتے ہیں کہ ''یمن کے مسائل کے حل کا کا راستہ پرامن راہ حل تلاش کرنے میں ہے ۔اور یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یمن کے خلاف یہ فیصلہ کن طوفانی حملہ حقیقت میں عروبتہ یعنی عرب ازم کا دفاع ہے ۔اور تم عربوں کے نوکر ہو اور ہر باشرف عربی کے لیے باعث فخر ہے اور یہ حملہ امن کے قیام اور باغی گروہ کو کچلنے کے لیے ہے ۔اے خادم حرمین شریفین !ہمیں ان نمک حرام لوگوں کی مدد کی ہرگز ضرورت نہیں کہ جن کے ہمارے ملک میں مزدوری کرنے والے شہریوں کو اگر ہم ملک بدر کردیں تو پھر دیکھیں کہ وہ کس طرح ہماری منت وسماجت کرتے ہیں اور کیسے وہ کتوں کی طرح بھونکتے ہیں ۔'' قارئین ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی سعودی عرب ،امریکا کا پالتو ۔ہے اور پاکستان ،سعودی عرب کا پالتو ۔ہے؟

"ہماری کائنات، کہکشاں، سورج اور زمین"

کائنات میں موجود ہر چیز، ہر وقت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ کائنات بننے کا آغاز ہوتے ہی تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا تھا اور اس تبدیلی کا عمل کب تک جاری رہے گا یہ کوئی نہیں جانتا۔ کائنات کا آغاز ایک ایسے نقطہ سے ہوا ہے جس میں وقت اور خلا نہیں تھا مگر بگ بینگ ہوتے ہی وقت اور خلا پیدا ہو گئے۔ پھر مختلف گیسیں اور گردوغبار نے اربوں کہکشائیں بنائیں اور ان کہکشاؤں میں کھربوں ستارے اور ستاروں کے گرد گھومنے والے اربوں ٹریلین سیارے بنا دیے۔ اور یہ سلسلہ ابھی جاری و ساری ہے۔ (یہ بھی یاد رہے کہ ان گیسوں اور گردوغبار نے جو مادہ بنایا ہے اس کی حیثیت کو ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ پورے یورپ کو میز سمجھا جائے اور اس میز پر ایک شہد کی مکھی بیٹھی ہو۔ باقی سب خلا ہے۔ ڈارک مادے پر ابھی تک تحقیق جاری ہے۔)

ستارے مر رہے ہیں (ملکی وے کے ۲۰۰ بلین سورجوں میں سے ایک سورج ہر مہینے مرتا ہے) اور پیدا بھی ہو رہے ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق بڑے ستاروں کے بطن سے نئے ستارے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ سائنسدانوں نے ایک بہت بڑے ستارے MMa1 جس کا حجم ہمارے سورج سے ۴۰ گنا بڑا ہے کے وجود سے نکلنے والے ستارے MMa2 کا مشاہدہ کیا ہے، اس نئے ستارے کی پیدائش کا منظر سائنسدانوں نے ایک لاکھ نوری برس کی دوری پر دیکھا ہے۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ نیا پیدا ہونے والا ستارہ جوان ہو کر اپنا نظام لا سکتا ہے یعنی گرد اور گیسز سے تشکیل پانے والے سیارے اس کے گرد گھومیں گے۔ اور یہ سب ایک دم نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے طویل عرصہ درکار ہوتا ہے لاکھوں، کروڑوں اور اربوں برس درکار ہوتے ہیں۔ ہر چیز ارتقاء پذیر ہے، انسان بھی یک دم نہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہی پیدا ہوتے ہی ذہانت کی تمام منزلیں طے کرنے کے قابل ہوا ہے۔ بگ بینگ بھی ایک دم نہیں ہوا، دھماکہ ہونا تب ممکن ہوا جب اس میں وہ طاقت پیدا ہو گئی جس سے کائنات تشکیل پا سکے۔ اور اس متوازن ترین طاقت میں اگر معمولی کمی یا زیادتی بھی ہوتی تو کائنات طاقت میں کمی کی صورت میں ڈھیر ہو جاتی اور زیادتی کی صورت میں کائنات اتنی تیزی سے پھیلتی کہ نہ کہکشائیں بنتیں اور نہ ستارے بنتے اور نہ ہی زمین کا بننا ممکن ہوتا۔ تبدیلی کا چلن ایسا چلن ہے جس کے بغیر کائنات قائم نہیں رہ سکتی۔

ہماری کہکشاں میں سائنسدان بتاتے ہیں کہ ایک بلین ستاروں کا کھوج لگا لیا گیا ہے،اوور یہ تعداد ایک فیصد بھی نہیں ہے یعنی ملکی وے میں ستاروں کی تعداد دوسو بلین سے بھی زائد ہے۔ ہماری کہکشاں کا ۸۵ فیصد حصہ ڈارک میٹر پر مشتمل ہے، اس لیے ملکی وے کا ٹوٹل وزن کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہاں سائنسدانوں نے ملکی وے کے حجم کے متعلق بتایا ہے کہ ہمارے سورج کے حجم سے ۹۶۰ بلین سے دوٹریلین گناہ زیادہ ہے۔ ملکی وے کے گرد چھوٹی کہکشائیں گردش کرتی ہیں اور ان میں سے بعض کہکشائیں ملکی وے کی خوراک بھی بن جاتی ہیں اسی طرح بھٹکے ہوئے ستاروں کو بھی اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ ملکی وے کے درمیان میں ایک دیوہیکل بھوت نما بلیک ہول جس کا وزن ۴ملین سورجوں کے برابر ہے، موجود ہے۔ سائنس دانوں کے اندازے کے مطابق چار ارب سال بعد Andromeda نامی گلیکسی ہماری کہکشاں پر قابو پا کر ہڑپ کر لے گی۔ مگر اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔ بہرحال اس وقت Andromeda اور ملکی وے بڑی تیزی سے ایک دوسرے سے ٹکرانے کے لیے ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ سائنسدانوں کے مطابق دونوں کہکشائیں ایک دوسرے کی طرف ۴ لاکھ کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے بڑھ رہی ہیں۔ ہماری کائنات کو حال ہی میں سائنسدانوں نے ایک بلبلے سے تشبیہ دی ہے۔

اس دنیا میں ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ موسم بدلتے ہیں، دن بڑے اور چھوٹے ہوتے ہیں، رات دن میں اور دن رات میں تبدیل ہوتے ہیں۔ ایسا ہونا ممکن نہیں کہ ہمیشہ بہار رہے اور نہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ ہمیشہ خزاں رہے۔ اس کی وجہ تبدیلی ہے۔ چوبیس ہزار نوسو ایک میل قطر رکھنے والی زمین اپنے محور کے گرد ایک ہزار چھ سوستر کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتی ہے، چوبیس گھنٹوں میں زمین اپنا ایک چکر پورا کرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی زمین، سورج کے گرد بھی اپنے چاند سمیت ایک لاکھ سات ہزار کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے اور سورج کے گرد تقریباً تین سو پینسٹھ دن میں اپنا ایک چکر پورا کرتی ہے(زمین کا سورج سے فاصلہ تقریباً 92,955,807 ساڑھے نو کروڑ میل یعنی 149,597,870 پندرہ کروڑ کلو میٹر ہے۔) اس طرح زمین ایک برس میں تقریباً ۵۸۴ ملین میل یا ۹۴۰ ملین کلو میٹر سفر کرتی ہے۔ یعنی زمین ایک دن میں تقریباً ایک اعشاریہ چھ ملین میل یا دو اعشاریہ چھ ملین کلو میٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ زمین ایک گھنٹے میں ۶۶ ہزار چھ سو ستائیس میل یا ایک لاکھ سات ہزار دو سو چھبیس کلو میٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ

ہمارے سورج سے قریب ترین ستارے کا نام ہےProxima Centauri۔زمین سے اس ستارے تک پہنچنے کے لیے روشنی کی رفتار سے چار اعشاریہ تین نوری سال لگیں گے۔اور اگر ہم اپنی کہکشاں ملکی وے کے مرکز میں سیر کرنا چاہتے ہوں تو ہمیں روشنی کی رفتار یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرنا ہوگا اور یہ سفر تیس ہزار نوری برسوں پر محیط ہوگا۔ یادرہے ایک نوری سال میں نو اعشاریہ چھیالیس ٹریلین کلومیٹر فاصلہ طے ہوتا ہے۔ ہماری کہکشاں ملکی وے کا پھیلاؤ ایک لاکھ نوری برسوں پر محیط ہے۔)اور صرف یہی نہیں بلکہ سورج بھی زمین اور اپنے باقی آٹھ دیگر سیاروں اور ان کے چاندوں سمیت اپنی کہکشاں ملکی وے کے مرکز کے گرد چکر لگا رہا ہے۔(جب ہمارا نظام شمسی تشکیل پا رہا تھا تو گیسوں اور گرد وغبار سے بننے والے مادہ کا ننانوے اعشاریہ چھیاسی فیصد حصہ سورج نے لیا تھا اور باقی ۱۴۔۰ فیصد مادہ نے دیگر نو سیاروں اور ان کے چاندوں کو تشکیل دیا تھا)اسی طرح چھوٹی کہکشائیں بھی اپنے سے بڑی کہکشاؤں کے گرد اپنے تمام سورجوں اور ان کے سیاروں اور سیاروں کے چاندوں سمیت گھوم رہی ہیں۔اسی دوران چھوٹی کہکشائیں بڑی کہکشاؤں میں مدغم بھی ہورہی ہیں۔اور اب یہ خیال بھی ظاہر کیا جارہا ہے کہ کائنات بھی ایک نہیں ہے، بلکہ کہکشاؤں کی طرح بے شمار ہوسکتی ہیں اور مدغم بھی ہورہی ہوسکتی ہیں اور ایک دوسرے کے گرد شاید گھوم بھی رہی ہیں۔شاید ان کائناتوں میں ہماری کائنات کی حیثیت ہماری زمین جیسی ہی ہو۔

کائنات پر غور کرنے سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ کمزوری ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں سوائے اس کے کہ اسے کسی طریقے سے توانائی مل جائے۔اس کا مشاہدہ ہم بلیک ہول کی صورت میں کر سکتے ہیں۔مرتے ہوئے بڑے ستارے کا مادہ نہایت کثیف ہوکر اپنے مرکز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور یہ توانائی کا ایسا مرکز بن جاتا ہے جس کی قوت نا صرف قریبی ستاروں کو نگل جاتی ہے بلکہ اس کی طاقت وقوت سے روشنی بھی نہیں بچ سکتی ہے۔اور پھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ بلیک ہول میں وقت اور خلا صفر ہو جاتے ہیں۔اور وہی ستارہ جو کمزوری کے باعث مرسا گیا تھا اس قدر قوت حاصل کر لیتا ہے کہ جب وہ پھٹتا ہے تو نئے ستارے خلا میں بکھر جاتے ہیں۔ بلیک ہول کے قریب درجہ حرارت ۱۰ بلین سینٹی گریڈ ہوتا ہے کیونکہ اس کے اندر لاکھوں سورجوں کا ملبہ پڑا ہوتا ہے۔

کائنات کی وسعتوں میں جب ہم زمین سے دیکھتے ہیں تو وہ ہرگز وہ نہیں ہوتا جو ہم دیکھتے ہیں، ہم وہ بھی دیکھتے ہیں جو وہاں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر سورج کی روشنی زمین پر آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے، اس طرح ہم جو سورج دیکھتے ہیں وہ آٹھ منٹ پہلے والا ہوتا ہے۔ مزید سمجھانے کے لیے کہہ سکتے ہیں کہ اگر سورج بجھ جائے تو زمین پر بجھنے کے بعد بھی آٹھ منٹ تک زمین پر چمکتا دکھائی دے گا۔ اسی طرح کائنات میں وہ ستارے جو اربوں سال پہلے مر چکے ہیں وہ بھی زمین سے زندہ دکھتے ہیں کیوں کہ ان کی وہ روشنی جوان کی جوانی میں چلی تھی وہ اب زمین پر پہنچی ہے۔ ہاں اب ایسی ستاروں کی روشنی بھی دیکھی جا چکی ہے جب وہ مر رہے تھے اور منظر سے غائب ہو رہے تھے۔ اگر غور کیا جائے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر انسان زمین پر مرتا ہے مگر کائنات میں زندہ رہتا ہے اور بچپن سے مرنے تک چلتا پھرتا، مر کر بھی کائنات میں کہیں نہ کہیں زمین پر دکھائی دے سکتا ہے۔ مثال وہی ہے کہ زمین کی روشنی کتنی دیر میں کہاں پہنچتی ہے۔ اگر کسی ایسے سیارے پر بیٹھ کر دیکھا جائے جس پر زمین کی روشنی ایک ہزار سال بعد پہنچتی ہے تو وہ ایک ہزار سال پہلے کے انسانوں کو زمین پر دیکھ سکتا ہے۔

ہماری کائنات کا ذرہ ذرہ ربّ العالمین نے بنا کر ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ ہماری زندگیاں کسی صورت بھی اللہ تعالیٰ کی رحیمیت اور رحمانیت کے بغیر ایک لمحہ بھی قائم نہیں رہ سکتیں۔ اگر سورج زمین کے قریب ہوتا یا قریب ہو جائے تو زمین راکھ بن کر بکھر جائے اور اسی طرح اگر چاند زمین کے قریب ہوتا یا قریب ہو جائے تو زمین پر کوئی چیز باقی نہ رہتی، ہر چیز پانی میں ڈوب جاتی۔ سمندروں کی لہریں ماؤنٹ ایورسٹ پہاڑ کو بھی ڈبو دیتیں، اگر اللہ تعالیٰ زمین پر اوزون کا غلاف نہ چڑھاتا تو آسمان سے برسنے والے شہاب ثاقب اور قاتل شعاعیں زمین کو آگ کا ایسا سمندر بنا دیتیں جس میں کسی بھی قسم کی زندگی کا تصور نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شکر کرنے کی توفیق دے۔ آمین

حمد و ثناء اسی کو جو ذات جاودانی
ہمسر نہیں ہے اس کا کوئی نہ کوئی ثانی
باقی وہی ہمیشہ غیر اس کے سب ہیں فانی
غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی

قرآن کریم، جھوٹی گواہی اور قانون

۸ دسمبر ۲۰۱۵ء کو مشہور وکیل عابد منٹو جو ایک احمدی طاہر مہدی نامی کی ضمانت کے سلسلے میں موجودہ چیف جسٹس سپریم کورٹ جناب آصف سعید کھوسہ کی عدالت میں آئے تھے۔ عابد حسن منٹو نے عدالت میں درخواست دی تھی کہ ملزم پر گستاخانہ مواد کی اشاعت کا الزام جھوٹا ہے اور ملزم آٹھ ماہ سے بغیر کسی عدالتی کاروائی کے جیل میں بند ہے۔ جناب آصف سعید کھوسہ نے عابد حسن کو یہ کہہ کر ان کی ضمانت کی درخواست رد کر دی تھی:۔

''بدقسمتی سے جس معاملے میں مذہب سامنے آجاتا ہے، وہاں قوانین پیچھے چلے جاتے ہیں۔''

(روزنامہ امت ۸ دسمبر ۲۰۱۵ء)

جناب آصف سعید کھوسہ کا یہ تبصرہ بھی یقیناً مستقبل میں ضرور زیر بحث آئے گا، اور غور کیا جائے گا کہ وہ کیا حالات تھے، کن لوگوں کی مذہب پر اِجارَہ داری تھی، کیا آئین پاکستان ان اِجارَہ داروں کو تحفظ فراہم تو نہیں کرتا تھا، اور یہ اجارہ دار، جرنیلوں، سیاست دانوں کے کندھوں پر کیونکر سوار ہو گئے تھے۔ اور آئندہ زمانے کے مورخ اذیت محسوس کر کے ذمہ داروں پر لعنت بھیجیں گے۔

جناب آصف سعید کھوسہ جب سے چیف جسٹس آف پاکستان بنے ہیں تب سے جھوٹی گواہی کا قلع قمع کرنے کے عزم کا اظہار کر رہے ہیں۔ ایک کیس کی سماعت کے دوران ریمارکس دیئے کہ ''جھوٹی گواہی پر ملزم بری ہو جاتے ہیں اور الزام عدالتوں پر آتا ہے، گواہ اللہ کو حاضر ناظر جان کر بھی جھوٹی گواہی دیتے ہیں، جھوٹی گواہی کی وجہ سے ملزمان بری ہو جاتے ہیں، پھر سوال اٹھتے ہیں کہ ملزم کو عدالت نے بری کیوں کیا، شواہد اور گواہ ہی جھوٹے ہوں تو سزا کیسے ہو سکتی ہے۔''

بڑی اچھی بات ہے کہ جھوٹ کا بت پاش پاش ہو۔ ابھی تک تو عدالتوں کے باہر وکیل، گواہ اور سائل کا بھاؤ تاؤ کرنا ایسے ہی ہو رہا ہوتا ہے جیسے کہ قانون کوئی طوائف ہے جسے خریدنیوالے بولی لگا رہے ہیں۔ کبھی ہم سوچا کرتے تھے کہ قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر ایک کلمہ گو مسلمان کس طرح جھوٹی گواہی دے سکتا ہے۔؟ آخر ایک دن یہ معمہ حل ہو ہی گیا۔ وہ اس طرح کہ فتاویٰ اسلامیہ۔ محدث فتویٰ فتویٰ نمبر ۲۳۷۵ نظر سے گزرا جسے ضرب حق

شمارہ نومبر ۲۰۱۶ء نے علماء کا کردار کے عنوان سے شائع کیا تھا۔لکھا تھا کہ:۔

''قرآن مجید کو کلام اللہ، اللہ کا وصف سمجھتے ہوئے اس کی قسم اٹھا سکتے ہیں۔البتہ قرآن مجید کے اوراق اور گتے اوراس کی روشنائی مخلوق میں شامل ہیں۔''

اور مولانا یوسف لدھیانوی صاحب کا فتویٰ ہے کہ:۔

''قرآن کے نسخے پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے سے کفارہ لازم نہیں،اس لیے کہ یہ اللہ کی کتاب نہیں بلکہ اس کا نقش ہے۔''

اور نورالانوار میں قرآن کریم کی تعریف کچھ اس طرح ہے کہ:۔

''کتاب میں موجود لکھائی الفاظ ہوتے ہیں اور نہ معنی بلکہ یہ محض نقوش ہوتے ہیں۔''

کھوسہ صاحب ان فتاویٰ کی روشنی میں کیا جھوٹی گواہی کا گلا گھونٹ پائیں گے یہ تو وقت بتائے گا؟

نواز شریف کی بیماری کی بنیاد پر ضمانت پر چھ ہفتے کی رہائی نے بھی عدلیہ کے عزت و وقار پر انگلی اٹھانے کا موقع دے دیا ہے۔اعتزاز احسن نے کہا ہے کہ عدلیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بیماری کی بنیاد پر علاج کے لیے مجرم کو اسپتال بھیجنے کی بجائے گھر بھیج دیا گیا۔اس وقت ۸۰ ہزار کے قریب قیدی مختلف نوعیت کی بیماریوں میں مبتلا ہیں، کیا ان میں سے بھی چند سو قیدیوں کو علاج کے لیے گھر بھیجا جائے گا؟ حقیقت تو یہی ہے کہ آئین اور قانون کی بے حسی نے عام لوگوں کا جینا حرام کر دیا ہے۔

خاموش دھماکہ

وہ دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی تھی۔اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو رہی تھیں۔

اب یہاں کس لیے آئی ہے۔ہمیں تجھ سے یہ امید بالکل بھی نہیں تھی، کتنی ذلیل حرکت کی ہے تُو نے۔۔۔۔اب ہمارا تجھ سے کوئی رشتہ نہیں۔خدا نے ہمیں اولاد کی خوشی سے محروم رکھا اس لیے کتنے ارمانوں سے تجھے گود لیا تھا ہم نے۔۔۔اب یہاں تیرے لیے کوئی جگہ نہیں جاو ہیں۔۔۔اسی کے پاس۔۔۔جس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے''۔چاچی نے چیختے ہوئے کہا۔

''اسی لیے تو یہاں آئی ہوں چاچی''اس نے روتے ہوئے بھرائی آواز میں گھر کے ایک کونے میں سہمے ہوئے کھڑے چاچا کی طرف دیکھ کر کہا۔ (افسانہ نگار۔محمد علیم اسماعیل)

عدالتوں کے فیصلے

عدالتوں کے فیصلے تواتر کے ساتھ مایوس کن آ رہے ہیں۔ بحریہ ٹاؤن والے ملک ریاض کے ساتھ عدالت کے اندر معزز جج صاحبان کے ساتھ مول تول پاکستان کی عدلیہ کی تاریخ کا عجیب واقع تھا۔ اسی طرح نواز شریف کی بیماری کی بنیاد پر چھ ہفتے کے لیے ضمانت پر رہائی بھی بقول جناب اعتزاز احسن عدلیہ کی تاریخ کا پہلا واقع ہے۔ اس وقت پاکستانی جیلوں میں ۸۰ ہزار قیدی کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں اور ان میں سے آٹھ ہزار قیدی معذوری کے زمرے میں آتے ہیں۔ ساری دنیا میں اصول یہ ہے کہ بیمار قیدی کو طبی امداد دی جاتی ہے تو اسے اسپتال علاج کی غرض سے بھیجا جاتا ہے، گھر نہیں۔ اسی طرح شہباز شریف کو بغیر کسی ثبوت کے تفتیش کے لیے حراست میں رکھا گیا، اور اب اچانک انکی ضمانت پر نا صرف رہائی عمل میں آ گئی بلکہ انہیں بیرون ملک جانے کی بھی کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔ متذکرہ دونوں فیصلوں کی روشنی میں صاف دکھائی دے رہا ہے کہ نواز شریف، شہباز شریف اور ڈیل کروانے والے دلال ڈیل کے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں، صرف چند زیرو بڑھانے پر اصرار کیا جا رہا ہے جو کہ مول تول کر کے طے کر لیے جائیں گے۔ ملک ریاض کے ساتھ عدلیہ کی ڈیل میں بھی دو سو ارب روپے کی ملک ریاض کی آفر کو عدلیہ نے ٹھکرا دیا تھا، جس پر آفر کو دو سو پچاس ارب روپے کر دیا جس پر معزز جج بھڑک گئے اور کہا کہ ساڑھے چھ سو ارب پر ڈیل ہو سکتی ہے اور آخر کار چار سو ساٹھ ارب روپے (آٹھ برس کی اقساط) پر معاملات طے ہو گئے۔ مول تول کی وجہ سے چند مہینے لگ گئے تھے اور جب ملک ریاض نے معزز ججوں کا مطالبہ مان لیا تو کمرہ عدالت تالیوں سے گونج اُٹھا تھا اور ملک ریاض کلین چٹ لے کر خوشی خوشی نئے آسمان چھونے کے لیے گھر چلا گیا تھا۔ یاد رہے ملک ریاض نے کراچی، راولپنڈی اور مری میں ۱۷ ہزار ایکڑ ناجائز زمین پر بحریہ ٹاؤن بنا کر ہزاروں ارب روپے کمائے تھے، چار سو ساٹھ ارب روپے دے کر سب کچھ جائز اور حلال کر دیا گیا۔ شاید اب نواز شریف و شہباز شریف بھی جلد اربوں یا شاید کھربوں روپے دینے کے بعد کلین چٹ حاصل کرنے ہی والے ہیں، مگر اس ڈیل کو منظر عام تک آنے میں لمبی مدت درکار ہو گی کیونکہ شریفوں کی عزت بھی تو رکھنی چاہیے۔

☆☆☆

سعودیہ میں پاکستانیوں کی حالت زار

وزیر مملکت برائے داخلہ شہر یار آفریدی نے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے صدر سعودی شہری ڈاکٹر احمد یوسف الدرویش سے ملاقات کر کے سعودی عرب کی کرتوتیں بتاتے ہوئے کہا ہے:۔

''سعودی عرب میں پاکستانیوں سے اچھا سلوک نہیں ہوتا۔سعودی عرب سمیت عرب ممالک میں پاکستانیوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے، جیلوں میں ڈالا جاتا ہے، تنخواہیں نہیں دی جاتیں۔اس حوالے سے ہم درخواست کریں گے کہ آپ اس حوالے سے بتائیں، ہم اس پر بہت سخت ناراض ہیں، یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔مثال کے طور پر مَیں ڈرگ ڈیلر ہوں، ایک بزرگ کو عمرہ یا حج کرانے کے بہانے ٹکٹ اور ویزا لے دوں اور اس کے سامان میں پاوڈر بھی رکھ دوں، اس بیچارے کا سر قلم کر دیا جاتا ہے، تحقیقات کیوں نہیں کرتے؟ سعودی جیلوں کی ایک بیرک میں 15 بندوں کی جگہ ہے تو وہاں پر 200 بندے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے پاکستانیوں کی تذلیل ہے۔ گوروں کو تو کوئی دیکھتا ہی نہیں ہے۔ میرا پڑھا لکھا بچہ سعودی عرب جاتا ہے تو اس کی تنخواہ چار یا پانچ ہزار ریال سے شروع ہوتی ہے اور گوری چمڑی والے نالائق کو 30 سے 40 ہزار ریال ملتے ہیں۔ہم خود مسلمانوں کو کم تر ظاہر کر رہے ہیں۔ہم نے کسی سے کچھ نہیں مانگنا۔ ہمارا ایمان اللہ پر ہے۔ہم سعودی عرب کو عزت دیں گے لیکن سعودی عرب سے کہیں گے کہ پاکستانیوں کو بھی گلے لگاؤ۔''

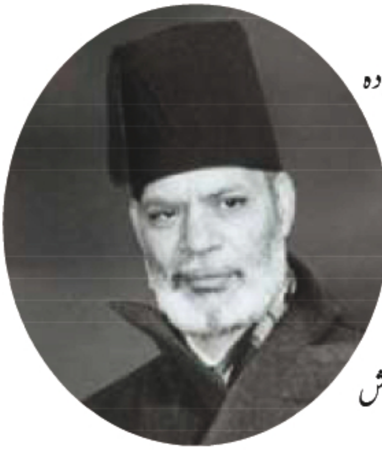
شہر یار آفریدی کے اس سچے کھرے بیان پر ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے وزیر اعظم عمران خان نے شہر یار آفریدی کو سعودی عرب سے معذرت کی ہدایت کر دی اور شہر یار آفریدی نے معافی مانگ لی، معافی مانگنے کے باوجود سعودی عرب کی ناراضگی برقرار، شہر یار آفریدی کی وزارت خطرہ میں پڑ گئی۔

اصل بات یہی ہے کہ بھوک انسانوں ہی کو نہیں قوموں کو بھی بے غیرت بنا دیتی ہے۔ جہاں سے قوم کی بھوک مٹانے کے لیے تین بلین ڈالر کا ادھار تیل لینا ہوں، تین بلین نقد لینے ہوں، دس بلین ڈالر کی آئل ریفائنری لگوانی ہو اس محسن کو کھری کھری سنانا کیا بے غیرتی نہیں کہلائے گی؟

☆☆☆

سر چوھدری محمد ظفر اللّٰہ خان اور مراکش کی آزادی

میرے ایک دوست نے چند برس قبل مراکش میں ایک فام ہاؤس خریدا تھا۔وہ سال میں دو مرتبہ مراکش جاتے ہیں ۔گزشتہ دنوں وہ مجھے ملنے میرے دفتر میں آئے تو انہوں نے مراکش کے متعلق بہت کچھ بتایا ۔باتوں باتوں میں مَیں نے ان سے پوچھا کہ مراکش کی فرانسیسی تسلط سے آزادی میں پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر چوہدری محمد ظفراللہ خان کا بھی ہاتھ تھا کیا کسی مراکشی کو اپنے اس محسن کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے بھی سنا ہے؟اس سوال کے جواب میں میرے دوست نے بتایا کہ عمر رسیدہ لوگوں سے جب میں نے پوچھا کہ کیا آپ چوہدری محمد ظفراللہ خان کے نام سے واقف ہیں تو وہ سمجھ نہ پائے مگر جب انہیں کہا کہ ظفراللہ پاکستانی تو ان بزگوں میں سے اکثریت کے چہروں پر چمک آ گئی اور انہوں نے نہایت عقیدت سے ظفراللہ خان کے مراکش پر احسان کا ذکر کیا۔آج بھی ایسے لوگ مراکش میں موجود ہیں جن کے والدین نے اس عظیم احسان پر جس کا ذکر ذیل میں کیا جائے گا،ان کے نام ظفراللہ رکھے تھے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ کیا احسان تھا جسے مراکشی قوم آج تک بھلا نہ سکی ہے۔



۱۸۶۷ء تک مراکش براعظم افریقہ کا سب سے زیادہ دولت مند ملک تھا۔مراکش ہی وہ پہلا ملک تھا جس نے سب سے پہلے امریکہ کو بطور آزاد ملک تسلیم کیا تھا۔مراکش کی دولت اور محل وقوع نے یورپین ممالک کو اس متمول ملک کی طرف متوجہ کیا اور جلد ہی فرانس اور اسپین نے مراکش کو زیر کر کیا اپنے تسلط میں لے لیا۔۳۰ مارچ ۱۹۱۲ء کو معاہدہ فاس (فاس،مراکش کے کثیر آبادی والے ایک شہر کا نام ہے) کے تحت مراکش کو فرانس کی کالونی بنادیا گیا۔دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد کئی

فخرِ پاکستان سر چوہدری محمد ظفراللہ خان

مراکشی قومی سیاسی جماعتوں نے ملک کی آزادی کا مطالبہ کر دیا۔شاہ پنجم جنہیں فرانسیسی حکومت نے جلاوطن کر دیا تھا زبردست احتجاج کے بعد انہیں واپس مراکش آنے کی اجازت دے دی۔ مراکش کے شاہ محمد پنجم نے آزادی کے لیے بھرپور کوشش کی۔

۱۹۵۲ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر مراکش کی آزادی کے لیے اقوام متحدہ میں آواز بلند کرنے کے لیے مراکش کے شاہ محمد پنجم نے تحریک آزادی مراکش کے سرگرم لیڈر احمد عبدالسلام بلفرج کی قیادت میں ایک وفد بھجوایا۔ جب سیکورٹی کونسل میں مراکش کی آزادی کے حق میں آواز بلند کرنے کے لیے احمد عبدالسلام بلفرج کھڑے ہوئے تو وہاں موجود فرانسیسی نمائندے نے احمد عبدالسلام بلفرج کو یہ کہہ کر خطاب کرنے سے روک دیا کہ ''مراکش چونکہ فرانس کی کالونی ہے لہٰذا احمد بلفرج کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے بولنے کی اجازت نہیں۔'' اجلاس میں پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان بھی موجود تھے انہوں نے جب احمد بلفرج کے ساتھ فرانسیسی نمائندے کا ہتک آمیز سلوک دیکھا تو احمد بالفرج کو پاکستانی شہریت کی پیشکش کی اور اسی رات انکی ہدایت پر پاکستانی سفارتخانہ نے عبدالسلام بالفرج کو پاکستانی پاسپورٹ جاری کر دیا گیا۔اس طرح سے دوسرے روز احمد بالفرج نے ایک پاکستانی کی حیثیت سے پاکستان چیئر سے جنرل اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کیا اور مراکش کی آزادی کے حق میں آواز بلند کی جس نے مراکش کی آزادی کی تحریک میں نئی روح پھونک دی۔اور ۱۹۱۲ء سے قائم فرانسیسی تسلط بالآخر ۱۹ نومبر ۱۹۵۶ء کو مراکش کی آزادی کے ساتھ ختم ہو گیا۔اور ہسپانیہ اور فرانس سے آزادی ملنے کے بعد مراکش کے بادشاہ محمد پنجم نے احمد عبدالسلام بالفرج کو مراکش کا پہلا وزیر اعظم نامزد کیا۔ یاد رہے مشہور سیاح ابن بطوطہ اور فاتح اسپین طارق بن زیاد کا تعلق مراکش سے تھا۔



احمد عبدالسلام بلفرج

مراکش کے اعزازی قونصل جنرل مرزا اشتیاق بیگ صاحب جنہیں مراکش کے شاہ نے مراکش کے

قومی اعزاز ''وسان علوی'' سے نوازا تھا (ایک تقریب میں اسے گنوا بھی بیٹھے ہیں۔اس مراکش کے شاہ کے اعزاز کے لیے برپا کی جانے والی تقریب میں اسپیکر سندھ اسمبلی آغا سراج درانی بھی شریک تھے۔) اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:۔

''احمد عبدالسلام بالفرج جب تک زندہ رہے اپنے دفتر میں ملاقات کے لیے آنے والے ہر شخص کو پاکستانی پاسپورٹ دکھاتے ہوئے فخر سے بتاتے تھے کہ مراکش کی آزادی کی تحریک میں پاکستانی پاسپورٹ نے ان کی بڑی مدد کی۔جب وہ وزیر اعظم تھے ،انہوں نے پاکستانی پاسپورٹ کی کاپی اپنے دفتر میں آویزاں رکھی۔احمد عبدالسلام بالفرج کے تاریخی پاکستانی پاسپورٹ کی ایک کاپی آج بھی میرے پاس موجود ہے۔''

(ادارتی صفحہ۔شاہ محمد ششم کی تخت نشینی کی سترہویں سالگرہ از اعزازی قونصل جنرل مرزا اشتیاق بیگ۔(روزنامہ جنگ ۱۷ اگست ۲۰۱۶ء)

چوہدری محمد ظفر اللہ خان جیسا ایک بھی وزیر خارجہ پاکستان کو دوبارہ نہیں ملا۔بلاشبہ محمد ظفر اللہ جیسی نابغہء روزگار شخصیات بہت کم پیدا ہوتی ہیں۔ ۲۰۱۲ء میں مراکش کے شاہ ششم کی جانب سے جب مراکش میں پاکستان کے سابق سفیر جناب رضوان الحق محمود کو مراکش کے قومی اعزاز وسان علوی سے نوازا تو انہوں نے تقریب سے جو خطاب کیا اس میں مراکش کی آزادی اور پاکستان کی مراکش کے ساتھ محبت کا ذکر کچھ اس طرح کیا تھا۔

And Mr. Allal-Al Fassi went September 1952 that H.E.Mr. Ahmad Balafrej for to the United Nations Security Council to Plead Morocco's case independence while Mr. Ahmad Balafrej was making his speech, the an objection that since France was the French Ambassador raised behalf of Morocco. recognized ruler, Mr Ahmad Balafrej could not speak on The objection was sustained and he was stopped from making his speech. Mr.Balafrej approached Pakistan's Foreign Minister.Sir Zafarullah Khan, delegation to the UN Security Council and who was leading the Pakistan issuance of a sought his advice.Sir Zafarullah Khan immediately ordered Pakistani passport to Mr. Ahmad Balafrej and asked him to speak from

Pakistan Chair and plead for Morocco's independence.This historical event is a vivid proof how we in Pakistan feel for our Moroccan friends.

[Moroccan magazine.Diplomatica 45 .Published on Jan 14, 2012]

پاکستان کے نامور سپوت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی اسلامی دنیا کے لیے خدمات کو آج تک عالمی طور پر سراہا جارہا ہے اور سراہا جاتا رہے گا۔ چوہدری صاحب کی اعلیٰ خدمات کا ذکران ممالک کے روبرو کر کے جن کی خدمت چوہدری صاحب نے کی تھی، پاکستان کی دوستی کی گہرائی تو ناپی جاتی ہے مگر وطن عزیز میں اس اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک کی پہچان صرف اور صرف احمدی یا قادیانی کی ہی ہے۔ بہت کم پاکستانی ہیں جو ان کی قابلیت کے معترف ہیں۔ حامد میر جیسے نام نہاد صحافیوں کی بھر مار نے تاریخ پاکستان کو آلودہ کر دیا ہے مثلاً حامد میر کہتے ہیں کہ ''سر ظفر اللہ خان کے بارے میں سب جانتے تھے کہ احمدی ہیں اور قائداعظم بھی قادیانیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے لیکن وہ انہیں ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے۔'' (روزنامہ جنگ لندن۔۱۱دسمبر ۲۰۱۷ء ختم نبوت اور بھٹو کا سیکولرازم)

حامد میر کے اس بیان کا پہلا حصہ سچ ہے اور دوسرا حصہ مکمل جھوٹ ہے اور قائداعظم جیسی عظیم ہستی پر ناقابل برداشت اور قابل نفرت الزام ہے۔ قائداعظم کا نظریہ اس معاملہ میں واضح اور دوٹوک یہ تھا کہ ''جو بھی خود کو مسلمان کہتا ہے، اسے مسلمان ہی سمجھا جائے۔'' اور احمدیوں نے کبھی بھی خود کو غیر مسلم نہیں کہا ہے۔ اللہ قوم کو اپنے نامور سپوتوں کو پہچاننے اور اس سے بھر پور فائدہ اٹھانے کی توفیق دے اور تاریخ کو سچائی سے مزین کرنے کی جرآت عطا فرمائے۔ آمین

ہمارا اسلام خطرے میں میں پڑ جاتا ہے!!

مشہور وکیل، دانشور، کالم نگار اعتزاز احسن صاحب مورخہ ۲۳ مارچ ۲۰۱۹ء کو ٹویٹ کیا کہ نیوزی لینڈ سانحہ کے بعد نیوزی لینڈ کی عوام اور وزیر اعظم جیسنڈا آرڈن کے جذبہ رواداری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ ''ہمارے ہاں قادیانی (احمدی) کو مشیر بنا دیا جائے تو ہمارا اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے، نیوزی لینڈ میں انہوں نے پارلیمنٹ میں تلاوت کروادی، آدھے سے زیادہ نیوزی لینڈ کی عورتوں نے اسکارف پہن لیا، اتنا کچھ کرنے کے باوجود نہ تو ان کا مذہب خطرے میں پڑا اور نہ ہی ان کی شناخت کو خطرہ لاحق ہوا۔''

محبت قاتل ہے؟

محبت کا اصل دراصل اللہ تعالیٰ سے انبیاء علیہ السلام کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی انبیاء سے محبت ہے۔ انبیاءکرام کا کام ناسوت سے لاہوت تک کا سفراور پھرعالمِ لاہوت سے نیچے اُتر کر خدا سے حاصل کیے ہوئے فیض کو عالم انسانی میں جاری کرنا یعنی اللہ کی محبت حقیقی کے فضائل کا بندوں میں پرچار کرنا ہی ہوتا ہے۔ چونکہ انبیاءکرام انسان ہوتے ہوئے عالم لاہوت کی حقیقت بھی جان جاتے ہیں اس لیے وہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان سنگم بن جاتے ہیں۔انبیاءکرام کی بلاتفریق مذہب وملت انسانوں سے ہمدردی اور محبت یہ ثابت کرتی ہے کہ انسانوں سے محبت ہی وہ جوہرعظیم ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیار اور رضا کی گود میں بٹھانے کا سبب بنتا ہے۔تمام انبیاءکرام انسانوں کو انسانیت یعنی محبت ہی کا سبق پڑھاتے رہے ہیں۔جب انسان انبیاءکرام کے اس پیغامِ محبت پر ایمان لاکر محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں تو ان کو بھی لاہوتی عالم سے اللہ تعالیٰ روشناس کرا دیتا ہے،اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جس میں اللہ اپنے بندوں سے اور بندے اپنے خدا سے راضی ہوجاتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو بنانے کے بعد اس میں اپنی روح پھونکی تھی اس لیے دنیا میں پیدا ہونے والا ہر بچہ سلیم فطرت ہوتا ہے۔ ہر انسان کے اندر نیکی کا مادہ موجود ہوتا ہے،مگر وہ ماحول اور صادقین کی صحبت سے دوری کی وجہ سے بدیوں کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔انبیاءکرام اللہ کی مدد سے انسانوں سے بدیوں کی میل کچیل کو دور کر کے وہ نیکی جوان کی سرشت میں ہوتی ہے نمایاں کر دیتے ہیں۔انبیاءکرام ہی بتاتے ہیں کہ عبادات کے ساتھ ساتھ والدین رشتے داروں، ہمسایوں، بیوی بچوں، ناداروں، معذوروں، یتیموں، خواتین بیواؤں، بزرگوں، بچوں، جوانوں، مزدوروں، دشمنوں وغیرہ وغیرہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنا اور پیار اور محبت کا سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا سبب بنتے ہیں۔مگر ہم جب تاریخِ عالم پر نظر دوڑاتے ہیں تو دکھائی دیتا ہے کہ وہ جامِ شیریں جسے انبیاءکرام پلاتے ہیں،اس سے روحانی اور دنیاوی فوائد حاصل کرنے والے نہایت قلیل تعداد میں تھے اور ہیں۔

محبت وہ خوبصورت جذبہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ودیعت کیا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات سے محبت کرتا ہے۔تمام مخلوقات پر اس کی ربوبیت کی چادر پڑی ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی یہ محبت ہی تو ہے کہ اشرف

المخلوقات کے لیے اس نے کائنات کی ہر چیز مسخر کردی ہوئی ہے، کسی خاص مذہب یا گروہ کے لیے نہیں بلکہ ہر انسان کے لیے بغیر کسی تخصیص کے یہ کائنات مسخر کی گئی ہے۔ یہ ہے محبت کی اصل حقیقت۔ مگر محبت انسان کو اکثر خودغرض بنا دیتی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ خون ریزی مذہب کے نام پر کی گئی ہے حالانکہ کسی ایک مذہب میں بھی ایسی کوئی تعلیم نہیں ہے جو انسانوں کو مذہب کی بنیاد پر قتل و غارت کی اجازت دیتا ہو۔ ہوتا یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے کچھ عرصہ بعد مذہب کے ٹھیکیدار بن جانے والے نام نہاد علماء، مذہب کو ہائی جیک کر لیتے ہیں، اور پھر ذاتی مفادات کے لیے رسومات کا جل جال بن لیتے ہیں جس میں عامتہ الناس مذہب کے نام پر قید ہو جاتے ہیں اور مذہب سے محبت کے نام پر ہر قسم کے ظلم و جور کرنے کے لیے صیادوں کے اشارہ پر تیار ہو جاتے ہیں۔ حکمرانوں اور بااختیار لوگوں سے ان نام نہاد علماء کے تعلقات ہمیشہ اچھے ہوتے ہیں۔ حکمرانوں کو دیگر ممالک سے جنگوں کے لیے یہی منحوس طبقہ مذہبی خودساختہ جواز فراہم کرتا ہے۔ اب دیکھ لیجیے عیسائی ایک مذہب ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مذہب کے بانی تھے، جن کا پیغام محبت تھا۔ مذہبی ٹھیکیداروں نے اس محبت کے مذہب کے ایک ہزار سے زائد ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لیے۔ ایک ہزار ٹکڑوں کے مذہبی لالچی اور خودغرض مذہبی لیڈروں نے اپنی اپنی ٹکڑی کو نجات یافتہ قرار دے کر دیگر ٹکڑیوں کو کافر قرار دے کر جو جور و ستم کے پہاڑ لوگوں پر توڑے وہ تاریخ کا حصہ ہے، بالآخر ریاست کو مذہب سے علیحدہ کرنا پڑا اور ہر شخص کو مذہبی آزادی دے کر فرقہ واریت کا منحوس بت یورپ میں توڑ دیا گیا۔ یورپ اور امریکہ میں نظر آنے والی خوشحالی اور جدید ٹیکنالوجی کی بہاریں جو آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہی ہیں صرف اور صرف نام نہاد مذہبی رہنماؤں کو ریاستی معاملات اور انسانوں کے مذہبی معاملات سے الگ تھلگ کرنے سے ممکن ہوا ہے۔ سائنس نے عیسائی فرسودہ اور جاہلانہ عقائد کا قلع قمع کر دیا ہے، تمام شعبدے بازیاں بے نقاب کر دی ہیں، یہی وجہ ہے کہ عیسائی دنیا میں عیسائی مذہب سے کلیتاً الگ، کچھ مذہب اور کچھ اللہ کو بھی ماننے سے انکاری ہو رہے ہیں۔

بڑا عجیب لگتا ہے اگر محبت جیسی عظیم سوغات کو قاتل کہا جائے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ مذاہب سے تعلق رکھنے والے نام نہاد سورماؤں نے اپنے مذاہب سے محبت کے نام پر لاتعداد انسانوں کا قتل عام کر کے خون کی ندیاں بہائی ہیں اور شہروں کو جلا کر ویران کیا ہے۔ محبت حقیقی ہو یا مجازی سبھی محبت کا دم بھرنے والوں

کوانسانیت سے محبت اور معاشرے کی پاکیزگی کے نام پرنام نہادانسانیت اور پاکیزگی کے دعوے دارقتل وغارت اور درددوالم ورنج وغم سے دوچار کرتے آئے ہیں۔آج بھی امریکہ کے حکمران اوراس کے اتحادی اپنے وطنوں اور ہم وطنوں کی محبت میں سرشار ہوکران کی سلامتی کے نام پرلاکھوں انسانوں کا خون کر چکے ہیں اورآئندہ بھی ایسا کرنے کامنصوبہ رکھتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کی حالت زار بھی عیسائیوں کے اس دور سے ملتی ہے جب عیسائی،تفرقہ بازی اور عقائد پرستی کے سحر میں گرفتار ہوکراوران رسومات رزیلہ سے محبت کی وجہ سے قعر مذلت میں گرے پڑے کلبلا رہے تھے،جہالت نے عیسائی دنیا کی مت ماردی ہوئی تھی،تاریکی ہی تاریکی تھا۔آج سائنس نے اور مذہب کی ریاست سے جدائی نے عیسائی عقائد کوتہس نہس کر دیا ہے۔آج مسلمان اور ہندوقومیں بھی فرقوں کا ملغوبہ بنی ہوئی ہیں۔ ہندوؤں کے ہزاروں فرقوں اور کروڑوں بتوں نے ہندوستانیوں کواپنے نام نہاد سنہری جال میں جکڑ رکھا ہےاوررسم ورواج کی بھاری زنجیریں انکے گلے کا ہار بنی ان کی روحوں اور بدنوں کولہو لہان کررہی ہیں۔ ہندو پنڈتوں نے ہندوؤں کوعقائد،رسم ورواج اور جہالت سے محبت کے جام اتنے زیادہ پلا دیے ہیں کہ ان کا ہوش میں آناممکن نہیں لگتا۔نیل آرمسٹرانگ نے جب چاند پرقدم رکھاتو ہندو پنڈتوں نے شور مچایا کہ چاند دیوتاپر نیل آرمسٹرانگ نے قدم رکھ کراسے پلید کر دیا ہےاورمسلمانوں نے بھی اس واقع پریقین نہیں کیا تھا۔مسلمان بھی دوانتہاؤں کوچھور رہے ہیں،ایک طبقہ مسلمانوں کا وہ ہے جوشرک کی آخری حدوں تک پہنچا ہوا ہےاور یہ شرک سے محبت بھی اللہ،اللہ کے رسول ﷺ اوراولیاء اللہ کی محبت کے نام پر کی جاتی ہے،حالانکہ رحمتہ للعالمین ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ سے مانگو۔اوردوسراطبقہ قبرستان میں ہاتھ اٹھا کراللہ سے صاحب قبر کے درجات کی بلندی کے لیے دعا مانگنے کوبھی شرک سمجھتا ہےاور یہ ساری کاروائی اللہ اوراس کے دین کی محبت کے نام پر کی جاتی ہے۔ہم عام زندگی میں بھی دیکھتے ہیں کہ بیوی کی محبت میں بیٹا والدین کا دل پاش پاش کرتا ہےاورکبھی بیٹا ماں کی محبت میں بیوی پرتشددتو کرتا ہی ہے،بعض اوقات جان سے بھی مار دیتا ہے،ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو چندروپوں کی محبت میں اپنے دوست کی جان بھی لے لیتے ہیں،ایسے لوگ بھی عام ہیں جواپنے بیوی بچوں کی محبت میں جرائم کرتے ہیں۔اصل بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دلکش عطا جذبہ محبت کا دوردورہ انسانیت کے لیے بے حدضروری ہے، سمجھوتے کی زندگی لوگ جیتے ہیں اور

سمجھوتہ محبت نہیں ہوتا، خودغرضی کا نام محبت رکھنے سے خود غرضی، محبت میں کسی صورت تبدیل نہیں ہوسکتی، یہ بھی ہونا ناممکن ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں سے محبت کے نام پر انسانوں کے گلے کاٹ کر اللہ اور اسکے انبیاء کرام کی محبت اور خوشنودی حاصل ہو۔ سو فیصد ایسی محبت انسانیت کی قاتل ہے جو ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے انسانیت کا خون بہانے کے لیے استعمال ہو۔ محبت کو اسی طرح تمام انسانوں کے لیے بلا تفریق مذہب وملت عام ہونا چاہیے جس طرح خدا نے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے بلا تخصیص تمام انسانوں کے لیے کائنات کی ہر چیز کو مسخر کیا ہے۔ دنیا کا کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ سورج صرف میرے لیے اللہ نے بنایا ہے۔ ہم نے تو قاتل محبت کے ہاتھوں مسجدیں، گرجے اور مندر تباہ ہوتے دیکھے ہیں اور قاتل محبت کے ہاتھوں زندہ انسان جلتے دیکھے ہیں اور دلوں کو پارہ پارہ ہوتے دیکھا ہے، انسانیت کی خون آلود لاشیں دیکھی ہیں۔ ہم نے جس قدر قاتل محبت کی تباہ کاریاں دیکھی ہیں اس کی مثال سابقہ تاریخ میں شاید ہی کہیں ملے صرف ۲۰ برس میں عراق، لیبیا، افغانستان، پاکستان، عراق، لیبیا، شام، یمن، فلسطین اور کشمیر وغیرہ میں قاتل محبت نے کروڑوں انسانوں کو موت کی نیند سلا کر اپنی سفا کی اور بربریت کو ثابت کیا ہے۔

سچی محبت، اللہ اور اسکے بندوں سے ہمیں صرف سیرت انبیاء کرام میں ملتی ہے باقی سب کو معرفت اور ظرف کے مطابق جذبہ محبت عطا کیا جاتا ہے۔

جب محبت کے چرچے ہوتے ہیں
تو ساری دُنیا حیراں ہوتی ہے
محبت تڑپتی ہے اکثر شب تنہائی میں
سَرگوشیء یار ہی درد کا درماں ہوتی ہے
محبت تو سدا دُکھ اُٹھاتی ہے مگر
یار پر دِل قُربان ، صدقے جاں ہوتی ہے
سچی محبت کو ملتا ہے یہ اعزاز دوستو
زُبانِ محبوب ہی یار کی زُباں ہوتی ہے

مذہب کا پہلا سبق انسانیت ہے!!

بتوں کو توڑ دو لب کھول لو

اہل وطن منہ میں تمہارے انگارہ نہیں

نیوز ایجنسی روئٹرز کی رپورٹ کے مطابق پاکستانی صوبہ پنجاب کے جنوبی حصے کے شہر بہاولپور میں قائم گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج میں تعلیمی سال کے اختتام کے سلسلے میں ایک فیئر ویل یا الوداعی پارٹی کی منصوبہ بندی کی جارہی تھی۔ سال چہارم کے ایک طالب علم خطیب حسین کی اس پوسٹ گریجوایٹ کالج میں انگریزی کے ایک استاد ایسوسی ایٹ پروفیسر خالد حمید سے اس معاملے پر ایک روز قبل تلخ کلامی ہوئی تھی جس کے بعد اس طالب علم نے بدھ 20 مارچ 2019 کو ان پر چھریوں سے وار کرکے قتل کر دیا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ خطیب حسین نامی اس طالب علم نے جب خالد حمید پر حملہ کیا تو موقع پر موجود کچھ طلباء نے اپنے استاد کو بچانے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ملزم کو جب گرفتار کیا گیا تو اسے اپنے گھناؤنے اقدام پر رتی بھر بھی ندامت یا شرمندگی نہ تھی۔ اسی طرح گزشتہ سال ایک اسکول پرنسپل کو اس لیے قتل کر دیا گیا تھا کیوں کہ اس نے ایک طالبعلم کو ایک شدت پسند اسلامی گروہ کے جلسے میں جانے سے روکا تھا۔ گزشتہ کچھ برسوں میں سلمان تاثیر، شہباز بھٹی، مشال خان اور دیگر کئی واقعات میں لوگوں کو توہین مذہب کے الزام پر قتل کیا جا چکا ہے۔ توہین مذہب کے الزام میں کم از کم ساٹھ افراد کو جرم ثابت ہونے سے قبل نہایت اذیت ناک طریقوں سے قتل کیا جا چکا ہے، آسیہ بی بی کو تو ۱۰ برس کی ناکردہ گناہ کی سزا بھگتنے کے بعد رہائی نصیب ہوگئی مگر سینکڑوں لوگوں کی رہائی باقی ہے۔

مذہب، پاکستان میں ایک انتہائی حساس موضوع ہے۔ اور مذہب کو حساس موضوع بنانے والے اول نمبر پر یہودی نام نہاد ربّیوں، فریسیوں اور نام نہاد عیسائی پادریوں کے نقش قدم پر چلنے والے نام نہاد مولوی حضرات ہیں۔ وفاقی وزیر برائے سائنس جناب فواد چودھری نے بالکل سچ کہا ہے کہ:

”پاکستان کے لیے سب سے بڑا خطرہ فتویٰ باز مولوی ہیں، تمام طبقہ فکر کو اس رویے کیخلاف جہاد کرنا چاہئیے، ہمارے 75 فیصد مسائل کی وجہ علماء سو ہیں۔“

جناب فواد چودھری کا یہ بیان حوصلہ افزا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے مذہبی منافرت کے ایسے بیج بوئے ہیں جن سے ایسے خونی تناور درخت پاکستان کی سرزمین پر اُگے ہیں جن کے سائے میں انسانیت دم توڑ رہی ہے۔ فواد چودھری جیسے لبرل دانشوروں کی آواز کبھی کبھار سنائی دیتی ہے، اس آواز کو ریاست کے کرتا دھرتا سیاسی، فوجی اور مذہبی مصلحتوں کا شکار ہو کر جلدی سے دبا دیتے ہیں۔ بڑا عجیب لگتا ہے جب ریاست کا سربراہ یہ کہتا ہے کہ عاطف میاں معاشی کونسل کے ممبر بنا دیے گئے ہیں اور چند دن بعد مذہبی اور سیاسی نام نہاد مصلحت کے شکار ہو کر عاطف میاں کے مذہبی عقائد کی بنا پر ان سے پیچھا چھڑا لیتا ہے۔ اور یہ بھی حیرت کی بات ہے کہ وزیر اعظم نے ایک ایسی یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا جہاں سائنس کو روحانیت کے زور پر سپر سائنس بنایا جائے گا، اور یہ کہے کہ اس روحانی یونیورسٹی سے لیڈر شپ پیدا ہوگی۔

فواد چودھری اس سے پہلے بھی رویت ہلال کمیٹی کی چاند دیکھنے کی ڈرامہ بازی پر تنقید کر کے مفتی منیب اور دیگر علماء کے غیض وغضب کا نشانہ بن چکے ہیں۔ حالیہ بیان کے بعد مفتی نعیم بنوری نے فواد چودھری کے متعلق عمران خان کی حکومت کو دھمکی دی ہے کہ ''اگر تو تحریک انصاف کو اپنی حکومت بچانی ہے تو انہیں چاہیئے کہ فواد چوہدری کو فی الفور برطرف کرے۔''

علماء کا اس طرح کا دھمکی آمیز رویہ قابل مذمت ہے اور ہر ذی شعور پاکستانی کو اس طرح کے منفی رویوں کی مذمت کرنی چاہیے اور سچی اور مدلل بات کرنے والوں کو زبردست خراج تحسین پیش کرنا چاہیے۔ نفرت اور خاص طور پر مذہبی نفرت پھیلانے والوں کی ہر میدان میں دل شکنی اور قانونی گرفت ضروری ہے۔ گزشتہ دنوں جب جناب بلاول بھٹو زرداری نے مولانا فضل الرحمان کے مذہبی توہین کے بیانیے کو جو عمران کے خلاف صحابہ رضوان اللہ کی توہین کرنے کے متعلق تھا، مشترکہ اعلامیہ میں شامل کرنے سے انکار کر دیا تو مولانا ان کا منہ تکتے رہ گئے۔ بلاول نے کہا تھا: ''کسی کے بھی خلاف مذہب کو استعمال نہیں ہونے دوں گا۔'' اب وقت آ گیا ہے کہ فواد چودھری اور بلاول زرداری کے بیانیہ پر نا صرف غور کیا جائے بلکہ اسے خوب مشتہر کیا جائے۔ یہ سچ ہے کہ ہمارا مسئلہ معاشی نہیں اخلاقی ہے، جب تک لوگوں کو یہ شعور حاصل نہیں ہوگا کہ مذہب کا پہلا سبق انسانیت ہے نہ کہ حیوانیت ہے، تب تک قوم خون تھوکتی رہے گی اور نفرت کی بھینٹ چڑھتی رہے گی۔ اللہ رحم فرمائے۔ آمین

یورپ میں مظلوم مسلمان بچے!!

مغربی مما لک میں پرورش پانے والے مسلمان خاص طور پاکستانی مسلمان بچے نہایت تکلیف دہ صورت حال کا سامنا کر رہے ہیں۔مغربی مما لک میں پیدا ہونے والے بچوں کی تربیت اور قانون کے احترام کا مرحلہ کنڈرگارٹن سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔تربیت کا آغاز کچھ اس طرح سے ہوتا ہے کہ بچوں کو خوشدلی سے صبح، دوپہر اور شام کا سلام سکھایا جاتا ہے۔جھوٹ، غیبت، بدظنی، چوری، دھوکہ دہی، منافقت، ریاکاری، لڑائی جھگڑے، خوشامد، غصہ وغیرہ وغیرہ کو نہایت اچھے اور خاموش طریقے سے برائیاں ثابت کیا جاتا ہے۔اسی طرح بچوں کو قانون کا احترام سکھانے کے لیے خوش مزاج پولیس افسر، ان بچوں کا دوست بن کر ان کا پولیس سے خوف کھانا دور کر کے بتاتا ہے کہ پولیس صرف اور صرف معاشرے کو پرامن رکھنے اور شرفاء کے تحفظ کے لیے اپنا کام فرض سمجھ کر کرتی ہے۔بچوں کو ٹریفک کے قوانین اور انسانی ہمدردی کی افادیت کو نہایت عمدہ طریق پر ازبر کرایا جاتا ہے۔جب بچے اسکول جانے کے قابل ہوتے ہیں تو انہیں پہلا سبق یہ پڑھایا جاتا ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔رنگ، نسل، مذہب اور قوم کی بنیاد پر امتیازی سلوک کرنا قابل نفرت جرم ہے۔اس موضوع پر پوسٹر اسکول کی دیواروں پر آویزاں کیے جاتے ہیں۔اور سمجھایا جاتا ہے کہ ملکی قوانین کے مطابق ملک کے ہر شہری کو برابر کے حقوق حاصل ہیں اور ہر شہری کو مکمل طور پر مذہبی آزادی حاصل ہے۔

معزز قارئین! جب بچہ باشعور ہوتا ہے، اپنے اردگرد پاکستانی ذہنیت کا مغربی ذہنیت سے موازانہ کرتا ہے تو وہ چکرا کر رہ جاتا ہے۔آیئے سب سے پہلے گھروں کا جائزہ لیتے ہیں جہاں یورپ میں پیدا ہونے والے بچوں کے والدین ان کی تربیت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔یہ بالکل سچی بات ہے کہ بچے کی تربیت کا زمانہ ماں کے پیٹ سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔بچے کی پیدائش کے بعد سلیقہ شعار نیک ماں اپنے بچے کو پاک صاف رکھتی ہے، مقررہ اوقات میں اسے خوراک دیتی ہے اور بچے کو لڑائی جھگڑے تو تکار کے ماحول سے بچاتی ہے۔اور والد رزق حلال کماتا ہے اور اپنے بیوی بچوں کو وقت دیتا ہے۔جس طرح بے عمل استاد کے لیکچر کچھ حیثیت نہیں رکھتے اسی طرح والدین اپنے بچوں کو روحانی، علمی اور دنیاوی طور پر تبھی چاک و چوبند رکھ سکتے ہیں جب وہ خود ان

تمام معاملات پر عملی طور پر پورے اترتے ہوں۔ساس بہو،میاں بیوی،نند بھابھی کے جھگڑوں سے ناآشنا اور شریکے کی اصطلاح سے بے خبر بچوں کو پاکستانی معاشرے کی گندگیوں اور جہالت کے جوہڑ سے بچانا اور دور رکھنا والدین کا فرض ہے،اس فرض کو ادا نہ کرنے والے والدین کے بچے نہایت کربناک صورت حال کا سامنا کرتے ہیں،والدین کی بے پرواہی ہی کی وجہ سے ان بچوں کی ازواجی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔جس طرح بے نمازی والدین سختی سے اپنے بچوں کو نماز پڑھنے پر مجبور تو کر سکتے ہیں مگر نماز قائم نہیں کرا سکتے اسی طرح بچوں کی شادیاں زبردستی کروائی تو جا سکتی ہیں نباہ کرنے کی گارنٹی نہیں دی جا سکتی۔ہم نے دیکھا ہے کہ دعا گو اور باعمل والدین کے بچے عام طور پر مذہبی،علمی اور دنیاوی طور پر بڑے سلجھے ہوتے ہیں مگر بدقسمتی سے دعا گو اور باعمل والدین کی تعداد امت محمدیہؐ میں مایوس کن حد تک کم ہے۔جھوٹ،غیبت،بدظنی،چوری،دھوکہ دہی،منافقت،ریاکاری،لڑائی جھگڑے،شکوہ،شکایت،خوشامد،غصہ اور گالی گلوچ وغیرہ کے ماحول میں پلنے والے بچے کسی صورت بھی ان برائیوں میں کم وبیش مبتلا ہونے سے نہیں بچ سکتے۔یورپ میں پلنے والے بچے جب اپنے والدین کو مندرجہ بالا بیان کردہ برائیوں میں مبتلا دیکھتے ہیں تو ان کی شخصیت ڈگمگانے لگتی ہے۔مثلاً جب بچے اپنے والدین کو جھوٹ بولتے دیکھتے ہیں تو ان کے پاس دو ہی راستے ہوتے ہیں کہ والدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جھوٹ جیسے بڑے بت کی پرستش شروع کر دی جائے یا سچ کو اپنا کر والدین کی صحبت سے بچا جائے۔

یورپ میں پلنے والے بچے شعور کی آنکھ کھلتے ہی دو طرح کے والدین کا سامنا کرتے ہیں۔اول نمبر پر وہ والدین ہوتے ہیں جو اپنے بچوں کو اسی طرح کے اسلامی ماحول میں بڑی سختی سے قید کرنا چاہتے ہیں جس ماحول میں والدین خود مقید رہے ہوتے ہیں۔مثلاً جس طرح قرآن کریم ناظرہ پڑھنے کے لیے وہ کسی قاری یا مولوی کو انڈہ پراٹھا بھی کھلاتے تھے اور جھڑکیاں بھی سنتے تھے اسی طرح وہ اپنے بچے کے لیے بھی کوئی قاری،مولوی یا کوئی نیک دل قرآن پڑھنے والی خاتون تلاش کر کے اپنے بچے کو اس کے حوالے کر کے خود بے فکر ہو جاتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ان کے والدین بے فکر ہو گئے تھے۔اگر بچہ مولوی یا قاری کی ہاتھ چالاکی یا بدزبانی کی شکایت کرے تو بچوں کو والدین ڈانٹ ڈپٹ کر چپ کروا دیتے ہیں اور استاد کے احترام کی تلقین بھی کر دیتے ہیں۔یہی وہ رویہ ہے جس کے نتیجے میں بدچلن مولوی اور قاری بچوں کو جنسی طور پر بھی نا صرف ہراساں

کرتے ہیں بلکہ ان سے جنسی زیادتی بھی کرتے ہیں۔ بچے والدین کے دباؤ کی وجہ سے مذہبی شخصیات سے دین سیکھنے چلے تو جاتے ہیں مگران کے قول وفعل کے تضاد کی وجہ سے مذہب اور تمام مذہبی شخصیات سے متنفر ہوکر ایک بٹے ہوئے اور منتشر سوچ کے مالک بن جاتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یورپ میں پیدا ہونے والے بچے نہایت معصوم اور مظلوم دکھائی دیں گے، یہ بچے جب مساجد اور مدرسوں میں کمیٹی ممبران اور اماموں کے لڑائی جھگڑے دیکھتے ہیں اور عہدہ داروں کی فرعونیت مشاہدہ کرتے ہیں تو مذہب سے متنفر ہوجاتے ہیں یا منافقت اور ریاکاری کا چولا پہننے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔ کسی بھی شعبے میں کام کرنے والے پاکستان سے آنے والے مہاجرین کی اکثریت نہایت مکار سوچ رکھتی ہے، جب یورپ میں پیدا ہونے والے نوجوان کا ان گھاگوں سے واسطہ پڑتا ہے تو انہیں معلوم ہوتا کہ جھوٹ، منافقت، دھوکہ بازی، وعدہ خلافی اور مکاری کا نام پاکستانی ذہنیت ہے۔ اس بد ذہنیت سے پیچھا چھڑانے کا انہیں ایک ہی حل نظر آتا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی معاملہ نہ کیا جائے، گوروں کی ایمانداری، سچائی اور خوش مزاجی پر ہی بھروسہ کیا جائے اور کچھ نوجوان پاکستانی بد ذہنیت اپنا کر مغربی معاشرہ کے لیے بھی ضرر رساں بنتے ہیں۔ مولوی لوگ جو کچھ اپنے خطبات اور واعظ وغیرہ میں بیان کرتے ہیں، پڑھے لکھے باشعور یورپین جوان بچے جب ان پر سوال کرنا چاہتے ہیں تو انہیں تسلی بخش جواب نہیں ملتا تو ان کے دل غیر مطمئن ہوکر دہریوں کے فلسفیانہ خیالات سے متاثر ہوجاتے ہیں اور یا پھر ان مذہبی شخصیات کے زیر اثر آکر بنیاد پرست بن جاتے ہیں جو جنونی ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو مذہب سے دور کرنے والا سب سے بڑا گروہ مسلمان کہلانے والے اماموں کا ہے۔ جی ہاں انہی اماموں کا جن کے متعلق ہمارے حبیب آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "**لانا من غير الدجال اخوف عليكم من الدجال فقيل: وما ذلك ؟فقال:من الائمة الضالين**۔ (مسند احمد) "میں تم پر دجّال کی نسبت غیر دجّال سے زیادہ خائف ہوں"، عرض کیا گیا: وہ کون ہیں؟ فرمایا: "گمراہ اماموں سے زیادہ ڈرتا ہوں۔" (بحوالہ احیاء العلوم از امام غزالی صفحہ ۱۲۱) بعض بہت بڑے بڑے فرقوں یعنی بریلوی اور دیوبندی تو طالب علموں کے کالج داخلہ سے بہتر ان کے لیے فالج بہتر سمجھتے ہیں اور اخبار پڑھنے کو گناہ سمجھتے ہیں اور اسی طرح انگریزی زبان، انگریزی لباس اور انگریزی ادویات کے خلاف بھی اماموں کے فتوے موجود ہیں۔ یہ بھی بڑا عجیب معاملہ ہے کہ نوجوانوں کو ان عقائد کو بھی سوال جواب کی

اجازت دیئے بغیر اپنانے پر مجبور کیا جاتا ہے جو سائنسی طور پر سو فیصد جھوٹ ثابت ہو چکے ہیں۔ مثلاً مشہور فرقہ بریلوی کے بانی مولوی احمد رضا خان بریلوی کے اس عقیدہ پر کہ زمین ساکن ہے اور سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے، بریلوی مسلمان یقین رکھتے ہیں اور یورپ میں پیدا ہونے والا بچہ جب اس طرح کے عقائد کو سنتا اور پڑھتا ہے تو وہ مذہب ہی سے بددل ہو جاتا ہے۔ مولوی احمد رضا خان بریلوی نے اپنے اس نظریے کو قرآن اور حدیث سے اپنی دانست میں ثابت کیا ہے، انہوں نے زمین کو ساکن ثابت کرنے کے لیے آٹھ رسالے لکھے تھے، فتاویٰ رضویہ کی جلد ۲۷ میں یہ رسائل موجود ہیں۔

ایک اور مثال پیش خدمت ہے جس کے متعلق سوال پوچھنے پر ہر مسلمان کو قادیانی (احمدی) ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی آیت " وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ۔" کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ "یعنی عموماً تمہارا مسکن اصلی ومعتاد یہ زمین ہی ہے اگر خرق عادت کے طور پر کوئی شخص کسی وقت ایک معین مدت کے لیے اس سے اوپر اُٹھا لیا جائے مثلاً حضرت عیسیٰؑ، تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیا جو شخص چند روز یا چند گھنٹے کے لیے زمین سے جُدا ہو کر ہوائی جہاز میں مقیم ہو یا فرض کیجیے وہیں مر جائے وہ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ۔ کے خلاف ہوگا کیونکہ وہ اس وقت زمین پر نہیں ہوگا؟" (تفسیر عثمانی شاہ فہد پریس مدینہ منورہ) قارئین کرام! جسے زمین کی تعریف ہی معلوم نہ ہو اُس کے خیالات کے متعلق باشعور یورپین جوان بچے کیا رائے قائم کریں گے۔ کیا خوب فرما رہے ہیں کہ جہاز کا مسافر زمین میں نہیں ہوتا؟ خرق عادت اور حضرت عیسیٰؑ کا کوئی ذکر اس آیت میں ہے ہی نہیں۔ اس آیت میں تمام انسان مخاطب ہیں۔

معزز قارئین! احمد رضا خان بریلوی صاحب نے بھی اس آیت کی تفسیر میں کہہ رکھا ہے کہ "چاہے کہ سمندر پر چلنا محال ہو کہ اس وقت بھی زمین پر قرار نہیں ہوتا لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ سمندر پر تھوڑی دیر کے لیے چلے جانا زمین پر قرار ہونے کے منافی نہیں۔" (ملفوظات اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی۔ صفحہ ۳۸۹)

اسی طرح قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے بے شمار غیر منطقی، غیر حقیقی اور غیر اسلامی عقائد و روایات کی بھر مار بھی یورپی مسلمان نوجوانوں کو بے چین کرتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کی دو آیات ۲۶۰ اور ۲۶۱ کی تفسیر میں مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے خاصا مضحکہ خیز اور غیر حقیقی اور غیر منطقی ہے۔ جب یورپ میں پیدا

ہونے والا نوجوان، مسلم اسکالرز ،مفتیان ،علماء کرام کا وہ لٹریچر مطالعہ کرتا ہے جس میں ان مصنفین نے ریل،فونوگراف،تار، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، لاؤڈ اسپیکر اور تصویر بنوانے وغیرہ وغیرہ کو کفر اور حرام قرار دیا تھا اور پھر اس حرام اور کفر کو سینے سے بھی لگالیا گیا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل جاتی ہیں۔ابھی کل کی بات ہے مفتی منیب جو فرسودہ سائنسی ایجاد دوربین سے چاند دیکھنا اسلامی سمجھتا ہے اور جدید سائنسی ایجادات سے چاند دیکھنے کو غیر اسلامی حرام سمجھتا ہے۔ایک طرف یہ مفتی کہتا ہے کہ ننگی آنکھ سے چاند دیکھنا شریعت کے عین مطابق ہے اور دیکھتا دوربین سے ہے۔عالمی طور پر ان اماموں ،مفتیوں اور علماء نے اسلام کو تماشا بنادیا ہے۔اسی مفتی منیب نے اپنے اندر کا سائنس کے خلاف یہ کہہ کر سارا بغض نکال دیا ہے کہ'' ہم (یعنی فرقہ مولویاں) سائنس کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں۔'' باشعور یورپین جوان بچے اچھی طرح جانتے ہیں کہ سائنس کے جدید علم نے انسانیت کو بے حد فوائد پہنچائے ہیں اور اسلامی دنیا سائنسی علوم نہ سیکھنے کی وجہ ہی سے بنجر اور بانجھ کھیتی کا منظر پیش کر رہی ہے۔ اگر کبھی کبھار اس بنجر زمین میں کوئی دلکش پھول کھلتا ہے تو بنجر دھرتی کے مالکان اس پھول کے رنگ وخوشبو سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے اسے اپنی بنجر دھرتی سے باہر پھینک دیتے ہیں، پاکستان سے تعلق رکھنے والے پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام اور ملالہ یوسفزئی اس کی زندہ مثال ہیں۔باشعور یورپین جوان بچے جب یورپ اور امریکہ میں ان نایاب اور نامدار شخصیات کی قدر ومنزلت دیکھتے ہیں تو بے اختیار ان کا دل پاکستانی قوم کے جاہلانہ رویوں اور خیالات پر ماتم کرنے کو چاہتا ہے۔

والدین کا دوسرا طبقہ وہ ہے جو مذہب اور مذہبی شخصیات سے اپنے بچوں کو کوسوں دور رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مذہبی تعلیمات اور عبادات وغیرہ بچوں کی پڑھائی کو متاثر کر کے انہیں نالائق اور غیر حقیقت پسند بنا دیں گی۔ایسے بچے حقیقتاً مذہب کو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ناقابل برداشت سمجھتے ہوئے اسے اپنی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے ترک کر دیتے ہیں۔قارئین! جس طرح امت مسلمہ میں دو طرح کے مسلمان پائے جاتے ہیں جو شرک کو بھی نیکی سمجھ کر کرتے ہیں اور دوسرے وہ مسلمان ہیں جو مسنون طریقوں اور روایات کو بھی شرک سمجھتے ہیں ۔یعنی مسلمانوں کی اکثریت دو انتہاؤں پر براجمان ہے اور بہت تھوڑی تعداد ہے جو ان دو انتہاؤں کے درمیان ہے۔مثال کے لیے بریلوی، وہابی اور شیعہ کتب کا مطالعہ ضروری ہے،سعودی عرب میں اور

مزاروں پر اس حقیقت کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ بالکل یہی دو انتہائیں مسلمان والدین میں بھی موجود ہیں۔ جس طرح اول قسم کے مسلمان دنیاوی تعلیم اپنے بچوں کو دلا کر دین سے دور اور دنیادار نہیں بنانا چاہتے اسی طرح وہ والدین جو اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلا کر بڑے بڑے دنیاوی عہدوں پر بٹھانا چاہتے ہیں وہ مذہب کو رکاوٹ سمجھ اپنے بچوں کو اس سے دور رکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حد سے زیادہ مذہبی بنیاد پرست نوجوان مذہبی جنونی بن کر اپنی اصل بھول جاتے ہیں اور مذہب سے دوری اختیار کرتے ہوئے حد سے زیادہ دنیاوی تعلیم کی ڈگریاں بھی دماغ گھما دیتی ہیں۔ اوران دو انتہاؤں تک لے جانے والے والدین کا بالآخر کوئی رول نہیں رہتا، ایسے والدین آخری عمر میں آہیں بھرتے دیکھے جاسکتے ہیں، ان کے لیے نہ مذہبی بیٹے کے پاس وقت ہوتا ہے اور نہ تعلیم یافتہ بیٹے کے پاس ان کو دینے کے لیے کچھ ہوتا ہے۔ بالعموم ایسی دو انتہاؤں تک اپنے بچوں کو پہنچانے والے والدین تنہا ہو جاتے ہیں۔ بچوں کو میانہ روی اختیار کروانے والے والدین بالعموم راحت کی زندگی گزارتے ہیں۔ میانہ روی کو اللہ تعالیٰ اپنا فضل قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: **ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ** ۔ (سورۃ الفاطر آیت ۳۵) ترجمہ: ''پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے جنہیں چن لیا انہیں کتاب کا وارث بنا دیا۔ پس ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے نفس کے حق میں ظالم ہیں اور ایسے بھی ہیں جو میانہ رَو ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو نیکیوں میں اللہ کے حکم سے آگے بڑھ جانے والے ہیں۔ یہی ہے جو بہت بڑا فضل ہے۔''

حضرت بریدہ اسلمیؓ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''تم درمیانی راہ اختیار کرو، درمیانی راہ اختیار کرو، درمیانی راہ اختیار کرو۔'' (مسند امام احمد بن حنبل، مستدرک امام حاکم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''درست رہنمائی، اچھی چال اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں جزو ہے۔'' (ابوداؤد، مسند احمد)

حضرت حذیفہ بن عان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومن کے لیے مناسب نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے اور وہ خود کو ایسی آزمائش ہی میں الجھائے، جو اس کے بس میں نہ ہو۔'' (ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد)

معزز قارئین!اس مضمون لکھنے کا مقصد وہ درد تھا جسے اس عاجز نے یورپ میں پیدا ہونے والے بچوں میں دیکھا ہے۔مغربی مما لک میں پیدا ہونے والے بچے معصوم اور بے ضرر پھول اور کلیاں ہیں جن میں دلکش خوشبو رچی بسی ہے،ان بچوں میں وہ تمام اخلاقی صلاحیتیں موجود ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے عمریں گل جاتی ہیں۔والدین سے گزارش ہے کہ مغرب میں پیدا ہونے والے بچوں سے دیسی معاشرتی گندگیوں کو دور رکھیں،اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ بچے مذہبی جنونی بن جائیں گے اور یا پھر دہریت کی دلدل میں دھنس جائیں گے۔

گزشتہ دنوں ایک نوجوان سے پوچھا گیا کہ آپ کا سارا خاندان مسلمان ہے آپ نے اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت کیوں قبول کر لی؟اس نے فوراً جواب دیا کہ عیسائیت محبت اور انسانیت کا مذہب ہے مجھے عیسائیت قبول کر کے جو محبت اور انسانی وقار ملا اس کا عشر عشیر بھی مسلمان ہوتے ہوئے نہیں ملا،عیسائیت قبول کرنے سے سے پہلے مجھ پر کسی کی توجہ نہ تھی اور اب جو محبت نہ کرتے تھے ان کی مجھ پر توجہ کا یہ حال ہے کہ مسلمان مجھ سے شدید نفرت کرتے ہیں۔اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ پہلے اگر نماز نہیں پڑھتا تھا تب بھی برا تھا اور اگر کبھی نماز پڑھنے چلا جاتا تو مسجد کے کرتا دھرتا اور دیگر پاک باز مجھے عجیب نظروں سے دیکھتے تھے اور کہنے والے کہہ دیتے کہ لو آج اسے بھی نماز کا خیال آ گیا،لنگر یا کسی اجتماع میں جاتا تب بھی دلشکنی ہوتی،گھر والے بھی مجھے ہی برا کہتے،عیسائیت قبول کرتے ہی،جو مسلمان مجھ سے محبت نہ کر سکے اب وہ نفرت میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔

معزز قارئین!بہت بڑی تعداد مسلمان نوجوانوں کی مذہب اسلام سے دور ہٹ رہی ہے،کچھ غیر اعلانیہ دہریے ہو رہے ہیں اور کچھ جنونی بن رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اولادوں کی احسن رنگ میں تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مسلمان بھائیوں کو نوجوانوں کی دل شکنی کرنے کی بجائے ان سے دلداری کرنے اور محبت سے پیش آنے کی توفیق عطا فرمائے۔اللہ کرے کہ والدین بچوں سے دلداری اور محبت سے ایسی تربیت کرنے کی توفیق پائیں جو انہیں متقی بنائے،اچھا انسان بنائے نہ کہ زہریلے سانپ اور بچھو۔

آمین یا ربّ العالمین۔

☆☆☆

سلطان شہاب الدین غوری

سلاطین غور کا تعلق ضحاک بادشاہ کے خاندان سے ہے۔ضحاک کو ایرانی بادشاہ فریدون نے شکست سے دوچار کر کے قتل کر دیا تھا۔بادشاہ فریدون نے ضحاک بادشاہ کے خاندان کے زیادہ تر افراد کو قتل کر دیا تھا اور جو باقی بچ رہے انہیں جلاوطن کر دیا تھا۔ضحاک بادشاہ کے خاندان کے دو بھائیوں سوری اور سام نے فریدون کے دربار سے کچھ عرصہ بسلسلہ ملازمت منسلک رہنے کے بعد نہاوند نامی علاقہ میں اپنا اثر رسوخ پیدا کیا۔سوری قبیلہ کا سردار بن گیا اور سام نے فوج کی سالاری سنبھال لی۔سام کی وفات کے بعد سام کے بیٹے شجاع اور بھائی سوری کے درمیان دوری پیدا ہوگئی اور شجاع نے غورستان پہنچ کر مستقل سکونت اختیار کر لی اور چند قلعے بھی بنا لیے۔شجاع نے تھوڑے عرصہ میں اتنی قوت حاصل کر لی کہ ایرانیوں سے لڑنے کے قابل ہو گیا اور ایرانیوں سے ایک مدت تک لڑتا رہا،اور آخرکار اسے شکست کا سامنا کرتے ہوئے ایرانیوں کی باج گزاری کو قبول کرنا پڑا۔شجاع کی وفات کے بعد غوریوں کے کئی سردار بنے۔حضرت علیؓ کے دور خلافت میں غوری سردار شنسب بن حریق نے اسلام قبول کر لیا۔اور حضرت علیؓ نے شنسب کو اپنے ہاتھ سے غوریوں کی حکومت کا فرمان لکھ کر دیا۔

ہارون الرشید کے دور خلافت میں غور کا حکمران یحییٰ بن نہاتان شنسی تھا۔اس کا پڑپوتا محمد بن سوری، سلطان محمود غزنوی کا ہم عصر تھا۔محمد بن سوری کے اطاعت نہ کرنے پر محمود نے اسے شکست دے کر گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور اسکے بیٹے ابوعلی کو غور کا حاکم بنا دیا،مگر جلد ہی محمد بن سوری کے بھتیجے عباس نے ابوعلی کو زبردستی اقتدار سے الگ کر کے غور کی حکمرانی حاصل کر لی۔

عباس کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ نہایت ظالم اور شقی القلب حکمران تھا۔تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ’’اس کے ظلم اور برے اعمال کی سزا قدرت نے یہ دی کہ سات برس تک غورستان میں پانی کا ایک قطرہ نہ برسا۔اس خشک سالی کی وجہ سے ہزارہا انسان بھوکے پیاسے مر گئے۔‘‘

عباس کو ابراہیم غزنوی نے شکست دے کر گرفتار کر لیا اور اسکے بیٹے محمد کو غور کا حاکم بنا دیا۔محمد کا بیٹا قطب الدین حسن ایک جنگ میں مارا گیا اور غور کی حکمرانی مکمل طور پر غزنویوں کے کے پاس چلی گئی۔قطب

الدین حسن کا بیٹا سام جو کہ ہندوستان فرار ہو گیا تھا، واپس غور آتے ہوئے دریا میں بیوی بچوں سمیت دریا میں ڈوب کر مر گیا سوائے ایک بیٹے اعزالدین حسن کے۔اعزالدین حسن سات برس چوری کے جرم میں جیل میں رہا، سزائے موت سنائی گئی مگر شدید مشکلات کے بعد سلطان ابراہیم غزنوی تک اس کی رسائی ممکن ہوئی۔سلطان ابراہیم اس کی داستان سن کر متاثر ہوا اور اسے ناصرف امیر حاجب مقرر کیا بلکہ اپنے ایک عزیز کی بیٹی سے اس کی شادی بھی کرادی۔جس کے بطن سے اس کے سات بیٹے پیدا ہوئے۔اعزالدین حسن کے ایک بیٹے قطب الدین محمد بہرام شاہ غزنوی کا داماد تھا۔قطب الدین نے فوجی ساز و سامان جمع کر کے غزنی پر حملے کا ارادہ کیا جس کی خبر اس کے سسر بہرام شاہ غزنوی کو ہو گئی اور اس نے بہانے سے غزنی بلا کر اپنے داماد کو قید کر دیا، بعدازاں زہر دے کر اسے قتل کر دیا۔قطب الدین محمد کا قتل، غزنوی اور غوری خاندانوں کے درمیان دشمنی کا نقطہ آغاز بن گیا۔دونوں کے خاندان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

قطب الدین محمد کے قتل کے بعد اس کے بھائی سیف الدین سوری نے جوش انتقام میں غزنی پر قبضہ کر کے بہرام کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔مگر سردیوں کے موسم میں بہرام غزنوی نے غزنی پر دوبارہ قبضہ کر کے سیف الدین سوری کو گرفتار کر لیا، اسے اور اسکے وزیر مجدالدین کا منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھایا اور بہت ذلیل کر کے قتل کر دیا۔سیف الدین سوری پہلا غوری سردار تھا جس نے اپنے لیے سلطان کا لقب استعمال کیا۔

سیف الدین سوری کی موت کے بعد اعزالدین کے مشہور زمانہ بیٹے علاؤالدین نے اپنی جہاں سوزی سے غوری خاندان کا نام مشہور کر دیا۔اس نے غزنی پر قبضہ کیا اور جنون انتقام میں غزنی خاندان کے چند سلاطین کو چھوڑ کر تمام آل سبکتگین کی قبریں کھدوائیں اور ان کی ہڈیوں کو نذر آتش کیا۔علاؤالدین نے اپنے بھائی بہاؤالدین کے دونوں بیٹوں غیاث الدین اور شہاب الدین کو سنجر کی حکومت عطا کی۔مگر تھوڑے عرصہ بعد حاسدوں نے اسے بھتیجوں سے بدظن کر دیا اور اس نے دونوں بھائیوں کو قید میں ڈال دیا۔اور سرکش اتنا ہو گیا کہ سلطان سنجر کی اطاعت سے نکل کر کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔آخر کار سلطان سنجر کے ہاتھوں شکست کھا کر گرفتار ہوا اور لمبا عرصہ قید میں رہا بعدازاں اس پر رحم کرتے ہوئے اسے غورستان کا حاکم بنا دیا۔۵۵۱ھ میں اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین حکمران ہوا۔اقتدار سنبھالتے ہی اس نے اپنے چچیرے بھائیوں غیاث الدین اور

شہاب الدین کو رہا کر کے سنجر کا حاکم بنا دیا۔ایک برس چند مہینے بعد سیف الدین کو ایک لشکری نے قتل کر دیا۔ غیاث الدین غوری حاکم سنجر نے اقتدار سنبھال لیا اور اپنے بھائی شہاب الدین غوری حاکم غورستان کو اپنا سپاہ سالار بنالیا۔

۵۶۷ھ میں غیاث الدین غوری نے غزنی کو فتح کر کے غورستان کا ایک صوبہ بنالیا اور اس کی حکومت شہاب الدین غوری کے سپرد کر دی ۵۷۲ھ میں اپنے تمام دشمنوں ٹھکانے لگا کر اور اندرونی سازشوں کا خاتمہ کر کے غیاث الدین غوری کے کہنے پر شہاب الدین غوری پہلی مرتبہ ہندوستان میں داخل ہوا اور ملتان کو قرامطہ فرقے کی سرکوبی کے نام پر تاراج کیا اور اچھ قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ جب قلعہ کے اندر داخل ہونا ممکن دکھائی نہ دیا تو شہاب الدین غوری نے یہ چال چلی کہ راجہ اچھ کی رانی کو پیغام بھجوایا کہ اگر اس کی مدد سے قلعہ فتح ہوا تو میں تمہیں اپنی ملکہ بناؤں گا۔ رانی نے جواب میں پیغام بھجوایا کہ میری عمر ایسی نہیں کہ تجھ جیسے بادشاہ کی ملکہ بنوں، میری بیٹی جوان ہے اگر اسے اپنی ملکہ بنانے کے لیے تیار ہو تو مدد کے لیے تیار ہوں۔ بادشاہ کی رضامندی پر رانی نے راجہ کو قتل کر کے قلعہ کے دروازے کھول دیے۔ ماں بیٹی سے اسلام قبول کروا کر رانی کی بیٹی سے نکاح کر لیا مگر دونوں ماں بیٹی کسمپرسی کی حالت یکے بعد دیگرے مرگئیں۔شہاب الدین غوری نے حسب وعدہ انہیں قبول تو کر لیا تھا مگر دلی طور پر ان سے اس وجہ سے نفرت کرتا تھا کہ انہوں نے راجہ کے ساتھ بیوفائی کی تھی اور اسی وجہ سے ان پر اعتبار بھی نہ کرتا تھا۔ یہ واقع حالات و واقعات اور تاریخی حقائق کے تناظر میں جھوٹ لگتا ہے۔

۵۷۴ھ میں شہاب الدین غوری دوبارہ ملتان اور اچھ سے ہوتا ہوا گجرات پر حملہ آور ہوا۔ گجرات کے حاکم رائے بھیم دیو نے شہاب الدین غوری کو بدترین شکست سے دوچار کر کے بھگا دیا۔اس جنگ میں بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کی جان گئی۔۵۷۵ھ میں پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور پشاور کے چند مقامات پر قبضہ کر لیا اور لاہور کو چھوڑ دیا۔۵۷۶ھ کو سندھ پر حملہ آور ہوا اور اسے تاراج کیا۔ بے شمار دولت لوٹ کر واپس غزنی لوٹ گیا۔سندھ سے لوٹی رقم جب ۵۸۰ھ میں کم ہوگئی تو شہاب الدین غوری نے لاہور پر چڑھائی کر کے اسے اور اس کے گردوپیش کے علاقوں کو جی بھر کر لوٹا۔اور لوٹ کا مال سمیٹ کر غزنی لوٹ گیا ۵۸۲ھ میں شہاب الدین غوری پھر ہندوستان میں داخل ہوا اور خسرو ملک سے لاہور چھین لیا اور غزنی خاندان کا خسرو ملک اور اسکے بیٹے کی موت

کے بعد برائے نام بھی خاتمہ کر دیا۔

۵۸۷ھ میں شہاب الدین غوری پھر ہندوستان میں داخل ہوا۔اس بار اس کا شکار بڑے بڑے راجاؤں کا مرکزی اور مذہبی شہر بٹھنڈہ بنا۔بٹھنڈہ قلعہ کا راجہ اجمیر کے قبضہ میں تھا اس شہر کو فتح کر کے شہاب الدین اسے لوٹ کر واپس غزنی جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ اسے خبر ملی کہ رائے پتھورا پرتھوی راج اپنے بھائی اور دیگر راجاؤں سے مل کر بٹھنڈا قلعہ کو آزاد کروانے کے لیے سازش کر رہا ہے۔ یہ خبر سن کر شہاب الدین، پرتھوی راج چوہان کو سبق سکھانے کے لیے موضوع ترائن جسے اب تراوڑی کہا جاتا ہے پہنچا۔میدان جنگ دریائے سرسوتی کے کنارے سجا۔دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی،اس جنگ میں پرتھوی راج نے فتح حاصل کی۔ بہادر راجپوتوں نے نا صرف شہاب الدین کے افغانی اور خلجی امراء کو میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا بلکہ رائے پتھورا پرتھوی راج کے بھائی کھانڈے رائے نے شہاب الدین غوری سے دو بدو لڑتے ہوئے اسے شدید زخمی کر دیا۔رات کے اندھیرے میں زخمی شہاب الدین غوری کو اس کی فوج کے سپاہی اُٹھا کر لے گئے۔ترائن کی لڑائی ہارنے کے بعد زخموں سے چور سلطان غزنی واپس چلا گیا اور غزنی پہنچ کر سلطان نے میدان جنگ سے فرار ہونے والے امراء کی گردنوں میں توبروں میں کچے جَو بھروا کر لٹکا دیے،اور حکم دیا کہ جو توبروں میں بھرے کچے جو کھالے اسے چھوڑ دیا جائے اور جو نہ کھائے اسے قتل کر دیا جائے۔امراء نے شہر کی گلیوں میں پھرتے ہوئے جو کھائے۔

اگلے برس یعنی ۵۸۸ھ میں پرتھوی راج سے شکست کا بدلہ لینے کے لیے شہاب الدین غوری ہندوستان پہنچا۔ترائن کی دوسری لڑائی سے پہلے غوری نے ان امراء کو معاف کر دیا جن سے وہ بدظن تھا۔غوری نے ہندوستانی فوج پر اس وقت حملہ کیا جب ہندوستانی سپاہی صبح کے وقت رفع حاجت اور نہانے دھونے میں مصروف تھے۔گھمسان کی جنگ ہوئی شام تک ہندوستانی فوج کا پلہ بھاری رہا،دونوں افواج کے لاکھوں فوجی مارے گئے۔مختصر یہ کہ اس جنگ میں شہاب الدین غوری کو فتح نصیب ہوئی۔ پرتھوی راج چوہان اور کھانڈے رائے بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ہندو سرداروں کو قتل کرنے کے بعد سلطان اجمیر پہنچا اور اس کے نواح پر حملہ کر کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا۔قطب الدین ایبک کو کہرام کا حاکم

مقرر کیا اور اور خود شمالی ہندوستان کے کوہستانی علاقوں کی غارت گری میں مشغول ہوا، ان علاقوں کو تباہ کر کے غزنی واپس آ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد شہاب الدین غوری پھر ہندوستان میں داخلہ داخل ہوا۔ اس بار اس نے قنوج کا راستہ لیا۔ بنارس کے راجہ جے چند نے اس کا جم کر مقابلہ کیا مگر شکست سے دوچار ہوا۔ شہاب الدین غوری اس شہر میں داخل ہوا جہاں جے چند کی رہائش تھی، یہاں کے تمام مال ومتاع پر قبضہ کرنے بعد سلطان نے بنارس کی طرف کوچ کیا۔ قاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ "یہاں پہنچ کر اس نے ایک ہزار مندروں کو اس غرض سے مسمار کیا کہ مسلمانوں کے رہنے کے لیے مکان بنائے جاسکیں۔"

۵۹۲ھ میں شہاب الدین نے پھر جنگ کرنے ٹھانی اور ہندوستان کے علاقہ بیانہ میں قتل وغارت اور لوٹ مار کے بعد واپس غزنی چلا گیا۔ اپنے بھائی غیاث الدین کی موت کے بعد شہاب الدین غوری غزنی میں شاہی تخت پر بیٹھا ۶۰۰ھ میں خوارزم شاہ پر حملہ کر دیا۔ خوارزم شاہ قلعہ بند ہو کر قرا بیگ اور بادشاہ سمرقند شاہ عثمان کا انتظار کرتے ہوئے شہاب الدین کو الجھائے رکھا۔ شہاب الدین کو جب اس بات کا علم ہوا تو بقول قاسم فرشتہ "ان دونوں (قرا بیگ اور بادشاہ سمرقند شاہ عثمان) سے خوف زدہ ہو کر اس نے (شہاب الدین غوری) اپنی ضرورت سے زیادہ سامان واسباب کو آگ لگا دی اور خراسان کی طرف بھاگ نکلا۔ خوارزم شاہ نے شہاب الدین کا پیچھا کیا، معرکہ آرائی میں شہاب الدین کو شکست ہوئی، اور یہ شیر غوررستان اپنے ہاتھی، گھوڑے اور خزانہ چھوڑ کر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔" سب کچھ گنوا کر غزنی کی طرف لوٹ گیا۔ مگر غزنی میں شہاب الدین کے غلام ایلدگز نے قبضہ کر لیا ہوا تھا۔ اس نے سلطان کو غزنی میں آنے سے روک دیا، اور لڑائی کے لیے تیار ہو گیا۔ حالات کی نزاکت بھانپتے ہوئے شہاب الدین ملتان چلا مگر وہاں بھی اس کے غلام قطب الدین ایبک نے ملتان کے کوتوال امیر داد حسن کو دھوکے سے قتل کر کے ملتان پر قبضہ کر لیا ہے، اور اس نے خوارزم شاہ کے ہاتھوں شہاب الدین کے مرنے کا اعلان کر دیا ہے اس جھوٹی خبر کو سن کر گکھروں کے سردار نے لاہور پر حملہ کر دیا ہے۔ شہاب الدین نے قطب الدین کو گرفتار کر لیا اور گکھروں کو سزا دے کر غزنی پہنچا اس کے غلام ایلدگز نے معافی مانگ کر جاں بخشی کروالی۔

۶۰۲ھ میں شہاب لدین نے ارادہ کیا کہ ترکستان کی غیر مسلم آبادی پر حملہ کرے۔ اس غرض سے

سلطان نے کوچ کیا اور دریائے سندھ کے کنارے قیام کیا۔ یہیں بیس گکھروں کے گروہ نے شہاب الدین غوری کو خنجروں اور چھروں کے وار کر کے قتل کر دیا۔ شہاب الدین کی لاش کو جب غزنی لے جایا گیا تو قافلے میں وہ چار ہزار اونٹ بھی تھے جن پر لوٹ کا مال یعنی شاہی خزانہ لدا تھا۔ مورخین کے مطابق غزنی کا خزانہ بے شمار روپے اور اشرفیوں سے معمور تھا۔ بہت سے دوسرے جواہرات کے علاوہ خزانے میں پانچ سو من الماس بھی تھے۔ شہاب الدین غوری کی صرف ایک بیٹی تھی اس لیے اقتدار خاندان غلاماں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

معزز قارئین! نہایت مختصر طور پر شہاب الدین غوری کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔ شہاب الدین غوری کے متعلق تواریخ میں یہ جولکھا ہے کہ وہ ایک خدا ترس، رحم دل اور اور انصاف پسند بادشاہ تھا میرے خیال میں تاریخ دانوں نے بڑی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے طنز کیا ہے۔ سالانہ لاکھوں لوگوں کی ہلاکت کا باعث بننے والے شخص کے گلے میں کیونکر خدا ترسی، رحمدلی اور انصاف پسندی کا تمغہ ڈالا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ شہاب الدین غوری عالموں کی صحبت کو پسند کرتا تھا۔ اگر صالحین کی صحبت کے باوجود شہاب الدین غوری ہندوستان میں داخل ہو کر لوٹ مار اور قتل وغارت نیز ہندوؤں کے مندر مسمار کرنے سے باز نہیں آیا تو نام نہاد صالحین پر بھی الزام آئے گا کہ وہ سلطان کے شریک کار تھے۔ مورخوں نے کوئی ایک بھی مثال اس کی خدا ترسی، رحمدلی اور انصاف پسندی کی نہیں دی ہے۔ رعایا کی زبوں حالی کا بھی کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ اگر کہیں اس کی فیاضی اور رحمدلی کا ذکر ہے تو وہ صرف امراء اور اس کی خواہشات پوری کرنے والے فوجی افسران تھے۔

شہاب الدین غوری کے قذاق قبیلے گکھروں کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد اس کا بھتیجا محمود جانشین بنا۔ محمود نہایت نالائق بادشاہ ثابت ہوا۔ حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ شہاب الدین غوری کے منظور نظر غلاموں نے سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا۔ شہاب الدین کے چہیتے غلام قطب الدین ایبک (اس کے بھائیوں نے اسے بیچ دیا تھا) نے دہلی اور ہندوستان کے دیگر علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ شہاب الدین کے ایک اور غلام یلدیز نے غزنی لے لیا۔ اس غلام کو شاہ خوارزم نے نکال باہر کیا۔ ایک اور شہاب الدین کے غلام نذیر الدین نے سندھ اور ملتان پر اقتدار حاصل کر لیا۔

قطب الدین ایبک چار برس تک دہلی کے گرد و نواح پر حکومت کرنے کے بعد وفات پا گیا۔ اس کی

موت کے بعد اس کا بیٹا آرام شاہ تخت دہلی پر بیٹھا لیکن ایک سال بعد ہی اس کے بہنوئی شمس الدین التمش نے آرام شاہ کو قتل کر دیا اور تخت دہلی چھین لیا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے ایک دوسرے غلام نذیرالدین کو چنگیز خان نے عبرت ناک شکست دی اور سندھ اور ملتان کو تاخت و تاراج کر دیا۔ موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے شمس الدین التمش نے سندھ اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔ مالوہ اور بہار پر بھی قبضہ کر کے شمس الدین التمش ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ چار سال حکومت کرنے کے بعد مر گیا۔ اسکی موت کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے چند ماہ بعد اس کی بہن رضیہ سلطانہ نے اسے معزول کر کے قتل کر دیا اور ہندوستان کی حکومت سنبھال لی۔ مورخوں کے مطابق رضیہ سلطانہ کی بد کرداری کی وجہ سے امراء مشتعل ہو گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ رضیہ سلطانہ کا ایک حبشی غلام جمال الدین یاقوت سے معاشقہ تھا۔ بٹھنڈہ کے حاکم اختیارالدین التونیہ نے بغاوت کر دی اور رضیہ سلطانہ کو شکست دے کر گرفتار کر کے بٹھنڈہ لے گیا اور حبشی غلام یاقوت کو قتل کر دیا گیا۔ دوران قید اس کا التونیہ سے معاشقہ ہو گیا۔ اور رضیہ سلطانہ نے اس سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد دونوں دہلی پر قبضہ کے لیے روانہ ہوئے مگر انہیں شکست ہوئی اور دونوں مارے گئے۔ اس وقت معزالدین بہرام شاہ، رضیہ سلطانہ کا بھائی بادشاہ بنا۔ اسے بھی جلد قتل کر دیا گیا اور رکن الدین کے بیٹے علاءالدین مسعود کو بادشاہ بنایا گیا اسے بھی پانچ برس بعد قتل کر دیا گیا۔ پھر شمس الدین التمش کے پوتے نذیرالدین محمود کو جو معزالدین بہرام کا بیٹا تھا تخت نشین کیا گیا۔ نذیرالدین، سلطان شمس الدین التمش کے خاندان کا آخری بادشاہ ثابت ہوا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ غیاث الدین بلبن جو اس کا غلام تھا اس نے اس کی موت کے بعد اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ معزز قارئین! جس طرح یہ بادشاہ ایک دوسرے سے جانوروں کی طرح لڑتے رہے اور ہندوستانیوں کو لوٹتے اور ان کا لہو بے دریغ بہاتے رہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ نالائق بادشاہ رعایا کے حقوق ادا کرنے والے تھے۔ ویسے بھی جو اقتدار کے لیے اپنے سگے بھائیوں تک کو قتل کرنے سے گریز نہ کرتے ہوں کیونکر اپنی رعایا کی معاشی، جسمانی اور علمی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆

پارکر نامی مصنوعی سیارے کا سفرِ سورج!

امریکی خلائی ایجنسی ناسا نے پہلی بار سورج کا انتہائی قریب سے مشاہدہ کرنے کے لیے ایک سیٹلائیٹ روانہ کر دیا ہے۔ ۱۲اگست ۲۰۱۸ء کو فلوریڈ ے سے پارکر نامی خلائی تحقیقاتی سیٹلائیٹ سورج کی جانب بھیجا گیا۔ پارکر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہو گیا ہے کہ وہ انسانی تاریخ میں سب سے تیز رفتار مصنوعی سیارہ ہے اور اس کے علاوہ ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ کسی مصنوعی سیارہ کا نام حیات سائنسدان کے نام پر رکھا گیا ہو۔

91 سالہ ماہر فلکیات ایوجین پارکر نے پہلی بار 1958ء میں شمسی ہوا کے بارے میں بتایا تھا۔ یونیورسٹی آف شکاگو کے پروفیسر ایوجین پارکر نے فلوریڈا میں مصنوعی سیارے کی روانگی کے مناظر کو دیکھتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ آئندہ کئی برس تک ہمیں کچھ سیکھنے کو ملے گا۔

پارکر سٹیلائیٹ سورج کے گرد چکر لگاتے ہوئے معلومات ارسال کرے گا جس سے سورج کے بارے میں عرصے سے پائی جانے والی پراسرارئیت اور اس کی صلاحیتوں کے علاوہ شمسی ہواؤں کے بارے میں پتا چلے گا۔

خلائی مشن کو ڈیلٹا فور راکٹ کے ذریعے مقامی وقت کے مطابق رات 3.31 منٹ پر روانہ کیا گیا۔ خلائی مشن کو ایک دن پہلے روانہ کیا جانا تھا لیکن روانگی سے پہلے کچھ تکنیکی مسائل کی وجہ سے روانہ نہیں کیا جا سکا۔ ناسا نے خلائی مشن کی روانگی کے ایک دن بعد تصدیق کی کہ خلائی جہاز کامیابی سے راکٹ سے الگ ہو گیا ہے اور اب اپنے مدار میں سفر کر رہا ہے۔

مصنوعی سیارہ پارکر آئندہ سات برس یعنی ۲۰۲۵ء تک سورج کے گرد 24 چکر لگائے گا اور اس دوران سورج سے اٹھنے والی شعاعوں کا مشاہدہ کرے گا جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ زمین پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ ناسا کے مطابق پارکر نامی تحقیقاتی سیٹلائیٹ پر ڈیڑھ ارب ڈالر لاگت آئی ہے اور اس دوران پارکر کو ایک ہزار تین سو ستر سینٹی گریڈ یا دو ہزار پانچ سو فارن ہائیٹ درجہ حرارت کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اس پر نصف خصوصی شیٹ کی وجہ سے آلات کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ تمام سائنسی آلات خصوصی شیٹ کے مرکزی

سایے کے درمیان پڑے ہونے کی وجہ سے سورج سے آنے والی خطرناک شعاؤں سے محفوظ رہیں گے۔اگر یہ خصوصی شیٹ مصنوعی سیارے اور سورج کے درمیان نہ ہوتو ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں مصنوعی سیارے کا نام ونشان مٹ جائے گا۔یادرہے کہ خصوصی شیٹ کی موٹائی ساڑھے چار انچ یا گیارہ اعشاریہ ۴۳ سینٹی میٹر ہے۔

اس سے پہلے 1976 میں سورج پر تحقیق کے لیے بھیجا گیا مصنوعی سیارہ سورج سے تقریباً چار کروڑ 30 لاکھ کلومیٹر کے فاصلے پر رہا تھا۔سائنس کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کوئی مصنوعی سیارہ معلومات حاصل کرنے کے لیے سورج کی باریک فضا میں چھ لاکھ نوے ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے جائے گا جہاں اس کا سورج کی سطح سے فاصلہ صرف تقریباً 61 لاکھ کلومیٹر ہوگا۔جان ہاپکنز لیبارٹری سے منسلک ڈاکٹر نکی فوکس نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو لگے کہ یہ مصنوعی سیارہ سورج سے زیادہ نزدیک نہیں ہے تو اس طرح سے سوچیں کہ سورج اور زمین ایک دوسرے سے ایک میٹر دور ہیں اور مصنوعی سیارہ سورج سے صرف چار سینٹی میٹر دور ہوگا۔جس طرح سورج کی روشنی آٹھ منٹ میں زمین پر پہنچتی ہے اسی طرح مصنوعی سیارے سے جاری ہونے والا ریڈیو سگنل آٹھ منٹ بعد زمین پر سنا جاسکے گا۔انسانی تاریخ میں پارکر سیٹلائیٹ سب سے تیز رفتار مصنوعی سیارہ ہے جو کہ چھ لاکھ 90 ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرے گا جس کا مطلب ہے کہ نیویارک اور ٹوکیو کے درمیان فاصلہ ایک منٹ سے بھی کم میں طے ہوگا۔اور یا پھر فلاڈیلفیا اور واشنگٹن ڈی سی کا سفر ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں طے ہوگا۔

مصنوعی سیارے پارکر کے نچلے حصے میں ایک میموری کارڈ بھی آویزاں کیا گیا ہے جس میں ایک اعشاریہ ایک ملین افراد کے نام لکھے ہیں۔اس کارڈ میں ماہر فلکیات ایوجین پارکر کی تصویر اور انکے کارنامے اور سائنسی پیشگوئیاں بھی موجود ہیں۔

☆☆

رائٹر کی تصویر

امجد اسلام امجد کا سیریل وارث ٹی وی پر چل رہا تھا۔اس کے ٹائٹل سین میں کتے چلتے ہوئے دکھائے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی سیریل کے رائٹر کا نام امجد اسلام امجد دکھایا جاتا تھا۔عطاء الحق قاسمی نے فون پر امجد سے کہا:''یار کمال ہے آج تک کسی سیریل والے نے رائٹر کی تصویر نہیں دکھائی لیکن تمہارے سیریل والے تو رائٹر کی تصویر بھی ساتھ دکھا رہے تھے۔''

”خلافت کی دینے لگا میں دُھائی“

یکم مئی ۲۰۱۹ء کو اوریا مقبول جان کا ایک مضمون خلافت کا نظام: طریقِ کار نامی روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کے جواب میں مشہور صحافی جناب سجاد میر صاحب لکھتے ہیں:۔

”شاید میری قسمت میں رب ذوالجلال نے یہ لکھ رکھا ہے کہ میں اہل ایمان سے مباحثہ کرتا رہوں۔ اوریا مقبول جان کے حوالے سے میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ اس میں اور مجھ میں فرق یہ ہے کہ وہ قوت ایمانی میں مجھ سے بہت آگے ہے' مگر کیا کروں جو کام مرے رب نے مجھے سونپ رکھا ہے' مجھے وہ تو کرنا ہی ہے۔ آج اوریا نے خلافت کا نقشہ کھینچا ہے اور بتایا ہے کہ جمہوریت میں اور خلافت میں کیا فرق ہے وہ ان اہل دانش میں ہیں جو جمہوریت کو نظام کفر کہتے ہیں اور اس کے خلاف صف آرا رہتے ہیں۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ڈرتے ہیں کہ کہیں اسلام کے نام پر اس ملک میں جمہوریت کا بستر ہی گول نہ کر دیا جائے۔ اس کا متبادل ہم بھگت چکے ہیں اس لئے خائف رہتے ہیں پھر یہ مرا فریضہ تو بنتا ہے کہ میں اس پر بات کروں۔ اوریا کی گفتگو میں دو تین باتیں بہت اہم ہیں۔ ایک تو خیر یہی کہ جمہوریت میں خیر نہیں۔ دوسری یہ کہ جمہوریت کی جگہ خلافت کی پہلی اینٹ اس اصول پر ہے کہ خلافت کے نظام میں ہر شخص کو ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ اس کے لئے رائے دہندگان کا فیصلہ پیدائش یا عمر کی بنیاد پر کیا جائے گا کہ آپ اتنے برس کے ہو گئے تو آپ ملکی قیادت کے انتخاب میں رائے دینے کے حق دار ہو سکتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں یہ حق صرف اس کو حاصل ہوگا جو ایک خاص علمی استعداد اور اخلاقی معیار رکھتا ہو۔ صرف وہ ہی صاحب رائے یا صائب الرائے قرار دیا جا سکتا ہے۔ تیسری بات وہ یہ کہتے ہیں کہ ملک میں کوئی پارٹی سسٹم نہیں ہوگا' بلکہ صرف یک جماعتی نظام ہوگا جس میں صرف وہ لوگ شامل ہوں گے جنہیں ووٹ دینے کا حق دار قرار دے دیا جائے گا۔ یہ حق انہیں کون دے گا۔ وہ کہتے ہیں یہ قاضی القضاہ کے تحت نظام عدل طے کرے گا کہ کون ووٹ کا حق دار ہے۔ کہ ردعمل بہرحال مسائل کا حل نہیں ہے اگر مجھے صائب الرائے افراد کی تلاش میں علمی استعداد اور اخلاقی معیار کی قدغن لگانا ہے اور یہ کام کسی ثاقب نثار یا افتخار چودھری کو سونپا ہے تو حشر آپ نے دیکھ لیا۔ یہ کون سی خلافت ہے جو اس طرح قائم ہوگی۔ بی اے والی شرط چھوڑیئے' کسی شخص کی

علمی استعداد ماپنے کا پیمانہ کیا ہوگا اور اخلاقی معیار کون پرکھے گا۔ پھر اس کے بعد وہ ایک مجلس شوریٰ چنیں گے جو خلیفہ کا انتخاب کرے گی۔ اسے کمیونزم والے پولٹ بیورو کہتے ہیں۔ یہ آپ خلافت کے نام پر کون سا نظام لانا چاہتے ہیں اس سے تو وہی لوگ اچھے جو کہتے ہیں خلافت کوئی دینی اصطلاح ہے ہی نہیں یہ جاوید غامدی والے۔ میں خواہ مخواہ ان سے الجھتا رہتا ہوں اگر خلافت کے نام پر ہمارے ہاں آمریت مسلط کی جانا ہے تو پھر نواز شریف کی وہ اپنی ترمیم کیا بری تھی جس میں وہ امیر المومنین بننا چاہتے تھے۔ یہ سمجھنا کہ کثیر الجماعتی نظام میں کارپوریٹ سیکٹر اپنے سرمائے سے پارٹیوں میں نفوذ کر جاتا ہے یہ کہاں ثابت کرتا ہے کہ اگر خلافت کے دوش بدوش سرمایہ دارانہ نظام بھی چلے گا تو کیا وہ آپ کے پورے بولٹ بیورو کو اغوا نہیں کر لے گا۔ وہ اپنے بندوں کے لئے حق رائے دہی حاصل کرنے کے لئے دباؤ نہیں ڈالے گا اور اگر آپ اپنا نظام معیشت بھی بدلنا چاہتے ہیں تو چلتے چلتے اس کا نقشہ بھی پیش کر دیجیے۔ صرف یہ کہنے سے گزارا نہیں ہوگا کہ اس میں سود نہیں ہوگا اور زکوٰۃ ہوگی۔ پوری اسلامی اقتصادی منصوبہ بندی چاہیے۔ دنیا میں رائج دونوں نظاموں کے مقابلے میں۔ 1۔ پاکستان کے لوگوں سے ریفرنڈم کروا کر پوچھ لیجیے کہ انہیں جمہوریت نہیں چاہیے۔ 2۔ صرف یک جماعتی سیاسی نظام چاہیے۔ 3۔ خلیفہ کا انتخاب ایک پولٹ بیورو کرے گا۔ 4۔ اور عام آدمی کو ووٹ کا حق نہیں ہوگا۔ اس حق کے لئے آپ کو مراحل سے گزرنا پڑے گا۔ 5۔ ہاں ذرا علمی استعداد اور اخلاقی معیار کی وضاحت بھی کر دیجیے۔ جس کی وجہ سے آپ کو ووٹ کا حق ملے گا۔ بہت سے لوگ ہیں جو نظام خلافت کی بات کرتے ہیں۔ ایک تو ہمارے ہاں ڈاکٹر اسرار احمد تھے۔ دوسرے حزب التحریر والے ہیں۔ یہ تحریک چونکہ لبنان سے چلی تھی۔ اس لئے ان کا فوری مسئلہ خلافت عثمانیہ کی تباہی تھا۔ یہ کوئی خلافت علی منہاج النبوۃ کی بات نہیں کرتے تھے۔ یا جیسے آج کل **ریاست مدینہ** کا تذکرہ ہو رہا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ **خلافت عثمانیہ** کا تسلسل چاہیے۔ جب سلطنت عثمانیہ تھی تو اس وقت مسلمان مضبوط اور طاقتور تھے۔ وہ اس بات پر بھی اصرار کرتے ہیں کہ خلافت کی جدوجہد میں فزیکل قوت استعمال نہیں ہوگی۔ عملی طور پر وہ ایسا کر نہیں پاتے۔ وسط ایشیا اور مصر وغیرہ میں ان کی جدوجہد کی مثالیں ملتی ہیں۔ وہ نصرت فوج سے مانگتے ہیں۔ ان سے جب اس تضاد کی وجہ پوچھی جائے تو وہ چپکے سے کان میں کہتے ہیں کہ پہلا خلیفہ تو فوجی طاقت ہی سے آئے گا۔ بھائی ایسے تضاد دور کرنا ہوں گے۔ اکثر جب خلافت کے قیام کی بات ہوتی ہے تو

مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت قائم کی جائے۔اس میں بعض لوگ یہ تصور شامل کر لیتے ہیں کہ مسلمانوں کی عالمی اسلامی حکومت یعنی خلیفہ کرہ ارض پر ایک ہی ہوگا۔اس لئے کہ وہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی کا مطلب یہی لیتے ہیں کہ قومی ریاستوں کا وجود ہی غلط ہے۔مرا مسئلہ یہ ہے کہ میں فی الحال ایسی اسلام ازم کے ہاتھوں پاکستان سے دستبردار نہیں ہوسکتا کہ یہ مملکت خداداد اسلامیان ہند کے لئے خدا کا تحفہ ہے اور مجھے اس کی حفاظت کرنا ہے' اللہ کا ایک ناشکر گزار بندہ نہیں بنتا۔اگر کوئی مشکل بنتی ہے کہ پوری دنیا میں خلافت اسلامیہ قائم ہو جاتی ہے تو سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوگی۔لیکن اس خلافت کی شکل وہ ہوئی جس کا نقشہ آپ بتارہے ہیں تو پہلے تو یہ اس وقت ایک ناممکن بات ہے، پھر یہ اس طرح ناکام رہے گی جس طرح مغرب میں کمیونزم اور فاشزم ناکام ہوا ہے۔خدا کے لئے کوئی قابل عمل حل سوچئے جو مسلمانوں کو راہ راست پر چلا سکے۔ یک جماعتی طرز حکمرانی مجھے گوارا نہیں۔حق رائے دہی کے حصول کے لئے کسی کے چرنوں پر جھکنا کوئی درست طرز عمل نہیں اور ہاں یہ تو میں بھول گیا کہ صدر یا خلیفہ کو پورے ملک سے بیعت بھی لینا پڑے گی۔اس کا طریق کار کیا ہوگا۔ یہ سب باتیں مرے خواب تو ہو سکتے ہیں۔مگر نہ ان کا عملی دنیا مرے تحت الشعور یا اجتماعی شعور کا حصہ یا نیم آفاقی آر کی ٹائپ سے کوئی تعلق ہے۔نہ اسلام کے نظام خلافت سے ازمنہ قدیم میں جس طرح یہ نظام نافذ ہوا' اسے اپنے خیالوں میں جدید عہد کے مطابق ڈھال کر کوئی نقشہ تو بن سکتا ہے' مگر اسے اسلام نہیں کہہ سکتے یہ مرے تصورات ہیں۔ اسلام اپنے آغاز ہی سے دنیا کا سب سے تازہ اور مستقبل آشنا نظام تھا۔آج ہمیں اس بات کا خیال رکھنا ہوگا اور یہاں سے آغاز کرنا ہوگا۔ (خلافت کی میں دینے لگا دُہائی از سجاد میر۔روزنامہ ۹۲ نیوز لاہور۔۲ مئی ۲۰۱۹ء)

معزز قارئین !اوریا مقبول جان پہلی مذہبی شخصیت نہیں ہیں بلکہ ان سے پہلے بھی بہت سارے علماء خلافت کے نظام کو قائم کرنے کی حسرت لیے دنیا سے جا چکے ہیں۔مولانا ڈاکٹر اسرار احمد جو تنظیم اسلامی کے بانی تھے اور جنہوں نے پاکستان میں نظام خلافت کے قیام کے لیے تحریک خلافت پاکستان کا ستمبر ۱۹۹۱ء میں آغاز کیا تھا کہتے ہیں:۔

''مصطفیٰ کمال پاشا نے اس وقت صیہونیت کے ایجنٹ کا کردار ادا کیا۔۱۹۲۴ء سے لے کر اب ۱۹۹۴ء تک ستّر برس بیت گئے ہیں لیکن پوری دُنیا میں خلافت کے ادارے کا برائے نام بھی وجود نہیں۔اُمّت

مسلمہ کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔'' اورانہوں نے کہا ہے کہ''اب جب بھی خلافت قائم ہوگی تو یہ دُنیا کے کسی ایک خطے پر محدود نہیں ہوگی بلکہ عالمی خلافت ہوگی۔''

مولانا ڈاکٹر اسرار احمد نے خلافت کے احیاء کے مقام کے متعلق بتایا ہے کہ:۔

''ایک بات مَیں تیقن سے کہہ سکتا ہوں کہ خلافت کا احیاء شروع یہیں (پاکستان) سے ہوگا۔اس لیے کہ پوری اسلامی دنیا میں صرف اور صرف یہ ملک ایسا ہے جس میں قرارداد مقاصد منظور ہوئی۔۔۔۔دنیا کے باقی تمام ممالک کے دساتیر میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کسی ملک کے سرکاری مذہب کا نام اسلام لکھ دیا گیا ہے جو بہت محدود اور مبہم بات ہے۔''

پھر لکھتے ہیں کہ نظام خلافت کے یہ تین بنیادی لوازم ہوں گے۔

''ا۔اللہ تعالیٰ کی حاکمیت۔۲۔کتاب وسنت کے خلاف قانون سازی کی ممانعت۔۳۔مخلوط قومیت کی نفی۔۔''

۔۔۔۔ووٹر کی عمر کم از کم چالیس برس ہونی چاہیے۔۔نظام خلافت میں مقنّنہ کا رکن کوئی غیر مسلم نہیں بن سکے گا۔

(خلافت کی حقیقت از مولانا ڈاکٹر اسرار احمد)

رسول اللہ ﷺ نے پیشگوئی فرمائی ہے کہ:۔

ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة۔

یعنی''پھر بالآخر نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہوگی! انشاءاللہ۔''

اوریا مقبول اور ڈاکٹر اسرار احمد سمجھتے ہیں کہ بغیر نبوت کے خلافت کا نظام پاکستان کے مولویوں نے قائم کرنا ہے نہ کہ مسیح ومہدی نے۔نظام خلافت انسانی کوشش سے قائم نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا قائم ہونا اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔اگر اللہ کی قائم کردہ خلافت کا انکار کیا جائے تو جاہلیت کی موت یقینی ہے، تمام کوششیں اور تدبیریں ناکامی کا منہ دیکھیں گی۔ڈاکٹر اسرار کہتے ہیں:

''وہ جماعت جو نبوت کی بنیاد پر قائم ہو،اس سے زیادہ مظبوط جماعت کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔بلکہ میں کہتا ہوں سچی نبوت تو درکنار جھوٹی نبوت بھی تنظیم کی بڑی بنیاد ہے۔اندازہ کیجیے، مرزا غلام احمد صاحب (بانی جماعت احمدیہ) کی جھوٹی نبوت کی بنیاد پر جو جماعت احمدیہ چل رہی ہے وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی، اوران

کالا ہوری فرقہ ،جس نے غلام احمد کو نبی نہیں مانا، وہ منتشر ہو کر ختم ہو گیا۔تو مظبوط ترین جماعت جوڈنیا میں بن سکتی ہے، وہ نبوت کے دعویٰ کی بنیاد پر بن سکتی ہے۔'' (ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور ۳۱ مئی تا ۶ جون ۲۰۱۱ء)

☆☆☆

5 جولائی 1977ء

پاکستان پیپلز پارٹی کے مرکزی ترجمان سینیٹر مولا بخش چانڈیو نے کہا ہے کہ 5 جولائی 1977ء کو آمر نے آئین توڑ کر جمہوریت پر شب خون مارا۔آمر نے لوگوں کو جیلوں میں ڈالا، جمہوریت پسند لوگوں کو قتل کیا۔ پارلیمنٹ کو مذاق بنا دینا بھی 5 جولائی کی پیروی ہے۔عمران خان آمر کے مشن کی تکمیل کر رہے ہیں، ہم آئین و جمہوریت اور عوام کے حقِ حکمرانی پر سمجھوتہ نہیں کریں گے۔

چانڈیو صاحب کو یاد رکھنا چاہیے کہ مردم شناسی جیسی اعلیٰ انسانی صفت سے جناب بھٹو صاحب بھی یکسر عاری تھے۔ بیشک وہ ذہین اور اعلیٰ درجہ کے شاطر تھے مگر مولوی، ملٹری اتحاد نے ان کی نا صرف جان لی بلکہ پارلیمنٹ کا تقدس جو برائے نام تھا کچھ اس طرح پامال کیا گیا کہ اب تک اس کی سڑاند ختم نہیں ہو رہی۔ آئین پاکستان کی آبرو آمر ضیاء الحق نے اسلام کے نام پر بے شمار مرتبہ لوٹی۔اگر بھٹو صاحب مردم شناس ہوتے تو جنرل ضیاء کی اصلیت کو فوراً بھانپ جاتے۔ پھر مولوی کے جھانسے میں آ کر بھٹو صاحب نے آئین بننے کے صرف ایک برس بعد آئین کو بے آبرو کر دیا۔نام نہاد پیشہ ور مولویوں کو خوش کرنے کے چکر میں بھٹو صاحب اقتدار سے بھی گئے اور جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔یہی نہیں جنرل ضیاء کے آمرانہ اقتدار کی چکی میں ساری قوم کو صرف گیارہ برس نہیں پیسا گیا بلکہ اس کی باقیات اب تک پیس رہی ہیں۔ یہ بات ان کی جزوی طور پر درست لگتی ہے کہ عمران خان آمر کے مشن کی تکمیل کر رہے ہیں۔جس طرح کی مذہبی منافرت دن بدن بڑھ رہی ہے بلا شبہ گل کھلائے گی اور اس کے ذمہ دار صرف اور صرف عمران خان ہی ہوں گے۔چانڈیو صاحب آئین و جمہوریت اور عوام کے حقِ حکمرانی پر سمجھوتہ بے شک نہ کریں ،مگر گزشتہ ۴۳ برس سے نام نہاد سیاستدان اور جاہل عوام جو ملا ملٹری اتحاد کے تلوے چاٹ رہے ہیں، ان کو چاٹنا بند کر دیں۔

پریس سے اتاترک تک اَورخلافت کا خاتمہ

۱۴۴۰ء میں جوہانس گوٹن برگ نے پرنٹنگ پریس ایجاد کی۔اور دس سال بعد یعنی ۱۴۵۰ء میں گوٹن برگ نے اسے کمرشل کر دیا۔اس ایجاد پر سب سے پہلی پرنٹ ہونے والی ۴۲ لائن کی کتاب بائبل تھی جسے گوٹن برگ نے شائع کیا تھا۔اس پریس سے شروع میں سب سے زیادہ فائدہ چرچ نے اٹھایااور ہزاروں مذہبی کتابیں روزانہ کی بنیاد پر شائع ہوئیں۔ پریس کی ایجاد نےعلم کی دنیامیں تہلکہ مچا دیا۔ پریس کی بدولت بہت تیزی سے کتابیں شائع ہونے لگیں مذہبی، فلسفیانہ، سائنسی، سیاسی اور دوسرے بہت سے خیالات تیزی سے اور زیادہ لوگوں تک پہنچنے سے علوم کی دنیا میں انقلاب آ گیا۔ اگر عثمانی سلطنت کے کرتا دھرتا بھی پرنٹنگ پریس سے استفادہ کرنے کی اجازت دے دیتے تو شاید آج دنیا کی تاریخ مختلف ہوتی۔لیکن عثمانی سلطان فاتح کے بیٹے بایزید دوم نے 1483 میں عربی رسم الخط میں کتابیں چھاپنے والوں کے لیےموت کی سزا مقرر کردی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ علماء نے چھاپہ خانے کوفرنگیوں کی ایجاد کہہ کرفتویٰ دیا تھا کہ ''اس فرنگی ایجاد پر قرآن یا عربی رسم الخط میں کتابیں چھاپنا مذہب کے خلاف ہے۔''

مسلمان دنیا میں سب سے پہلا چھاپہ خانہ ۱۵۸۷ء میں چھاپہ خانہ کی ایجاد کے تقریباً ۱۵۰ سال بعد لگایا گیا۔ جب ترکی کے شیخ الاسلام نے اسے شیطانی مشین قرار دے دیا اور کہا کہ اس مشین پر قرآن مجید اور احادیث چھاپنے کی اجازت نہیں دے سکتے تو بعدازاں سلطان مراد سوم کے منت سماجت کرنے پر شیخ الاسلام نے یہودی اور عیسائی لٹریچر چھاپنے کی اجازت دے دی۔شیخ الاسلام کے اس منحوس فتوے کے ۱۴۰ سال بعد سلطان احمد سوم کے دور میں محمد سعید نامی ایک بہادر شخص نے شیخ الاسلام کےفتوے سے بغاوت کرتے ہوئے ''اصول الحکم فی نظام الامم'' کےعنوان سے عربی زبان میں ایک کتاب شائع کروادی۔مولویوں نے گلی بازاروں میں طوفان بدتمیزی اور کفر کفر کا وہ شور بلند کیا کہ شیطان بھی شرما گیا ہوگا۔اس بہادرانہ بغاوت کی سزا کے طور پر سلطان احمد سوم کو برطرف کر دیا گیااور وزیراعظم محمد ابراہیم اور نیول چیف کوقتل کر دیا گیا۔محمد سعیداوراس کے باپ کو ملک سے فرار ہونا پڑا۔سلطنت عثمانیہ کے اٹھائیسویں سلطان، سلطان سلیم کا فوج کو جدید خطوط پر استوار کرنا

مولویوں کی نظر میں کافرانہ اقدام ٹھہرااوراسے اس کی پاداش میں جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔تیسویں ترکی کے سلطان محمود نے جدید طب اور سرجری وغیرہ پراپنی توجہ مرکوز کی اور مقامی ڈاکٹروں کی تربیت کے لیے یورپ سے اس شعبے کے ماہرین کو بلایا۔ چیچک کی ویکسین ایجاد ہونے پر سلطان محمود نے بچوں کو چیچک سے بچاؤ کے لیے ٹیکے کرائے۔سٹیم انجن سے چلنے والی کشتیاں اور کوٹ اور پتلون متعارف کروائے۔ ان تمام شاندار اور عظیم اصلاحات کو نام نہاد مذہب کے ٹھیکیداروں نے غیر اسلامی اور کافرانہ اقدام قرار دے ملک کو دارالفساد بنا دیا۔ چیچک کے ٹیکے کے متعلق کہا گیا کہ یہ کافرانہ عمل اور قدرت کے کام میں مداخلت ہے۔سلطان عبدالحمید نے بھی کچھ اچھے کام کرنے کی کوشش کی مگر مولویوں نے ایک نہ چلنے دی۔انہوں نے سیکولر عدالتیں، مدارس کی جگہ اسکول اور غیر مسلموں کو برابری کے حقوق وغیرہ جیسے اہم معاملات پر کام شروع کیا تو انہیں مولویوں نے آڑے ہاتھوں لیا۔سلطان عبدالحمید کے ۳۳ سالہ دور میں سلطنت عثمانیہ کی شان وشوکت کم سے کم ہوتی چلی گئی اور ترک قوم کا وقار دنیا میں کم ہوتا گیا۔سلطان عیش پرست انسان تھا، اس نے کم از کم ۱۶ شادیاں کی تھیں، انہوں نے پہلی شادی استنبول میں جارجیا کی بدری فلک سے کی۔انہوں نے دوسری شادی کوہ قاف کی بیدار سے کی۔انہوں نے تیسری شادی جارجیا کی دل پسند سے کی۔ انہوں نے چوتھی شادی آذربائیجان کی میزدی مستان سے کی۔انہوں نے پانچویں شادی کوہ قاف کی پیوستی عثمان سے کی۔انہوں نے چھٹی شادی جارجیا کی بہس مان سے کی۔انہوں نے ساتویں شادی صالحہ سے کی۔اس کے علاوہ بھی انہوں نے تقریباً نو شادیاں کیں۔اوران سب سے ان کی کثیر تعداد میں اولاد بھی پیدا ہوئی تھی۔

سلطان عبدالحمید نے اپنے عیش وعشرت کے لیے چند کروڑ پونڈ یورپ سے قرض لیے اوراس کے عوض بہت سے علاقہ جات سلطنت عثمانیہ یعنی مصر، الجیریا، قبرص، کریمیا، باطوم، رومانیہ، بلقان، سربیا، یونان وغیرہ بطور ''بخشش'' وبلا اسباب اغیار کے قبضے میں چلے گئے۔اسی سلطان نے یورپ سے ایسے معاہدے کیے جس سے سلطنت عثمانیہ کے اندر ریل، سڑکیں، کارخانے وغیرہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کے قبضے میں چلے گئے۔اس کے علاوہ سرکاری جائدادیں بطور ضمانت قرض خواہوں کے قبضے میں چلی گئیں۔اس بری صورت حال کے پیش نظر سلطان عبدالحمید کو معزول کر دیا گیا اور سلطان کے بھائی محمد رشاد کو جو گزشتہ ۳۳ برس سے قید میں تھا نیا سلطان سلطنت

عثمانیہ تسلیم کرلیا گیا۔ جونہی اس نے اقتدار سنبھالا، اسے بلقان جنگ میں شکست ہوئی اور بلقان کی چھ ریاستیں بھی ترکی سے چھن گئیں۔ جب جنگ عظیم اول ہوئی تو ترکی میں حکمران نا اہل تھے، تمام ادارے کرپٹ تھے، معاشرہ بے حس تھا اور مولوی حضرات نفاق اور شیطان کا شکار تھے۔ ترکی بربادی کے دہانے پر اور یورپ اسے ہڑپ کر جانے کے درپے تھا اور مولوی حضرات ایک دوسرے کو کافر کافر کہہ کر پکار رہے تھے، مسجدوں میں لڑائی روزمرہ کا معمول تھا، ایک مکتبہ فکر کے لوگ دوسرے مکتبہ فکر کے طالب علم سے ہاتھ تک نہ ملاتے تھے اور یہاں تک کہ ایک دوسرے کے اشاعت گھر سے شائع ہونے والے قرآن مجید تک نہیں خریدتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جزیرہ العرب بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور عرب ممالک میں موجود ترک افواج پر بے حد مظالم ڈھائے گئے۔ پوپ نے جنگ کو ہلال وصلیب کی جنگ قرار دیا اور شیخ الاسلام نے جہاد اکبر کا اعلان کیا۔ جب دشمن سے سامنا ہوا تو ترک حیران رہ گئے کہ ان کے مدمقابل دشمنوں کی ایک بڑی تعداد کلمہ طیبہ گوؤں کی تھی۔ سلطان محمد کی وفات کے بعد سلطان وحید الدین تخت نشین ہوئے اور حملہ آوروں کے ساتھ جنگ کے خاتمہ کے لیے رجوع کیا۔ اور نہایت شرمناک شرائط پر جنگ ختم کرکے اغیار کی افواج کو ترکی حدود میں آنے کی اجازت دی اور دولت عثمانیہ کے تمام معاملات دشمنان اسلام کے ہاتھوں میں سونپ دیئے۔ اس معاہدے کو سلطنت عثمانیہ کی ایک عظیم شکست سمجھا جاتا ہے جو اپریل 1920ء میں اتحادیوں کے درمیان سان ریمو کانفرنس کے بعد طے پانے والے معاہدوں کی ایک کڑی تھا۔ اس معاہدے کے تحت حجاز (موجودہ سعودی عرب کا صوبہ) اور آرمینیا آزاد ممالک قرار دیے گئے۔ معاہدے کے سیکشن III کے آرٹیکل 62 تا 64 کے مطابق کردستان کو بھی آزادی ملنی تھی اور کرد ولایت موصل بھی آزاد کردستان میں شمولیت اختیار کرسکتی تھی۔ دوران جنگ سائیکس پیکوٹ معاہدے کے تحت بین النہرین یعنی میسوپوٹیمیا (موجودہ عراق) اور فلسطین برطانیہ اور لبنان اور شام کا علاقہ فرانس کے انتظام میں دے دیا گیا۔ اس کے علاوہ بحیرہ روم میں جزائر ڈوڈکینیز اور رہوڈز (جو 1911ء سے ہی اٹلی کے قبضے میں تھے) کے علاوہ شمالی اناطولیہ اٹلی کو دے دیا گیا جبکہ تھریس اور مغربی اناطولیہ یونان کا حصہ قرار دیا گیا جس میں سمرنا (موجودہ ازمیر) کی اہم ترین بندرگاہ بھی شامل تھی۔ باسفورس، درہ دانیال اور بحیرہ مرمرہ کو غیر فوجی اور بین الاقوامی علاقہ قرار دیا گیا اور عثمانی افواج کی تعداد کو 50 ہزار تک محدود کردیا گیا۔

اس معاہدے پر عثمانی سلطنت نے دستخط کر دیے تھے لیکن اسے ترکی کی جمہوری تحریک نے مسترد کر دیا اور اس معاہدے پر عملدرآمد نہ ہوسکا۔ جمہوری تحریک کے بانی کمال اتاترک کے معاہدہ مسترد کیے جانے کی بنا پر اس کی گرفتاری اور قتل کے احکام صادر کیے گئے تھے۔ کمال اتاترک کی زیر قیادت اس تحریک نے معاہدے کو مسترد کرنے کے بعد ترکی کی جنگ آزادی کا اعلان کر دیا اور قسطنطنیہ (استنبول) میں بادشاہت کو ختم کر کے ترکی کو جمہوریہ بنا دیا۔ انقرہ میں ترکی کی قومی اسمبلی نے معاہدے کو مسترد کرتے ہوئے مغربی اناطولیہ میں یونانی افواج کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی کو روکا۔ مارچ 1921ء میں اتاترک کے حامیوں نے سوویت روس کی بالشویک حکومت سے دوستی کا معاہدہ کر لیا جس کے نتیجے میں کمالیوں نے ستمبر 1922ء تک یونان کو شکست دے کر اس کی افواج کو اناطولیہ سے نکال باہر کیا۔ اس زبردست فتح کے بعد جنگ عظیم اول کے اتحادی مذاکرات کی میز پر آنے پر مجبور ہو گئے اور 1923ء میں سوئٹزر لینڈ کے شہر لوزان میں معاہدہ سیورے کو ترکی کے حق میں منسوخ کر دیا گیا۔ معاہدہ لوزان ترکی کی عظیم فتح سمجھا جاتا ہے۔

مصطفیٰ کمال اتاترک تین برس تک مختلف محاذوں پر شبانہ روز محنت کے بعد حالات پر قابو پا کر اور اناطولیہ میں یونان کو شرمناک شکست دینے کے بعد استنبول کی طرف بڑھا اور اغیار کی افواج کی امان کی درخواست قبول کر کے استنبول میں داخل ہوا۔ خلیفہ وحیدالدین اس کی آمد کا سن کر اپنے چیلوں کے ساتھ فرار ہو گیا۔ مجلس ملیہ ترکیہ نے عبدالمجید خان کو خلیفہ بنا دیا اور ان کی تنخواہ ۱۵ ہزار مقرر کی گئی انہیں کہا گیا کہ آپ کاروبارِ مملکت میں دخل نہ دیں، مسلمانوں کے فلاح و اتفاق کے لیے کوشش کریں۔

خلیفہ بننے کے دو برس بعد خلیفہ عبدالمجید ریاست کے معاملات میں دخل دینے لگے جس سے مادہ فساد پھر پیدا ہونے لگا۔ سمجھانے کے باوجود اغیار کے بہکانے سے جمہوریہ ترکیہ کی سطوت و شان کو گرہن لگانے کی کوشش کی۔ ملک کو خطرات سے بچانے کے لیے ترکی حکومت نے خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور خلیفہ عبدالمجید کو ملک سے نکال باہر کیا۔ علامہ اقبال نے ترک قوم کے شخصی خلافت کے خاتمہ کرنے پر انکی تعریف کی تھی۔ اور ترکی نے محمد علی جوہر اور دیگر مسلمان ممالک کی خلافت کی بحالی کی درخواست کو سرد مہری سے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ "جسے خلافت چاہیے وہ اسے قائم کر لے"۔ ☆☆

مسئلہ کشمیر اور مظلوم کشمیری

۱۸۰۲ء میں محمود شاہ درانی نے اپنے بھائی زمان شاہ کو اندھا کر کے قید کر دیا اور سلطنت افاغنہ کا بادشاہ بن گیا۔ محمود شاہ کے بھائی شجاع الملک نے ۱۸۰۶ء میں تخت چھین لیا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک امیر عبداللہ خان الکوزئی نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ عطا محمد نے اس سے کشمیر چھین لیا۔ شجاع الملک ۱۸۰۹ء میں اپنے بھائی محمود شاہ سے شکست کھا کر رنجیت سنگھ کے ہاں پناہ گزین ہو گیا۔ محمود شاہ نے رنجیت سنگھ سے کمک لے کر کشمیر میں عطا محمد سے لڑنے فوج بھیجی۔ عطا محمد کے ساتھ شاہی فوج کے سالار نے ساز باز کر کے صلح کر لی، رنجیت سنگھ کے دیوان نے صلح طے کروائی۔ عطا محمد مال وزر لے کر کشمیر سے بھاگ گیا اور جاتے ہوئے ایک لاکھ روپے کے عوض ضلع اٹک پر سکھوں کا قبضہ کرا دیا۔ ۱۸۱۴ء میں رنجیت سنگھ نے کشمیر پر لشکر کشی کی، عظیم خان نے اسے شکست دے دی۔ ۱۸۱۹ء میں عظیم خان کو واپس کابل بلا لیا گیا اور جبار خان کو کشمیر کا حکمران بنا کر بھیجا گیا جسے رنجیت سنگھ نے شکست دے کر کشمیر کو اپنا صوبہ بنا لیا۔ رنجیت سنگھ نے کشمیر کو جی بھر کے لوٹا اور برباد کیا۔ رنجیت سنگھ کے دور میں کل چھ کشمیر کے سکھ صوبے دار ہوئے، جنہوں نے کشمیریوں پر جو ظلم کیے وہ بیان سے باہر ہیں۔ ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ مر گیا۔ اس کی لاش کے ساتھ چار رانیاں اور سات باندیاں ستی ہوئی تھیں۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کھڑک سنگھ نے حکومت سنبھالی۔ اس کی موت کے بعد نہال سنگھ، چندر کور، شیر سنگھ حکمران ہوئے۔ ۱۸۴۳ء میں شیر سنگھ اور اس کے کم سن بیٹے کے قتل کے بعد رانی جے دیوی نے دلیپ سنگھ کو تخت نشین کر دیا۔ ۱۸۴۵ء میں انگریزوں کے ہاتھوں سکھوں کو شکست ہوئی۔ بہت بڑا علاقہ مع کشمیر انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا اور کوہ نور ہیرا بھی انگریزوں کے ہاتھ لگا۔ رانی، نیپال بھاگ گئی اور دلیپ سنگھ لندن چلا گیا۔ اور معاہدہ امرتسر کی رو سے کشمیر ڈوگرہ خاندان کے راجہ گلاب سنگھ کی جاگیر میں منتقل ہو گیا۔ معاہدہ امرتسر ہیرا سنگھ کے بھائیوں اور انگریزوں کے وفادار گلاب سنگھ کے درمیاں انگریزوں نے کروایا تھا۔ یہ وہی معاہدہ تھا جس میں انگریزوں نے ۷۵ لاکھ روپے کے عوض ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو امرتسر میں گلاب سنگھ کو کشمیر جنت نظیر ریاست کو سونپ دیا گیا تھا۔ گلاب سنگھ ۱۸۵۷ء میں مر گیا اور اس کا بیٹا رنبیر سنگھ کشمیر کا حکمران بن گیا ۱۸۸۵ء میں اس کی موت کے بعد پرتاب سنگھ کشمیر کا حکمران

ہوا۔ پرتاب سنگھ اپنے باپ دادا کی طرح مسلمانوں کے لیے ہلاکو اور چنگیز سے کم نہ تھا۔ ظالم، قاتل اور کینہ پرور پرتاب ۱۹۲۵ء میں مرگیا اور ہری سنگھ ڈوگرہ کشمیر کا راجہ بن گیا۔ ظالم ہری سنگھ بھی اپنی ظالمانہ کرتوتوں کی وجہ سے نہایت برے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی ہری سنگھ نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کر کے کشمیری مسلمانوں کے جذبہ آزادی اور امنگوں کا مذاق اڑایا تھا۔ ہری سنگھ کے ظالمانہ اقدام سے انگریزی حکومت بھی عاجز آ چکی تھی، ہری سنگھ کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے بار بار کشمیری مسلمان مدد کے لیے پکار رہے تھے اور دوسری طرف احراری لیڈروں نے پنجاب میں انگریزوں کا ناطقہ بند کیا ہوا تھا۔ انگریزوں نے اس مسئلے کا یہ حل نکالا کہ احراریوں کی منفی توانائیوں کو کشمیر کی طرف موڑ دیا جائے۔ اور ایسا ہی کیا گیا اس ضمن میں مولانا زاہد الراشدی لکھتے ہیں کہ: ''اکتوبر (۱۹۳۱ء) میں چوہدری افضل حق مرحوم، مولانا مظہر علی اظہر مرحوم اور خواجہ غلام محمد مرحوم پر مشتمل احرار قائدین کا وفد کشمیری عوام کے مطالبات پر ڈوگرہ حکمرانوں سے بات چیت کے لیے جموں پہنچا مگر بات چیت جب کسی نتیجہ پر نہ پہنچی تو مجلس احرار اسلام نے کشمیری عوام کی حمایت میں احراری کارکنوں کو کشمیر بھیجنے اور ان کی تحریک میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسی دوران امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو دہلی سے گرفتار کر لیا گیا اور ڈیڑھ سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی جس سے احرار کارکنوں کے جذبات میں مزید جوش و خروش پیدا ہوا۔ نومبر 1931ء میں احرار کارکنوں نے چاروں طرف سے کشمیر پر یلغار کر دی، جہلم سے میر پور، راولپنڈی سے کوہالہ، اور سیالکوٹ سے سچیت گڑھ کے راستے احرار رضا کار کشمیر میں داخل ہونا شروع ہوئے جنہیں ریاست کی حدود میں قدم رکھتے ہی گرفتار کر لیا جاتا۔ تین ماہ کے عرصہ میں چالیس ہزار کے لگ بھگ رضا کاروں کو کنٹرول سے باہر ہوتا دیکھ کر ڈوگرہ حکمرانوں نے دہلی کی انگریز حکومت سے رابطہ کیا جس نے پہلے جمعیت علماء ہند کے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے ذریعہ احرار رہنماؤں سے مفاہمت کا راستہ نکالنے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہوئی جس پر احرار کے خلاف دارو گیر اور جبر و تشدد کا محاذ دہلی کی انگریز حکومت نے براہ راست سنبھال لیا۔ پھر تحریک کا دائرہ ریاست سے نکل کر پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ کشمیر کے بعض لیڈروں کو ریاست میں احرار کی مقبولیت بڑھنے سے اپنی قیادت ڈگمگاتی دکھائی دی اور بعض معاصر سیاسی جماعتوں نے بھی تعاون کی امیدیں پوری نہ کیں جس کی وجہ سے مجلس احرار اسلام کی یہ جدوجہد مزید آگے نہ بڑھ سکی۔ البتہ کشمیری عوام میں

سیاسی بیداری اور جذبہ حریت کو فروغ دینے میں اس تحریک نے اہم کردار ادا کیا۔

(روزنامہ نوائے وقت ۵ فروری ۲۰۱۹ء)

احراری کشمیر میں اودھم مچانے پر شاید آمادہ نہ ہوتے مگران کے پسندیدہ دشمن احمدیوں کے ذکر نے انہیں دل وجان سے کشمیر میں وارد ہونے کا حوصلہ عطا کردیا۔ مولانا زاہدالاشدی لکھتے ہیں کہ:۔

''کشمیر کے بارے میں ''ٹریک ٹو پالیسی'' کے پس پردہ بعض سرگرم قادیانیوں کو متحرک دیکھ کر کم وبیش پون صدی قبل کا وہ منظر نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا ہے جب قادیانی گروہ نے کشمیر پر اپنا جال پھیلانے کے لیے مفکر پاکستان علامہ محمد اقبالؒ تک کو کچھ دیر کے لیے دام ہمرنگ زمین کا شکار بنالیا تھا۔ مگر مجلس احرار اسلام خطرہ کی بو سونگھتے ہوئے میدان میں کود پڑی اور اس نے نہ صرف علامہ اقبالؒ کو اس جال سے نکالنے میں کامیابی حاصل کرلی تھی بلکہ ڈوگرہ سامراج کے مظالم میں مسلسل پستے چلے جانے والے مجبور کشمیری عوام کے ساتھ ہمدردی کی آڑ میں قادیانیوں کے کشمیر کی طرف بڑھتے ہوئے قدموں کو بھی روک دیا تھا۔''

احراریوں کی حد درجہ کی مخالفت کے باوجود پاکستان بن جانے کے بعد کشمیری مسلمانوں کے قتل عام کیے جانے پر ۱۹۴۸ء میں قبائلیوں اور دیگر مسلمان گروپوں جن میں احمدیوں کی الفرقان بٹالین بھی شامل تھی کشمیر کو آزادی دلانے کے لیے میدان میں کود پڑے اور آدھا کشمیر آزاد کروالیا۔ نہرو نے اقوام متحدہ کے ذریعے جنگ بند کروادی۔ ۱۹۴۹ء میں کشمیریوں کو حق خود ارادیت دینے کے لیے دو قراردادیں اقوام متحدہ نے منظور کیں۔ دو قراردادیں سر چوہدری ظفراللہ خان وزیر خارجہ پاکستان کی کاوشوں کا ثمر تھیں۔ نہرو نے شیخ عبداللہ جیسے کشمیری لیڈروں کو ساتھ ملانے کے لیے آئین میں شق ۳۷۰ و ۳۵ اے شامل کرکے مقبوضہ کشمیر کو غیر متنازعہ بنانے کی کوشش کی جس کی پاکستان نے اسی طرح دل کھول کر مخالفت کی جس طرح کی مخالفت ان دنوں ۳۷۰ مودی کی جانب سے ختم کیے جانے پر کی جارہی ہے، پاکستانی لیڈر ہمیشہ شیخ عبداللہ اور دیگران کے ساتھی راہنماؤں کو کٹھ پتلیاں کہتے رہے۔ بڑا عجیب لگتا ہے پاکستانی لیڈر جب کہتے ہیں کہ کشمیر کی سابقہ حیثیت بحال کی جائے۔ کشمیر ہی کے نام پر ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگیں لڑی گئیں۔ اگر ۱۹۴۸ء کی جنگ میں جنگ بندی نہ ہوتی کشمیر آزاد ہوتا، اگر ۶۵ء کی جنگ میں جنرل اختر ملک کو نہ روکا جاتا تو کشمیر ہمارا ہوتا، اگر کارگل سے واپسی نہ ہوتی کشمیر آزاد

ہوتا۔اور اگر معاہدہ تاشقند، شملہ معاہدہ (یہ دونوں معاہدے مسئلہ کا حل نکالنے کے لیے صرف باہم بات چیت پر ہی زور دیتے ہیں۔ یہ دونوں معاہدے اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ثانوی حیثیت میں لے جانے والے سمجھے جاتے ہیں) اعلان لاہور اور آگرہ معاہدہ کو آگے بڑھایا جاتا تو بھی شاید کشمیر آزاد تو نہ ہوتا مگر کشمیریوں کا لہو نہ بہتا، خواتین کی عصمت دری نہ ہوتی اور بچوں اور نوجوانوں کی لاشیں نہ اٹھانا پڑتیں۔اگر ہندوستان نے کشمیری مسلمانوں پر مظالم بند نہ کیے تو انتہا پسندی ہندوستان کو نگل جائے گی۔اللہ کشمیری مسلمانوں کے درد والم کو دور فرمائے اور آزادی کی نعمت سے نوازے۔اور برصغیر کے لیڈروں کو عقل سلیم عطا فرمائے۔آمین

اسلام آباد میں مندر کی تعمیر

عمران خان نے اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کے لیے دس کروڑ روپے دینے کا اعلان کیا گیا، ایک طوفان بدتمیزی پیدا ہو گیا۔ مفتی منیب، مفتی تقی عثمانی وغیرہ پیشہ ور مفتیوں کی تو عادت ہے حکومتی کاموں پر شور مچانے کی عجیب بات تو یہ ہوئی ہے کہ آمروں کی باقیات سمجھے جانے والے پنجاب اسمبلی کے اسپیکر چوہدری پرویز الٰہی نے مندر کی تعمیر کی دل کھول کر مذمت کر دی ہے۔وزیر اطلاعات شبلی فراز نے مفتیوں اور چوہدریوں کی شدید الفاظ میں مذمت پر کہا ہے کہ ان کی مذمت میں وزن ہے۔ یہ وزن اتنا زیادہ تھا کہ مندر کی بنیادوں میں مٹی ڈال دی گئی، اور معاملہ اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف اچھال دیا گیا۔ مفتیوں چوہدریوں کا مطالبہ صرف یہ نہیں ہے کہ حکومت مندر کی تعمیر کے لیے گرانٹ نہ دے بلکہ ان کا فتویٰ ہے کہ اسلامی حکومت میں نیا مندر بن ہی نہیں سکتا پہلے سے موجود مندر ہی مرمت ہو سکتے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے دارالافتاء لاہور کے مفتی ضیاالدین کا فتویٰ بھی مارکیٹ میں پھدک رہا ہے، مفتی صاحب کا فتویٰ ہے کہ:۔

’’اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو نئی عبادت گاہیں بنانے یا پہلے سے ویران شدہ عبادت گاہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دینا شرعاً جائز نہیں کیونکہ یہ گناہ میں تعاون ہے جو ناجائز ہے۔‘‘

ان مفتیوں کو شرم بھی نہیں آتی کہ ہندوستان اور دیگر غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں پر ان فتووں کے نتیجہ میں کیا گزر سکتی ہے۔ مذہبی جنونیت نے اہل وطن کو جکڑ رکھا ہے۔مندر کی تعمیر رکوانے کے لیے اسلام آباد ہائی کورٹ میں بھی درخواست دائر کی گئی تھی، عدالت عالیہ نے یہ کہہ کر کیس خارج کر دیا کہ ’’پاکستان میں مسلمانوں کی طرح اقلیتوں کو بھی اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے کا حق ہے۔‘‘ جناب منصور آفاق نے سچ لکھا ہے کہ ’’اگر آج ہم نے پاکستان میں نئے مندروں کی تعمیر پر پابندی لگا دی تو پھر انڈیا کو مساجد کی تعمیر پر پابندی لگانے سے کون روک سکتا ہے۔‘‘ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔آمین

اقلیتوں کے حقوق!!

دستور کوئی سامنے لاؤ یارو
جس کو ہر قوم کی تہذیب گوارا کر لے

قائداعظم نے نہرو رپورٹ پر اپنی تجاویز رد کر دیے جانے پر فرمایا تھا:۔

''جب تک اقلیتوں کو اس امر کا یقین نہ ہو کہ انہیں حکومت اور اس کے آئین کی رو سے بہ طور ایک وحدت کے اپنے مفادات کا تحفظ حاصل ہو گا۔اس وقت تک وہ کبھی ایسے آئین کی حمایت نہیں کر سکتیں قطع نظر اس سے کہ وہ آئین کیسا ہی قابلِ نمونہ اور کہنے کو کتنا ہی مکمل کیوں نہ ہو۔اس سوال کا جواب کہ کون سا دستور کامیاب ہو گا، یہی ہے کہ وہ دستور جس میں اقلیتوں کے حقوق محفوظ ہوں۔ورنہ کوئی بھی دستور دیرپا اور کامیاب نہیں ہو سکتا۔اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ ہو گا کہ ملک انقلاب اور خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائے۔''

(قائداعظم۔دی اسٹوری آف اے نیشن۔صفحہ ۲۰۸۔بحوالہ تاریخ نظریہ پاکستان از پیام شاہجہان پوری۔صفحہ ۲۱۱۔۲۱۲)

قائداعظم کے اس فرمان کو آئین پاکستان تشکیل دینے والوں نے درخوِ اعتناء نہ سمجھا اور اسی راہ پر گامزن ہوئے جس کی منزل خانہ جنگی ہی ہو سکتی ہے۔۔جب تک آئین پاکستان ارتقائی سفر میں تھا اس وقت تک امید کا دیا روشن تھا کہ آئین تشکیل پا کر قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے گا۔ضیاء الحق نے روشنی کی طرف جانے کے تمام راستے بند کر کے قوم کو ظلمت کے انتہائی تاریک غار میں اس وقت پھینک دیا جب اس نے آئین پاکستان میں بھٹو کی جانب سے کھولی جانے والی منحوس بوسیدہ اور بدبودار کھڑکی کے راستے داخل ہو کر آئین پاکستان کی عصمت دری ۹۰ سے زائد بار کی۔آج بھٹو اور ضیاء الحق کی آئین پاکستان سے رنگ رلیاں قوم کو ہر سطح پر رسوا کر رہی ہیں۔ان دونوں کی آئین سے قربت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے سانپ کی طرح بلاتفریق مذہب وملت سبھی کو ڈس رہے ہیں۔حیرت تو یہ ہے کہ ضیاء الحق کا سیاسی بیٹا بھی اپنے سیاسی باپ کی آئینی ترمیم پر نوحہ کناں ہے۔فیض آباد دھرنا ہو یا پیر حمید الدین سیالوی کی دھمکیاں، ووٹروں اور ووٹ لینے

والوں کا لینا دیناہو یا سلمان تاثیر کا قتل ہو یا پھر ممتاز قادری کی پھانسی، کرپشن کی بہتات ہو یا ملاوٹ کا عام رجحان، سفارش کی لعنت ہو اور یا فرقہ واریت کا منحوس شجر ہو یا کافر کافر اور مسلمان مسلمان کا کھیل ہو اور دوسری بہت سی نحوستیں اسی آئین کی پیداوار ہیں۔ اس آئین میں جتنے طریقے ملزم کرنے کے ہیں اس سے کہیں زیادہ آئینی تشریحات ملزم کو معصوم قرار دینے والی ہیں۔ ارباب اختیار کو چاہیے کہ فوری طور پر آئین پاکستان کو قائداعظم کے ارشادات کی روشنی میں تشکیل دیں۔ اللہ ہم سب پر رحم فرمائے۔ آمین

آکاس بیل کی منحوسیت

آکاس بیل جسے امر بیل بھی کہا جاتا ہے اس کی یہ خوبی ہے یا منحوسیت کہ یہ جس پودے کو چھولے اسے برباد کر دیتی ہے مگر خود بڑھتی رہتی ہے۔ ایسی ہی ایک آکاس بیل جسے انیس سو انچاس میں لیاقت علی خان نے قرارداد مقاصد کے نام سے کاشت کیا تھا اور ذوالفقار علی بھٹو نے اس کمزور اور سوکھی سڑی بیل کو ۱۹۷۳ء میں کتاب آئین میں بو کر اس بیل کی رگوں میں جان ڈال کر داد وصول کی تھی، بعد ازاں جنرل ضیاء الحق نے جھوٹ اور منافقت کا اسے اتنا پانی دیا کہ یہ آکاس بیل تیزی سے پھیلنے لگی۔ اب یہ آکاس بیل وطن عزیز کے ہر اک گوشے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ عوام، سبھی اداروں اور اخلاقیات کو برباد کرنے کے بعد یہ بیل اب وطن عزیز کی جان کے در پے ہے۔

معزز قارئین! وارث شاہ کہتے ہیں کہ:۔

''کسی قوم کا اخلاقی تنزل اس کے سیاسی زوال کا پیش خیمہ ہوتا ہے دولت وثروت کی فراوانی سلاطین و امراء کو عیش وعشرت کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے اور وہ کنیزوں اور کسبیوں کی صحبت میں رہ کر امور مملکت سے یکسر غافل ہو جاتے ہیں نظم ونسق کا شیرازہ بکھر جاتا ہے صوبائی اور ضلعی حکام من مانی کرنے لگتے ہیں رشوت کا بازار گرم ہو جاتا ہے عیش وتنعم کے سامان کی فراہمی کے لئے روزمرہ کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی اشیاء پر بھی محصولات عائد کر دیئے جاتے ہیں جس سے عوام کی کمر ہمت ٹوٹ جاتی ہے اور ان کے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا جاتا ہے حکومت کا دبدبہ اور دغدغہ اٹھ جانے سے شہدے اور لفنگے ہاتھ پاؤں نکالنے لگتے ہیں اور شرفاء کونوں کھدروں میں گھس کر بیٹھ جاتے ہیں کسبیوں کی بن آتی ہے شرم وحیاء کے پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں فسق وفجور کا بازار گرم ہو جاتا ہے زمیندار مزارعوں پر ظلم وستم توڑتے ہیں اور عوام کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔'' (مقالات وارث شاہ از سید علی عباس شاہ جلال پوری)

خلجی خاندان کا عروج و زوال

خلجی خاندان کے آغاز کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ چنگیز خان کے داماد کا نام قالج خان تھا۔ قالج خان کی اپنی بیوی اور چنگیز خان سے ناراضگی تھی، جسے قالج خان نے دل میں چھپائے رکھا، موقع ملتے ہی اپنے خاندان کے تیس ہزار افراد اور بیوی بچوں کے ساتھ غور اور گرجستان کی پہاڑیوں میں آباد ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں سے یہ قالجی (کثرت استعمال سے خلجی بن چکا تھا) غوریوں کے دور حکومت میں اقتدار اور اثر رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق ترک بن یافت کے گیارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام خلج تھا، اس کی اولاد کو خلجی کہا جاتا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ قالج خان بھی خلجی ہو۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ خلجی دراصل ایک افغان قبیلے غلجئی سے تھا اور یہی غلجئی ہندوستان میں خلجی کی صورت اختیار کر گیا۔

سلطان التمش کے غلام سلطان غیاث الدین بلبن کا جانشین، معز الدین کیقباد خاندان غلاماں کا آخری بادشاہ ثابت ہوا۔ معز الدین کیقباد غیاث الدین بلبن کا پوتا اور بنگال کے سلطان بغرا خان کا بیٹا تھا۔ اس عیش پرست سلطان معز الدین کے متعلق تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ:۔

''جب قسمت نے کیقباد کو فرمانروائی کے درجہ تک پہنچایا، تو اس نے بڑی فراخدلی سے عیش کوشی اور نفس پرستی میں اپنا وقت ضائع کرنا شروع کر دیا۔ گویوں، مسخروں، شرابیوں اور عیش پرستوں کے اقبال کا ستارہ بلند ہو گیا۔ گلی گلی کوچے کوچے گانے بجانے، ناچ، راگ رنگ کی محفلیں جمنے لگیں۔ دہلی کے ہر گوشے سے غزل خواں شیریں آواز آنے لگے، شرعی قوانین کی کوئی پروانہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں شراب کے سیلاب میں بہا دیا گیا ہے۔ حالت یہ ہوئی کہ قاضی اور محتسب جیسے لوگ بھی ان اعمال خبیثہ میں مبتلا ہو گئے۔''

تاریخ فیروز شاہی میں اس نفس پرست کے بارے لکھا ہے کہ:۔

''خوش الحان اور حسین لوگ، ہنسانے والے مسخرے اور بھانڈ دربار میں آ گئے۔ فسق و فجور کا رواج عام ہو گیا، حسین بدکار اور مشہور فاحشہ عورتیں سونے اور زیورات میں غرق ہو گئیں۔ کم عمر لڑکوں کے گانے، عربدہ جُو رقاصاؤں کے ناچنے، ملیح دلرباؤں کے کرشموں اور ان جفا کار بے وفاؤں کے غمزہ و ادا سے لشکر کے من چلے

عاشق دیوانے ہو جاتے۔حسن پرستوں نے ان حسینوں کی محبت میں ناقوس ہاتھوں میں لے لیے اور بتوں کی طرح ان کی پوجا کرتے تھے... عقل مندان پر فریفتہ اور علما معصیت میں مبتلا ہو گئے۔زاہدوں نے عبادت سے ہاتھ کھینچ لیا اور عابدوں نے شراب خانوں کے دروازوں کو پکڑ لیا۔شرم وحیا درمیان سے اٹھ گئی۔عزت وآبرو جاتی رہی، بے حیائی پھیل گئی۔قبوں میں شراب کی سبیلیں لگا دی گئیں۔''

جس وقت معزالدین کیقباد کا خلجی سردار جلال الدین خلجی سے مقابلہ ہوا تو قوت مردی سے محروم فالج زدہ بادشاہ کے عیاش امراء اور سازشی عناصر نے بڑی آسانی سے اسے شکست سے دوچار کروا دیا۔جلال الدین خلجی نے معزالدین کیقباد کو قتل کر کے اس کی لاش کو دریائے جمنا میں پھینک دیا۔اور اس کے دس سالہ بیٹے شمس الدین کیومرث کو تخت پر بٹھا کر حکومت کرتا رہا، چند ماہ بعد اسے جلال الدین خلجی نے قتل کر دیا اور خود دہلی کے تخت پر بیٹھ گیا۔جس وقت جلال الدین خلجی تخت نشین ہوا اس کی عمر ستر برس تھی۔

جلال الدین فیروز شاہ خلجی کو بعض مورخین نیک دل بادشاہ خیال کرتے ہیں۔شاید ان مورخین نے اس کی عمر پر غور نہیں ستر سال کا بوڑھا ویسے ہی نرم پڑ جاتا ہے، اس کا چھ سالہ دور غربت کا دور تھا، ایک بھی قابل ذکر کام اس نے نہیں کیا۔غیاث الدین بلبن کی یاد میں آنسو بہاتا رہا جس کے پوتے اور پڑپوتے کو اس نے قتل کیا تھا۔جلال الدین فیروز شاہ خلجی کی طبیعت میں حالات نے نرمی تو پیدا کر دی تھی مگر عیاش پرستی سے پیچھا نہ چھڑا سکا۔مورخ ضیاءالدین برنی نے لکھا ہے کہ:

''سلطان کی مجلس کے ساقی ہیبت خان کے لڑکے نظام خریطہ دار اور یلدز ساقیوں کے سردار تھے۔یہ لوگ حسن و جمال اور کرشمہ سازی میں ایسے تھے کہ جو زاہد یا عابد ان کو دیکھتا زنار باندھ لیتا اور اپنی جانماز کو شراب خانے کا بوریا بنا لیتا۔سلطان کی مجلس کے مطربوں میں محمد شاہ چنگی چنگ بجاتا، فتوحا، فقاعی کی بیٹی اور نصرت خاتون گانا گاتیں ان کی کم عمری اور نسوانی آواز سے پرندے ہوا میں سے نیچے اتر آتے۔سننے والوں کے ہوش اڑ جاتے۔دل تڑپنے لگتے...''

جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے اپنے بھائی شہاب الدین کے دو بیٹوں علاؤالدین اور الماس خاں (الغ خاں) کو اپنے بچوں کی طرح پالا پوسا تھا اور ان دونوں بھائیوں کے جوان ہونے پر جلال الدین نے

اپنی دو بیٹیوں کا ان سے نکاح بھی پڑھوا دیا تھا۔جلال الدین نے تخت نشینی کے بعد جہاں اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو جاگیروں اور اعزازات سے نوازا وہاں اپنے جاہل اور بد دماغ بھتیجے علاؤالدین کو امراء میں شامل کیا اور الماس خاں کو بھی اعزازات سے نوازا۔ ماں کا دودھ پینے کے زمانہ سے جلال الدین نے اپنے بھتیجے علاؤالدین کو ناز ونعم سے پالا، مارنا تو در کنار کبھی تیز نگاہ سے بھی اس کی طرف نہ دیکھا تھا۔علاؤالدین کو لکھنے پڑھنے کا قطعاً شوق نہ تھا۔شروع ہی سے تیراندازی، نیزہ بازی، شکار اور گھڑ سواری کا عاشق تھا۔ضعیف جلال الدین اس کے حرکات وسکنات کا مشاہدہ کر کے باغ باغ ہوتا تھا مگر یہ خبر نہ تھی کہ جو دیکھ رہا ہوں، یہ میری ہی موت کے سامان ہیں۔علاؤالدین کی مردانگی اور اکھڑ پن کا شہرہ سارے ملک میں ہو گیا۔سوا اس کے چچا کے اس کے ظلم وستم اور قاتل گری سے سبھی نفرت کرتے تھے۔اس کا دل شروع ہی سے کینہ پرور اور رحم سے نا آشنا تھا۔

مورخین کے نزدیک شادی کے کچھ عرصہ بعد علاؤالدین کے اپنی بیوی اور ساس سے تعلقات خراب ہو گئے تھے، جب اسے حاکم گڑھ مانک پور بنایا گیا تو اسے ان دونوں سے چھٹکارا ملنے پر خوشی ہوئی۔اس نے بادشاہ کی اجازت سے مانک پور کے گردونواح میں خوب تباہی مچائی اور لوگوں کو جی بھر کر لوٹا اور تمام دولت اپنے چچا کی خدمت میں بھجوا کر چچا کا اعتماد حاصل کیا اور دولت کے بدلے میں چچا نے جاگیر اودھ عطا کر دی۔قلعہ دیوگیر کی فتح سے علاؤالدین کے ہاتھ بے شمار دولت لگی جس نے اس کا دماغ بالکل خراب کر دیا،اس نے بادشاہ بننے کے خواب دیکھنے شروع کر دیے۔لوٹ کا مال چچا کو بھیجنے کی بجائے آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔چچا نے اس کی فتح پر جلسہ عیش وطرب منعقد کیا، چند دن بعد معلوم ہوا کہ علاؤالدین بغاوت پر تلا ہوا ہے۔بادشاہ کے ایک دانشور امیر ملک احمد نے اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے عرض کیا کہ دولت بے اندازہ کا خاصا یہ ہے کہ جس کے ہاتھ لگتی ہے اسے مغرور بنا دیتی ہے اور اس کا نشہ تمام نشوں پر غالب آتا ہے۔امیر ملک احمد نے اور بھی بہت کچھ کہا مگر سلطان نے جواب میں کہا کہ "میرے بچے کو میرے سامنے شیر کر کے دکھاتا ہے، بھلا میں نے علاؤالدین کے ساتھ کیا برائی کی ہے کہ وہ مجھ سے باغی ہو جائے گا اور مال غنیمت میرے پاس نہ لائے گا۔تو اس سے بہت ہی بدگمان ہے، اس کی کوئی بات تیری بدظنی سے نہیں بچی۔تُو یہ تو خیال کر کہ میں نے اپنی گود میں کس زمانہ سے اسے پالا ہے اور اس کی گردن پر میرے کس قدر احسان ہیں۔میرے بیٹے خواہ مجھ سے برگشتہ ہو جائیں مگر وہ اپنی

گردن بار احسان سے نہیں اٹھا سکتا۔''

علاؤالدین خلجی اور اس کے بھائی الماس خاں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر سلطان بذریعہ کشتی اپنے امراء اور ایک ہزار فوجیوں کے ہمراہ گڑھ مانک پور پہنچ گیا۔ فوج کو کشتیوں میں چھوڑا اور خود سلطان کشتی سے اتر کر علاؤالدین کی طرف بڑھا۔ علاؤالدین نے شرائط خاک بوسی ادا کیں اور بادشاہ کے قدموں میں گر پڑا۔ سلطان نے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا۔ بہت دیر تک پیشانی اور آنکھیں چومتا رہا، بعدازاں اس کی داڑھی پکڑ کر پیار سے ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ اے علّی! ابھی تک تیرے پیشاب کی بو میرے کپڑوں سے نہیں گئی ۔۔ تجھے مجھ ضعیف اور روزہ دار پر رحم نہیں آیا جو مجھے اس قدر تکلیف دی۔ وقت افطار قریب ہے آ میرے ساتھ بجرے میں چل۔ بادشاہ نے علاؤالدین کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ علاؤالدین نے محمود ابن سالم کو اشارہ کیا اس نے تلوار سے بادشاہ پر وار کیا تلوار کے وار سے بادشاہ کا ایک ہاتھ کٹ کر دور جا گرا، بادشاہ کشتی کی طرف بھاگا مگر اختیار الدین ہود نے اس کے دامن کو پکڑ کر جھٹکا دیا اور ضعیف روزہ دار سلطان زمین پر گر گیا اور اختیار الدین نے اس کا سر آن واحد میں تن سے جدا کر دیا۔

جلال الدین خلجی اور اس کے امراء کے سر نیزوں پر رکھ کر گڑھ مانک پور میں پھیرایا گیا اور بعدازاں اودھ میں بھی یہی وحشیانہ تماشا کیا گیا۔ سلطان کی بیوی اور دیگر شاہی خواتین کو دہلی میں قید کر دیا گیا، اور سلطان کے بیٹوں کو قلعہ ہانسی میں تا مرگ قید کر دیا گیا اور امراء کی جائیدادیں ضبط کر کے انہیں اندھا کر دیا گیا۔

قلعہ دیوگیر سے لوٹی گئی بے شمار رقم جب عیش و نشاط میں خرچ ہوگئی تو رعایا کو بے دردی کے ساتھ لوٹ کر خزانہ بھرا گیا، کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو دولت کے حصول کے لیے روا نہ رکھا گیا ہو۔ اسی دور میں مغل لٹیرے دریائے سندھ عبور کر کے پنجاب پہنچ گئے۔ حدود جالندھر میں علاؤالدین خلجی کی طرف سے بھیجی گئی فوج نے ان مغل لٹیروں کو شکست فاش سے دوچار کر دیا۔ اس فتح کا جشن دھوم دھام سے منایا گیا یعنی رقص و سرور اور شراب و شباب سے دل بہلائے گئے۔

جشن سے فارغ ہو کر علاؤالدین خلجی ان غداروں کی طرف متوجہ ہوا جو اس کے چچا کے ساتھ غداری کرتے ہوئے اس کے ساتھی بن گئے تھے۔ علاؤالدین خلجی کا ماننا تھا کہ جو ایک بار غداری کرتا ہے اس پر اعتبار

نہیں کیا جا سکتا۔اس نے اپنے چچا سے غداری کرنے والوں سے مال واسباب، زرونقد اور جاگیریں غرض ہر چیز چھین لی۔اسباب کی ضبطی کے بعد کچھ کو جلاوطن کر دیا، کچھ کو اندھا کر دیا، کچھ کو مار دیا اور جو باقی بچے انہیں تا مرگ قید کر دیا۔اور جو اس کے چچا کے آخر وقت تک وفادار رہے انہیں نا صرف عزت دی بلکہ انعام واکرام سے بھی نوازا۔اس کاروائی سے شاہی خزانہ بھر گیا۔

علاؤالدین نے اس کام سے فارغ ہو کر گجرات کے باسیوں کو لوٹنے اور برباد حال کرنے کے لیے شاہی لشکر روانہ کیا جس نے فتح کے بعد راجہ کرن رائے کی رانی اور امراء کی بیویوں کے علاوہ گجراتی لڑکیوں اور مردوں کو غلام بنا کر سلطان کے پاس بھجوا دیا۔راجہ کرن رائے کی رانی کی عصمت دری سلطان نے کر ڈالی۔ گجرات کی مہم سے واپسی پر تین چار ہزار نومسلم سپاہیوں نے سخت مالی حساب کتاب پر بغاوت کر کے قتل وغارت شروع کر دی، اس غدر میں سلطان کا بھانجا اور چند سردار بھی مارے گئے۔سلطان کو جب اس کی خبر پہنچی تو اس نے غرور کے نشہ میں مست ہو کر ان نومسلموں کے بیوی بچوں، ماؤں، بہنوں اور بیٹے بیٹیوں سبھی کی گرفتاری اور قتل عام کا حکم دیا، تقریباً چالیس ہزار نومسلموں کو قتل کیا گیا۔بچوں اور ماؤں کے سر آپس میں ٹکرا کر انہیں قتل کیا گیا اور ماؤں کی گودوں سے بچے لے کر انہیں ذبح کر کے واپس انکی گود میں پھینک دیا گیا۔عورتوں کو ننگا رشتہ داروں کے ساتھ قید کیا گیا اور ان کی آبروریزی کی گئی۔اس ضمن میں سعید احمد جعفری لکھتے ہیں کہ:۔

''عورتوں اور بچوں پر ظلم کے واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے (علاؤالدین خلجی کے) سینہ میں دل نہ تھا بلکہ اس کے بجائے ایک پتھر یا فولاد کا ٹکڑا تھا، کیونکہ رحم اس میں کبھی دیکھا ہی نہیں گیا۔''

تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ:۔

''اپنے ولی نعمت کا خون بہانے کی نحوست کی وجہ سے اس (علاؤالدین) نے بے گناہوں کا اتنا خون بہایا کہ فرعون نے بھی نہ بہایا تھا۔''

علاؤالدین خلجی کے ایک بھتیجے اور دو بھانجوں نے بھی بغاوت کی تھی۔سلطان نے ان تینوں کو اور ان کے ساتھیوں کو بھی چن چن کر ہلاک کیا تھا۔

سلطان علاؤالدین خلجی یہ بھی چاہتا تھا کہ اپنے چار وزیروں کی مدد سے نبی ہونے کا دعویٰ کرے تا کہ

ہمیشہ یاد رکھا جائے اور علماء سے پوچھتا تھا کہ پیغمبر اسلام کس طرح پیغمبر بنے تھے اور میں نبی بن کر کس طریقے سے یاد رکھا جا سکتا ہوں۔ علاء الملک نے اپنی جان مشکل میں ڈال اس عیاش کو جس کے حرم میں ہندوستان کے طول و عرض کی حسین عورتیں موجود تھیں جن کے بطن سے ہر سال اس کے تین چار بیٹے پیدا ہوتے تھے۔ اس خبط سے نکالا۔ اسکے دور میں ایک فرقہ 'اباحتی' نام سے ابھرا جو ممنوعات و محرمات کو ناجائز نہیں سمجھتا تھا اور ماں بہن سے تعلق کو روا خیال کرتا تھا۔ تاریخ میں ہے کہ ملک نائب کافور کا سلطان علاؤ الدین خلجی مفعول تھا۔ مصنف تاریخ فیروز شاہی نے اس شخص کے بارے میں ''پیش بریدہ پس دریدہ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

علاؤ الدین خلجی تکبر کے نشہ میں چور تھا اور دنیا فتح کرنا چاہتا تھا مگر علاء الملک کے سمجھانے بجھانے سے دہلی پر اکتفا کر لیا اور اپنا خطاب اسکندر ثانی رکھا۔ اشیاء کی قیمتیں کنٹرول کرنا اس کا کارنامہ بتایا جاتا ہے مگر درحقیقت یہ اس کی مجبوری تھی کیونکہ مغلوں کو روکنے اور عیش پرستی کے لیے دولت اکٹھی کرنے کا یہ ایک طریقہ تھا۔ اس نے گھر گھر جاسوس بھیجے، امرا کو ایک دوسرے کے گھر جانے اور ملنے سے منع کر دیا۔ زبان کھولنا جرم ٹھہرا جس کی شدید سزا دی جاتی۔ زنا کی سزا کے لیے مردانہ خصوصیت سے محروم کر دیا جاتا۔ اس کے ظلم و ستم دیکھ کر علما، فقہا نے سچ بات کہنا ترک کیا اور وہ بادشاہ کی مرضی کے مطابق تاویلیں کرتے۔ اسی بادشاہ کے دور میں حضرت نظام الدین اولیاؒ، امیر خسروؒ اور حضرت رکن الدینؒ جیسے بزرگ ہوئے۔ لیکن بادشاہ کو کبھی جانے اور ملنے کی توفیق نہ ہوئی۔ محض گمان کی بنا پر بے گناہ لوگوں کو قتل کر دینا اس کا وتیرہ تھا۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ:۔

''مختلف قسم کے نشوں کی وجہ سے جو غصہ اس پر سوار رہتا اس کے سبب کسی کی مجال نہ ہوتی کہ کسی مجبور اور ضرورت مند کی عرضی اس کی خدمت میں پیش کر سکے۔ اپنی انتہائے جہالت کی بنا پر احکام و مصالحِ حکومت کو شریعت سے بالکل الگ سمجھتا۔ نماز روزہ کے متعلق اس کو کچھ علم نہ تھا۔ اس کے مرنے کے بعد کئی ہزار قیدی اور جلا وطن لوگوں نے رہائی پائی''۔

اسلام کو بادشاہ کے کسی اقدام سے فائدہ نہ پہنچا۔ وہ کافور ہزار دیناری نامی ایک شخص کے عشق میں دنیا اور آخرت برباد کرتا رہا۔ اسے ملک نائب (وزیر) مقرر کیا۔ کہتے ہیں کہ جب بادشاہ سخت بیمار ہوا تو اسی ملک نائب نے اس کا کام تمام کیا۔ سلطان علاؤ الدین کے مرنے کے بعد مکافات کا پہیہ حرکت میں آیا۔ اسی ملک



نائب نے جس کا سلطان عمر بھر دیوانہ رہا بادشاہ کے خاندان کے افراد کو چن چن کر مارا۔ سلطان کی بیوہ کو قید میں ڈالا۔ اس کے بیٹوں کی آنکھیں نکالیں، بعض کو قتل کر دیا۔ اس سلسلے میں ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ "ان دنوں میں جب کہ سلطان علاؤ الدین کے بیٹوں کو قتل اور اندھا کیا جا رہا تھا اور ان کے خاندان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ ایک دوست نے شیخ بشیر دیوانہ سے جو صاحبِ کشف و کرامات تھے، دریافت کیا کہ علائی خاندان کے لوگ کیوں تباہ ہو رہے ہیں اور پستی میں گر رہے ہیں؟ شیخ بشیر دیوانہ (مجذوب) نے جواب دیا کہ علاؤ الدین کی بادشاہت کی بنیاد نہ تھی جو تخت اور حکومت اس طریقے سے حاصل کی جاتی ہے جیسے اس نے حاصل کی تھی وہ اسی طرح برباد ہو کے رہتی ہے..."

جب قسمت سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی پر مہربان ہوئی تو اس نے ایک ایک کر کے پہلے اپنے سب بھائی قتل کرائے۔ قطب الدین، سفاکی اور فسق میں علاؤ الدین سے بھی چند قدم آگے تھا۔ برصغیر میں اسلام کو اس کی وجہ سے بڑا شدید نقصان پہنچا۔ ایک نوجوان امیر خسرو ملک سے اس کے تعلق کے چرچے اکناف عالم میں پھیلے۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ:۔

"خسرو ملک (خسرو خان) کا تعلق ایک ادنیٰ قبیلے "پرواز" سے تھا۔ قطب الدین اس کا دیوانہ ہو گیا اور اس کو بہت مرتبے عطا کیے بلکہ اپنی ہوس پرستی کی وجہ سے وزارت کا عہدہ بھی اس کے حوالے کر دیا۔ اس بادشاہ کو اللہ والوں، خاص طور پر حضرت نظام الدین اولیاؒ سے عداوت تھی۔"

قطب الدین مبارک شاہ کے متعلق تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ:۔

"قطب الدین مبارک شاہ کی بری حرکتیں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ وہ اکثر اوقات عورتوں کی طرح زیور پہن لیتا تھا اور اسی عالم میں مجمع میں آ کر لوگوں سے بات چیت کرتا تھا۔ بادشاہ کے محل میں بازاری اور گھٹیا عورتیں ہر وقت جمع رہتیں اور بادشاہ کے اشارے سے نامی گرامی اور ممتاز امرا سے مذاق کر کے ان کی توہین کرتی تھیں۔"

تاریخ فیروز شاہی میں خسرو خان کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

''یہ ولدالزنا کمینہ شخص (خسرو) ہر وقت سلطان کو ہلاک کرنے کے متعلق سوچتا رہتا۔ظاہر میں تو وہ ایک بدکار اور بے شرم عورت کی طرح اپنا جسم اس کے حوالے کر دیتا، لیکن باطن میں وہ سلطان کی زیادتی پر غصہ کرتا اور خون کے گھونٹ پیتا رہتا تھا۔بادشاہ نے نماز ترک کر دی، ماہ رمضان میں اعلانیہ کھاتا پیتا، اس کے دربار میں ایک کمین بھانڈ امراء ماں اور بیوی کی گالیاں دیتا اور اکثر بلند مرتبہ شرفا کے کپڑوں پر ننگا ہو کر پیشاب کر دیتا اور بعض اوقات بالکل برہنہ دربار میں آجاتا اور فحش بکتا تھا۔بادشاہ اس سے بہت محظوظ ہوتا تھا۔پھر جو ہوا سو ہوا۔ بادشاہ کے قتل کے بعد خسرو خان اور اس کے ہندو رشتہ دار سلطانی حرم میں جا گھسے۔سلطان کی ایک بیوی کی بے حرمتی کی اور بعد میں اُسے قتل کر دیا۔پھر خاندان کے دوسرے افراد کو تہ تیغ کیا۔خسرو خان نے تخت نشین ہوتے ہی محل میں بت پرستی شروع کر دی۔قطب الدین کی بیوی کو اپنے حرم میں ڈال لیا۔خاص خاص مسلمان امراء کے خاندانوں پر قبضہ کیا اور مسلمان عورتوں اور کنیزوں سے خسرو اور ہندو پروار رشتے دار متمتع ہونے لگے۔''ہندو اور پروار لوگ جن کا غلبہ ہو چکا تھا قرآن مجید کے نسخوں کو کرسیوں کے طور پر استعمال کرنے لگے، محرابوں میں بت رکھ کر ان کی پوجا کرنے لگے۔'' (تاریخ فیروز شاہی)

معزز قارئین! یہ افسانہ نہیں حقیقت ہے کہ خلجی سلطان اول درجے کے عیاش تھے اور قتل و غارت، لوٹ مار ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ان کا مطمع نظر قطعاً اسلام نہیں تھا، صرف اور صرف لٹیرا اور عیاش نفس ذاتی تھا۔چالیس ہزار نو مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کا دردناک طریقوں سے قتل خلجی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔جس طرح دیگر مسلمان بادشاہوں کا دامن رشتوں کے خون سے رنگین ہے اسی طرح خلجیوں نے بھی رشتوں کے تقدس کو پامال کیا۔جلال الدین خلجی نے اپنے محسن غیاث الدین بلبن کے پوتے اور پڑپوتے کو قتل کر کے بلبن خاندان کا خاتمہ کیا تھا اسی طرح اس کے بھتیجے نے نا صرف اسے قتل کیا بلکہ اس کے بیوی بچوں کو بھی قید تنہائی میں اندھا کر کے مار دیا۔اسی طرح علاؤالدین نے اپنے دو بھانجوں اور عزیز برادر کے بیٹے کو بھی ہلاک کر دیا بعد میں علاؤالدین کو اور اس کے بیٹوں کو ملک نائب کافور نے قتل کر دیا۔جو باقی قطب الدین مبارک شاہ سمیت رشتے دار بچ گئے تھے انہیں خسرو خان نے ہلاک کر کے خلجی خاندان کا وجود ہندوستان سے مٹا دیا۔☆☆

ہندو استاد پر توہینِ رسالت کا الزام

ان دنوں لیڈران اور عوام کشمیری بھائیوں پر بھارتی عسکری اداروں کی جانب سے کیے جانے والے انسانیت سوز مظالم پر سراپا احتجاج ہیں۔نہایت بیدردی سے کشمیری مسلمانوں کو قتل کیا جا رہا ہے،خواتین کی عصمت دری اور بچوں پر بہیمانہ تشدد کیا جا رہا ہے۔حکومت پاکستان اس ساری صورت حال کو عالمی برادری کے سامنے رکھ کر مطالبہ کر رہی ہے کہ کشمیر میں انسانی حقوق پامال کیے جا رہے ہیں انہیں روکا جائے۔اور یہی مطالبہ سلامتی کونسل، ریڈ کراس اور ایمنسٹی انٹرنیشنل گزشتہ چالیس برس سے کر رہی ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں،خواتین، بچوں اور خواجہ سراؤں کے انسانی حقوق کی حفاظت کی جائے ان کے انسانی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے۔عالمی ادارے یہ مطالبہ بھی پاکستان سے کرتے آ رہے ہیں کہ مذہبی انتہا پسندی کو بھی لگام دی جائے اور ایسے قوانین بھی ختم کیے جائیں جو اقلیتوں کے بنیادی شہری حقوق سلب کرتے ہیں۔جس طرح پاکستان کے ارباب اختیار کی ناک کے آگے اقلیتوں،خواتین، بچوں اور خواجہ سراؤں کو زندہ جلایا جا رہا ہے،قتل کیا جا رہا ہے،جنسی زیادتی اور تشدد کیا جا رہا ہے اب بھارت بھی اسی نہج کی کاروائیاں سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں بالخصوص کشمیری مسلمانوں کے خلاف کر رہا ہے۔انسانی حقوق کی پامالی بدترین جرم ہے۔

گزشتہ دنوں پاکستان کے صوبے سندھ کے ضلع گھوٹکی میں ایک ہندو استاد پر توہینِ رسالت کا الزام عائد کیے جانے کے بعد مشتعل ہجوم کی جانب سے مندر کی بے حرمتی اور ہندو برادری کی دکانوں میں لوٹ مار کے الزامات پر درجنوں افراد کے خلاف مقدمات درج کیے گئے ہیں۔استاد نوتن مل جو کہ ایک ریٹائرڈ پروفیسر ہیں، کے خلاف بھی توہینِ رسالت کی دفعہ 295 سی کے تحت مقدمہ درج کر کے انہیں حفاظتی تحویل میں لے لیا ہے۔تفصیلات کے مطابق نوتن مل پر ایک ۱۳ سالہ لڑکے نے الزام لگایا تھا کہ انہوں نے کلاس روم میں توہین رسالت کی ہے۔یہ بات جب مسلمانوں نے سنی تو مشتعل ہو گئے اور سائیں سادرام داس مندر میں توڑ پھوڑ کی جس سے ہندوؤں کے بتوں کو بھی نقصان پہنچایا گیا جبکہ شاہی بازار میں ہندو برادری سے تعلق رکھنے والے افراد کی دکانوں کو لوٹ لیا گیا۔یہ جاہل مظاہرین ہمیشہ کی طرح سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر کے راستہ بند کرنے جیسی

غیر اسلامی حرکت کے بھی مرتکب ہوئے۔

مندر میں توڑ پھوڑ کے الزام میں دفعہ ۲۹۵ کے تحت پینتالیس افراد کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔اس واقع کے بعد اچھی بات یہ دیکھنے میں آئی کہ علاقہ کے شرفاء نے رات بھر نا صرف مندر کی حفاظت کی بلکہ واقع کی شدید الفاظ میں مذمت بھی کی ہے۔واضح رہے کہ گھوٹکی شہر میں ہندو آبادی کا تناسب 30 فیصد ہے جبکہ پورے ضلع میں ہندو آبادی 20 سے 25 فیصد بتائی جاتی ہے۔

قارئین! یہ پہلا واقع نہیں ہے جس میں ملوث افراد کی پکڑ دھکڑ ہوئی ہے، کچھ عرصہ بعد ملزم چھوٹ جاتے ہیں۔دینی غیرت کے نام پر قتل کرنے والوں کو وطن عزیز میں ہیرو گردانا جاتا ہے۔وزیراعظم سے لے کر چپڑاسی تک اس نام نہاد دینی غیرت نامی بیماری میں مبتلا ہیں۔وزیراعظم عمران خان کی دینی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ کوئی عاطف میاں یا کوئی اور اقلیتی بندہ ان کا مشیر بنے۔چیف آف آرمی اسٹاف نہیں چاہتا کہ کوئی اقلیتی بندہ جنرل بنے،کوئی سیاستدان نہیں چاہتا کہ کوئی اقلیتی شہری گورنر یا وزیراعلیٰ بنے۔جداگانہ انتخابات کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو ووٹ نہیں دے سکتا اور نہ ہی کوئی غیر مسلم شہری کسی مسلمان امیدوار کو ووٹ دے سکتا ہے مگر اسمبلیوں میں جاتے ہی یہ حرام اور غیر آئینی قانون، آئینی اور حلال ہو جاتا ہے۔اقلیتی ارکان اسمبلی کو حکومت بنانے والی جماعت اور اپوزیشن جماعتیں جائز ناجائز طریقے سے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتی ہیں۔

آسیہ بی بی کی بے گناہی ثابت کرنے میں عدلیہ کو دس برس لگے۔اس وقت بھی ۱۷افراد کو پھانسی کی سزا سنائی جا چکی ہے ان کی اپیلیں کئی برس سے زیر التواء ہیں اور عدلیہ کی مصروفیت کے باعث سینکڑوں افراد توہین مذہب کے الزام میں جیلوں میں اذیت ناک دن گزارنے پر مجبور ہیں۔سالانہ ایک ہزار ہندو اور عیسائی لڑکیوں سے زبردستی مسلمانوں سے شادی کی جاتی ہے۔گو آج تک کسی کو توہین مذہب پر پھانسی نہیں دی گئی مگر کم و بیش ستر افراد کو توہین مذہب کے الزام پر ماورائے عدالت قتل کیا جا چکا ہے،بعض کو زندہ جلایا گیا۔رپورٹ ہونے والے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً سالانہ ۴ ہزار بچوں سے جنسی زیادتی ہوتی ہے اور ایک ہزار سالانہ غیرت کے نام پر خواتین قتل ہوتی ہیں۔۵ برس میں ۵۷ خواجہ سراؤں کو قتل کیا گیا۔۔۔۔اے اللہ! اہل وطن کو ہدایت دے۔آمین یارب العالمین۔ ☆☆

باروخ اسپینوزا(Baruch Spinoza)

جس طرح عصر حاضر میں سچ بولنا اور سوال کرنا مذہبی ٹھیکیداروں کے نزدیک جرم ہے اسی طرح تاریخ کے پنوں پر ان گنت ایسی ہستیوں کا ذکر موجود ہے جنہیں ہر اک مذہب کے سوداگروں نے سچ بولنے اور سوال کرنے کے جرم کی پاداش میں نا صرف اپنے مذاہب سے جدا کر دیا بلکہ دردناک سزاؤں کا طوق بھی ان کے گلے میں ڈالا۔ آج ایسی ہی ایک ہستی باروخ اسپنوزا (Baruch Spinoza) کا ذکر درج ذیل سطور میں معزز قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

باروخ اسپنوزا(24 November1632–21 February 1677) کے یہودی آباء واجداد کا تعلق اندلس سے تھا جب ۱۴۹۲ء میں مسلمانوں کے اقتدار کا سورج اندلس میں غروب ہو گیا تو یہودیوں کو بھی اندلس چھوڑنا پڑا۔ جو یہودی خاندان ہجرت کر کے ہالینڈ آئے ان میں باروخ اسپنوزا کا خاندان بھی تھا، یہ مہاجر عالم اسلام میں فلسفہ کے آخری تاجدار ابن رشد کا علمی خزانہ بھی ساتھ لائے تھے، اسی خزانے سے موتی چن کر باروخ اسپنوزا نے یورپی فلسفے کو بے حد متاثر کیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں وہ شمع جسے ابن رشد نے بارہویں صدی عیسوی میں روشن کیا تھا اسے سقوط اندلس کے بعد باروخ اسپنوزا نے سترہویں صدی عیسوی میں دوبارہ ہالینڈ میں روشن کر دیا۔

باروخ اسپنوزا ہالینڈ کے شہر ایمسٹرڈیم میں دولت مند والدین کے ہاں پیدا ہوا۔ اس کے والد نے اسے دینی تعلیم کے لیے وقف کر دیا۔ ان دنوں مذہبی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کو صرف دینی تعلیم دی جاتی تھی دنیاوی تعلیمات سے انہیں دور رکھا جاتا تھا، بالکل ویسے ہی جیسے اکثر اسلامی کہلانے والے مدارس سے دنیاوی علوم کو کوسوں دور رکھا جاتا ہے، حالانکہ تمام علوم انسانوں کے فائدہ ہی کے لیے ہیں۔ بہر حال اچھے حافظہ اور اعلیٰ دماغ کی بدولت باروخ اسپنوزا نے چودہ برس کی عمر میں دینی علوم میں وہ کمال حاصل کیا کہ بڑے سے بڑا یہودی امام بھی اس سے گفتگو کرتے ہوئے گھبراتا تھا۔ یہودیوں کو اس پر بیحد ناز تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ نوجوان ضرور اگلے دنوں میں یہودی قوم کے لیے باعث افتخار ہوگا۔

باروخ اسپنوزا کی محققانہ طبیعت نے جب دیکھا کہ اس کے دماغ میں اٹھنے والے سوالات کا کوئی جواب بھی حاصل کردہ دینی تعلیم دینے سے قاصر ہے۔تو وہ بے چین ہوگیا۔اس نے ان سوالات کے متعلق اپنے دوستوں سے ذکر کیا تو ان دوستوں نے یہودی اماموں کواس کے بدلتے رویے کے متعلق بتایا تو ان اماموں نے اسے بلایااور سخت لہجہ میں اس سے پوچھا کہ کیاتم نے توریت اور طالمود پر تنقید کی ہے؟ اس کے جواب میں باروخ اسپنوزا نے سچائی سے جواب دیا کہ بیشک! مجھے توریت پر نہ صرف یہ اعتراض ہے کہ اس میں بقاء وابدیتِ روح کا ذکر نہیں بلکہ اور بھی کئی اعتراضات ہیں مثلاً موجودہ توریت کی صحت کا کیا ثبوت ہے؟ خدا کی ہستی پر کون کون سے دلائل دیے گئے ہیں؟ مکارمِ اَخلاق کی تکمیل کے لیے کیا ذرائع بتائے گئے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ان باتوں کو سن کر یہودی اماموں نے اسے غصے سے کہا نادان لڑکے! تجھے یہ جرآت کیوں کر ہوئی کہ توریت مقدس پر اعتراض کرے؟اس کے جواب میں باروخ اسپنوزا نے کہا کہ ''جناب جو بات مدارِ یقین نہیں ہوسکتی وہ مدارِ ایمان کب ہوسکتی ہے۔'' اس پر یہودی اماموں نے کہا کہ اگر تم نے ان کفر یہ عقائد سے توبہ نہ کی توتمہیں یہودی جماعت سے خارج کر دیا جائے گا۔ باروخ نے مسکراتے ہو جواب دیا کہ اگر میرے سوالات کا یہی جواب ہے تو جس قدر جلد عنایت ہوگا مہربانی ہوگی۔

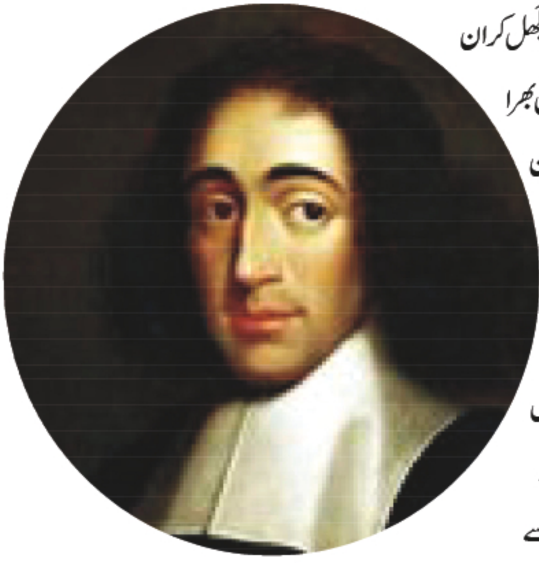
یہودی علماء نے اس کاروائی کی بابت اپنے بڑے امام ربی مارٹائرا (باروخ اسپنوزا اس کا شاگرد رہا تھا) کو بتایا۔اس نے بھی اسے بلا کر اس کے سوالات کے جواب دینے کی بجائے بھری مجلس میں گرج کر کہا کہ تیرے سامنے دوراہیں کھلی ہیں یا تو ان کفر یہ عقائد سے توبہ کر یا جماعت سے خارج ہونے کی تیاری۔اس کے جواب میں باروخ اسپنوزا نے کہا کہ میں اپنے ضمیر کی آزادی کو کسی قیمت پر فروخت نہیں کرسکتا، یہ تو جماعت یہود ہی ہے اگر آپ کُل دنیا کی جماعتوں سے خارج کر دیں تو بھی میں اپنے خیالات تبدیل نہیں کروں گا۔ یہ جواب سن کر ربی مارٹائرا نے مجلس کو برخاست کر دیا۔اس دن سے باروخ اسپنوزا نے یہودی عبادت خانہ میں جانا بند کر دیا، مدرسہ اور تدریس کا خیال دل سے نکال دیا۔راہ چلتے اگر کوئی یہودی مل جاتا تو اس سے ملنے سے گریز کرتا۔ یہودی علماء اس کے اس عمل سے آگ بگولا ہو ہو جاتے۔ یہودی علماء نے یہ سوچ کر کہ اس کی قابلیت سے کہیں نوجوان مرعوب نہ ہونے لگیں باروخ اسپنوزا کو یہ پیغام بھجوایا کہ اگر تم خاموش رہو اور کبھی کبھی مذہبی

رسومات میں شریک ہوجایا کروتو ہم تمہیں اڑھائی ہزارروپے سالانہ بطور وظیفہ دیں گے۔مگر باروخ نے اس تجویز یا پیشکش کو حقارت سے رد کر دیا۔اس کے انکار نے یہودی علماء کو انگاروں پر لوٹا دیا،انہوں نے فیصلہ کیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ایک دن تھیٹر سے واپسی پر باروخ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا مگر خوش قسمتی سے خنجر سے کیا گیا وار صرف اس کے اوورکوٹ کا ایک کونہ ہی کاٹ سکا۔اس واقعہ کے بعد باروخ نے خلوت نشینی اختیار کرلی۔اسے علماء یہودیہ نے پھر لالچ دیا مگر باروخ نے انکار کر دیا۔بالآخر علماء یہود نے جماعت یہود سے باروخ کو خارج کرنے کا فیصلہ کیا۔

۲۷ جولائی 1656ء کو ایمسٹرڈیم کی طالمود تورہ جماعت کے ہزاروں یہودی ہیکل میں جمع ہوئے تاکہ باروخ پر لعنت بھیج کر ثواب دارین حاصل کریں۔جب ہیکل یہودیوں سے بھر گیا تو کاروائی شروع کی گئی۔سیاہ موم بتیاں روشن کر دی گئیں،موسیٰ کی پانچ کتابیں کھول کر میز پر رکھ دی گئیں،بڑا امام ربی مارٹائر اسیاہ لباس میں دونوں ہاتھوں کو بلند کیے ہوئے نمودار ہوا اور جماعت کے سامنے 23 سالہ اسپنوزا کے خلاف فتویٰ کفر لگاتے ہوئے کہا کہ معابد کے لارڈز،علماء،اسپنوزا کی برائیوں اور برے کارناموں کے بارے میں طویل عرصے سے جانتے ہیں اور اسے مختلف طریقوں اور وعدوں کے ذریعہ کوشش کر رہے ہیں،تاکہ اسپنوزا اپنے برے طریقوں سے باز آجائے۔لیکن اسپنوزا اپنے مذموم خیالات کی اصلاح کرنے میں ناکام رہا،اور،اس کے برعکس،روزانہ اس کی مکروہ بدعتوں کے بارے میں سنجیدہ معلومات موصول ہورہی ہیں جن پر یہ عمل پیرا ہے اور ان کی تبلیغ کرتا ہے۔اس کی گھناؤنی حرکتوں کے بارے میں بے شمار قابل اعتماد گواہ ہیں جنہوں نے ایسپنوزا میں ان بدعتوں کا مشاہدہ کیا۔تمام علماء یہود کی رضامندی کے ساتھ،فیصلہ کیا ہے کہ مذکورہ ایسپنوزا کو اسرائیل کے لوگوں سے بے دخل کر دیا جائے۔فرشتوں کے حکم سے،اور مقدس مردوں کے حکم سے،ہم خدا کی رضا سے،اور تمام مقدس جماعت کی رضامندی سے،سب کے سامنے،ایسپنوزا باروخ کو جماعت سے خارج کرتے ہیں اور اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ان مقدس کتابوں میں سے چھ سو تیرہ فرمانوں کے ساتھ جو اس میں لکھے گئے ہیں،ان معانی سے یوشع نے جوریکو پر پابندی عائد کی تھی،اس لعنت سے جس میں الیشع نے لڑکوں پر لعنت بھیج دی تھی اور ان تمام لعنتوں کے ساتھ جو شریعت کی کتاب میں لکھے گئے ہیں۔دن کو لعنت ہو اور رات کو لعنت ہو۔لعنت ہو جب وہ لیٹتا ہے اور

لعنت ہو جب وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ جب وہ باہر جائے تو لعنت ہو، اور جب وہ اندر آئے تو لعنت ہو۔ خداوند اسے معاف نہیں کرے گا۔ خداوند کا قہر اور غضب اس شخص پر چڑھ آئے گا، اور اس پر تمام لعنتیں جو اس کتاب میں لکھی ہوئی ہیں، پڑیں گی، اور خداوند اس کا نام آسمان کے نیچے سے مٹا دے گا، اور خداوند اسے اپنی چوٹ سے سب سے الگ کر دے گا اسرائیل کے قبیلے عہد کی تمام لعنتوں کے ساتھ، جو شریعت کی کتاب میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن آپ جو خداوند خدا سے وابستہ ہیں وہ سب اس دن زندہ ہیں۔

ربی مارٹائرا نے جماعت یہودیہ سے یہ بھی کہا کہ ہم حکم دیتے ہیں کہ کوئی بھی اس کے ساتھ زبانی یا تحریری طور پر بات چیت نہ کرے، یا اس کی چھت کے نیچے یا چار گھنٹے اس کے ساتھ نہ رہے۔ اس کی تحریر کردہ کوئی تحریر نہ پڑھیں۔ جماعت یہود نے ہر لعنت و دشنام پر آمین کہا اور عورتوں نے چیخیں مارنا شروع کیں۔ تمام شمعیں اوندھی کر دی گئیں جن کا موم پگھل پگھل کر ان برتنوں میں گرنے لگا جن میں پہلے سے خون بھرا ہوا تھا۔ آخری لعنت کے بعد تمام شمعیں خون بھرے برتنوں میں گرا دی گئیں۔



باروخ اسپنوزا

اس شرعی لعنتوں بھری رسم نے ایسپنوزا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس رسم کی ادائیگی کے بعد وہ بھری دنیا میں اکیلا رہ گیا، اس سے کوئی یہودی نہیں مل سکتا تھا یہاں تک کہ وہ اپنی بہنوں سے بھی نہیں مل سکتا تھا جن سے اسے بے حد محبت تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ اسی کی طرح ٹھکرائے ہوئے چند دوست اسے مل گئے۔ اسپنوزا نے اپنا یہودی نام باروخ بدل دیا، نیا نام بنی ڈکٹ رکھا بنی ڈکٹ اسپنوزا اب ان سوالات کی طرف متوجہ ہوا جن کی پاداش میں اسے دائرہ یہودیہ سے خارج کیا گیا تھا۔ اس نے تحقیق شروع کی کہ غیر یہودی علماء اور فلاسفروں نے

ان سوالات کے کیا جواب دیے ہیں۔ بنی ڈکٹ اسپنوزا کو عبرانی، سریانی، جرمن، ڈچ، ہسپانی اور پرتگالی زبانوں پر عبور حاصل تھا مگر ان زبانوں میں فلسفہ پر کتب موجود نہ تھیں، تمام کتب لاطینی اور عربی زبان میں تھیں۔ بنی ڈکٹ اسپنوزا نے فیصلہ کیا کہ اسے لاطینی زبان سیکھنی ہے۔ لاطینی زبان سیکھنے کے لیے ایک طبیب نے جو ماہر لسانیات بھی تھا اور پیشہ طبابت کی وجہ سے مشہور تھا اس نے اسے پیشکش کی کہ وہ اس کے شاگردوں کو عبرانی اور ہسپانی زبان سکھائے اور اس کے بدلے میری بیٹی تمہیں لاطینی زبان سکھائے گی اس کے ساتھ تمہیں رہائش اور خوراک بھی دی جائے گی۔ بنی ڈکٹ نے اس تجویز کو نعمت سمجھ کر قبول کر لیا اور لاطینی سیکھنے کے لیے طبیب کے یہاں مستقل بودوباش اختیار کر لی۔ طبیب کی جوان بیٹی کا دل جیتنے کے لیے بنی ڈکٹ نے بڑی محنت سے زبان سیکھنے کی کوشش کی کیونکہ اسے اس سے محبت ہو گئی تھی، لاطینی زبان سیکھنے کے آخری مرحلے میں اس سے پہلے کہ وہ اظہار محبت کرتا، ایک ہیمبرگ کے نوجوان سوداگر کے دامِ محبت میں گرفتار ہو کر بنی ڈکٹ کی محبوبہ اس نوجوان سوداگر کی بیوی بن گئی۔

اخراج از جماعت یہودیہ کے بعد محبت میں ناکامی نے اسے چپ سی لگا دی۔ بنی ڈکٹ اسپنوزا نے ملنا جلنا، ہنسنا بولنا، آنا جانا سب بند کر دیا، دنیا کی بے ثباتی اور اس دنیا کی تلون مزاجی کا مزا چکھ لینے کے بعد وہ ہمہ تن مطالعہ میں مشغول ہو گیا، صرف ایک گھنٹہ دن میں وہ بچوں کو عبرانی زبان سکھاتا تھا۔ سب سے پہلے جس کتاب کا مطالعہ اس نے کیا اس کا نام ہدایت المتحرین تھا جس کا مصنف قرطبہ کا یہودی طبیب موسیٰ میمونائیدیز (۱۱۳۵ء تا ۱۲۰۴ء) تھا۔ یہی وہ کتاب بتائی جاتی ہے جس نے اس کے دماغ کو فلسفیانہ سانچہ میں ڈھالا۔ اس کتاب کے مصنف نے اپنے تئیں ثابت کیا ہے کہ خدا کائنات سے علیحدہ کوئی شے نہیں۔ یہ کتاب پڑھنے کے بعد یہ بھی سچ ہے کہ اس کی پریشانی بڑھ گئی کیونکہ اس کتاب میں اعتراضات کی بھرمار تھی اور جوابات میں مذہبی خوف کی وجہ سے ابہام پایا جاتا تھا۔ ہدایت المتحرین کے بعد بنی ڈکٹ اسپنوزا نے بن گرسن نامی اندلسی یہودی عالم کی تصانیف کا مطالعہ کیا جن میں ازلیت عالم کا اثبات کیا گیا ہے۔ پھر اس نے حسدائی کریسکاس نامی کی تصانیف کا مطالعہ کیا۔ یاد رہے معزز قارئین کہ متذکرہ بالا مصنفین نے ابن رشد کے علمی سمندر ہی سے موتی چنے تھے۔

جب متذکرہ بالا مصنفین نے اس کی الجھنیں بڑھائیں تو اس نے دینی عالم ابن عزرا کو پڑھا مگر وہاں

بھی اسے تاریکی ہی دکھائی دی۔ پھر اس نے یونانی فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا۔

باروخ اسپینوزا یہودی فلسفیوں کی کتب پڑھنے کے بعد مزید الجھ گیا۔ بجائے اس کے کہ اسے ان سوالوں کا جواب ملتا جن سوالات کی وجہ سے اسے دائرہ یہودیہ سے خارج کر دیا گیا تھا، اس کے ذہن میں مزید سوال جنم لینے لگے۔ یہاں سے اسپنوزا نے یونانی فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا۔ سقراط، افلاطون، ارسطو، ڈیماکریٹس اور دیگر کی کتابوں کو پڑھا اور انہیں ذہن نشین کیا بعدازاں مشہور دانشوروں جیسے انسیلم، ایبلارڈ، ایکوئیناس وغیرہ کو پڑھا۔ مشہور اطالوی فلاسفر اور ریاضی دان گیوردانو برونو Giordano Bruno(1548ء تا1600ء) کے خیالات نے اسپنوزا کو بہت متاثر کیا۔ برونو کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ ''وحدت کا خیال، انسانی دماغ کا شاہکار ہے، اس سے برتر اور بہتر کوئی خیال نہیں۔ جملہ حقیقت، بلحاظ ذات علت و اصلیت، واحد ہے اور خدا اور حقیقت ایک ہی شے ہیں، روح اور مادہ بھی ایک ہی ہیں کیونکہ ''حقیقت'' کا ہر سالمہ لانیفک طور پر روح اور مادہ سے مرکب ہے۔ پس فلسفہ کا کام یہ ہے کہ کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرائے، اور مادہ میں روح کا پتا چلائے اور روح میں مادہ کا ثبوت بہم پہنچائے اور ایسا نظام عقلیہ مرتب کرے جس میں اجتماع ضدین ممکن ہو سکے، اور عالمگیر وحدت کے اس ارفع علم کا درس انسان کو دے جسے ''محبت الٰہی'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے''۔



برونو

برونو نے علم حاصل کرنے کے لیے بے حد مشقت اٹھائی، دور دراز کے سفر اختیار کیے۔ برونو کے فلسفہ نے مذہبی نام نہاد ٹھیکیداروں کی نیندیں اڑا دی تھیں ان مذہبی جوکروں کے پاس برونو کے کسی سوال کا تسلی بخش جواب نہیں تھا۔ اور انہوں نے برونو کے ساتھ وہی کیا جو دانشوروں کے ساتھ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے یعنی برونو کو ناہنجار مذہبیوں نے کافر قرار دے کر واجب القتل ٹھہرایا۔ نام نہاد منصفوں نے اپنے حکم میں یہ بھی کہا کہ ''برونو کو جہاں تک ہو سکے رحم دلی کے ساتھ قتل کیا جائے تاکہ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرے''۔ اور ایسا ہی عملاً کیا بھی یعنی برونو کو زندہ آگ میں جلا کر راکھ بنا دیا گیا۔

برونو کے بعد جس فلسفی کے خیالات نے باروخ اسپنوزا کی سوچ میں انقلاب برپا کیا، وہ فرانس کا

مشہور فلسفی ڈیکارٹ تھا۔ باروخ اسپینوزا کو ڈیکارٹ کے فلسفہ میں جو بات پسند آئی وہ یہ تھی کہ اس نے خدا اور نفس کو چھوڑ کر باقی تمام مظاہر کائنات کو ریاضی کے اصولوں سے سمجھایا تھا، نیز یہ کہ اس نے ایک ایسی ذات کا تخیل پیش کیا جو مادہ کی تمام مختلف صورتوں میں موجود ہے۔ گویا برونو کے برخلاف ڈیکارٹ نے حقیقت میں دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اس کے نزدیک تمام کائنات ایک مشین ہے لیکن خدا اس کائنات سے باہر ہے۔

باروخ اسپینوزا ۱۶۶۰ء کو ایمسٹرڈیم سے رائنز برگ آ گیا۔ یہیں اس نے اپنے روحانی استاد ڈیکارٹ کی مشہور کتاب Meditation کا خلاصہ ایک ضمیمہ کے ساتھ شائع کیا۔ ڈیکارٹ کے فلسفہ سے متعلق اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ باروخ نے ضمیمہ میں اپنے فلسفہ اخلاق کے اصول بھی بیان کیے تھے۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے باروخ کو دنیا سے متعارف کروایا۔ چونکہ باروخ نے ڈیکارٹ کے فلسفہ پر نکتہ چینی بھی کی تھی، اس وجہ سے ڈیکارٹ کے شاگرد اس سے بحث کرنے آتے اور باروخ کی باتیں سن کر لاجواب ہو کر لوٹ جاتے۔

بہت سے علماء اور فضلاء نے باروخ کی قابلیت کے پیش نظر اسے رائنز برگ جو کہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا سے ہیگ میں مستقل سکونت پذیر ہونے کے لیے مجبور کیا۔ ہیگ میں اس کی بے حد قدر کی گئی۔ ارباب سیاست بھی اس کے مداح ہو گئے۔ ایک سیاست دان جین ڈی وٹ تو باروخ کا عاشق زار بن گیا۔ جس کی قیمت اس سیاستدان کو اپنی جان دے کر چکانی پڑی۔ ۱۶۷۲ء میں جین ڈی وٹ اور اس کے بھائی کو اس الزام میں پراسرار طور پر قتل کر دیا کہ ان کی وجہ سے ہالینڈ کو فرانس سے شکست کھانی پڑی۔ باروخ کو جب اپنے عزیز دوست کی موت کی خبر پہنچی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور اس کی بیگناہی ثابت کرنے کے لیے مجمع میں جانا چاہتا تھا مگر اسے روک دیا گیا۔

۱۶۷۳ء میں کارل لڈوگ نے باروخ اسپینوزا کو ہیڈل برگ یونیورسٹی میں فلسفہ کی کرسی پیش کی۔ جس ضمیر کی آزادی کی خاطر اس نے یہود کی پنشن سے انکار کر دیا تھا اسی ضمیر کو آزاد رکھنے کے لیے باروخ اسپینوزا نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور جواباً خط میں لکھا:۔

''جناب محترم! اگر مجھے کبھی یہ خواہش رہی ہوتی کہ کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہو جاؤں تو آپ کی مہربانی سے میری یہ خواہش کب کی پوری ہو چکی ہوتی۔ لیکن مجھے خوف ہے مبادا میرے فلسفیانہ لیکچروں کی وجہ


چارلس بریڈلے

سے آپ کی بادشاہت میں قائم شدہ مذہب کو کسی قسم کا گزند پہنچے، پس میں باادب عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس عزت سے معاف فرمائیے، کیونکہ میں اپنے ضمیر کی آزادی کو دنیا کی ہر شے پر مقدم رکھتا ہوں۔''

معزز قارئین! ضمیر کی آزادی کی خاطر بہت سارے دانشوروں نے بے حد قربانیاں دی ہیں۔ جب کبھی بھی ضمیر کی آزادی کی بات ہوگی برطانوی سر چارلس بریڈلے کا(26 September 1833 – 30 January 1891 ۔۔Charles Bradlaugh) کا بھی ذکر آئے گا۔ سر چارلس چار مرتبہ Northampton سے ایم پی کی سیٹ جیتے تھے۔ پہلی مرتبہ انہوں نے مذہبی کتاب پر حلف لینے کی بجائے اپنے آزاد ضمیر پر حلف لینے کا مطالبہ کیا جسے رد کر دیا گیا اور چارلس بریڈلے گھر چلے گئے، دوسری اور تیسری مرتبہ بھی ان کے اس مطالبے کو رد کر دیا گیا اور چارلس کو پارلیمنٹ میں بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ چوتھی مرتبہ ۱۸۸۸ء میں قانون تبدیل کر کے انہیں اپنے ضمیر پر حلف لینے کی اجازت دے دی گئی۔

۱۶۷۶ء میں لائب جونز جو ارسطو کے بعد سب سے بڑا منطقی، فلسفی، ریاضی دان، تاریخ دان، سیاستدان اور ادبی شخصیت سمجھا جاتا تھا اور دولت و ثروت اور وجاہت دنیاوی سے مالا مال تھا، نے باروخ سے ملاقات کی۔ لائب جونز اپنی ڈائری میں باروخ کے بارے لکھتا ہے کہ:۔

''اسپنوزا دبلا پتلا، زیتونی رنگ کا آدمی تھا، صورت سے تپ دق کا مریض معلوم ہوتا تھا، وہ مختصر کمرے میں جو آرائش سے قطعاً عاری تھا، دن رات تن تنہا مطالعہ اور تصنیف میں مشغول رہتا۔''

بعض عیسائی مصنفین کے نزدیک کریکٹر اور ذاتی خوبیوں کے لحاظ سے باروخ کا قد، لائب جونز سے اعلیٰ وارفع تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عیسائی مصنفین نے باروخ کا درجہ حضرت یسوعؑ کے بعد قرار دیا ہے، اس سے باروخ کی بلندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

باروخ کی محبوبہ جو کہ اس کے استاد کی بیٹی تھی اور خود بھی اس کی استاد تھی نے جب ہمبرگ کے ایک نوجوان سے شادی کر لی تو باروخ نے اپنے استاد کا گھر جس میں وہ رہتا تھا چھوڑ دیا اور ایک عیسائی خاندان کے

ساتھ رہنے لگا۔مالی حالت کبھی بھی اچھی نہ رہی تھی۔اپنی گزر اوقات کے لیے اسپنوزا دوربینوں اور عینک کے شیشوں کی صفائی کا کام کرتا تھا۔یہودیوں میں رواج ہے کہ بچوں کو کوئی نہ کوئی ہنر ضرور سکھاتے ہیں،اسپنوزا کے مشکل وقت میں بچپن میں سیکھا اس عینک سازی کا ہنر بہت کام آیا۔جب زیادہ مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تو اسپنوزا نے مصوری بھی شروع کردی۔

دنیا کے مصائب،خوراک کی کمی اور ورزش کی عادت نہ ہونے کے باعث نوجوانی سے ہی باروخ کی صحت خراب رہتی تھی مگر جس حوصلے کے ساتھ اس نے یہودی جماعت کی بدمعاشیوں کو برداشت کیا اپنی محبوبہ سے جدائی کے غم کو سہا تھا اور اپنے دوستوں کی موت پر صبر کا جام پیا تھا اسی حوصلے،بہادری اور خاموشی کے ساتھ اپنی شدید بیماری کا سامنا بھی کیا۔باروخ اسپنوزا نے اپنی تمام تصانیف علالت ہی میں تصنیف کی تھیں۔طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو چند دن مطالعہ اور لکھنے لکھانے کا سلسلہ منقطع ہوجاتا۔علالت کے باوجود کثیر تعداد میں آنے والے خطوط کے جوابات بھی باروخ ضرور دیتا تھا۔

۱۶۷۶ء کے وسط میں جب اسپنوزا کی عمر ۴۴ برس تھی،شدید بیمار ہوگیا۔نوجوانی ہی سے پھیپھڑوں کی بیماری جسے عرف عام میں ٹی بی کہا جاتا ہے باروخ کو لاحق تھی۔پھر یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔اپنی موت سے پہلے اسپنوزا نے اپنی آخری کتاب بدقت تمام کی اور اس کتاب کا مسودہ ایک صندوق میں بند کر کے چابی مالکہ مکان کے سپرد کی اور کہا کہ میری وفات کے بعد اس صندوق کی چابی اور صندوق ایمسٹرڈیم کے ایک پبلشر کو دے دینا۔۲۲ فروری ۱۶۷۷ء کو اتوار کے دن عظیم فلسفی باروخ اسپنوزا وفات پا گیا۔اس کی موت کی خبر آناً فاناً شہر میں پھیل گئی۔اس کے جنازہ میں ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے،تدفین کے وقت اس دور میں جب کہ تنگ نظری اور مذہبی تعصب عروج پر تھے،قبرستان میں ہر مذہب وملت کے لوگ اسے خراج تحسین پیش کرنے کے لیے موجود تھے۔باروخ اسپنوزا کا جینا ایک درویش کا جینا تھا۔

اسپنوزا کی زندگی میں دردوالم کا آغاز اس وقت سے شروع ہوا تھا جب اس کے دل میں مذہب کے متعلق پہلے سوال نے کروٹ لی تھی۔جاہل مذہبی راہنما اسے تسلی بخش جواب تو نہ دے سکے،ہاں اسے دائرہ یہودیت سے ضرور خارج کردیا۔اسپنوزا نے اس کفر کو نہایت صبر سے نہ صرف برداشت کیا بلکہ اپنے سوالوں کے

جوابوں کی تلاش کے لیے اپنی زندگی وقف کردی۔دوسرا صدمہ اسے اس کی محبوبہ جو اس کی استاد بھی تھی کی ہمبرگ کے نوجوان سے شادی کرنے پر ہوا۔ان دو واقعات نے اسپنوزا کے ہونٹوں سے مسکراہٹ چھین لی تھی۔یہی وجہ ہے کہ اس کی تحریروں میں ایک دلخراش طنز مخفی ہوتا ہے۔اور اس سے بوئے انتقام آتی محسوس ہوتی ہے۔مثال کے طور پر اسپنوزا اپنی کتاب علم الاخلاق کے ضمیمہ میں ہادیان طریقت کے متعلق لکھتا ہے:۔

''یہ مقدس طبقہ علی العموم ان لوگوں کو جو بحثیت فلاسفہ معجزات کی علت یا مظاہر فطرت کو سمجھنا چاہتے ہیں اور بیوقوفوں کی طرح ان باتوں پر متحیر رہنے کو کافی نہیں جانتے، کافر، ملحد اور بے دین قرار دے دیتا ہے۔اور یہ طبقہ ان افراد پر مشتمل ہے جنہیں عوام دیوتاؤں اور کائنات کے اسرار کا عامل سمجھتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر عوام الناس کی آنکھوں سے جہالت اور تعصب کا پردہ دور ہو جائے تو پھر ہم ان پر حکومت نہیں کرسکتے۔''

رائنز برگ میں جہاں اسپنوزا رہتا تھا وہ مکان آج بھی موجود ہے اور جس سڑک پر وہ واقع ہے اس کا نام بھی اسپنوزا روڈ ہے۔اس مکان کے ایک مخصوص کمرہ میں دو دو تین تین دن مسلسل بیٹھا کام کرتا تھا، نہ وہ کسی کے پاس جاتا نہ کوئی اس کے پاس آتا۔اوقات مقررہ پر خادمہ دبے پاؤں آتی اور کھانا میز پر رکھ کر چلی جاتی۔اسپنوزا کے سوانح حیات مرتب کرنے والے مسٹر کالیرس لکھتے ہیں:۔

''ہر سہ ماہی کے بعد اسپنوزا آمد و خرچ کا حساب کیا کرتا تھا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ خرچ اس کی آمدنی سے زیادہ تو نہیں ہے۔بعض اوقات وہ مالکہ مکان سے کہا کرتا تھا کہ ''میں اس سانپ کی مانند ہوں جس کے منہ میں سوائے اس کی دم کے اور کچھ نہیں ہوتا''یعنی جتنی آمد اتنا ہی خرچ بقایا ندارد۔''

ایک مرتبہ ایک شخص نے اسپنوزا سے کہا کہ ''کیا ہی اچھا ہو کہ آپ عقل کے بجائے الہام پر بھروسہ رکھیں''اس پر اسپنوزا نے جواب دیا:۔

''جو پھل میں اپنی فطری عقل کی بدولت جمع کرتا ہوں اگر وہ محض خیالی بھی ثابت ہوں جب بھی مجھے افسوس نہ ہوگا بلکہ اسی پر قناعت کروں گا کیونکہ میری راحت صرف جمع کرنے پر مضمر ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی امن، سکون اور روحانی خوشی میں بسر کروں نہ یہ کہ رات دن گزشتہ پر افسوس اور آئندہ کے متعلق فکر کرتا رہوں۔''

کالریس، اسپنوزا کے متعلق لکھتا ہے کہ اسپنوزا درمیانی قد کا آدمی تھا، نک سک سے درست تھا، رنگت سانولی تھی، بال سیاہ اور گھنگھریالے تھے بھنویں لمبی اور گھنی تھیں جو بھی دیکھتا فوراً کہہ دیتا کہ یہ شخص پرتگالی یہود کی اولاد ہے۔اس کی آنکھوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص کو روحانی سکون اور اطمینان قلب حاصل ہے۔لباس کی طرف سے اسپنوزا لاپرواہ تھا شاید مزدوروں کا لباس اس کے لباس سے بہتر ہوتا ہوگا۔ایک بڑا عہدہ دار امیر آدمی جب اس سے ملنے آیا تو اس نے اسپنوزا کے معمولی لباس کو دیکھ کر کہا کہ اگر حکم ہو تو میں ایک نیا اور بیش قیمت لبادہ آپ کے رتبہ کے لائق حاضر کروں۔اس پر اسپنوزا نے ہنس کر کہا:۔

''کوئی شخص قیمتی لباس پہننے سے اشرف اور اعلیٰ نہیں ہوسکتا، علاوہ بریں جسم جیسی حقیر اور فانی شے کو قیمتی لباس پہنانا قرینِ عقل نہیں''۔

مگر یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اسپنوزا ترکِ لذات یا جسم کو دکھ دینے یا بے ہنگم زندگی بسر کرنے کا قائل تھا۔ایک موقع پر اس نے لکھا ہے کہ:۔

''جو شخص سلیقہ کا پابند نہیں، اس کا نفس شائستہ نہیں ہوسکتا''۔

بہت سے لوگ اس کی مالی مدد کرنا چاہتے تھے لیکن اس نے کبھی اپنا بار دوسروں پر نہیں ڈالا، اپنی آبائی جائیداد اپنی بہن کو دے دی۔سائمن ڈی رائز نامی سوداگر اسپنوزا کو عزیز رکھتا تھا ایک مرتبہ اس نے پانچ ہزار کی رقم اسے دینا چاہی مگر اسپنوزا نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا مگر اس نے مرنے سے پہلے اپنی چوتھائی جائیداد اس کے نام کر دی۔اسپنوزا نے اسے مجبور کیا کہ یہ جائیداد اپنے بھائی کے نام کر دو وہ مستحق ہے مگر سائمن کے مرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ اپنی وصیت میں ایک ہزار سالانہ اسپنوزا کے نام لکھ گیا ہے۔اسپنوزا نے کوشش کی کہ یہ رقم بھی اس کے بھائی کو دے دی جائے، دوستوں کے اصرار پر اس نے ڈیڑھ سوڈالر سالانہ قبول کر لیے۔

جب شہنشاہ لوئی چہاردہم نے ایک معقول پنشن اس شرط کے ساتھ پیش کی کہ آئندہ تصنیف میرے نام سے منسوب کی جاوے۔مگر باروخ اسپنوزا نے صاف انکار کر دیا اور کہا:۔

''میں سوائے خدا کے اور کسی کا ممنونِ احسان نہیں ہونا چاہتا، اس نے مجھے قوائے عقلیہ عنایت کیے ہیں اور میں ان سے کام لوں گا''۔

اگرچہ دوست احباب اس کی مالی مدد کرتے رہتے تھے،لیکن وہ بڑی سادہ زندگی بسر کرتا تھا،عینک سازی سے جو آمد ہوتی اسی میں گزارا کرتا،بالائی رقوم فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیتا۔مرنے کے بعد لوگوں نے جب اس کا رجسٹر دیکھا تو معلوم ہوا اس نے ایک دن صرف شوربہ اور مکھن پر ہی قناعت کی،دوسرے دن لپٹا ہی چاٹ لیا۔کالیرس لکھتا ہے کہ عموماً عمائدین شہر اسے مدعو کرتے تھے لیکن وہ اپنے گھر کی سادہ غذا کو رؤسا کے مرغن کھانوں پر ترجیح دیتا تھا۔آزادی کا اس قدر دلدادہ تھا کہ خیالات اور عقائد میں بھی کسی کا پابند نہ تھا،جب تک کوئی بات سمجھ نہ آتی،اسے تسلیم نہ کرتا۔ڈیکارٹ اس کا روحانی استاد تھا،ڈیکارٹ ہی کے فلسفہ پر اس نے اپنے خیالات کی بنیاد قائم کی مگر ڈیکارٹ کی کمزوریوں کو بھی بلا خوف بیان کیا۔اسپنوزا کہا کرتا تھا:۔

''خدا نے مجھے عقل دی ہے،مشکلات میں اس کی مدد سے کام کروں گا،ورنہ یونہی رہوں گا،لیکن دوسروں کے عقائد کو نہ اپناؤں گا۔''

دنیا نے سوائے جرمنی کے باروخ اسپنوزا کو عیاش،کافر کہا اور یہودیوں نے تو اسے دائرہ یہودیت ہی سے خارج کر دیا تھا۔حقیقت میں وہ بڑا مذہبی تھا۔نادیلس،اسپنوزا کو سرشارِ الٰہی کہہ کر خطاب کرتا تھا اور اب ہر شخص اس کی رائے کا موئد ہی نظر آتا ہے۔اس کے مخالفین نے اس پر طرح طرح کے الزام لگائے،لیکن اس کے چال چلن میں کوئی عیب نہ نکال سکے۔اسپنوزا کی تمام زندگی اعلیٰ درجہ کی جرآت کا نمونہ ہے۔خوف و ہراس،رنج و غم کا اس کی زندگی میں گزر نہ تھا،انتہائی تکلیف میں بھی خوش وخرم رہتا تھا۔جس خاندان کے ساتھ رہتا تھا کبھی کبھی اپنے رفیق زندگی پائپ منہ سے لگائے،ان کے ساتھ ملاقاتی کمرے میں جا بیٹھتا اور ان سے ان کی سمجھ کے مطابق باتیں کرتا۔اسپنوزا اپنی کتاب سیاست و مذہب میں حکمرانوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''حکومتوں کو چاہیے کہ دارالعلوم قائم کریں کیونکہ آگے چل کر یہی دارالعلوم دارالبلاء ہو جاتے ہیں، ہر شخص کو آزادی ہونی چاہیے کہ جو چاہے پڑھے اور جو چاہے سکھائے،علم کی اصل ترقی کتابوں کی اشاعت اور مدارس کی کثرت پر منحصر نہیں بلکہ ضمیر کی آزادی پر ہے۔''

تصانیف: اسپنوزا نے ساری عمر تصنیف و تالیف کا کام کرتا رہا۔اسے شہرت کی بلندیوں پر پہلی کتاب جس میں اس نے ڈیکارٹ کے فلسفہ پر تنقید کی،پہنچا دیا۔اس کتاب میں تنقید ہی نہیں تھی بلکہ ڈیکارٹ کی

سوانح حیات بھی موجود ہے۔ ڈیکارٹ کے فلسفہ کا خلاصہ اور پھر اس پر تبصرہ کیا گیا ہے۔اس کتاب کا نام ''مبادیات فلسفۂ ڈیکارٹ'' ہے۔ یہ کتاب ۱۶۶۳ء میں شائع ہوئی تھی۔تمام ممالک میں اس کتاب کی اشاعت پر پابندی لگادی گئی۔اوراس کتاب کے رد میں سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں۔یہی وہ کتاب ہے جس کی اشاعت کے بعد باروخ اسپنوزا کوملحد، کافراورزندیق جیسے خطابات سے نوازا گیا۔ان خطابات کے دیے جانے کی وجہ اسپنوزا کی بائیبل پر بے لاگ تنقید تھی،اور پادریوں کے وجود کواس نے انسانیت کے لیےاورعوام الناس کے حق میں مضر ثابت کیا تھا جسے پادری برداشت نہ کر سکے۔حقیقت یہ ہے کہ اس کی تنقید نے جرمنی اورتمام یورپ کے علمائے مذاہب کا زاویۂ نظر بدل گیا بلکہ مسیحیت کی مذہبی تاریخ ہی بدل گئی۔۔اگر یہ تنقید شائع نہ ہوتی تو نہ جرمنی میں اسٹراس پیدا ہوتا، نہ فرانس میں رینان اور نہ انگلستان میں رابرٹسن۔آج جو مسیحی دنیا میں عقل و مذہب کے درمیان عظیم معرکہ کے بعد عقل کو جو مذہب کے بالمقابل طویل لڑائی کے بعد جو فتح نصیب ہورہی ہے،اس کا بانی اسپنوزا ہے۔ہیوم اورمل نے مل کراس کے خیالات کی بنیاد پر تحریک جدید پیدا کردی،اس تحریک کے ارکان،آہستہ آہستہ ،کلیسا مسیح کے تمام مسلمہ عقائد سے دست بردار ہوتے جارہے ہیں۔اس کتاب کی بدولت اسپنوزا کوگالیوں سے بھرے خطوط بھیجے جاتے تھے۔ پانچویں کتاب کا نام ''سیاست نامہ'' ہے، یہ کتاب اسپنوزا کی چھٹی کتاب ''قوس قزح نامہ'' کے ساتھ ہی بعداز وفات نامکمل ہی شائع ہوئی تھی۔ساتویں کتاب ''خدااورانسان'' جوفلسفۂ اخلاق ہی کا ایک حصہ ہے، ۱۶۵۲ء میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب لاطینی زبان میں لکھی گئی تھی۔

معزز قارئین! آخر میں مشہور جرمن فاضلِ الٰہیات شلائیر میخر کی کتاب مباحث متعلق مذہب سے اسپنوزا کے متعلق ایک اقتباس کے ساتھ ہی اس مضمون کا خاتمہ کیا جارہا ہے۔

''وہ ایک بڑی روحانی شخصیت رکھتا تھا، خدائے غیر محدود اس کی ابتدا اور انتہا تھی اور اس کی پیدا کردہ کائنات اس کا واحد مطلوب تھا، وہ مذہب اور احساس مذہبی سے سرتاپا معمور تھا۔پس باعتبار اپنی شخصیت کے یکتا ہے اورعام فلاسفہ وحکماء اس کی گرد کوبھی نہیں پہنچ سکتے۔ وہ اپنے فن میں کامل تھا۔اس ناپاک دنیا سے بالاتر، نہ اس کا کوئی شاگرد تھااور نہ ہم صحبت۔''(اس مضمون کا زیادہ تر حصہ جناب پروفیسر محمد یوسف خان صاحب سلیم کی تحقیق کا نچوڑ ہے۔حکیم اسپنوزا کے عنوان سے ان کا مضمون معارف نامی رسالہ میں ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا تھا۔)

بے زبان شیطان!!!

جناب رجب طیب اردگان نے امریکہ میں مسلم کمیونٹی سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

"کشمیر کا درد ہمارے وجود کا درد ہے۔ظلم کے مقابلے میں خاموش رہنے والا بے زبان شیطان ہے۔ اگر ہر کوئی خاموش ہو تو ہم پھر بھی بولیں گے۔ترکی ظالم کے مقابلے میں ہر مظلوم کے ساتھ ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ آج بھی ترکی اپنا تاریخی کردار ادا کر رہا ہے، اور ملکی شناخت دیکھے بنا وہ ظالم کے بجائے مظلوم کے ساتھ کھڑا ہے۔آج ترکی دنیا میں سب سے زیادہ مدد کرنے والا ملک ہے۔ ہر مظلوم کے لیے ہمارے دل اور دروازے کھلے ہیں۔"

معزز قارئین! ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ طیب اردگان کسے بے زبان شیطان کہہ رہے ہیں اور ان کی نگاہ میں کون زبان والا شیطان ہے۔شیطان تو شیطان ہی ہوتا ہے۔شیطان کی زبان بھی نہیں ہوتی زبان والے اور بے زبان شیطان کے چیلے انسان ہوتے ہیں۔ جناب اردگان سے پوچھنا چاہیے کہ صاحب گزشتہ دنوں کردوں کے خلاف ترکی کا آپریشن پیس سپرنگ ظلم تھا یا رحمت؟ اس کی حمایت کرنے والے زبان والے شیطان ہیں یا بے زبان شیطان؟ یاد رہے عظیم مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی کی قوم کو جو عراق، شام، ایران اور ترکی میں دھکے کھا رہی ہے اس کا کوئی پرسان حال نہیں۔عراق میں صدام حسین کے دور میں ڈیڑھ سے دو لاکھ کے بیچ کرد مرد، بچوں اور عورتوں کو مار دیا گیا تھا۔ترک فوج بھی لگ بھگ چالیس ہزار کردوں کو ہلاک کر چکی ہے۔کردوں کو امریکا نے پاکستانی طرز کے مجاہدین بنا کر اپنے ہی پالے ہوئے نام نہاد دولت اسلامیہ کے شرپسندوں کی سرکوبی کے لیے استعمال کیا۔ جب کام ختم ہو گیا تو امریکا ان کرد مجاہدین کو بے یار و مددگار چھوڑ کر ویسے ہی نو دو گیارہ ہو گیا جیسے افغانستان کے مجاہدین کو چھوڑ کر ایسے غائب ہوا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ جونہی امریکا اس علاقہ سے نکلا طیب اردگان نے جو کشمیریوں پر بھارتی مظالم کا راگ آلاپ رہے تھے، ترک افواج کو کردوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا، اس حملہ میں سینکڑوں کرد مرد و خواتین اور بچے ہلاک کر دیے گئے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے:۔

فَرِيْقاً هَدَى وَفَرِيْقاً حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِيْنَ أَوْلِيَاء مِن دُونِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ۔ (سورۃ اعراف آیت ۳۱)

ایک گروہ کو اس نے ہدایت بخشی اور ایک گروہ پر گمراہی لازم ہوگئی۔ یقیناً یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خُدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنالیا اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ امت مسلمہ میں اکثریت ایسے حکمرانوں کی ہے جو بے زبان شیطان کے زبان والے شیطان بن چکے ہیں۔ یہ زبان والے شیطان اپنی زبانوں سے ظلم کے خلاف شاندار بیان بازی کرتے ہیں اوران کے عمل بے زبان شیطان کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں۔ ایرانی، امریکا کو بزرگ شیطان کہتے ہیں، اوراکثر مسلمان حکمران اسی بزرگ شیطان کے لے پالک بیٹے ہیں۔ ☆☆☆

ملک آخری دموں پر ہے؟

پاکستانی قوم میں اخلاقی تنزلی اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہے۔ عصر حاضر میں وطن عزیز ایک ناکام ریاست کے طور پر دیکھی جارہی ہے۔ گزشتہ دنوں کراچی میں کتاب میلہ میں مختلف دانشوروں سے جب پاکستان کے مستقبل کے متعلق پوچھا گیا تو کسی ایک نے بھی حوصلہ افزا جواب نہ دیا۔ سبھی نے کہا پاکستان کو مستقبل تاریک دکھائی دے رہا ہے۔ سچ یہی ہے کہ حال، مستقبل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اسی طرح کے ایک سوال کا جواب طارق علی نے اپنی کتاب کیا پاکستان قائم رہ سکتا ہے۔ Can Pakistan Survive میں دیا ہے۔ وہ پاکستان کے مستقبل کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

''یہ کیسی ریاست ہے جو ملاوں کے بے اصول استعمال سے زندہ ہے، جہاں بندوق اور مغربی ممالک سے درآمد کردہ آلات اذیت سے حکومت ہوتی ہے؟ اس میں اور جو قباحتیں ہوں سو ہوں اس کی بنیادیں ریت پر تعمیر کی گئی ہیں۔ جب ایک خوفزدہ حکمران ٹولہ اقتدار کی بقاء کے لئے فوج کو استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتا جب ملک میں انتخابات کی کوئی جگہ نہ ہو مبادا کہ عوام حکمرانوں کو ہی بدل ڈالیں، جب سول اور فوجی انتظامیہ کا اعتماد اٹھ جائے اور لوگ انہیں اقتدار کے غاصب کہنے لگیں تب ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اب ملک آخری دموں پر ہے۔'' (بحوالہ مارشل لاء کا سیاسی انداز از ایم۔اے۔کے۔چوہدری)

اداروں میں لڑائی۔۔اللہ کا فضل ہے؟

گزشتہ برس ۲۰۱۹ء وطن عزیز میں اچھائیوں کے کم اور برائیوں کے مزید پودے لگا گیا۔ سیاستدانوں اور جرنیلوں کی لڑائی تو کئی دہائیوں سے جاری و ساری ہے، مگر ججوں نے بھی کم از کم چوتھی بار اپنی قوت کا ناجائز و غیر اخلاقی مظاہرہ کر کے بتا دیا ہے کہ وہ بھی ریسلنگ کرنا جانتے ہیں اور امپائر کی چشم پوشیوں اور اشاروں کی زبان کو خوب سمجھتے ہیں (اسی طرح ایک ایمپائر کی دبی دبی چشم کے ایک اشارے نے سیاست کے نامور پہلوان کی آنکھوں کے چراغ ہی نہیں زندگی کی شمع بھی گل کر دی تھی)۔ وفاقی وزیر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی جناب فواد چوہدری صاحب نے پارلیمان سے خطاب کرتے ہوئے بالکل درست اور حقیقی برائی کا نقاب اتارتے ہوئے بڑے درد سے کہا ہے کہ:۔

''پاکستان کا مسئلہ یہ ہے کہ ادارے باہم دست و گریبان ہیں۔ تمام ادارے نہ تو تمام معاملات میں قصوروار ہیں اور نہ ہی بے قصور ہیں۔ پرویز مشرف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں ٹانگ دو اور اپنے پی سی او ججز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں رہنے دو، وزیر اعظم بھی ایک ادارہ ہے، اس کا احترام بھی لازم ہے۔''

(روزنامہ جنگ۔لندن۔یکم جنوری 2020)

جناب فواد چوہدری کا یہ تجزیہ پاکستانی قوم کو پیش آنے والے سنگین حالات کا عکاس ہے۔ سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف سے انتقام لینے کے چکر میں پوری قوم یرغمال بنائی جا چکی ہے۔ خصوصی عدالت کے فیصلے نے پاکستانی قوم کے سر عالمی برادری کے سامنے شرم سے جھکا دیے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ جنرل آصف غفور نے یہ کہہ کر کہ ''سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کسی بھی صورت میں غدار نہیں ہو سکتے''، اس فیصلے کی اہمیت دو کوڑی کی ثابت کر دی ہے مگر افواج پاکستان کی توہین ضرور ہوئی ہے۔ پینتالیس برس تک وطن کی خدمت کرنے والا سابق آرمی چیف اگر غدار ہے اور سزائے موت کا بھی مستحق ہے اور ایسا قابل نفرت غدار ہے جس کی لاش کو مرنے کے بعد گھسیٹنا اور تین دن تک ڈی چوک میں لٹکانا ضروری ہے تو پھر جرنیلوں پر اعتبار کرنا بڑی بھیانک بات ہے۔ ہمیشہ آمروں کے شب خون مارنے کو قانونی تحفظ فراہم کرنے میں سب سے پہلے جو ادارہ سرگرم ہوتا

ہے وہ عدلیہ ہے۔ بہت کم ایسے صاحب کردار اور باضمیر جج ہوتے ہیں جو آمر کے روبرو گردن جھکانے کو بدترین گناہ سمجھتے ہیں۔اکثریت ایسے ججوں کی ہوتی ہے جو آمر کے ایک اشارے پر اپنے ایمان اور ضمیر کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔اگر پاکستانی عدلیہ کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ کوئی بھی بڑا فیصلہ ججوں کی اکثریت خود سے نہیں کر سکی ہے۔بھٹو کی پھانسی ہو یا سیاستدان کو گھر بھیجنے کے فیصلے،دہشت گردوں کے متعلق فیصلے ہوں یا اشرافیہ کے قاتل بچوں کے فیصلے وغیرہ وغیرہ آزادی سے کرنے کی کسی جج میں جرآت نہیں ہے۔

اب صرف دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں پہلی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ عدلیہ مکمل طور پر مادر پدر آزاد ہوگئی ہے اب اسے کسی کی جنبش چشم کی ضرورت نہیں رہی۔دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جس طرح سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے پاؤں کے نیچے سے جنرل کیانی نے سابق چیف جسٹس افتخار کی مدد سے قالین کھینچ لیا تھا، اسی طرح کوئی ان دیکھی قوت آرمی چیف جنرل باجوہ سے اپنی جان چھڑانا چاہتی ہے۔دوسری صورت نہایت خطرناک ہوسکتی ہے۔اور اداروں کا ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنے سے سوائے ملک کو نقصان پہنچانے اور عوام کو مزید بدحال کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

وطن عزیز میں اشرافیہ کے کرپٹ اور بے ایمان افسروں کے سر پر ہاتھ رکھنے کی وجہ سے غریب عوام غربت کی دلدل میں دھنستی ہی چلی جا رہی ہے۔جب تک اشرافیہ میدان میں آکر کرپٹ سیاستدانوں، جنرلوں، مذہبی لیڈروں اور افسروں کے گریبان نہیں پکڑتی تب تک قوم کی سوچ بدلے گی اور نہ خوشحالی آئے گی۔قوم کی سوچ جاہلانہ ہوجائے تو ہر قسم کی ترقیات کے دوازے بند ہوجاتے ہیں۔سعادت حسن منٹو نے بہت پہلے جاہلانہ سوچ کی عکاسی کرتے ہوئے کہا تھا:۔

''صاحبان میں سائنس کا ذکر کرنا تو بھول ہی گیا۔۔۔۔یہ ادب کی بھی خالہ تھی۔خدا محفوظ رکھے اس بلا سے،نعوذ باللہ اس فانی دنیا کو جنت بنانے کی فکر میں تھے۔یہ لوگ جو خود کو سائنسدان کہتے تھے۔ملعون کہیں کے۔خدا کے مقابلے میں تخلیق کے دعوے باندھتے تھے۔ہم مصنوعی سورج بنائیں گے جو رات کو تمام دنیا روشن کر دے گا۔ہم جب چاہیں گے بادلوں سے بارش برسا لیا کریں گے۔۔۔ذرا غور فرمائیے،نمرود کی خدائی تھی، جی اور کیا؟ سرطان جیسی لاعلاج اور مہلک بیماری کا علاج ڈھونڈا جا رہا ہے،یعنی ملک الموت کے ساتھ پنجہ لڑانے کی

سعی فرمائی جا رہی ہے، ایک صاحب ہیں وہ دوربین لیئے بیٹھے ہیں اور دعوے کر رہے ہیں کہ وہ چاند تک پہنچ جائیں گے۔ سرپھرے بوتلوں اور مرتبانوں میں بچے پیدا کر رہے ہیں۔خدا کا خوف ہی نہیں رہا تھا پاجیوں کو۔۔۔۔۔۔ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ یہ سب شیطان ہمارے درمیان سے اٹھ گئے۔اب چاروں طرف سکون ہے۔کوئی ہنگامہ نہیں،کوئی واردات نہیں،کوئی شاعر نہیں،کوئی مصور نہیں،زندگی یوں گزر رہی ہے، جیسے گزر رہی نہیں رہی،قلب کیلیئے یہ کتنی اطمینان دہ چیز ہے،لوگ پیدا ہوتے ہیں،مر جاتے ہیں،کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ زندگی سے لے کر موت تک ایک بے آواز، صاف شفاف دھارا بہا چلا جا رہا ہے۔کوئی بھنور ہے نہ بلبلہ،لوگ دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر لمبی تانے سو رہے ہیں اور کیوں صاحبان! کیا جی نہیں چاہتا کہ اسی طرح سوئے رہیں،حتیٰ کہ جنت میں دودھ کی نہروں کے کنارے ہماری آنکھیں کھلیں۔۔۔۔۔۔اوپر دیکھیں تو انگور کے خوشے جھک کر ہمارے منہ میں آ جائیں اور ہم پھر سو جائیں۔'' ☆☆☆

جناح کا تخلیق کردہ یہ پاکیزہ ملک!!

لندن کے اخبار گارڈین نے مارشل لاء کے لگنے پر 23 ستمبر 1977ء کو ایک اداریئے میں لکھا تھا کہ ''پاکستان ایک بڑا ملک ہے جو جغرافیائی محل وقوع کی بنا پر اہم ہے لیکن جو اس وقت ایک مشکل دور سے گزر رہا ہے اسے آزاد ہوئے تیس سال ہو گئے لیکن اب تیس سالوں میں عوام ہر لمحہ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کیا ہم لوگ من حیث القوم عالم وجود میں بھی ہیں یا نہیں۔اس سوال کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔کیا جناح کا تخلیق کردہ یہ پاکیزہ ملک مذہب کی اساس پر قائم ہے یا یہ محض تاریخ کا ایک حادثہ ہے؟ کیا یہ وفاق واقعی شامل صوبوں کی رضا و رغبت کا مظہر ہے۔اور بطور وفاق ایک زندہ حقیقت ہے یا پنجابیوں کی آمریت کا گڑھ ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ ہی کیا اس ملک میں جہاں اظہار رائے کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں۔جمہوریت کی کوئی جگہ ہے جس کے تحت خوف آزادی رائے رکھ سکیں؟ علاوہ بریں تیس سال میں اکثر و بیشتر فوجی مداخلت کے مدنظر کیا فوجی سربراہ ایوب، یحییٰ، اور ضیاء الحق سیدھے سادے پیشہ ور فوجی ہیں یا سیاسی اقتدار کے طلبگار جو فوج کا پیشہ اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ یہی اقتدار حاصل کرنے کا آسان راستہ ہے؟'' حقیقت یہی ہے کہ ملک نو ریٹرن کی جانب تیزی سے بڑھ رہا ہے اور بظاہر یہی لگ رہا ہے کہ عصر بیمار کا ہے مرض لا دوا، کوئی چارہ نہیں اب دعا کے سوا۔اللہ رحم فرمائے۔

استنبول(قسطنطنیہ)میں تاریخی مقامات

دنیا کا وہ واحد شہر جو 2 براعظموں میں واقع ہے، وہ ہے ترکی کا معروف شہر استنبول ہے جو کبھی قسطنطنیہ کے نام سے جانا جاتا تھا 2 براعظموں میں واقع ہونے کے ساتھ ساتھ یہ واحد شہر ہے جو 3 عظیم سلطنتوں کا دارالحکومت رہا ہے یعنی پہلے رومی سلطنت، پھر بازنطینی سلطنت اور آخر میں کئی صدیوں تک سلطنت عثمانیہ کا دارالخلافہ رہا۔اس شہر کو کراچی کا جڑواں شہر بھی کہا جاتا ہے۔

یہ وہ شہر ہے جہاں مشرق مغرب سے ملتا ہے یا یوں کہہ لیں یورپ ایشیا سے ملتا ہے جبکہ جدت و قدامت کا خوبصورت امتزاج ہے۔

آبنائے باسفورس کے ایک جانب یہ شہر یورپ میں موجود ہے جبکہ دوسری جانب ایشیا میں، یہی وجہ ہے کہ یہ سیاحوں کے خوابوں کی سرزمین بھی ثابت ہوتا ہے جہاں تاریخی مقامات، جدید تعمیرات اور ایشیائی و یورپی امتزاج وغیرہ ہر سال لاکھوں کروڑوں سیاحوں کو وہاں آنے پر مجبور کرتے ہیں۔

باسفورس برج: دو براعظموں کو ملانے والا، آبنائے باسفورس پر بنایا گیا باسفورس برج ہے جسے 2016 میں 15 جولائی شہدا برج کا نام بھی دیا گیا، کی لمبائی ایک ہزار پانچ سو دس میٹر ہےاس کی تعمیر 1970ء سے 1973ء کے درمیان مکمل ہوئی اور استنبول کے یورپی حصے کو ایشیائی حصے سے ملا دیا گیا۔ یہ پل دنیا کا چوتھا بڑا پل ہے۔باقی تینوں پل امریکہ میں ہیں۔ باسفورس برج سے روزانہ تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار گاڑیاں گزرتی ہیں۔اس برج کے نیچے تفریحی کشتیوں کے ذریعے بھی سفر کیا جاسکتا ہےاور ارگرد کے دنگ کردینے والے نظاروں کا لطف لیا جاسکتا ہے۔ بین البراعظمی استنبول یوروایشیا میراتھن کے شرکا بھی اسی پل کے ذریعے آبنائے باسفورس پار کرتے ہیں۔ یہ دوڑ ہر سال اکتوبر میں منعقد ہوتی ہے جس کا آغاز استنبول کے ایشیائی حصے سے ہوتا ہے اور یورپی حصے میں اختتام پزیر ہوتی ہے۔اس دوران پل کو گاڑیوں کے لیے بند کردیا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں پل سے کود کر خودکشی کرنے کا رجحان بھی موجود ہے اور 2001ء میں باسفورس پر واقع دو پلوں سے کود کر 146 افراد نے خودکشی کی کوشش کی جس میں 24 اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ 2002ء میں

190 اقدام خودکشی میں 38 افراد ہلاک ہوئے۔

باسفورس پل اور بیلر بے محل: 15 مئی 2005ء کو امریکا کی معروف ٹینس کھلاڑی وینس ولیمز نے باسفورس پل پر مقامی کھلاڑی کے ساتھ نمائشی مقابلہ کھیلا جو تاریخ کا پہلا مقابلہ تھا جو دو براعظموں میں منعقد ہوا۔ اس مقابلے کا اہتمام 2005ء استنبول کپ کے انعقاد سے قبل تشہیر کے لیے کیا گیا تھا اور یہ مقابلہ 5 منٹ تک جاری رہا۔ نمائشی مقابلے کے بعد دونوں کھلاڑیوں نے آبنائے باسفورس میں گیندیں پھینکیں۔

17 جولائی 2005ء کو معروف برطانوی فارمولا ون ڈرائیور ڈیوڈ کولٹ ہارڈ نے اپنی تیز رفتار کار اس پل پر دوڑائی اور اپنی مہارت سے شائقین کو محظوظ کیا۔ انہوں نے اپنی گاڑی دولماباخچی محل کے ایک باغیچے میں کھڑی کی۔

سلطان احمد مسجد (نیلی مسجد): استنبول کا وہ علاقہ جہاں سلطان احمد اسکوائر ہے بہت قدیم اور تاریخی علاقہ ہے۔ سلطان احمد مسجد جسے نیلی مسجد بھی کہا جاتا ہے کے نام پر اس علاقہ کو سلطان احمد اسکوائر کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں قدیم بازنطینی سلطنت کے آثار بھی موجود ہیں جو تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کی توجہ اپنی جانب کھینچتے ہیں۔

سلطان احمد مسجد المعروف نیلی مسجد (ترکی زبان: Sultanahmet Camii) کو اسے بیرونی دیواروں کے نیلے رنگ کے باعث نیلی مسجد کے طور پر جانا جاتا ہے۔ یہ ترکی کی واحد مسجد ہے جس کے چھ مینار ہیں۔ جب تعمیر مکمل ہونے پر سلطان کو اس کا علم ہوا تو اس نے سخت ناراضی کا اظہار کیا کیونکہ اُس وقت صرف مسجد حرام کے میناروں کی تعداد چھ تھی لیکن کیونکہ مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی اس لیے مسئلے کا حل یہ نکالا گیا کہ مسجد حرام میں ایک مینار کا اضافہ کر کے اُس کے میناروں کی تعداد سات کر دی گئی۔ مسجد کے مرکزی کمرے پر کئی گنبد ہیں جن کے درمیان میں مرکزی گنبد واقع ہے جس کا قطر 33 میٹر اور بلندی 43 میٹر ہے۔ مسجد کے اندرونی حصے میں زیریں دیواروں کو ہاتھوں سے تیار کردہ 20 ہزار ٹائلوں سے مزین کیا گیا ہے جو ازنک (قدیم نیسیا) میں تیار کی گئیں۔ دیوار کے بالائی حصوں پر رنگ کیا گیا ہے۔ مسجد میں شیشے کی 200 سے زائد کھڑکیاں موجود ہیں تاکہ قدرتی روشنی اور ہوا کا گزر رہے۔ مسجد کے اندر اپنے وقت کے عظیم ترین خطاط سید قاسم غباری نے قرآن مجید کی

آیات کی خطاطی کی۔ مسجد کے طرزِ تعمیر کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ نماز جمعہ کے موقع پر جب امام خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو مسجد کے ہر کونے اور ہر جگہ سے امام کو باآسانی دیکھا اور سنا جاسکتا ہے۔ مسجد کے ہر مینار پر تین چھجے ہیں اور کچھ عرصہ قبل تک مؤذن اس مینار پر چڑھ کر پانچوں وقت نماز کے لیے اہل ایمان کو پکارتے تھے۔ آج کل اس کی جگہ صوتی نظام استعمال کیا جاتا ہے جس سے اذان کی آوازیں قدیم شہر کے ہر گلی کوچے میں سنی جاتی ہے۔ نماز مغرب پر یہاں مقامی باشندوں اور سیاحوں کی بڑی تعداد بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہوتی ہے۔ رات کے وقت رنگین برقی قمقمے اس عظیم مسجد کے جاہ وجلال میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔

ایا صوفیہ: ایا صوفیہ وہ مقام ہے جو ایک ہزار سال تک دنیا کا سب سے بڑا کیتھڈرل گرجا گھر رہا اور 1453 میں قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد عثمانی ترکوں نے اسے مسجد میں تبدیل کر دیا، 1935 میں اتاترک نے اسے عجائب گھر بنا دیا۔ اسے دنیا کی تاریخ کی عظیم ترین عمارات میں سے ایک کہا جاتا ہے، جس کا طرزِ تعمیر مسحور کر دینے والا ہے، اسی وجہ سے یہ عالمی ثقافتی ورثے میں بھی شامل ہے۔ اب اسے دوبارہ مسجد بنا دیا گیا ہے

قدیم رومی حوض: باسلیقی حوض 532 عیسوی میں تعمیر ہوا جو تازہ پانی کو ذخیرہ کرنے کے لیے زیرِ زمین تعمیر ہوا تھا، اب یہ سیاحوں کو اس دور کے طرزِ تعمیر سے آگاہی فراہم کرتا ہے۔

برج غلطہ: غلطہ پل (ترکی زبان: Galata Köprüsü) شاخ زریں، استنبول، ترکی میں واقع ایک پُل ہے۔ جو زمانہ قدیم سے مختلف صورتوں میں اس کھاڑی پر مختلف صورتوں میں موجود رہا ہے اور آج جو پل اس مقام پر قائم ہے وہ پانچواں پل ہے۔ غلطہ پل خصوصاً 19 ویں صدی کے اواخر سے ترک ادب، تھیٹر، شاعری اور ناولوں کا حصہ بنتا رہا ہے۔ آثار قدیمہ میں سے اس برج غلطہ کے اوپر سے 360 ڈگری زاویے سے استنبول اور باسفورس کا انتہائی خوبصورت نظارہ کیا جاسکتا ہے۔

شاخ زریں پر قائم قدیم ترین پل کے شواہد چھٹی صدی عیسوی میں ملتے ہیں جب جسٹینین اعظم نے شہر کے مغربی کنارے پر تھیوڈیسیائی دیواروں کے قریب ایک پل تعمیر کیا تھا۔ 1453ء میں فتح قسطنطنیہ کے موقع پر ترکوں نے کشتیوں سے ایک متحرک پل قائم کیا تاکہ افواج کو شاخ زریں کے دوسرے کنارے پر پہنچایا جاسکے۔

توپ قاپی محل: یہ 15 سے 19 ویں صدی تک عثمانی سلاطین کی رہائش گاہ تھی اور اب ایک عجائب گھر کی حیثیت سے اس شہر کے چند بڑے سیاحتی مقامات میں سے ایک ہے۔ ہزاروں کمروں پر مشتمل اس محل کی تعمیر کا آغاز قسطنطنیہ فتح کرنے والے سلطان محمد فاتح کے حکم سے ہوا تھا اور اس خلافت کے طرز تعمیر کا عظیم ترین نمونہ مانا جاتا ہے، جس میں لاتعداد نوادرات موجود ہیں۔ اس کا یہ نام مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مرکزی دروازہ پر توپیں نصب تھیں اور یہ توپ والا دروازہ کہلاتا تھا۔

گرینڈ بازار: استنبول کا یہ بازار دنیا کے چند بڑے بازاروں میں سے ایک ہے ساٹھ گلیوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جہاں ترک ثقافت کی اشیا، زیورات، قالین، لالٹینیں اور اسی طرح کے مقامی خزانے کی اشیا کو دیکھا یا خریدا جاسکتا ہے، درحقیقت اگر استنبول میں ایک دن کے لیے جانا ہو تو پورا دن یہاں گھومتے ہوئے بھی گزر سکتا ہے اور اشیا کی خریداری کے لیے زبردست بھاؤ تاؤ بھی کیا جاسکتا ہے مگر یہ بھی خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اصلی کے نام پر نقلی چیز نہ خرید لیں۔

چراغاں محل: فائیو سٹار ہوٹل چراغاں محل، عثمانی خلافت کا ایک محل تھا جو باسفورس کے کنارے پر واقع ہے اور وہاں سے باسفورس برج اور اس سے پیچھے کا بہترین نظارہ کیا جاسکتا ہے، قدیم طرز تعمیر اور جدید آسائشات والے اس ہوٹل میں رہنا یادگار تجربہ ہے۔

تقسیم اسکوائر: قلب تقسیم اسکوائر ریسٹورنٹس، کیفوں، ہوٹلوں اور دکانوں کا مرکز ہے۔ اس کی گلیوں میں چلنے والی ٹرام کا ڈرائیو مسلسل لوگوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے آوازیں لگاتا ہے یا ہارن بجاتا ہے۔ ٹرام کا سفر نہایت دلچسپ ہوتا ہے۔

نوٹ: ڈان نیوز میں شائع ہونے والے مضمون سے ماخوذ۔ ☆☆☆

دارا شکوہ قادری اور اورنگ زیب عالمگیر کے درمیان جنگ تخت نشینی دراصل نظریہ وحدت الوجود اور نظریہ وحدت الشہود کے درمیان جنگ تھی جس میں اورنگ زیب عالمگیر کو فتح حاصل ہوئی۔ جو نظریہ وحدت الشہود کی فتح تھی۔ علماء دارا شکوہ کے مرشد سرمد کو پکڑ لائے اور اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر قتل کروادیا۔

(مولانا ابوالکلام آزاد، رباعیات سرمد، دہلی، 1963ء، صفحہ 19)

”ذرّہ ذرّہ ہے وبا کے خوف سے سمٹا ہوا“

دنیا اس وقت وائرس کورونا کووڈ 19 نام کی قاتل وبا کی زد میں ہے۔ اب تک تقریباً ایک لاکھ افراد بلا امتیاز رنگ، نسل، مذہب، ملت اور فرقہ ہلاک ہو چکے ہیں اور ڈیڑھ ملین یعنی پندرہ لاکھ افراد اس موذی وائرس کا شکار ہو کر اچھوت بن چکے ہیں۔ سپر پاور امریکہ اس وائرس کا شکار بننے میں تمام ممالک سے فی الحال سبقت لے جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں اس قاتل وائرس نے تباہی مچا دی ہوئی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ کئی ملین افراد کے اس وبا سے ہلاک ہونے کا خدشہ ہے۔ اس وقت تین ارب سے بھی زیادہ انسان گھروں میں قید ہیں۔ اب تک ہندوستان، پاکستان، افریقہ اور دیگر چند ممالک میں یہ وبا پھیلنے کی رفتار بہت آہستہ ہے، اللہ کرے کہ ان ممالک میں نا صرف وبا مزید بڑھنے سے رک جائے بلکہ اس کا خاتمہ ہو جائے۔ اللہ ساری دنیا کے انسانوں پر رحم کرتے ہوئے انہیں اس قاتل وائرس سے جلد از جلد نجات دے دے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

یورپ اور امریکہ کو دیر سے لاک ڈاؤن کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ یہی غلطی پاکستان نے بھی کی ہے۔ ایران سے آنے والے پاکستانی زائرین اور دیگر بیرونی ممالک سے آنے والے مسافروں کے معاملے میں نہایت بھونڈے اور بے دلی سے کیے گئے اقدامات نے کورونا وائرس کو پاکستان میں اپنے پنجے گاڑنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ اور رہی سہی کسر تبلیغی جماعت والوں نے نکال دی ہے۔ حکومت کی بے بسی اور غیر ذمہ داری کی انتہا ہے کہ وہ تبلیغی جماعت کے اجتماع کو نہ روک سکی اور نہ ہی انہیں اپنے گھروں میں جانے سے روک سکی۔ جب ارباب اختیار کو ہوش آیا تب تک ہزاروں افراد کورونا وائرس کا شکار ہو چکے تھے۔ اس وقت تک تقریباً ۱۲ ہزار تبلیغی جماعت والے تلاش کیے جا سکے ہیں اور انہیں ۳۳ اضلاع میں قرنطینہ سینٹروں میں بھرتی کیا جا سکا ہے ان میں بھی اب تک لگ بھگ تین سو کورونا وائرس کے مریض نکلے ہیں۔ کراچی میں لوگوں ں کو نماز جمعہ کے لیے مسجد جانے سے روکنے پر مشتعل لوگوں نے پولیس والوں کی ٹھکائی کر دی اور قانون شکن امام کو زبردستی امامت کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور مولانا ابتسام الٰہی ظہیر کہتے ہیں:۔

”کورونا وائرس کو اے اللہ! کافروں کی طرف بھیج دے اور ہمیں یعنی مسلمانوں کو بچا لے۔“

حقیقت میں یہ دعا اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑا رہی ہے، رسول اللہ ﷺ جو رحمتہ للعالمین ہیں ان کے اسوہ کی توہین ہے۔ ابھی تک وطن عزیز میں کورونا وائرس پھیلانے والوں کی اکثریت نام نہاد عبادت گزاروں کی ہی ہے۔ نام نہاد اس لیے کہا ہے کہ سچا عبادت گزار قانون شکن، ریاکار اور انسانوں کو درد والم سے ہمکنار کرنے والا نہیں ہوتا۔ وبائی امراض سے بچنا اور دوسروں کو اس سے بچانا بہت بڑی نیکی ہے۔

حکومت وقت کو چاہیے کہ غیر اسلامی سوچ رکھنے والے نام نہاد علماء اور ان کے چیلے چانٹوں کے ساتھ سختی کرے یا انہیں اجتماع کرنے، جلسہ کرنے اور نماز جمعہ اور باجماعت نمازیں پڑھنے کے لیے کسی ریگستان بھیج دے اور انہیں اگر کوئی ان میں سے زندہ بچ جائے تو وبا ختم ہونے کے بعد واپس لائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا اور مکمل لاک ڈاؤن نہ کیا گیا تو بقول ڈاکٹر عطاالرحمان لاکھوں پاکستانی قاتل وائرس کا شکار ہو سکتے ہیں، اگر ٹیسٹ زیادہ کیے جائیں تو لاکھوں ٹیسٹ مثبت آ سکتے ہیں۔ اللہ نہ کرے کے ایسا ہو اور اگر ایسا ہو گیا تو جوش ملیح آبادی نے جو نقشہ اپنی ایک نظم میں ہندوستان میں طاعون کی وبا کا کھینچا ہے، وہی نقشہ ابھرنے کا خدشہ ہے

اک ضعیفہ راستے میں سو رہی ہے خاک پر
مردنی چھائی ہوئی ہے چہرۂ غم ناک پر
اور کس موسم میں جب طاعون ہے پھیلا ہوا
ذرہ ذرہ ہے وبا کے خوف سے سمٹا ہوا
رات آدھی آ چکی ہے بام و در خاموش ہیں
اہل دولت لیلیٰ عشرت سے ہم آغوش ہیں
ہو رہا ہے خاک پر ناپاک روحوں کا نزول
آ رہی ہیں آسماں سے یہ صدائیں دم بہ دم
دیکھ اسباب ہلاکت پر نہ پڑ جائے قدم
بام و در پر موت کا پرچم ہے لہرایا ہوا

(جوش جوش ملیح آبادی کی مشہور طویل نظم ضعیفہ سے انتخاب)

”وزیر آباد“ اَور ”راجہ پور“

کچھ عرصہ پہلے ایک کہانی پڑھی تھی۔اس کہانی کو پڑھ کر کافی دیر سوچتا رہا۔اس کہانی کی سچائی کا مشاہدہ نا صرف خاندانوں، گھروں، قصبوں، شہروں بلکہ ملکوں کے آپسی تعلقات میں کیا جا سکتا ہے۔خود غرضی کے جس دور سے اس وقت انسان گزر رہے ہیں اس میں نا انصافی اور جھوٹ کا دور دورہ ہے۔تاریخ کے مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ سے ہی حکمرانوں کی اکثریت اپنی طاقت اور معیشت کو بہتر بنانے اور قائم رکھنے کے لیے جنگ وجدل میں مشغول رہی ہے۔اگر کوئی ملک طاقتور ہوتا دکھائی دیتا تو زیادہ طاقت رکھنے والا ملک جب تک اس ملک کو تباہ و برباد نہ کر لیتا چین سے نہ بیٹھتا۔یہ الگ بات ہے کہ طاقت اور برتری کا نشہ بہر حال قائم نہیں رہتا ہے۔طاقت وہ بے وفا لونڈی ہے جو کمزوری آتے ہی دوسرے طاقتور کے پہلو میں جا بیٹھتی ہے۔موجودہ دور میں بھی اسی طرح کی صورت حال ساری دنیا میں مشاہدہ کی جا سکتی ہے۔آیئے پہلے کہانی پڑھ لیں:۔

پرانے زمانے کی بات ہے۔کسی جنگل کے پاس دو گاؤں آباد تھے۔لیکن یہ گاؤں والے دوسرے گاؤں والوں کے جانی دشمن بنے ہوئے تھے۔یہ نفرت کی آگ دونوں گاؤں کے سربراہان نے لگائی ہوئی تھی۔ ایک گاؤں کا نام وزیرآباد تھا۔وہاں لوگ باشعور تھے کیونکہ وہاں تعلیم، صحت کی تمام سہولیات میسر تھیں۔

اسی بنا پر دوسرے گاؤں کا نام ’راجہ پور‘ تھا۔انہیں بھی اشتیاق ہوا اپنے لیے کچھ اچھا کرنے کا جس کی بنا پر’راجہ پور‘ والوں نے بھی دن رات ایک کر کے محنت کی۔اب ’راجہ پور‘ کی شہرت کے قصے دور دور تک جانے لگے۔’وزیرآباد‘ والوں کو محسوس ہوا کہ اس طرح تو ان کا نام اور برسوں سے بنائی ہوئی شہرت مٹی میں مل جائیگی۔

جس رفتار سے راجہ پور والے محنت کر رہے ہیں۔وہ کافی عرصہ سوچ بچار میں رہے آخر کار وزیرآباد کے سرپرست نے کہا ہم ایسا کرتے ہیں ہم کچھ شکاری کتے پالتے ہیں انہیں زہریلے نقصان دہ جانوروں اور سانپوں سے ڈسوا کر راجہ پور کے علاقے میں رات کے اندھیرے میں چھوڑ دیتے ہیں۔

اس طرح ان کے علاقے میں ان کتوں کی وجہ سے خوف و ہراس پھیل جائے گا اور ان کی ترقی رک جائے گی۔جب راجہ پور والوں کے لیے امید کی کرن ختم ہونے لگے گی تو ہم باقی دور والے گاؤں والوں کو بلا کر

راجہ پور والوں سے صلح کر کے ان کا علاج کریں گے۔

اس طرح ان پر ہمارا احسان ہو جائے گا۔ باقی گاؤں والوں کی نظر میں ہماری ترقی کی خبر پھیل جائے گی۔ اس سازش کے تحت وزیر آباد والے اپنے منصوبہ کے مطابق اپنا فعل انجام دیتے ہیں۔ مطلب پہلے شکاری کتوں کو زہریلے جانوروں اور سانپ سے ڈسوا کر بیمار کرتے ہیں۔

پھر ان کا علاج راجہ پور میں کرتے ہیں۔ جب علاج کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ پھر اپنی منصوبہ سازی پر عمل کرتے ہیں۔ ویسے رات کی تاریکی میں جنگل کے راستے کتے دوسرے گاؤں بھجوا دیتے ہیں۔ وہاں کتے راجہ پور میں پہنچ کر جانوروں کو کاٹتے ہیں۔

پھر پالتو جانور گھریلو مالکان کو کاٹنے لگتے ہیں۔ دوسرے گاؤں والے تو کتوں کو سازش نہیں سمجھتے ہیں۔ وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ کتے اسی گاؤں کے ہی ہیں۔ اچانک خوف و ہراس اتنا پھیل جاتا ہے کہ لوگ گھروں میں محصور ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں نہیں جا پاتے۔ یہ خبر سن کر قریبی گاؤں والے بھی قطع تعلق کر دیتے ہیں۔ گاؤں راجہ پور کا سردار بہت پریشان ہوتا ہے۔ ایک دن اعلان کرواتا ہے کہ اگر ایسے ڈر کر گھروں میں بیٹھے رہے تو ایک ایک کر کے ہم سب مر جائیں گے۔

ہماری نسلیں تباہ ہو جائیں گی۔ ہمارا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا۔ سب ہمت کرو اور مل کر اس مشکل وقت کا مقابلہ کرو۔ کیونکہ وہ ایک سمجھدار اور ذمہ دار انسان ہوتا ہے۔ جو سوچتا ہے کہ سب کچھ ممکن ہے۔ دشمن کی کوئی چال ہو تو ایسے موقع پر اگر ہم گھبرا گئے تو ہمیں خود کو اس مقام پر لانے کیلئے صدیاں لگ جائیں گی۔

اس طرح گاؤں کے لوگوں میں سردار ہمت اور جذبہ جگانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ گاؤں کے جتنے بھی جوان ہوتے ہیں۔ وہ رضا کارانہ طور پر اپنی قوم کی حفاظت کی مہم کا حصہ بن جاتے ہیں۔ سب اپنی اپنی ذمہ داری سنبھال لیتے ہیں۔ کچھ لوگ جنگل میں جڑی بوٹی تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور شکاری کتوں کو علاقے سے دور نکالنے میں لگ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ جانوروں کے علاج معالجے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ تمام الجھنیں سلجھنے لگتی ہیں۔ بڑی تیزی سے حالات بہتر ہونے لگتے ہیں۔ لوگ گھروں سے نکل کر کام کاج

میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

ادھر وزیر آباد کے گاؤں میں خبر پھیل جاتی ہے تو وزیر آباد کے سردار اپنا سر اونچا کرنے اور اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے دوسرے گاؤں کے سرداروں کو بلا کر راجہ پور کے سردار کے پاس جاتے ہیں۔انہیں احساس ہمدردی دیکھاتے ہیں۔اور کہتے ہیں ہمارے پاس اس کا علاج موجود ہے۔ہم آپ کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں۔لیکن راجہ پور کے سردار کچھ وقت مانگتے ہیں۔اپنے نوجوانوں سے اس معاملے میں بات کرتے ہیں۔تو وہ سب کہتے ہیں ہم کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔سردار کچھ وقت مانگتے ہیں۔اپنے نوجوانوں سے اس معاملے میں بات کرتے ہیں۔تو وہ سب کہتے ہیں ہم کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

اور کافی لوگوں کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ہم اپنی جان پر کھیل کر اپنی قوم کو بچائیں گے۔اس لیے سردار صاحب! آپ وزیر آباد والوں کا احسان نہ لیں۔اس طرح راجہ پور کے سردار شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے نوجوانوں کی تعریف کرتے ہوئے انہیں رخصت کرتے ہیں۔

اس راجہ پور کے جوانوں اور سردار کی ہمت دیکھ کر باقی گاؤں کے سردار داد دیتے ہیں۔دشمن کے ارادے ناکام ہو جاتے ہیں۔راجہ پور کے نوجوان دن رات ایک کر کے علاج ڈھونڈتے ہیں۔اور مزید محنت کر کے خود کو مزید ترقی کی طرف گامزن کر لیتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ جفاکش اور محنتی قومیں یا قبیلے کسی بھی سازش یا مصیبت کے بعد پہلے سے بھی بڑھ کر اپنا مقام بلند کر لیتے ہیں۔اور ایسا تبھی ممکن ہوتا ہے جب قوم کی رہنمائی کرنے والا دانا اور مضبوط ہو۔ایسی قوم دشمن کے آگے نہیں جھکتی اور نہ ہی اس کا سربراہ۔

معزز قارئین! کہانی ختم ہوئی۔مزید تبصرہ کرنا بے معنی ہے۔ادھر ادھر نگاہ دوڑا کر دیکھیں گے تو آپ کو دنیا میں ''وزیر آباد'' اور ''راجہ پور'' انفرادی، سماجی اور عالمی سطح پر دکھائی دیں گے۔بڑی عالمی طاقتیں تسلسل سے غریب ترقی پذیر اور بعض اوقات امیر ممالک میں یہ کھیل کھیل رہی ہیں، مسائل پیدا کر کے انہیں سلجھانے پہنچ جاتی ہیں۔غریب ترقی پذیر ممالک کے لیڈر بھی اپنی جاہل عوام کو الو بناتے ہیں۔

☆☆☆

"کورونا، جھوٹ اور منافقت"

چار پانچ مہینے گزر جانے کے بعد بھی دنیا وائرس کورونا کووڈ 19 نام کی قاتل وبا کی زد میں ہے۔اب تک پانچ لاکھ سے زائد افراد بلا امتیاز رنگ، نسل، مذہب، ملت اور فرقہ ہلاک ہو چکے ہیں اور ایک کروڑ پانچ لاکھ افراد اس موذی وائرس کا شکار ہوکر اچھوت بن چکے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس وبا سے نبرد آزما ہونے کے لیے دنیا ایک پیج پر ہوتی مگر زمینی حقائق یہ ہیں کہ انسانوں میں خود غرضی اور نفرت بڑھ رہی ہے۔ خود غرضیاں بڑھنے کے ساتھ ساتھ خونی جنگوں کے خطرات بھی بڑھ گئے ہیں۔اس وبا کا فائدہ اٹھانے کی خواہش رکھنے والی طاقتوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس بار انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔معیشت کو پٹڑی پر چڑھانے کے لیے کی جانے والی سیاسی، لسانی، فوجی اور علاقائی جنگیں ساری دنیا کی معیشت کو تباہ کر دیں گی۔ چین، امریکا، یورپ، برطانیہ وغیرہ کی بیان بازیاں آنے والے دنوں کی حشر سامانیوں کا منظر دکھا رہی ہیں۔اللہ ساری دنیا کے انسانوں پر رحم کرتے ہوئے انہیں اس قاتل وائرس سے جلد از جلد نجات دے دے۔اور طاقتور ممالک کو ایسے انصاف پر مبنی کام کرنے کی توفیق دے جو انسانیت کو بھوک، بیماری اور جہالت سے بچانے والے ہوں۔آمین

پاکستان جو پہلے ہی بے شمار مسائل کا شکار تھا کورونا کووڈ ١٩ نے اسے بہت زیادہ تباہی سے دوچار کر دیا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ حکمرانوں اور اہل وطن کی منافقت ہی تمام مسائل کی جڑ ہے۔وائرس کورونا کی آمد نے اہل وطن کو قوم نہیں ہجوم ثابت کر دیا ہے۔جس طرح ایک محلّہ میں مختلف مکاتب فکر کی مساجد ہوتی ہیں، اہل محلّہ صرف اس مسجد میں نماز پڑھنے جاتے ہیں جو ان کے عقیدہ سے مطابقت رکھتی ہو۔اسی طرح کورونا وائرس کے معاملہ میں بھی مذہبی، علاقائی، سیاسی اور لسانی طور پر پوری قوم تقسیم ہے۔کوئی لاک ڈاؤن کی حمایت کر رہا ہے تو کوئی مخالفت کر رہا ہے، کوئی مساجد میں وبا کے دوران نماز پڑھنا ضروری سمجھتا ہے اور کوئی گھر میں نماز پڑھنے کو اسلامی تعلیم قرار دیتا ہے، یہاں تک کہ قربانی کے معاملہ پر بھی قوم تقسیم ہے۔اس قومی تقسیم کا رونا کوئی کہاں تک روئے ہر معاملہ میں صرف تقسیم ہی نہیں بلکہ لڑائی ہے اور اس لڑائی کی وجہ سے کوئی کام بھی خوش اسلوبی سے انجام تک نہیں پہنچتا۔گزشتہ دنوں مشہور دانشور جناب حسن نثار نے منافقت میں سر سے پاؤں تک ڈوبی پاکستانی قوم کے متعلق

آٹھ لفظوں میں کیا خوب کہا تھا کہ:''جھوٹ، ہمارے لیے آکسیجن کا سا درجہ رکھتا ہے۔''

(حسن نثار جنگ ۲۱ جون ۲۰۲۰۔مغربی طور طریقے اور ہماری اقدار)

کالم نگار جناب دیان ندیم صاحب اپنے کالم''کورونا اور ہمارے اعمال'' میں پاکستانی قوم کی انفرادیت کا بھید کچھ اس طرح کھولتے ہیں:۔

''پاکستانی قوم دنیا کی منفرد قوم ہے۔ جھوٹ سب سے زیادہ اس ملک میں بولا جاتا ہے لیکن اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر مر مٹنے والے بھی یہاں دنیا کے کسی بھی ملک سے زیادہ ہیں۔ جتنی منافقت یہاں ہے، شاید ہی دنیا کے کسی اور ملک میں پائی جاتی ہو لیکن نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے بھی یہاں کسی اور مسلمان ملک سے کم نہیں۔ یہاں رشوت بھی انتہا پر ہے اور حج وعمرہ کا رجحان بھی۔۔۔۔ یہاں فرقہ واریت بھی زوروں پر ہے لیکن بحثیت مجموعی ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا رجحان بھی قابلِ رشک ہے۔ یہاں حکومتوں کی رٹ ہمیشہ کمزور رہی لیکن خاندانی نظام اور مذہبی اقدار کی وجہ سے ہمارا معاشرہ نہایت مضبوط بنیادوں پر استوار رہا ہے۔ اس تضاد کی وجہ یہ ہے کہ ہم جذباتی حد تک مسلمان ہیں لیکن ہمیں مذہب کی اصل تعلیمات کا شعور بہت کم ہے۔۔۔۔ اسی طرح ہم جذباتی حد تک محبِ وطن ہیں لیکن ہمیں حب الوطنی کا شعور نہیں۔۔۔۔ ایک بڑی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ ہمیں ایسی مذہبی قیادت سے واسطہ پڑا ہے جو اپنے سے زیادہ دوسروں پر اسلام نافذ کرنا چاہتی ہے۔''　(''کورونا اور ہمارے اعمال''. از دیان ندیم۔اتوار 7 جون. 2020 اُردو پوائنٹ. دیان ندیم)

مشہور کالم نگار جناب اسد مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

''یہاں ہر آدمی جھوٹے الفاظ کی ایک ڈکشنری لئے ہوئے ہے صرف اس لیے، جھوٹے الفاظ کی ڈکشنری دنیا کے بازار میں سب سے زیادہ دھوم کے ساتھ بکتی ہے۔۔۔'' (اسد مفتی روزنامہ جنگ ۱۸ جون ۲۰۲۰)

مشہور صحافی جناب سلیم صافی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

''پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ منافقت ہے منافقت کی سزا اللہ نے کفر سے بھی سنگین بتائی ہے اس لیے ہم اس وقت ہر طرح کی ذلتوں کا شکار ہو رہے ہیں۔۔۔۔ پاکستانی قوم کو بغیر کسی تامل کے دنیا کی سب سے زیادہ جھوٹی قوم قرار دیا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔ جھوٹ اور منافقت کی بنیاد پر کھڑی اقوام زیادہ دیر زندہ نہیں رہ

سکتیں۔ (سلیم صافی۔وزنامہ جنگ ۶ جون ۲۰۲۰)

معزز قارئین! ان دانشوروں کو برا بھلا کہنے یا کفر کا فتویٰ یا واجب القتل قرار دینے سے پہلے ایک بار اپنے گردوپیش پھیلے جھوٹ کے گٹروں اور منافقت کے غلیظ ڈھیروں پر ایک گہری نگاہ ضرور ڈالیے گا۔ یاد رکھیے تمام ادارے اور کاروباری مراکز جھوٹ کے گٹر اور سیاسی، فوجی اور مذہبی لیڈران کی اکثریت گندگی کے ڈھیروں میں تبدیل ہو چکی ہے، عوام الناس کی بھوک، بیماری اور جہالت نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی ہے۔ کرپشن اور مافیاز نے معیشت کی کمر توڑ کر نالائق حکمرانوں کے ہاتھ میں کشکول پکڑا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کے حکمرانوں کو جھوٹ اور منافقت سے منہ موڑ کر جھوٹ اور منافقت کے خلاف جہاد کرنے کی توفیق دے۔☆☆

5 جولائی 1977: پاکستان پیپلز پارٹی کے مرکزی ترجمان سینیٹر مولا بخش چانڈیو نے کہا ہے کہ 5 جولائی 1977ء کو آمر نے آئین توڑ کر جمہوریت پر شب خون مارا۔ آمر نے لوگوں کو جیلوں میں ڈالا، جمہوریت پسند لوگوں کو قتل کیا۔ پارلیمنٹ کو مذاق بنا دینا بھی 5 جولائی کی پیروی ہے۔ عمران خان آمر کے مشن کی تکمیل کر رہے ہیں، ہم آئین و جمہوریت اور عوام کے حقِ حکمرانی پر سمجھوتہ نہیں کریں گے۔

چانڈیو صاحب کو یاد رکھنا چاہیے کہ مردم شناسی جیسی اعلیٰ انسانی صفت سے جناب بھٹو صاحب یکسر عاری تھے۔ بیشک وہ ذہین اور اعلیٰ درجہ کے شاطر تھے مگر مولوی، ملٹری اتحاد نے ان کی نا صرف جان لی بلکہ پارلیمنٹ کا تقدس جو برائے نام تھا کچھ اس طرح پامال کیا گیا کہ اب تک اس کی سڑاند ختم نہیں ہو رہی۔ آئین پاکستان کی آبرو آمر ضیاء نے اسلام کے نام پر بے شمار مرتبہ لوٹی۔ اگر بھٹو صاحب مردم شناس ہوتے تو جنرل ضیاء کی اصلیت کو فوراً بھانپ جاتے۔ پھر مولوی کے جھانسے میں آ کر آئین بننے کے صرف ایک برس بعد آئین کو بے آبرو کر دیا۔ نام نہاد پیشہ ور مولویوں کو خوش کرنے کے چکر میں بھٹو صاحب اقتدار سے بھی گئے اور جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہی نہیں جنرل ضیاء کے آمرانہ اقتدار کی چکی میں ساری قوم کو صرف گیارہ برس نہیں پیسا گیا بلکہ اس کی باقیات اب تک پیس رہی ہیں۔ یہ بات ان کی جزوی طور پر درست لگتی ہے کہ عمران خان آمر کے مشن کی تکمیل کر رہے ہیں۔ جس طرح کی مذہبی منافرت دن بدن بڑھ رہی ہے بلا شبہ گل کھلائے گی اور اس کے ذمہ دار صرف اور صرف عمران خان ہی ہوں گے۔ چانڈیو صاحب آئین و جمہوریت اور عوام کے حقِ حکمرانی پر سمجھوتہ بے شک نہ کریں، مگر گزشتہ ۴۳ برس سے سیاستدان اور عوام ملا ملٹری اتحاد کے تلوے چاٹ رہے ہیں۔

ریفارمر(مصلح)کی ضرورت ہے!!!!

گزشتہ دنوں جناب مخدوم جاوید ہاشمی (مجاہد ختم نبوت وتحریک نظام مصطفیٰ) کی کتاب ''ہاں! میں باغی ہوں'' پڑھنے کا موقع ملا۔اس کتاب میں ان کا ایک خط ہے جو انہوں نے اپنی بیٹی بشریٰ بی بی کے نام لکھا تھا۔اس خط کے آخر میں موصوف لکھتے ہیں:۔

''ہمیں لیڈر سے زیادہ ریفارمر(مصلح) کی ضرورت ہے۔ایسا مصلح جو آج کی ناقابل علاج معاشرتی بیماریوں کا دارو بن سکے اور اپنے کردار کے نشتر سے فاسد مادوں کو قومی وجود سے پاک کردے۔''

مخدوم جاوید ہاشمی نے قومی وجود میں سرایت کر جانے والے فاسد مادوں کے پیدا کردہ ناسوروں کے لیے جو علاج تجویز کیا ہے یقیناً وہی مؤثر علاج ہے۔افسوس کہ ان کی تجویز کی راہ میں آئین پاکستان اور مذہبی جماعتیں حائل ہیں۔لطف کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام معلوم فرقے امام مہدی (یعنی ہدایت دینے والا) نبی اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے منتظر ہیں۔اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے تمام مسائل کا حل صرف اور صرف ان عظیم ہستیوں کے پاس ہے۔مگر جب ہم آئین پاکستان کا مطالعہ کرتے تو وہ ہمیں مسلمانوں کے انتظار پر ناصرف خط تنسیخ پھیرتا دکھائی دیتا ہے بلکہ ایسا عقیدہ رکھنے والے مسلمانوں کو آئین یا قانون کی اغراض کے لئے کافر قرار دیتا ہے۔یعنی امت مسلمہ نعوذ باللہ ایسی بانجھ دھرتی کی مانند ہے جس میں ہریالی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔پاکستانی قوم کو آئین پاکستان نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ اب کوئی مجدد، امام مہدی و مسیح موعود قوم کی اصلاح کے لیے نہیں آئے گا اور اگر کسی نے ایسا دعویٰ کسی بھی مفہوم میں کیا تو وہ اور اس کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرنے والے آئین یا قانون کی اغراض کے لئے کافر قرار پائیں گے۔آئین پاکستان نے شاید بے خبری میں ان بزرگان سلف کو بھی کافر قرار دے دیا جو غیر شرعی انبیاء کی آمد کے قائل تھے۔

آئین پاکستان میں لکھا ہے کہ:۔

''جو شخص حضرت محمد ﷺ، جو کہ آخری نبی ہیں، کے آخری نبی ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا کسی ایسے مدعی

کونبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لئے مسلمان نہیں ہے۔''

جناب مخدوم جاوید ہاشمی جیسے زیرک سیاستدان اس غیر اسلامی آئینی ترمیم سے یقیناً واقف ہوں گے، شاید اسی لیے اپنی متذکرہ کتاب میں وہ یہ کہنا بھی نہیں بھولے کہ:۔

''میری سوچ،عمل اور قول و فعل میں تضاد ہے۔سوچتا کچھ ہوں کہتا کچھ ہوں اور کرتا کچھ اور ہوں۔ یہی قول و فعل کا تضاد ہی ہماری سب سے بڑی بیماری ہے۔''

یہاں تک تو ہو گئی جناب مخدوم جاوید ہاشمی اور آئین پاکستان کی کہانی۔آیئے اب دیکھتے ہیں کہ کیا پاکستانی قوم مصلحین کی آمد کو خوش آمدید کہنے کے لیے آمادہ ہیں یا نام نہاد مولویوں،مفتیوں،علاموں،مولانوں اور شیخ الاسلاموں کے حصار کو عافیت کا حصار سمجھتے ہیں؟ بجائے اس کے کہ یہ عاجز اس سوال کا جواب دے۔مشہور دانشور جناب مبارک علی سے اس سوال کا جواب لیتے ہیں۔جناب ڈاکٹر مبارک علی اپنی کتاب'' تاریخ اور دانشور''میں لکھتے ہیں:۔

''یہ ایک حقیقت ہے کہ پسماندگی ہماری روایات،سماجی و سیاسی اور اقتصادی اداروں میں اس قدر سرایت کر چکی ہے کہ اب ان میں اصلاح کرنا ناممکن ہے،کیونکہ اصلاح کے لیے مصلحین کی بھی ضرورت ہوتی ہے،اور ذہنی طور پر معاشرے کی آمادگی کی بھی،ان دونوں چیزوں کی ہمارے ہاں کمی ہے۔دوسرا راستہ انقلاب کا ہے، جو اس سارے نظام کو الٹ کر یہاں نئے اداروں کی تشکیل کرے،مگر اس عمل کے لیے بھی نہ تو دانشوری کی روایات ہیں اور نہ ہی تخلیقی صلاحیت والے افراد،اس لیے ان دونوں صورتوں کے عمل پذیر نہ ہونے کی وجہ سے خطرہ اس بات کا ہے کہ پاکستانی معاشرہ پسماندہ حالت ہی میں رہے گا،اور کب تک اس کی یہ حالت رہے گی، اس کے بارے میں کوئی پیشگوئی نہیں کی جا سکتی۔'' (''تاریخ اور دانشور'' از ڈاکٹر مبارک علی)

خاکسار اس دُعا کے ساتھ تلخ حقائق کا صندوق بند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم عطا فرمائے، ارباب اختیار کو توفیق دے کہ وہ باکردار مصلحین کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کریں اور عوام کو ان باکردار مصلحین کی آمد پر آمادہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یا ربّ العالمین۔

☆☆☆

اللہ توکل، اسباب اور کورونا وائرس

چند روز قبل میرے بچپن کے قابل احترام دوست جناب سلیم احمد بھٹی صاحب نے اپنے ایک میسج میں چند سوالات اٹھائے اوران پر کچھ نا کچھ اس ضمن میں لکھنے کا حکم دیا۔ اپنی معروضات پیش کرنے سے پہلے محترم سلیم صاحب کا دلچسپ میسج قارئین کی خدمت میں پیش ہے، لکھتے ہیں:۔

''آج کل کورونا نے ساری دنیا کو ایک مصیبت میں ڈالا ہوا ہے اصل میں کیا یہ ایک آزمائش ہے؟ مولوی حضرات کہتے ہیں مسجد آؤ کیا تمہارا ایمان کمزور ہے کیا کورونا سے ڈرتے ہو نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جہاں وباء ہو وہاں نہ جاؤ اور اپنی جگہ بھی نہ چھوڑو بندہ کدھر جائے عجیب مصیبت ہے سادہ انسان پریشان ہے نبی کریم ﷺ کی بات مانے یا مولوی کی، گھر والوں کی بات مانے یا گورنمنٹ کی۔ دیکھنا یہ ہے کہ وبا ہے کیا وباء ایک آزمائش ہے؟ وباء موت نہیں تنہائی عذاب ہے موت آپ کے باہر بٹھا دی ہے آپ کی زندگی کی پہرے دار ہے؟ خدا جو ہر چیز پر قادر ہے اس نے کیا وبا کی شکل میں آپ کو ہر کام سے روک دیا سیر سپاٹے کھیل تماشے اچھل کود سب کام کاج، مندر، مسجد، گوردوارے، کلیساء، خانقاہ، درگاہ، طواف بیت اللہ تمام عبادت گاہیں بند؟ محل، جھونپڑی، گھر یہاں تک کہ لوگوں سے بھی اور اپنے رشتہ داروں دوستوں احباب سے میل جول سب بند کرا کر باہر موت کا پہرہ بٹھا دیا کہ ایک کونے میں جا کر بیٹھو اور سوچو باہر موت ہے اندر زندگی اور تنہائی۔ تنہائی ایک بہت بڑا عذاب ہے۔ اس کو صرف خدا کا نیک بندہ ہی سنبھال سکتا ہے تنہائی ایک آئینہ ہے جب وہ اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اس کو اپنا آپ نظر آتا ہے اگر خنزیر جیسے کام کیے تو خنزیر نظر آئے گا اور فرشتوں جیسے کام کیے تو فرشتہ نظر آئے گے جب خدا کسی کو نیک بناتا ہے تو اسے قید تنہائی دے دیتا ہے عام آدمی اس کو برداشت نہیں کرسکتا اپنے آپ کو سامنے دیکھ کر اللہ کا بندہ جو معصوم اور ایماندار ہوتا ہے عبادت کرتا ہے چیختا ہے، گڑگڑاتا ہے، روتا ہے اس کو تنہائی سے ڈر نہیں لگتا، وہ خود اپنے اوپر یہ تنہائی لازم کر لیتا ہے اور اس کا بہترین روحانی انعام پاتا ہے۔ عام آدمی اُچھل اُچھل کر باہر جاتا ہے موت اسے گلے لگاتی ہے۔ جب خدا نے عوام الناس سے ایسا کیا موت باہر بیٹھا دی تو مطلب تنہائی میں بیٹھو اپنے اعمال دیکھو کہ ہم کیا کرتے رہے ہیں، کس کس کا حق مارا ہے کیا گناہ کیے حقوق

العباد کو چھوڑا، ہاتھ سے، آنکھوں سے، دماغ سے، زبان سے کیا کیا، کیا۔ مذہبی فرقہ بندی میں اللہ کو، نبی کو، کتاب کو، ہی بھول گئے۔ کسی سیر سپاٹے، پارٹیاں، لوگوں سے ملنا، مندر کلیساء، مسجد، اللہ کے گھر بھاگ کر نہیں آنا پہلے اپنے اعمال ٹھیک کرو جس جس کے حقوق العباد مارے ہیں واپس کرو کس کس کا ہاتھ تمہاری گردن میں ہے اس کو دیکھو اپنی غلطی تسلیم کرو بار بار ہاتھ دھو اور ساتھ ساتھ اقرار کرو اور معافی مانگتا رہ لوگوں سے بھی اور مجھ سے بھی اور اس نے ہاتھ دھونے پر ساری دنیا کو لگا دیا ہے جب اچھی طرح اندر کی صفائی ہو جائے تو تمہارا دل مطمئن ہو جائے تمہارا ضمیر بول اٹھے کہ میرے سے غلطیاں ہوئیں میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوں دل سے توبہ کرتا ہوں اللہ مجھے معاف کردے، اپنی رحمت کا اب سایہ کردے۔ وہ رحمان الرحیم ہے پھر تم ہاتھ ملانے کے قابل ہو جاؤ پھر ہماری طرف لوٹنا تم، ایک قدم آؤ گے میں دوڑ کر آؤں گا تمہاری دنیا پھر آباد کرؤں گا۔ دعا کرو اور اپنے گریبانوں میں دیکھو کہ کس کس کے حقوق غصب کیے ہیں اللہ ہم سب کی پُکار سن لے کسی اپنے پیارے کے صدقے اور سچے دل والے کے صدقے ہم سب کو معاف کردے۔' آمین یا ربّ العالمین۔''

معزز قارئین! وباؤں کے موسم دنیا میں آتے ہی رہتے ہیں، کبھی انبیاء کرام کی تکذیب کے نتیجے میں نشان کے طور وبائیں سرکشوں کے غرور و تکبر کو توڑنے کے لیے آتی ہیں اور کبھی انسانوں کی غلطیوں یعنی گندگیوں کے باعث تباہی مچاتی ہیں۔ جب مذہبی دنیا جہالت کی وجہ سے رسومات کے چنگل میں پھنس کر اپنی ترقی کی تمام شاہراہوں کو بند کر دیتی ہے تو الحاد کا فتنہ جدید ٹیکنالوجی کے رتھ پر سوار ہو کر نمودار ہوتا ہے۔ نام نہاد مذہبی دنیا، سائنس اور جدید علوم سے بہتر اپنے فرسودہ عقائد کو قرار دے کر جہالت کے خول میں قید ہو کر اپنی بربادی کا سامان کر لیتی ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے شاہین بننے کی بجائے کوا بننے کو ترجیح دیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ولی اللہ نے سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ نے رزق دینے کا وعدہ کیا ہے تو رزق کے لیے محنت مشقت، دوڑ دھوپ کیوں؟ اس نے فیصلہ کیا کہ آئندہ وہ بیٹھا رہے گا، رزق کے لیے اللہ ہی انتظام کرے گا، میں کوشش نہیں کروں گا۔ خدا پر توکل کر کے جنگل میں بیٹھ گیا۔ غیب سے رزق تو نہ آیا مگر جب بھوک پیاس نے برا حال کر دیا تو اس نے ایک شکستہ حال کوّا دیکھا جس کے پر ٹوٹے ہوئے تھے، بھوک نے اسے لاغر کر دیا ہوا تھا، اچانک ایک شاہین نے اپنا پس خوردہ گرایا جسے کوّے نے کھا کر اپنی بھوک مٹائی۔ تب ولی اللہ کو سمجھ آیا کہ بیٹھ کر اگر رزق چاہیے، تو لاچار کوّا بننا پڑے

گا اور اگر شاہین بنو گے تو رزق نا صرف اپنے لیے کماؤ گے بلکہ دوسروں کے لیے بھی رزق کا باعث بنو گے۔ اگر بغور نام نہاد اسلامی ممالک کا جائزہ لیا جائے تو سبھی ممالک کی حالت کوّوں کے مشابہ ہے اور جدید علوم سے لیس ترقی یافتہ ممالک شاہین کی مثال معلوم ہوتے ہیں، اور شاہین کا جب دل کرتا ہے ان کوّوں کو بھی نوچ بھنبھوڑ ڈالتا ہے اور اپنا پس خوردہ بھی بھوک سے لاغر، لاچار کوّوں کی طرف اچھال دیتا ہے۔ دیکھ لیجیے نام نہاد مولوی موجودہ قاتل وبا کورونا کے دوران مسلمانوں کو بزدلی کا طعنہ دے کر اپنی دکانداری کو توکل کے نام پر چلا رہے ہیں۔ یعنی وبا کے دنوں میں جو مسلمان گھر پر نماز پڑھیں گے وہ کمزور ایمان اور بزدل ٹھہرائے جا رہے ہیں۔ ان نام نہاد مولوی نامی کوّوں نے امت مسلمہ کو اپنے بغل بچے بنا رکھا ہے۔ توکل سے مراد ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا کرنا۔ اب سوال یہ ہوگا کہ بھروسہ کیسے کیا جائے؟ اس کا تسلی بخش خوبصورت جواب رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابیؓ کے سوال پر پندرہ سو برس قبل دے دیا تھا۔ سوال: ''میں اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھ کر توکل کروں یا گھٹنا کھول کر توکل کروں؟'' جواب: ''اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھو اور پھر توکل کرو۔''

معزز قارئین! جب تک دنیاوی تمام اسباب کو اختیار نہ کیا جائے توکل کی تعریف مکمل نہیں ہوتی۔ تمام پیش بندیاں کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے اور دعا کرنی چاہیے۔ یہ ناممکن ہے کہ احتیاطی تدابیر اختیار کیے بغیر کورونا وائرس سے جلد جان چھڑانا بغیر نقصان کے ممکن ہو سکے۔ اگر توکل کا یہ معنی کیا جائے کہ اگر اسباب کے ہاتھ پیر توڑ کر، وبا پر قابو پایا جا سکتا ہوتا تو یاد رکھیے رسول اللہ ﷺ یہ کبھی نہ فرماتے کہ **لِكُلِّ دَآءٍ دَوَآءٌ**۔ ''ہر بیماری کے لیے علاج موجود ہے''۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں جب کوئی بیماری پیدا فرمائی تو اُس کی شفا اور دوا بھی ساتھ ہی نازل فرمائی۔'' (صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ) اگر صرف توکل اللہ کافی ہوتا اسباب کی اہمیت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ دوا کو پیدا نہ فرماتا۔ حضرت ابی رمثہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: **انت الرفیق واللّٰہ الطبیب**۔ (مسند احمد) تمہارا کام مریض کو اطمینان دلانا ہے۔ طبیب اللہ خود ہے۔ یعنی معالج کا یہ فرض ہے کہ وہ دوا دے کر مریض کو اطمینان دلائے، شفا دینے والا اللہ ہے۔

ایک اور اہم بات جو قرآن سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حکومت جو اولوالامر کا درجہ رکھتی ہے اس کا کہا

مانو۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ:۔

يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِى الاَمرِ مِنكُم۔فَاِن تَنَازَعتُم فِى شَىءٍ فَرُدُّوهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُولِ اِن كُنتُم تُؤمِنُونَ بِاللّٰهِ وَ اليَومِ الاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيرٌ وَّ اَحسَنُ تَاوِيلًا .(سورة النساء آيت ٦٠) ترجمہ:''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حکام کی بھی۔اور اگر تم کسی معاملہ میں (اُولُو الامر سے) اختلاف کرو تو ایسے معاملے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دیا کرو اگر (فی الحقیقت) تم اللہ پر اور یومِ آخر پر ایمان لانے والے ہو۔یہ بہت بہتر (طریق) ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔''

معزز قارئین! اس نص قرآنی کا بھی وطن عزیز میں اس وقت مذاق اڑاتے ہوئے انکار کر دیا گیا جب مفتی منیب الرحمان نے ۱۴ اپریل کو نام نہاد مولویوں کے جمگھٹے میں ریاست کے اعلان کردہ لاک ڈاؤن کو مسترد کرتے ہوئے نہایت متکبرانہ انداز میں مساجد کو نمازیوں کے لیے کھولنے کا اعلان کر دیا۔لطف کی بات یہ ہے کہ ۱۸ اپریل کو قرآن مجید کی مقدس آیت کا مذاق اڑانے والوں، ریاست کی رٹ چیلنج کرنے والوں کی سرزنش کرنے، توہین قرآن کا مقدمہ درج کرنے کے بجائے حکومت ان کے سامنے گھٹنے ٹیک کر ان نام نہاد مولویوں کو کچھ پابندیوں کے ساتھ مساجد میں غیر اسلامی، غیر اخلاقی طور پر دکانداری کرنے کی اجازت دے دی۔یہ نام نہاد مفتی، مولوی، ملانے، علامے عجیب مخلوق ہیں ایک پابندی یہ بھی منظور کر لی کہ بوڑھے اور بچے مساجد میں نہیں جائیں گے۔بعد ازاں سبھی بڑے مولویوں جیسے فضل الرحمان، سراج الحق، تقی عثمانی، نعیم بنوری، نور الحق قادری، مفتی جمیل اور مفتی منیب نے اعلان کر دیا کہ وہ بوڑھے ہیں اس لیے مساجد میں نماز اور تراویح پڑھنے کی بجائے گھروں میں ادا کریں گے۔مساجد میں وبا کے دور میں نماز پڑھنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ زبردستی اللہ کو راضی نہیں کیا جا سکتا، اسلام انسانی زندگی کو بے حد قیمتی قرار دیتا ہے، اس کی حفاظت کے لیے دی گئی شریعت کی آسانیوں کو زندہ دلی سے قبول کرنا چاہیے۔نام نہاد مولویوں کو صدقہ، زکوٰۃ، خیرات، فطرانہ کی چاٹ لگی ہوئی ہے انہیں عام مسلمان کی جان کی کوئی پرواہ نہیں۔جس اسلام کے زہریلے انجکشن یہ نام نہاد علماء، مفتی، مولانا، علامہ اپنی قوم کو لگا رہے ہیں وہ اسلام رحمتہ للعالمین رسول اللہ ﷺ کا اسلام کسی صورت میں نہیں ہوسکتا۔

گزشتہ دنوں مولوی طارق جمیل نے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ سوائے عمران کے ساری قوم جھوٹی اور بددیانت ہے، بعد میں صحافیوں کو معافی مانگ کر اس جھوٹوں اور بددیانتوں کی لسٹ سے نکال دیا تھا۔ مفتی جمیل صاحب نے سرعام ایک جھوٹ بولا اور ایک سچ کہا۔ مگر سچ کہنے پر معافی مانگ لی اور جھوٹ کو قائم رکھا۔ سمجھ نہیں آتی کہ جھوٹی اور بددیانت قوم اپنا محاسبہ کرنے کے بجائے مساجد میں کورونا وائرس سے مرنے کو اہم خیال کیوں کرتے ہیں۔ دراصل یہ سوچ، نام نہاد علماء کے شیطانی شاطرانہ ذہن کی پیداوار ہے۔ عجیب قوم ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ رمضان، تزکیہ نفس کرتا ہے مگر پاکستانی قوم اور علماء کی اکثریت نفس کی راحت کا سامان بے ایمانی کے مرتکب ہو کر مہنگائی میں اضافہ کر کے کرتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ قوم نہ اللہ سے ڈرتی ہے اور نہ قاتل وبا کورونا سے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں وبا کورونا نے اللہ یاد کروا کر انہیں اپنے اعمال درست کرنے موقع فراہم کیا۔ وہ نیک فطرت ہیں جو اسلام کی سچی تعلیم کو سمجھتے ہوئے وبا سے متاثرہ علاقوں میں مقیم رہے انسانیت کے لیے، گھروں کو مسجد بنالیا، گوشہ تنہائی میں اپنے بداعمال کا جائزہ لے کر اپنے اللہ سے انہیں دور کرنے کا وعدہ کیا، ریاست کے احکامات کو سامنے رکھ کر تمام احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور خود کو دیگر انسانوں کی خدمت میں لگا دیا۔ اللہ تعالیٰ وبا سے کل دنیا کو جلد نجات دے اور صراط مستقیم عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین۔☆☆

داستان ہیر رانجھا: گو اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں نظریہ وحدت الشہود کو فتح حاصل ہوئی لیکن نظریہ وحدت الوجود ایک بڑے طبقے کے قلب و ذہن سے نہ نکل سکا۔ جس کی جھلکیاں ہمیں بڑے بڑے ادبی شاہکاروں اور شاعری میں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ مشہور داستان ہیر رانجھا کے کردار دراصل نظریاتی علامتیں ہیں۔ ہیر انسانی روح کی علامت ہے جبکہ رانجھا طریقت اور کھیڑا شریعت کی علامت ہے۔

چنانچہ وارث شاہ کا یہ شعر دراصل علماء کے تسلط کے خلاف اہل طریقت کا احتجاج ہے۔

ڈولی چڑھدیاں ماریاں ہیر چیکاں
مینوں لے چلے بابلا لے چلے وے

(سید علی عباس جلالپوری، مقامات وارث شاہ۔ بحوالہ مضمون براہین احمدیہ کا فکری تناظر! از پروفیسر نصیر حبیب صاحب)

ھندوستان اورپاکستان کی منفی سوچ!!

ہندوستان میں مذہبی انتہا پسندی آج کل عروج پر ہے۔ مقبوضہ کشمیر سے سلسلہ شروع ہو کر مسلمانوں کو شہریت دینے سے انکار کے بعد آرڈیننس 2020ء تک پہنچا ہے۔ گزشتہ دنوں بھارتی ریاست اتر پردیش کی حکومت کی جانب سے گائے کے ذبیحے کے خلاف آرڈیننس 2020ء جاری کر دیا گیا ہے۔ بھارتی ریاست اتر پردیش کی حکومت کی جانب سے گاؤ ماتا کے ذبیحے کے خلاف قانون سازی کرتے ہوئے آرڈیننس جاری کیا گیا ہے، اتر پردیش کی ریاستی حکومت کا کہنا ہے کہ یہ آرڈیننس گاؤ ماتا کے ذبیحے کو روکنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ آرڈیننس 2020ء کی پہلی بار خلاف ورزی کرنے پر 5 سے 7 سال قید اور 1 سے 3 لاکھ جرمانہ عائد کیا گیا ہے جبکہ دوسری بار خلاف ورزی کرنے پر 10 سال قید اور 5 لاکھ جرمانہ مقرر کیا گیا ہے۔ آرڈیننس کے مطابق اگر گائے یا اس کا گوشت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہوئے کوئی شخص پکڑا گیا تو گاڑی کے مالک اور ڈرائیور کے خلاف نئے آرڈیننس 2020ء کے مطابق کارروائی کی جائے گی۔ منتقلی کے دوران برآمد کی گئی گاؤ ماتا کی دیکھ بھال اور اس پر آنے والا خرچ ایک سال کی مدت تک گاڑی کے مالک سے وصول کیا جائے گا۔ نئے آرڈیننس کے مطابق اگر کسی گائے کی جان کو خطرہ لاحق ہوا یا زخمی پایا گیا تو مالک پر ایک سال کی سخت قید عائد کی جائے جو کہ 7 سال تک بھی بڑھائی جا سکتی ہے جبکہ 1 سے 3 لاکھ تک جرمانہ بھی عائد کیا جا سکتا ہے۔ گائے کے ذبیحے میں ملوث افراد اور گائے کو نقصان پہنچانے والے مجرموں کی تصاویر، نام اُن کے گھر کے باہر اور عوامی مقامات پر شائع کیے جائیں گے۔

اس طرح کے قوانین اقلیتوں کے بنیادی شہری اور انسانی حقوق سلب کر کے انہیں غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ اگر بغور اسلامی دنیا کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت یہ دکھائی دے گی کہ تمام اسلامی ممالک میں مذہبی اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ سعودی عرب میں مندر، گرجا وغیرہ بنانے کی اجازت نہیں اور نہ ہی کھلے عام غیر مسلموں کو عبادت اور تبلیغ کرنے کی قانوناً اجازت حاصل ہے۔ اسی طرح کسی بھی غیر مسلم اور غیر عرب کو سعودی شہریت دینے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اگر پاکستان کی

بات کی جائے تو اس کی پارلیمنٹ نے پاکستان میں بسنے والی اقلیتوں کو آئینی طور پر دوسرے درجے کے شہری بنادیا ہے۔اس سے بھی بڑھ کر احمدیہ مسلم جماعت جو خود کو مسلمان کہتی ہے۔احمدیہ مسلم جماعت،اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور اسلامی شریعت پر مکمل ایمان رکھنے کا دعویٰ ہی نہیں کرتی بلکہ اسلامی تعلیمات پر عمل بھی کرتی ہے۔۱۹۷۴ء میں اس کے باجود پارلیمنٹ نے آئین کی شق بیس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔یہیں پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بدنام آمر جنرل ضیاء الحق نے احمدیوں کو شعائر اسلام کے استعمال پر سزائیں دینے کا اعلان کر دیا۔احمدیوں کو اسلام علیکم کہنے،اذان دینے،قرآن کریم پڑھنے،احمدیہ مساجد کو مساجد کہنے وغیرہ پر پابندی لگادی اور اس پابندی کی خلاف ورزی کو قابل سزا جرم قرار دے دیا۔پاکستان کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی غیر مسلموں اور کمزور مسلمان اقلیتوں کو قابل نفرت غیر اسلامی قوانین کی زنجیروں میں جکڑ کر اسلام کی سنہری تعلیم جو مذہبی آزادی عطا کرتی ہے،اس پر سوالیہ نشان لگا دیا گیا ہے۔

بڑا عجیب لگتا ہے جب مولانا حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر ظلم نہ کرے اور سیاستدان انسانی حقوق کی تنظیموں کو ہندوستانی مظالم پر نہ صرف متوجہ کرتے ہیں بلکہ ایکشن لینے کا بھی مطالبہ کرتے ہیں۔یاد رکھیے مولانا حضرات صاف کہہ چکے ہیں کہ ہندوستان جو چاہے مسلمانوں کے ساتھ سلوک کرے،ہمیں اس سے کچھ لینا دینا نہیں۔

فسادات پنجاب تحقیقاتی عدالت کی طرف سے بریلوی عالم ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صدر جمیعت العلمائے پاکستان سے ایک سوال یہ بھی کیا گیا تھا کہ ”اگر ہندو اپنے نظامِ حکومت میں منوشاستر کے تحت مسلمانوں سے ملیچھوں یا شودروں کا سا سلوک کرے تو کیا آپ کو کوئی اعتراض ہوگا؟“ تو ان کا جواب تھا:۔

”جی نہیں۔“

اور یہی سوال جب دیوبندی سمجھے جانے والے عالم مولانا مودودی صاحب سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

”یقیناً مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ حکومت کے اس نظام میں مسلمانوں سے ملیچھوں یا شودوروں کا سا سلوک کیا جائے ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جائے اور انہیں حکومت میں حصہ اور شہریت کے حقوق قطعاً

نہ دیے جائیں۔اور حقیقت یہی ہے کہ اس وقت بھی ہندوستان میں صورت حال یہی ہے۔''اور یہ جواب میاں طفیل صاحب کالعدم جماعت اسلامی کے امیر کا بھی تھا۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء)

معزز قارئین! ایسے خیالات رکھنے والے مولانا حضرات نہ جانے کس اسلام کی بات کرتے ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے غیر مسلم شہریوں کو کیا حقوق دیے تھے؟ کیا ان کے ساتھ مذہب کی وجہ سے امتیاز برتا گیا تھا؟ کیا ان کی عبادت گاہوں کو مسمار کرنے کا حکم دیا تھا؟ کیا ریاست کے شہری ہونے کے ناطے ان کے حقوق مسلمانوں کے حقوق کے برابر نہیں تھے؟ کیا ان کے مقدمات کا فیصلہ اُن کی مذہبی کتاب کی روشنی میں نہیں کیا جاتا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں جس کے سربراہ ہمارے حبیب آقا حضرت محمد ﷺ تھے تمام مذاہب کے لوگ آرام و راحت سے رہتے تھے۔ تصور تو کیجیے جس ریاست میں غیر مذاہب کے حقوق کا اس قدر خیال رکھا جاتا ہو اُس کے سربراہ کو دوسری غیر اسلامی ریاستوں میں بسنے والے مسلمانوں کی تکلیف تڑپاتی نہ ہوگی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ غیر اسلامی حکومتیں جب اسلامی ریاست میں اپنے ہم مذہب لوگوں کو سکون و چین سے رہتے دیکھتیں تو وہ بھی مسلمانوں کے حقوق کا خیال رکھنے کی کوشش کرتیں اور غیر مسلم عوام بھی جب اپنے حکمرانوں کی زیادتیاں دیکھتی تو اسلام کی سنہری تعلیم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتی۔ آخر ہوا بھی یہی دیکھتے دیکھتے تمام عرب اسلام کی پُر امن چھتری کے نیچے آ گیا۔ یہ مولانا حضرات کی منطق ہے کہ ہمارے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہمیں ہر قسم کے ظلم کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ اقلیتوں کے گرجا، مندر اور گردوارے جو پاکستان میں ہیں وہ ہمارے رحم و کرم پر ہیں چاہیں تو انہیں جلا دیں اور چاہیں تو ان میں عبادت کرنے والوں کو بھی جلا دیں۔ اور اس ظلم کے نتیجے میں ہندوستان یا عیسائی حکومتیں جس طرح کا ظلم بھی اپنے مسلمان شہریوں سے روا رکھیں، مولانا حضرات کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ہم تو غیر مسلموں کو شودر اور ملیچھ ہی کہیں گے اور سمجھیں گے چاہے اس کے نتیجے میں غیر مسلم حکومتیں اپنے مسلمان شہریوں کے ساتھ ملیچھوں اور شودروں سے بھی بدتر سلوک کریں۔ گویا یہ مولانا حضرات نہ صرف غیر مسلموں کے دُشمن ہیں بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں کے خون کے بھی پیاسے ہیں۔ شاید مولانا حضرات صرف اپنے پیٹ سے مخلص ہیں اور صرف اس کی خدمت گزاری کے لیے اسلام کا نام استعمال کرتے ہیں۔ اسلام کی حقیقت سے یہ نام نہاد ملّائیت بالکل بے خبر

ہے۔ مذہب اسلام تو جانوروں کے حقوق بھی ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ مندرجہ بالا مولانا حضرات کی منطق ان کی علمیّت کا گھڑا پھوڑنے کے لیے کافی ہے۔ مولانا حضرات کی خود ساختہ منطق کو قطعاً اسلامی نہیں کہا جا سکتا۔

ہندوستان کی حکومت کو چاہیے کہ فوری طور پر مسلمانوں پر ہر قسم کے مظالم کا سلسلہ بند کرے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو نفرت اور تشدد کا عفریت ہندوستان کو کھا جائے گا۔ پاکستان کو بھی چاہیے کہ غیر اسلامی، غیر انسانی قوانین کا خاتمہ کر کے نفرت اور تشدد جیسے درندوں سے اپنی جان چھڑائے۔ اگر خدانخواستہ مغربی اقوام اور دیگر غیر مسلم ممالک نے بھی پاکستانی اور ہندوستانی سوچ اپنالی تو زمین صرف اور صرف لہوا گلے گی، امن کے موتیوں سے دھرتی خالی ہو جائے گی۔ اللہ ہم سب کو معاف کرے اور صراط مستقیم عطا فرمائے۔ آمین

ہر کوئی بنا ہے اپنے خیال میں
اک عالم ، جسے افلاطون کہتے ہیں

☆☆☆

(دو عمل)

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابودُجانہؓ کے پاس لوگ آئے جبکہ آپؓ بیمار تھے لیکن آپؓ کا چہرہ بہت چمک رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ آپؓ کا چہرہ کیوں چمک رہا ہے؟ تو حضرت ابودُجانہؓ نے کہا: ''میرے اعمال میں سے میرے دو کام ایسے ہیں جو میرے نزدیک بہت زیادہ وزنی اور پختہ ہیں۔ پہلا یہ کہ میں کبھی ایسی بات نہیں کرتا جس کا مجھ سے تعلق نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ میرا دل مسلمانوں کے لیے ہمیشہ صاف رہتا ہے۔''

ایک دوسری روایت ہے کہ ایک دفعہ بیماری میں اپنے ساتھی کو کہنے لگے کہ ''شاید میرے دو عمل اللہ تعالیٰ قبول کر لے۔ ایک یہ کہ میں کوئی لغو بات نہیں کرتا۔ غیبت نہیں کرتا۔ لوگوں کے پیچھے ان کی باتیں نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ کسی مسلمان کے لئے میرے دل میں کینہ اور بغض نہیں ہے۔''

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 3 صفحہ 420 باب ابودجانہؓ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت 1990ء)

کاش مسلمان ان دو اعمال پر عمل شروع کر دیں۔ غیبت، گالی گلوچ اور بغض و کینہ ہی نے مسلمانوں کو رسوا کیا ہے۔

تحریک پاکستان کے مخالف مولوی

معزز قارئین! آپ ہر روز اخبارات میں پڑھتے اور ٹیلی ویژن میں دیکھتے ہیں کہ مولوی حضرات کے سینے میں پاکستان کے لیے کس قدر عقیدت ہے۔ کچھ اِس طرح دکھائی دیتا ہے کہ یہ مولوی لوگ کہیں جوشِ جذبات میں ہلاک ہی نہ ہو جائیں۔ گزشتہ ۷۰ برسوں سے مولوی سڑک پر ہے یا مدرسوں میں۔ مدرسوں کے طالب علم اکٹھے کر کے، آئے روز احتجاج کے لیے سڑکوں پر شور مچایا جاتا ہے کبھی امریکہ کے خلاف کبھی پاکستانی حکمرانوں کے خلاف، اگر یوں کہا جائے کہ ہر چھوٹی بڑی بات پر مولوی کے پیٹ میں مروڑ اُٹھنے لگتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ سب دھما چوکڑی پاکستان کے وقار اور اسلام کی عزّت کے لیے مچائی جاتی ہے۔ اُس پاکستان کے لیے جسے بدذات فرقہ مولویاں پلیدستان کہتا تھا اور جن کا دعویٰ تھا کہ کسی ماں نے وہ بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے۔ مگر جب عظیم ماؤں کے عظیم بیٹوں نے پاکستان بنالیا تو اِن مولویوں نے بھی اِن بیٹوں کو منافقانہ طور پر اپنا لیڈر تسلیم کرتے ہوئے اپنا اندازِ واردات تبدیل کر لیا۔ اور اب گزشتہ پینسٹھ برسوں میں پاکستان کی عزّت و وقار پر کاری وار کر چکے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں تحریک پاکستان میں مولوی کا کردار کیا تھا؟

عطا اللہ شاہ بخاری نے پسرور کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم کو مخاطب کر کے کہا:۔

''تم کہتے ہو کہ ہم نے پاکستان بنانا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اب تک کسی ماں نے کوئی ایسا بچہ نہیں جَنا جو پاکستان تو کجا پاکستان کی ''پ'' کا ایک نقطہ بھی بنا سکے۔''

(روزنامہ جدید نظام لاہور استقلال نمبر ۱۹۵۰ء، رپورٹ تحقیقاتی عدالت اردو صفحہ ۲۷۴)

مولانا عطا اللہ شاہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ ''جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں سؤر کھانے والے ہیں''۔ (بحوالہ چمنستان صفحہ ۱۶۵)

عطا اللہ شاہ بخاری نے ہی کہا تھا کہ:۔

''کانگریس کے چہرے کی سرخی ہماری قربانیوں اور ہمارے خُون کا نتیجہ ہے'' پھر کہتے ہیں کہ کون کہتا ہے کہ۔۔کانگریس ہندو جماعت ہے۔ مسلمانو! ہوشیار رہو اور بچو یہ غلط اور خطرناک الزام کہ مسلمان کانگریس سے الگ ہیں، اور وہ صرف ہندوؤں کی جماعت ہے بہت بڑے ابلیس کا پروپیگنڈہ ہے۔'' (سوانح حیات

عطا اللہ شاہ بخاری صفحہ ۱۰۶ از خان کابلی پبلشر ہندوستانی کتب خانہ ۶۳ ریلوے روڈ لاہور طبع اول جون ۱۹۴۰ء)

مولانا عطا اللہ شاہ بخاری قیام پاکستان کے بعد ایک تقریب میں اپنی بدخصلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے''۔

(منیر انکوائری رپورٹ۔ صفحہ ۲۷۴، ۲۷۵)

جب پاکستان، شاہ صاحب کی مخالفت کے باوجود معرض وجود میں آ گیا تو شاہ جی نے فرمایا کہ سیاستدانوں نے جغرافیائی نقشہ اُٹھا کر اس پر ضرب و تقسیم کی ہے لیکن اس کی بدولت بڑی مُدّت کے لیے انسان مر گیا ہے۔ برصغیر میں تبلیغ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ پاکستان سیاسی یزیدوں کی آماجگاہ بن کے رہے گا۔ شورش کاشمیری کے ایک اداریے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: تم نے ٹھیک لکھا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان اور پاکستان میں اسلام نہیں رہے گا، لیکن اسلام نہ رہا تو پاکستان کہاں ہو گا؟

۱۹۶۰ء میں مسٹر پربود دہلی سے لاہور آئے تو ملتان میں شاہ جی سے کہا پنڈت جی سلام کہتے تھے اور ہاں اندرا نے بھی سلام کہا ہے۔ جواب میں فرمایا: بھائی! پنڈت جی سے کہنا جس عطا اللہ شاہ کو آپ جانتے تھے وہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مر گیا تھا۔ البتہ اندرا کو سلام کہنا کہ وہ بیٹی ہے۔

(سید عطا اللہ شاہ بخاری، سوانح و افکار از شورش کاشمیری صفحہ ۲۹۸)

احراری لیڈروں مولانا محمد علی جالندھری، مولانا عطا اللہ شاہ بخاری، تاج الدین انصاری اور مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی نے ہمیشہ پاکستان کو ''پلیدستان'' اور ''خاکستان'' کے ناموں سے پکارا۔ مولانا عطا اللہ شاہ بخاری نے بارہا اعلان کیا کہ ''اب تک کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی ''پ'' بھی بنا سکے۔

قیام پاکستان کے لیے مسلم لیگ نے جو جدوجہد کی اس میں مولانا مودودی صاحب عملاً جس وجہ سے شرکت نہیں کی وہ مسلم لیگ کے طریق کار سے مولانا کا اختلاف تھا۔

(تحریک آزادیء ہند اور مسلمان مصنف مولانا مودودی صفحہ ۹)

مولانا مودودی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

''پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مسلم اکثریت کے علاقے ہندوا کثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں۔ اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہو گا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہو گی۔''

(سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۴۲)

سعید ابراہیم صاحب ''بھگوڑے اور بزدل'' کے عنوان سے سے لکھے گئے ایک مضمون میں فرماتے ہیں:۔

''مولانا مودودی صاحب کو شکایت رہی کہ مسلم لیگ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ پاکستان کا خطہ اس لیے حاصل کیا جا رہا ہے کہ وہاں پر اسلامی خلافت چلائی جائے گی بلکہ یہ قومیت کی جنگ تھی۔قومیت کی جنگ کو اسلام کی جنگ سے کوئی واسطہ نہیں۔لیگ کی قراردادوں کا جائزہ لیجیے،لیگ نے آج تک تسلیم نہیں کیا کہ پاکستان میں شریعت کا نفاذ ہوگا۔یہ مولانا کے اپنے الفاظ ہیں جو جماعت کے اپنے روزنامہ ''تسنیم'' میں یکم جنوری ۱۹۵۶ء کو چھپ چکے ہیں۔''

سعید ابراہیم صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

''یہ جو ایک عرصے سے جماعت اسلامی سمیت سبھی مذہبی حلقوں نے سٹیریو ٹائپ جملوں کی گردان شروع کر رکھی ہے کہ یہ ملک لاکھوں ماؤں، بہنوں کی عصمتوں اور مسلمانوں کی جانوں کی قربانی کے نتیجے میں وجود میں آیا اور مسلمانوں کی تاریخ میں ہجرت مدینہ کے بعد یہ مقدّس ترین ہجرت تھی، یہ تو خود امیر جماعت اسلامی کے موقف کی ضد ہے۔مولانا کے مطابق تو ہجرت کرنے والے بھگوڑے اور بزدل تھے۔مودودی صاحب بلا لگی لپٹی رکھے صاف لفظوں میں یہ فرماتے ہیں کہ:

''میرے نزدیک کسی کو مہاجر کہنا ازروئے شریعت ناجائز ہے کیونکہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا یہ سفر ہجرت نہیں ہے۔ہجرت اعلائے حُکم اللہ کے لیے کی جاتی ہے۔لیگ کی جنگ کُفر و اسلام کی جنگ نہیں تھی ۔۔۔میرے نزدیک مہاجرین کی جانی و مالی قربانیوں کی کوئی قیمت نہیں، وہ بھگوڑے اور بُزدل ہیں۔انہوں نے ایک غلط قدم اُٹھایا تھا، قومیت کی جنگ لڑی تھی۔جب اس کی سزا بھگتنے کی باری آئی تو مشکلات سے گھبرا کر راہِ فرار اختیار کی۔''

سعید ابراہیم لکھتے ہیں کہ:۔

''قیامِ پاکستان کو ُدرندے کی پیدائش'' سے تشبیہ دینا اسی سوچ کا شاخسانہ تھا۔جب پاکستان بنا اس وقت جماعت اسلامی ابھی پالنے میں تھی سو جماعت کے کریڈٹ پر ایک بھی عملی کوشش ایسی نہیں ہے جسے جماعت

کے کرتا دھرتا تحریک پاکستان میں اپنی مثبت شمولیت کے ثبوت کے طور پر پیش کر سکیں ہاں البتہ مودودی صاحب کی تحریروں سے قائداعظم اور لیگ کے خلاف زہریلا اور ثقاہت سے گراہوا پروپیگنڈہ ضرور دستیاب ہے۔آج جماعت کی بھرپور کوشش ہے کہ مولانا مودودی کو تحریک پاکستان کی نظریاتی بنیادیں فراہم کرنے والی شخصیت ثابت کیا جائے، بھلے اس کے لیے انہیں کتنا ہی جھوٹ کیوں نہ بولنا پڑے۔

اسلامی نظام جماعت اسلامی کے منتخب کردہ صاحب الرائے نافذ کریں گے۔اپنے صاحب الرائے صالحین کو مولانا اپنی معروف کتاب ''مرتد کی سزا'' میں بڑی صراحت کے ساتھ نفاذ اسلام کا طریقہ سمجھا چکے ہیں جس کے مطابق ان کی ذمہ داری یہ ہوگی کہ وہ مسلمانوں پر نہ صرف اسلامی قوانین کا جبری نفاذ کریں گے بلکہ انہیں زبردستی نمازیں بھی پڑھوائیں گے۔اور اگر کسی نے (جماعت کے نافذ کردہ) اسلام کے دائرے سے ذرا بھی قدم باہر رکھا تو وہ اپنی جان سے جائے گا۔ (اردو روزنامہ آج کل ''بھگوڑے اور بزدل''؟ ۲۸/اکتوبر ۲۰۰۸ء)

پاکستان بن جانے کے بعد مولانا مودودی صاحب پٹھانکوٹ سے بوریا بستر اٹھا کر اولین مہاجرین قول ان کے بزدل بھگوڑوں میں شامل ہو کر پاکستان پہنچ گئے اور اپنی مذہبی جماعت کو سیاسی جماعت بنا کر اقتدار کے لیے تگ ودو شروع کر دی۔اس ضمن میں مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اصلاح خلق کی کوئی سکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کیے بغیر نہیں چل سکتی۔جو کوئی حقیقت میں خُدا کی زمین سے فتنہ فساد کو مٹانا چاہتا ہے تو اس کے لیے محض واعظ اور ناصح بن کر کام کرنا فضول ہے۔اسے اُٹھنا چاہیے اور غلط اصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے غلط کار لوگوں کے ہاتھوں سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیے۔'' (رسالہ حقیقت جہاد از مولانا مودودی۔زیر عنوان 'جہاد کا مقصد')

حالانکہ مولانا مودودی صاحب پاکستان بننے سے پہلے کہہ چکے تھے کہ:۔

''پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں۔اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔''

(سیاسی کشمکش از مولانا مودودی۔حصہ سوم۔صفحہ ۱۳۲)

بڑی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے بنائی گئی اسلامی جماعت پاکستان بنتے ہی سیاسی

ہوگئی اور جسے کافرانہ حکومت کہتے تھے اسے حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ان کے اس یوٹرن کے بعد جماعت اسلامی میں جو سنجیدہ اور پڑھے لکھے لوگ تھے، وہ جماعت اسلامی کو چھوڑ گئے تھے۔

آیئے ایک بار پھر احراریوں کی طرف چلتے ہیں۔آج کل احراری باقیات پاکستان کے امن وامان کو برباد کرنے کی بارہا کوشش کر چکی ہے مگر ناکام بھی ہوئی اور جزوی طور پر کامیاب بھی ہوئی ہے۔پاکستان بننے سے احراریوں کا کیا چلتر تھا آیئے دیکھتے ہیں:۔

مولوی ظفر علی خان فرماتے ہیں:۔

''پھر میرٹھ میں مولوی حبیب الرحمان لدھیانوی صدر مجلس احرار اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ ''دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر جواہر لعل کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جاسکتے ہیں۔''اس پر میں نے یاروں کی فرمائش یوں پوری کی۔

کیا کہوں آپ سے کیا ہیں
احرار کوئی لُچّا ہے اور کوئی لُقّہ

(چمنستان مجموعہ منظومات ظفر علی صاحب صفحہ ۱۶۵)

چوہدری فضل حق احراری فرماتے ہیں:۔

''ہم اس کے سخت خلاف ہیں کہ لاکھوں مسلمانوں کی قربانی دے کر کسی یزید جیسے مسلمان کے لیے تختِ سلطنت بچھایا جائے''۔

(تاریخ احرار پہلا ایڈیشن صفحہ ل،م(سید عطاءاللہ شاہ بخاری از شورش کاشمیری صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ ۱۱ستمبر ۱۹۵۶ء)

ایک جگہ لکھا ہے کہ پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کا خُون چوس رہا ہے۔ اور مسلم لیگ ہائی کمانڈ ایک سپیرا ہے۔ (احراری اخبار آزاد کا اداریہ ۹ نومبر ۱۹۴۹ء)

خطباتِ احرار میں لکھا ہے کہ:۔

''مسلم لیگ کو دام فرنگ سمجھ کر دور ہی رہنا چاہتے ہیں۔'' ''ہمیں پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کے دام فریب میں نہ پھنساؤ''۔''قومی بوجھ بھجکڑ ایسے حال میں شمالی ہند کو پاکستان بنا رہے ہیں۔''

(خطباتِ احرار صفحہ ۲۲،۱۰۱،۱۴۱ بار اوّل)

علامہ اقبال کے بیٹے جسٹس جاوید اقبال لکھتے ہیں کہ:۔

''مجلس احرار خلافت کمیٹی کی کوکھ سے نکلی تھی اور یہ جماعت کانگریس کی ہم نوا تھی۔''

(زندہ رود از جاوید اقبال صفحہ ۵۸۹)

مجلس احرار کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو دہلی میں ہوا جس میں احراری ملاؤں نے پاکستان کے منصوبے کو رَدّ کر دیا اور اپنی تقریروں میں پاکستان کو پلیتستان۔ پھر ۱۷ تا ۱۹ مارچ ۱۹۴۷ء کو گوجرانوالہ میں اجلاس ہوا جس میں مسلم لیگ کے خلاف جانے کا فیصلہ ہوا اور اس اجلاس میں مولانا مولانا مظہر علی اظہر نے قائداعظم کے بارے میں زہر افشانی کرتے ہوئے کہا ؂

کہ اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ قائد اعظم ہے کہ ہے کافر اعظم

۱۹۴۶ء کے انتخابات میں احراری لیڈروں نے مسلم لیگی امیدواروں کے خلاف ۱۳ احراری امیدوار کھڑے کیے جو تمام کے تمام ہار گئے۔ (جسٹس منیر انکوائری رپورٹ ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۱،۱۲)

اکبر الٰہ آبادی نے دیو بندی علماء کے بارے میں فرمایا ہے کہ ؂

یہ کانگریسی مُلّا ، تم کو بتاؤں کیا ہیں؟
گاندھی کی پالیسی کے عربی میں ترجمان

مولانا اسرار الحق بانی تنظیم اسلامی دیو بندی علماء کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''جمعیت علمائے اسلام فضل الرحمان گروپ اور دوسرے دیو بندی سیاسی گروپ مولانا مدنی کے سیاسی مسلک کے قائلین ہیں اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ ان کے زعماء نے تحریک پاکستان سے کھلم کھلا دوٹوک الفاظ میں اعلانِ برأت کیا اور یہاں تک کہا کہ ''پاکستان بنانے کے گناہ میں ہم شامل نہیں تھے۔''

(مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی از مولانا اسرار الحق صفحہ ۴۷)

مولانا شاہ احمد نورانی صاحب فرماتے ہیں:۔

''قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود نے ابھی تک پاکستان کو تسلیم نہیں کیا۔ اور وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ یہ مملکت مستحکم ہو۔ مفتی صاحب نے تحریک نظام مصطفیٰ کو بھی بڑا نقصان پہنچایا ہے۔''

(روزنامہ پاکستان ٹائمز ۲۱ جولائی ۱۹۷۸ء مذہبی وسیاسی فرقہ بندیاں از اشرف ظفر صفحہ ۴۷)

جمعیت علمائے پاکستان پنجاب کے جنرل سیکرٹری ملک محمد اکبر ساقی نے ایک بیان میں فرمایا ہے کہ مولانا مفتی محمود (والد مولانا فضل الرحمان) نے بھری محفل میں کہا تھا کہ ''ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے۔'' (چٹان لاہور ۸ ستمبر ۱۹۷۵ء صفحہ ۵)

بریلوی مکتبہ فکر کی مشہور کتاب تجانب اہل السنہ میں مسلم لیگ کے چار مقاصد یعنی ہندوستان میں آزاد جمہوری حکومت کا قیام، ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی و مذہبی حقوق ومفادات کی حفاظت، ہندوستان کے مختلف مذہبی فرقوں میں اتحاد و اتفاق کی کوشش اور ہندوستان کے مسلمانوں میں رشتہ اخوت اور بھائی چارہ کو مضبوط کرنے کی فکر وجدوجہد کو بیان کر کے تفصیل سے تنقید کی گئی ہے۔ آخر میں لکھا ہے ''یہ چاروں مقاصد لیگیہ مشتمل بر محرمات وخباثات وشناعات بلکہ منجر باشد ضلالات وکفریات ہیں۔''

(تجانب اہل السنہ صفحہ ۱۱۲ بحوالہ بریلوی فتنہ کا نیا روپ از محمد عارف صفحہ ۲۲۲)

خان عبدالقیوم خان سابق وزیر اعظم آزاد کشمیر کا شمار بھی پاکستان کے مخالفین میں ہوتا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد انہوں نے مذہبی منافرت پھیلا کر اور سیاسی جوڑ توڑ اور سیاسی بلیک میلنگ کے ذریعے آزاد کشمیر کی وزارت اعلیٰ حاصل کی تھی۔ ان کے متعلق عرفان احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

''خان عبدالقیوم خان بھی کانگریسی تھا اور اُس نے پاکستان بننے سے تھوڑا عرصہ پہلے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''GOLD AND GUN'' تھا۔ جب خان صاحب وزیر اعلیٰ بنا تو اس نے خود اپنی لکھی ہوئی کتاب (BAN) کی۔ دکانوں سے اُٹھوائی اور گھروں سے نکلوائی۔''

(پاکستان پہ کیا گزری؟ از عرفان احمد۔ اردو پوائنٹ ویب سائٹ پر یہ کتاب موجود ہے۔)

مشہور کالم نگار جناب ارشاد احمد حقانی نے لکھا تھا کہ میرے ایک کرم فرما راجہ فتح خان لکھتے ہیں:۔

''جہاں تک نظریہ پاکستان کی بات ہے تو پاکستان کی تاریخ میں یہ جھوٹ قیام پاکستان کے برسوں

بعد مُلاّ ئیت کی سازش اور جنرل شیر علی کے توسط سے شامل کرایا گیا اور تعلیمی نصاب میں لازمی پڑھنا قرار دلوایا گیا۔ مُلاّ ئیت نے پروپیگنڈے کے زور پر اِس جھوٹے اور فرضی نظریہ پاکستان کو، وہ بیل باور کرالیا جس کے سینگ پر سرزمین ٹکی ہوئی ہے۔ منہ بولتی تاریخی حقیقت یہ بھی ہے کہ مُلاّ ئیت نے بحیثیت مجموعی مطالبہ پاکستان کی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مخالفت کی۔ کسی نے جناح کو کافر اعظم کہا، کسی نے اس وجہ سے حمایت نہیں کی کہ اگر پاکستان بن گیا تو وہاں مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔۔اور جب پاکستان بن گیا تو کشمیر کے لیے جہاد کو حرام قرار دے دیا۔

قائداعظم کی وفات کے بعد قانون ساز اسمبلی سے قرارداد مقاصد منظور کروائی گئی اور پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ تھیوکریسی کے لیے پہلی اینٹ رکھ دی گئی اور اس ٹیڑھی بنیاد پر سیدھی عمارت بننے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ اس پر مُلاّ ئیت نے گھی کے چراغ جلائے اور مودودی صاحب نے فرمایا کہ قرارداد مقاصد منظور ہونے سے ریاست نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ ریڈیو پاکستان پر مودودی ۲۲ نکات کا پروپیگنڈہ کرتے رہے۔ اس حقیقت کو چھپالیا گیا کہ یہ ۲۲ نکات پاکستان بننے (اور قائداعظم کی وفات) کے بعد منظور کیے گئے۔ تحریک پاکستان کے دوران تو پاکستان کو ناپاکستان اور قائداعظم کو انگریزوں کا ایجنٹ کہا گیا، احرار نے کہا یا خاکسار نے کہا حتیٰ کہ قائداعظم کو قتل کرانے کے لیے قاتل بھی بھیجے گئے۔ بہرحال مودودی کی 'اسلامی ریاست' میں جماعت اسلامی کا مسلمانوں کو 'مسلمان' بنانے کا پروگرام واضح ہے کہ ایک سال کے اندر صحیح مسلمان بن جاؤ ورنہ خود کو غیر مسلم قرار دے کر دائرہ اسلام سے خود کو خارج سمجھ لو، ذمی ہو جاؤ۔ شاید ہی کوئی مذہبی فرقہ ہو جس نے باقی فرقوں کو اپنے فتوے سے کافر قرار نہ دے رکھا ہو۔ اس 'کافرسازی' کا ہی نتیجہ ہے کہ آگے چل کر مساجد اور امام بارگاہوں کے در و دیوار عبادت گزاروں کے خون سے رنگین ہونے لگے اور اب تو مزاروں کو بھی اُڑایا جانے لگا ہے۔"

(''حرف تمنا'' کالم نگار ارشاد احمد حقانی۔ روزنامہ جنگ ۲۷ جون ۲۰۰۹ء)

واجد شمس الحسن ہائی کمشنر برطانیہ لکھتے ہیں کہ:۔

''وہ عناصر جو آج پاکستان میں دہشتگردی، خودکش حملے اور مذہبی جنون اور نفرت پیدا کر رہے ہیں یہ وہی عناصر ہیں جو قیام پاکستان کے بدترین مخالف اور بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کو کافر قرار دیتے تھے۔''

پھر جنرل ضیاء الحق کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''ضیاء الحق نے اپنے ہی طور پر ایک خود ساختہ امیر المومنین بننے کے خواب دیکھنے شروع کر دیے۔ پاکستان کے غیور اور غریب عوام کو علم ہے کہ جنرل ضیاء یہ سب کچھ اسلام اور مذہب کے نام پر کر رہا تھا۔''

(جنگ لندن ۳ جون ۲۰۱۰ء)

۱۶ مئی ۲۰۰۷ء کو اپنے ایک کالم میں شمس الحسن صاحب لکھتے ہیں:۔

''بہتر ہے کہ ہم تاریخ دہرالیں اس مُلّا کے پیش رووٴں نے مسٹر جناح کی مخالفت کی، تقسیم ہند کے بعد ۱۹۹۷ء تک پاکستان میں عوام نے کبھی مُلّا کو ووٹ نہیں دیا اس کے برعکس لوگوں نے ان کی قیادت کا جنازہ نکال دیا۔'' (روزنامہ اوصاف ۱۶ مئی ۲۰۰۷ء)

☆☆☆

مسلمانوں پر ذلت مسلط ہونے کی وجہ

ڈاکٹر محمود عبدالمجید الخالدی صاحب نے لکھا تھا:۔

''آج مسلمانوں پر جو ذلت مسلط ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا کے کنارے پر بسنے پر مجبور ہیں، دوسری قوموں کے دم چھلے بن چکے ہیں اور محض ایک قصہٴ پارینہ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ مسلمانوں نے اقامتِ خلافت کے باب میں سستی سے کام لیا ہے اور شرعی حکم کے التزام میں اپنے لئے خلیفہ کے تقرر میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے جو کہ از روئے شریعت نماز روزے اور حج کی طرح فرض ہو چکا ہے۔ اسلامی تشخص کو از سرنو زندہ کرنے کے لئے جدوجہد کرنے سے سستی کرنا آج سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس لئے امت پر خلیفہ کا تقرر فرض اور لازم ہے تا کہ مسلمانوں پر اسلامی احکام کا نفاذ ہو سکے اور دعوتِ اسلامی کو تمام اطراف و اکنافِ عالم میں پہنچایا جا سکے۔'' (قواعد نظام الحکم فی الاسلام صفحہ 248)

مگر کوئی مولوی، مفتی، علامہ یہ نہیں بتاتا کہ کیا انسانی کوشش خلیفہ بنا سکتی ہے؟ کیا اس کی کوئی مثال موجود ہے؟

غدار وطن اور بھارتی ایجنٹ!!

سابق وزیر اعظم نواز شریف نے آل پارٹیز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وہ کچھ کہہ دیا جسے انہیں وزیر اعظم ہوتے ہوئے قوم کو بتا کر استعفیٰ دینا چاہیے تھا۔ اگر یہ سب کچھ تب کہتے تو شاید قوم کے ہیرو بن جاتے، مگراب سچ بول کر وہ غدار وطن اور بھارتی ایجنٹ قرار دے دیئے گئے ہیں۔ یہ نہایت بدقسمتی کی بات ہے کہ سچائی کا سامنا کرنا ہماری قوم کے مزاج کے خلاف ہو چکا ہے، بجائے اس کے کہ تاریخی غلطیوں کو تسلیم کیا جائے اور مثبت بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق رائے سے ان غلطیوں کو درست کیا جائے، الٹا غلطیوں کی نشاندہی کرنے والے کو غدار وطن اور بھارتی ایجنٹ قرار دے کر اسے ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں غدار وطن یا کافر بنانے کا رواج پاکستان بننے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، فاطمہ جناح کو بھارتی ایجنٹ قرار دیا گیا تھا اور اس کے بعد شاید ہی کوئی وزیر اعظم ہوگا جسے غدار وطن نہ کہا گیا ہو۔ اس وقت بھی جتنے بھی بڑے بڑے سیاستدان ہیں سبھی ایک دوسرے کو بھارتی ایجنٹ، غدار اور کافر کہہ چکے ہیں اور عمران خان کو تو یہودی ایجنٹ تک کہا گیا ہے۔ فیض احمد فیض، جی ایم سید، ولی خان، اکبر بگٹی، جنرل ایوب خان، جنرل یحییٰ خان، جنرل ضیاء الحق، جنرل پرویز مشرف، بھٹو اور ہزاروں، لاکھوں یا شاید کروڑوں پاکستانی غدار وطن اور کافر قرار دیے جا چکے ہیں۔

جس طرح وطن عزیز کی بربادی و رسوائی کے ذمہ دار مذہبی لیڈر اور سیاستدان ہیں اسی طرح جرنیلی ٹولہ بھی اتنا ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ذمہ دار ہے۔ کیا نواز شریف کی یہ بات درست نہیں کہ جونہی سیاسی حکومت برسر اقتدار آتی ہے ایک اور متوازی حکومت بھی قائم ہو جاتی ہے، جو سیاستدانوں کو بلیک میل کرتی ہے، دھمکیاں دیتی ہے اور بعض امور سے سیاستدانوں کو بے خبر رکھتی ہے۔ نواز شریف نے عدلیہ پر بھی شدید تنقید کی کہ عدلیہ بھی آئین کے خلاف فیصلے کرتی ہے، کسی بھی آمر کو ایک گھنٹے کے لیے بھی جیل میں نہیں ڈال سکی ہے۔ جنرل پرویز مشرف اور جنرل عاصم کی کہانی سبھی جانتے ہیں۔ ملا، ملٹری گٹھ جوڑ نے بھی بے شمار گل کھلائے ہیں۔ ملا، ملٹری گٹھ جوڑ پاکستان کو بار بار فسادات کی آگ میں جھونکتا رہا ہے۔ جنرل ضیاء نے تو ملا کو ریاست کے کندھوں پر بٹھا دیا تھا۔ اسی جنرل نے بھٹو کی حکومت گرانے کے لیے قومی اتحاد کا ساتھ دیا اور رقم دے کر بھٹو جیسی بڑی آفت کو دفع

کرنے کے لیے اذانیں دلوائیں۔اور پھر بھٹو نا صرف اقتدار سے محروم کر دیے گئے بلکہ اس دنیا سے اگلے جہان بھی بھیج دیے گئے۔جنرل ضیاء الحق کے سیاسی فرزند نواز شریف تین بار وزیر اعظم بنے،ان کو ۱۵ برس کے لیے منتخب کیا گیا مگر انہیں ۷ برس ہی برداشت کیا گیا۔ایک جرنیل نے انہیں اقتدار دلایا اور دوسرے جرنیل نے انہیں جلاوطن کر دیا اور دوبارہ اسے سیاسی طور پر زندہ بھی کر دیا۔اور اب سچ بولنے پر طاقتور ادارہ سیاسی،صحافتی جوکروں کے ساتھ مل کر انہیں غدار وطن قرار دے کر اپنے دامن پر لگے سیاہ دھبے صاف کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہے۔اس سے پہلے ایم کیو ایم کے بڑے لیڈر الطاف حسین کو غدار وطن کا میڈل دیا جا چکا ہے،اور ان کی پارٹی کئی حصوں میں تقسیم کی جا چکی ہے۔الطاف حسین کو لیڈر بنانے والے کون تھے سبھی جانتے ہیں اور انہیں کس کو لانے کے لیے غدار وطن قرار دیا گیا تھا۔بے نظیر جیسی زیرک سیاستدان کو تیسری بار وزیر اعظم بننے سے پہلے کس نے اور کیوں قتل کروایا،یہ بھی ایک بھید ہے جو آج نہیں تو کل ضرور کھلے گا۔اور زرداری کو صدر کیوں اور کس نے بنایا؟مشرف کو ایوان صدر سے باعزت طریق پر بینڈ باجے کے ساتھ کس نے رخصت کیا۔یہ سوال بھی گردش کرتا رہے گا۔اور مشرف جنہیں یعنی نواز شریف اور بے نظیر کو پاکستان کے لیے رسک قرار دیتے تھے،انہیں کس کے اشارہ پر واپس لا کر انہیں محبّ وطن ثابت کیا۔اور چیف جسٹس چوہدری افتخار نے کس کے اشارے پر وکلا تحریک چلا کر مشرف کو گھر بھیجا تھا؟

سقوط ڈھاکا کا ذمہ دار کون ہے؟جب سقوط ڈھاکہ ہوا اس وقت ایک جرنیل پاکستان کے سیاہ و سفید کا مالک تھا،جی وہی جنرل یحییٰ جسے جنرل اختر ملک کی جگہ چھمب سیکٹر میں بھیج کر فتح ہوتے ہوئے کشمیر کو ذلت میں بدلنے کے لیے جنرل ایوب خان نے بھیجا تھا۔حمود الرحمان رپورٹ اور ''میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا'' صدیق سالک کی کتاب میں اور دوسرے بہت سے ذمہ دار لکھاریوں نے ثابت کیا ہے کہ اس بدترین شکست کا باعث جرنیلی ٹولہ تھا۔۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو جب جنرل یحییٰ خان حکومت نے عام انتخابات کا انعقاد کیا تھا۔شیخ مجیب الرحمان کی پارٹی عوامی لیگ نے ۱۶۰ قومی اسمبلی کی سیٹیں حاصل کیں اور ذوالفقار علی بھٹو کی پارٹی پاکستان پیپلز پارٹی نے محض ۸۱ نشستیں جیتیں تھیں۔۔شیخ مجیب الرحمان نے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا جس پر جنرل یحییٰ خان نے اجلاس بلانے سے گریز کیوں کیا تھا؟یہ وہ سوال ہے جس کا جواب اب تک نہیں دیا

گیا ہے۔ تاریخ عدلیہ اور لیڈروں کے غلط فیصلوں اور اچھے فیصلوں کو بھی اپنے سینے میں مستقبل میں پیدا ہونے والی نسلوں کے مستفید ہونے کے لیے محفوظ رکھتی ہے۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ہماری قوم نے اپنی سیاہ ترین تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا، ہماری قوم کے لچھن قطعاً قابل تعریف نہیں ہیں۔ کاش سیاستدان، جرنیل اور دانشور سر جوڑ کر بیٹھیں اور وہ غلطیاں تلاش کریں اور ان کی اصلاح کی طرف دل و جان سے متوجہ ہوں جن کی وجہ سے ذلت اور مسکنت نے وطن عزیز میں مستقل ڈیرا ڈال رکھا ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ہماری واپسی ناممکن ہے، صرف مخلصی کی ضرورت ہے۔ قوانین صرف بنا دینا کوئی وقعت نہیں رکھتا عمل درآمد ہی اصل کام ہے۔ پاکستان میں ہر طرح کے قوانین موجود ہیں مگر عمل درآمد صفر کے قریب ہے۔ ارباب اختیار سیاسی، مذہبی اور لسانی لڑائیوں کو چھوڑ کر انسانیت کی بھلائی کے لیے دل و جان سے کام کریں۔ مذہبی اور لسانی کارڈ کھیلنا اچھائی تو نہیں لا سکتا، ہاں ملک کو مزید ٹکڑوں میں اللہ نہ کرے تقسیم کر سکتا ہے۔ مذہبی نفرت پھیلانے میں مولوی، جرنیل اور سیاستدان سرفہرست ہیں۔ اس کا ایک ہی حل ہے کہ آئین کو ایسا بنایا جائے کہ مذہب کو ریاستی امور سے الگ کر دیا جائے، تمام شہری بلا امتیاز مذہب، عقیدہ، رنگ، نسل، برادری برابر ہوں۔ مذہب، شخصیات، عدلیہ، پارلیمنٹ اور آرمی کی توہینوں کے قوانین کو بہتر ہے ختم ہی کر دیا جائے۔ توہین رسالت اور توہین قرآن کے نام پر مظالم کا سلسلہ تبھی رکے گا جب غلط الزام لگانے والے کو نشان عبرت بنایا جائے۔ نام نہاد مولوی کی بدمعاشیاں توہینوں کے قوانین کی بدولت بڑھ رہی ہیں۔ یہ قوانین ختم ہو جائیں تو ان کی بدمعاشیاں دم توڑ دیں گی۔

معزز قارئین! اللہ غفور الرحیم ہماری قوم کو عقل سلیم عطا فرمائے اور اسے وہ راستہ دکھائے جس پر چل کر دین و دنیا کی حسنات حاصل کر سکے۔ آمین۔

درد مندوں سے یہ کہہ دو کہ با آئین نیاز
دل کو ذوق کرم یار سے بیگانہ کریں
اپنی ہستی کی فقط اتنی ہے روداد آثر
جیسے منسوب حقیقت سے اک افسانہ کریں

☆☆☆

ایک ماں! بچوں کے سامنے لُٹ گئی!!

ویسے تو روزانہ ہی ایسے واقعات کی اخبارات میں بھر مار ہوتی ہے جو بے حد ذہنی اذیت پہنچانے والے اور غلیظ ترین معاشرے کے عکاس ہوتے ہیں مگر موٹروے پر ایک خاتون جو دو بچوں کی ماں تھی سے اجتمائی زیادتی نے بے حد صدمہ سے ہی دوچار نہیں کیا بلکہ سارے نظام سے نفرت بھی پیدا کر دی۔ایسا لگ رہا ہے جیسے وطن عزیز میں درندے گھروں،محلوں،شہروں، صوبوں، مسجدوں اسکولوں، مدرسوں، کالجوں،سبھی اداروں میں باعصمت خواتین، معصوم کم سن لڑکے،لڑکیوں کو چیرنے پھاڑنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔اور شہریوں کی حفاظت کرنے والے نام نہاد محافظ بھی شکاری کتوں سے کم نہیں ، یہ شکاری کتے خود بھی درندگی کا مظاہرہ کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں اس لیے یہ درندوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ یہ درندوں کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ان سے بھی زیادہ ذلیل ترین درندے وہ عدالتی اہل کار ہیں جو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بھی پیسے لیتے ہیں اور عدالتی نظام اور انصاف مہیا کرنے والے جج صاحبان کے کام،اوقات اور فیصلوں کے متعلق سبھی جانتے ہیں ۔عدالتی اہل کاروں کی درندگی کے متعلق منصور آفاق صاحب کہتے ہیں کہ یہ شاید پچھلے برس کی بات ہے میں ایک آئی جی کے دفتر میں گیا جہاں ایس ایچ اوز کے ساتھ ان کی میٹنگ اسی وقت ختم ہوئی تھی، ابھی وہ میٹنگ روم میں موجود تھے، آئی جی صاحب چونکہ میرے دوست تھے انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔آؤ آؤ، روز قانون کی علمبرداری قائم کرنے کے مشورے دیتے ہو، کرپشن ختم کرنے کے طریقے بتاتے ہو۔

ان پولیس افسران کے اس سوال کا جواب تو دو۔سوال یہ تھا کہ ''تھانے سے جب کوئی مقدمہ عدالت جاتا ہے تو عدالت کے اہلکار اس وقت تک کیس نہیں لیتے جب تک ایک کیس کے ساتھ کم ازکم پانچ ہزار روپے نہ دیئے جائیں۔ایک تھانے سے اگر ایک مہینے میں صرف ایک سو کیس بھی عدالت میں جائیں تو اس تھانے کو پانچ لاکھ روپے رشوت دینا پڑتی ہے، یہ پانچ لاکھ کہاں سے آئیں گے۔عدالتی اہلکاروں کو رشوت لینے سے کیسے روکیں۔سوال اتنا خوفناک تھا کہ میں اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔''

ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ معاشرہ جسے پاکستانی اسلامی معاشرہ کہا جاتا ہے کیونکر اس نہج پر پہنچ گیا ہے کہ وہ

حیااور شرافت کی تمام حدوں کو عبور کر گیا ہے۔ کہیں تو ضرور غلطی ہوئی ہے۔ ذرا سوچیئے تو سہی کبھی اس معاشرہ میں گاؤں کی بیٹی سب گاؤں والوں کی بھی بیٹی اور عزت ہوتی تھی ،اسی طرح شہروں میں محلّہ کی بیٹی بھی سبھی محلّہ داروں کی بھی بیٹی اور عزت ہوتی تھی اور اچھی بات یہ تھی کہ سبھی ایسا بلا تفریق مذہب وملت، عقیدہ کرتے تھے۔ اور آج حالت یہ ہے کہ ایک عینی گواہ سارا واقع دیکھتا ہے اور سامنے آ کر قوم کی بیٹی کو بچانے کی کوشش تک نہیں کرتا۔ ویڈیو بناتا ہے بچوں سے زیادتی کرنے والوں میں مولوی، استاد، پڑوسی اور رشتے دار ہی زیادہ تر ہوتے ہیں۔

ایک طرف وطن عزیز کو پاک کرنے کے لیے خواجہ سراؤں اور اقلیتوں کو قتل کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف یہ وطن عزیز کو اسلامی اور پاکیزگی کی چادر پہنانے والے خواتین اور بچوں ہی سے زیادتی کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ جانوروں تک کو نہیں چھوڑتے۔ علاوہ ازیں اپنے والدین کی جان لینے جیسی رزیل حرکت بھی کرتے ہیں۔ گزشتہ چند دنوں میں دو باپوں اور دو ماؤں کو قتل کر دیا گیا ان میں اپنی ماں کو اپنے آشنا سے مل کر قتل کرنے والی اس کی اپنی بیٹی بھی تھی۔ اور ایک یہ خبر بھی تھی کہ سگے بیٹے نے اپنی والدہ کو سرعام نیچے گرا کر تھپڑ مارے۔ گزشتہ دس برس میں ساٹھ سے زیادہ باپ اپنے بچوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں اور ۶۵ خواجہ سرا قتل کیے گئے ہیں۔

بے حسی کی انتہا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے ہر درندگی کے واقع کے بعد تب جاگتے ہیں جب کسی مظلوم کی چیخیں مردہ سول سوسائٹی کو جگاتی ہیں اور سول سوسائٹی نیند میں خلل واقع ہونے پر احتجاج کرتی دکھائی دیتی ہے جس پر چند روز کے لیے قانون نافذ کرنے والے ادارے متحرک ہو جاتے ہیں اور مظلوم کی تسلی کے لیے اور سول سوسائٹی کو مطمئن کرنے کے لیے مجرم پکڑ بھی لیے جاتے ہیں اور پھر سب بھول جاتے ہیں اور میٹھی نیند کے مزے لیتے ہیں۔

موٹر وے پر ہونے والے اجتماعی زیادتی کے واقع میں ملوث مجرم ستائیس سالہ عابد اشتہاری مجرم ہے ،۲۰۱۸ء میں اس درندے نے ایک ڈکیتی کے دوران ماں اور اس کی بیٹی کے ساتھ جنسی زیادتی کی تھی اور یہ درندہ قانون نافذ کرنے والوں کی غفلت کے باعث آزاد گھوم رہا تھا اور اب ۷۲ گھنٹوں میں پولیس اس کے گھر تک پہنچ گئی ہے۔ اور جب کبھی پولیس مجرم کو عدالت کے دروازے پر رشوت دے کر منصفوں کے حوالے کر دیتی ہے تو منصفوں کی ڈرامے بازیاں اور ہڈ حرامیاں شروع ہو جاتی ہیں، اور عدالتوں میں ضمیر بکتے ہیں، وکیل بکتے

ہیں، گواہ بکتے ہیں اور منصف بھی بکتے ہیں۔ یہ سب ایسا ہی ہوتا ہے جیسے نائیکہ کے کوٹھے پر دلال بھاؤ تاؤ کرتے ہیں۔ اور مظلوم اس بھاؤ تاؤ کے بوجھ تلے کراہتے کراہتے مرجاتا ہے یا نیم مردہ جیتا رہتا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ بدھ کی رات کو دو بچوں کے سامنے ان کی والدہ کی اجتماعی عصمت دری کے واقع کے نفسیاتی اثرات کس طرح کے بھیانک نتائج پیدا کرتے ہیں۔ بچوں کی ساری زندگی متاثر ہوجاتی ہے ان کے ذہن ساری عمر اس واقع کی وجہ سے ڈسٹرب رہتے ہیں، عملی زندگی بھی انتشار کا شکار رہتی ہے۔ احساس کمتری اور معصوم ہونے کے باوجود شرمندگی کا احساس رہتا ہے، بدقسمتی سے پاکستانی معاشرہ اس قابل قطعاً نہیں ہے کہ ان معصوموں کو زندہ دلی سے گلے لگا کر ان کو ان کی سوچ بہتر کرنے میں مددگار ثابت ہوسکے۔ اور خواتین تو گویا رشتہ داروں اور معاشرہ کے لیے کوئی اور ہی مخلوق بن جاتی ہیں، جنسی زیادتی کا نشانہ بننے والی خواتین سو فیصد معصوم اور بے گناہ ہونے کے باوجود رشتہ داروں اور معاشرے سے نظر چرانے پر خود کو مجبور پاتی ہیں۔

کاش خواتین اور بچوں سے زیادتی کرنے والے مجرموں کو بلا تاخیر عبرت ناک سزا دے دی جائے تاکہ خواتین اور بچوں کو ان درندوں سے محفوظ رکھا جاسکے۔ اور اہم بات یہ ہے کہ ہر بچے کو اسکول بھیجنے کا بندوبست کیا جائے، اور ابتدا سے ہی بچوں کو اعلیٰ اخلاق کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔ اسی طرح والدین اپنے بچوں کو ان کے بچپن ہی میں خواتین کا احترام کرنا سکھائیں۔

معزز قارئین! یہ نہایت بدقسمتی کی بات ہے کہ اس وقت جس جگہ وطن عزیز کھڑا ہے وہ نہایت خوفناک مقام ہے، اور اس خوفناک مقام تک لانے والے سیاسی، مذہبی، فوجی لیڈران اور انصاف فراہم کرنے کے ذمہ دار بے ایمان و بے ضمیر منصف ہیں اور وہ اشرافیہ بھی ذمہ دار ہے جو ان بے ضمیروں سے فوائد تو حاصل کرتی ہے مگر ان کے خلاف ایک قدم بھی نہیں بڑھاتی۔ اور سچ یہی ہے کہ جب تک اشرافیہ نہیں جاگے گی اور ان بے ضمیروں سے ناطہ نہیں توڑے گی، خواتین اور بچوں کی عصمتیں لٹتی رہیں گی۔ اللہ رحم فرمائے۔ آمین

☆☆☆

پاکستان پہ کیا گزری؟

پاکستان بن جانے پر مسلمانوں کی اکثریت نے ہندوستان ہی میں رہنے کو ترجیح دی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کھل کر پاکستان بننے کی مخالفت کی تھی اور پاکستان بن جانے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو ہندوستان ہی میں رہنے کی تحریک کی اور پاکستان بن جانے کے دس برس بعد پاکستان کی مذہبی، سیاسی، معاشی اور آئینی کارکردگی کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد نے اور مسلمانوں کے ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

''ہندوستان نے اپنی آزادی حاصل کر لی، مگر اپنی وحدت کھودی۔ ایک نئی ریاست پاکستان کے نام سے وجود میں لائی گئی۔ پاکستان مسلم لیگ کی تخلیق تھا لیگ میں مشکل ہی سے کوئی ایسا رکن رہا ہوگا جس نے ملک کی آزادی کے لئے جنگ لڑی ہو۔ نا تو انھوں نے کوئی ایثار کیا تھا، نہ ہی وہ کسی جدوجہد کی ڈسپلن سے گزرے تھے۔ ان میں یا تو ریٹائرڈ حکام تھے، یا ایسے افراد جو انگریزوں کی سرپرستی کے تحت عوامی زندگی میں لائے گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب نئی ریاست کی تشکیل ہوئی تو اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جو خدمت یا قربانی کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھتے تھے۔ نئی ریاست کے بہت سے حکمران خودغرض لوگ تھے۔ وہ صرف ذاتی مفاد کی خاطر عوامی زندگی میں آئے تھے۔

دس برس گزر چکے ہیں اور ابھی حال ہی میں (وہاں) ایک آئین وضع کیا جاسکا ہے۔ حدتو یہ ہے کہ یہ شکل بھی آخری نہیں لگتی۔ کیونکہ جب دیکھو آئین میں مزید تبدیلیوں کی تجاویز ہوتی رہتی ہیں۔ کسی کو معلوم نہیں کہ نئے آئین کے تحت پہلے انتخابات کب کرائے جائیں گے۔

پاکستان کی تخلیق کا واحد نتیجہ برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں کی پوزیشن کو کم کرنا تھا۔ دوسری طرف ابھی تک کوئی ایسا اشارہ نہیں ملا جس سے پتہ چلتا کہ پاکستان میں ایک مستحکم اور مستعد حکومت قائم کی جاسکتی ہے۔ اگر اس سوال کو صرف مسلم فرقے کے نقط نظر سے دیکھا جائے تو کیا کوئی آج انکار کرسکتا ہے کہ ان کے لیے پاکستان ایک بہت افسوسناک اور نامبارک قدم رہا ہے؟ واقع تو یہ ہے کہ میں جتنا سوچتا جاتا ہوں، اتنا ہی قائل ہوتا جاتا ہوں کہ پاکستان نے کوئی مسئلہ حل نہیں کیا۔'' (آزادی ہند از مولانا ابوالکلام آزاد)

اگر آج پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے ۲۷ برس بعد مولانا ابوالکلام آزاد زندہ ہو کر واپس آجائیں تو نہ جانے کیا کیا کچھ کہہ دیتے۔ ان کے نظریہ کو شاید یہ بات مزید تقویت دیتی کہ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا ایک بازو کٹ گیا تھا اور متفقہ آئین ۱۹۷۳ء میں تشکیل پاسکا اور اس آئین کی روح پر بھٹو اور ضیاء الحق نے تازیانے برسا کر لہولہان کر دیا تھا۔ آیئے پاکستان کی مختصر تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے اور لیاقت علی خان وزیراعظم بن گئے۔ قائداعظم نے گورنر جنرل بنتے ہی مسلم لیگ کی صدارت چھوڑ دی اور اپنی کابینہ میں اقلیتی وزراء کو شامل کیا۔ قائداعظم نے مہاجروں کی آبادکاری جیسا بڑا کام جی جان سے کیا اور پاکستان کی رگوں میں توانا لہو شامل کرنے کی جستجو میں شدید علیل ہو گئے، انہیں زیارت سے کراچی لے جایا گیا، ائرپورٹ سے گھر جاتے ہوئے راستے میں ایمبولینس خراب ہو گئی، ایک گھنٹہ دوسری ایمبولینس کے انتظار نے ان کی صحت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اسی دن یعنی ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم محمد علی جناح اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ اناللہ وان الیہ راجعون۔

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل بن گئے اور لیاقت علی خان وزیر اعظم کے عہدہ پر قائم رہے مگر وہ ایک اصول جسے قائداعظم نے مقرر کیا تھا اس کو ختم کر دیا اور وہ اصول تھا کہ پاکستان کے گورنر جنرل یا وزیراعظم سیاسی جماعت کا کوئی عہدہ اپنے پاس نہیں رکھے گا۔ لیاقت علی خان نے قائد اعظم کی وفات کے بعد مسلم لیگ کی صدارت بھی حاصل کر لی۔ قائداعظم کی وفات کے بعد فوراً ہی آپ کے افکار و نظریات کو دفن کر کے قرارداد مقاصد نامی اسلامی سنہری چادر پاکستان کو اوڑھا دی گئی تھی۔ قرارداد مقاصد نامی دستاویز کا خمیازہ آج تک قوم بھگت رہی ہے۔ اس قرارداد مقاصد کی اقلیتوں اور مشرقی پاکستان کے لوگوں نے شدید مخالفت کی۔ پاکستان کے پہلے وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل جنہیں قائداعظم نے یہ عہدہ دیا تھا، انہوں نے قرارداد مقاصد کے متعلق کہا تھا کہ "یہ ایسی دستاویز ہے جس کی وجہ سے پاکستان مذہبی بنیاد پرست اور فرقہ واریت کی راہ پر چل نکلے گا۔" اور ان کا یہ تجزیہ درست ثابت ہوا۔ پاکستانی لیڈروں کی روش دیکھ کر جوگندر ناتھ منڈل مایوس ہو گئے اور انہوں پاکستان چھوڑ دیا۔ اور رواداری جیسا حسین پھول وطن عزیز میں مرجھا تا

چلا گیا۔قرارداد مقاصد شبیر احمد عثمانی نے پیش کی تھی ،قرارداد کی منظوری کے بعد بہت سے ارکان پارلیمنٹ نے تحفظات کا اظہار کیا تھا ،چودھری ظفر اللہ خان نے جب ان تحفظات کا ذکر ارباب اختیار سے کیا تو انہیں یقین دلایا گیا کہ اقلیتوں کے تحفظات کو جلد دور کر دیا جائے گا مگر کچھ بھی نہ کیا گیا۔اس قرارداد مقاصد نے پاکستان کو ''ناپاکستان'' اور پاکستان کی حکومت کو'' کافرانہ حکومت'' کہنے والے اور جہاد کشمیر کو''حرام'' قرار دینے والے مولانا مودودی صاحب اور دیگر پاکستان مخالف مولویوں کو سیاسی میدان میں پیر پسارنے کا موقع فراہم کر دیا۔ قرارداد مقاصد کو ریڈیو پاکستان پر پڑھ کر مولانا مودودی صاحب بھی جماعت اسلامی کے منشور کے خلاف اقتدار کے خواب دیکھنے لگے۔

پاکستان کا آئین بنانے پر رتی بھر بھی توجہ مرکوز نہ کی گئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ پاکستان کے کرتا دھرتاؤں کو آئین بننے کے بعد انتخابات کروانے پڑتے اور ان نوابوں ،ممدوٹوں ،مخدوموں ،اور وڈیروں وغیرہ کو یقین تھا کہ وہ انتخابات کے عمل سے جیت نہیں سکتے۔وفاق نے صوبوں کے گلے میں رسی باندھ کر انہیں محکوم بنایا گیا۔وزراء اعلیٰ کو بار بار تبدیل کیا جاتا رہا۔۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو لیاقت علی خان کو راولپنڈی میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا تو خواجہ ناظم الدین نے وزیر اعظم کا عہدہ حاصل کر لیا۔اور غلام محمد گورنر جنرل بن گئے۔۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو غلام محمد نے خواجہ ناظالدین کو برطرف کر کے محمد علی بوگرہ کو وزیر اعظم بنا دیا۔۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو غلام محمد دستور ساز اسمبلی کو برطرف کر دیا اور جسٹس کیانی نے اس اقدام کو نظریہ ضرورت کے تحت درست قرار دے کر نظریہ ضرورت کی اصطلاح متعارف کروا دی۔ ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء کو محمد علی بوگرہ گھر بھیج دیے گئے اور چوہدری محمد علی وزراعظم بن گئے۔چوہدری محمد علی ۱۳ ماہ تک وزیر اعظم رہے ان کی حکومت کے دوران غلام محمد کا استعفیٰ اور ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو پہلے آئین کی تشکیل ہوئی۔اس آئین کے تحت چوہدری محمد علی نے وزیر اعظم اور میجر جنرل اسکندر مرزا نے صدر پاکستان کا حلف اٹھایا۔چوہدری محمد علی کے استعفیٰ کے بعد حسین شہید سہروردی وزیر اعظم بن گئے۔اکتوبر ۱۹۵۷ء کو حسین شہید سہروردی مستعفی ہو گئے۔اور اسماعیل چندریگر ۵۹ دن کے لیے وزیر اعظم بن گئے۔اور اگلے ایک برس کے لیے فیروز خان نون وزیر اعظم بن گئے۔مسلم لیگ اور دیگر دس سیاسی جماعتوں کی حکومت ۱۱ برس تک رہی۔۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو بننے والے آئین کو ۱۹۵۸ء میں اسکندر مرزا نے منسوخ

کر دیا۔ مسلم لیگ و دیگر سیاسی جماعتوں کی حکومت کا خاتمہ ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو اسکندر مرزا نے مارشل لاء لگا کر کیا تھا۔اس نے ایوب خان کو چیف مارشل لاء ایڈ منسٹر مقرر کیا۔اور ایوب خان نے اسی دن اسکندر مرزا کو استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا۔ سیاسی جماعتوں کی گیارہ برس کی کارکردگی نہایت مایوس کن رہی۔ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ نے عوام کا جینا حرام کیے رکھا تھا۔اسلام اور سیکولر نظریات رکھنے والے تمام حکمران یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ نظام حکومت کیسے چلایا جائے۔ ہاں ان کا ایک کارنامہ ایسا تھا جس کے نتائج قوم آج تک بھگت رہی ہے وہ تھا ان مولویوں کو عزت دینا جنہوں نے پاکستان بننے کی پرزور مخالفت کی تھی۔ ۱۹۵۳ء کے فسادات نے وطن عزیز کو مکمل طور پر سیدھے راستے سے پر خار ٹیڑھے میڑھے راستوں پر ڈال دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ایوب خان کا دور سنہری دور تھا۔ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ بات غلط بھی نہیں لگتی ۱۹۶۲ء میں ایوب خان نے نیا آئین منظور کروایا اور پھر اس آئین سے خطرے کی بو سونگھ کر عام انتخابات سے پہلے صدارتی الیکشن کروانے کی شق آئین میں ڈلوائی حالانکہ صدر کا انتخاب منتخب پارلیمنٹ نے کرنا ہوتا ہے۔ بہر حال پہلے صدارتی انتخاب کا اعلان کر دیا گیا،ایوب کے مقابلہ کے لیے مولانا بھاشانی،مولانا مودودی اور جنرل اعظم و دیگر کے نام بھی موجود تھے مگر ان سب میں سب سے اہم امیدوار مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح تھیں۔ ایوب خان نے صدر بننے کی خواہش کے نام پر جس طرح کا محترمہ سے سلوک کیا وہ تاریخ کا حصہ ہے،شاید اقتدار کی جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔ایوب خان کی محترمہ فاطمہ جناح سے مخاصمت کی وجہ سامنے آتی ہے مگر مولانا بھاشانی اور مولانا مودودی اور دیگر مخالفین کا محترمہ کا الیکشن لڑنے کو غیر اسلامی قرار دینے کی سمجھ نہیں آتی۔ ان مولانا حضرات نے جس طرح قائداعظم اور پاکستان کی مخالفت میں ایڑھی چوٹی کا زور لگایا تھا وہ اس روش کو انہوں محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف بھی جاری رکھا۔ بہر حال ایوب خان ۴۹۶۴۷ ووٹ لے کر صدر بن گئے۔ محترمہ فاطمہ جناح کو ۲۸۳۴۵ ووٹ ملے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ بھی اہم واقع تھا،ایک وقت اس جنگ کے دوران ایسا بھی آیا کہ کشمیر فتح ہو جاتا مگر جنرل ایوب نے عین وقت پر جبکہ شیر پاکستان جنرل اختر ملک اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقبوضہ کشمیر میں داخل ہونے کے لیے پر تول رہے تھے،انہیں واپس بلا کر نالائق یحیٰی خان کو بھیج دیا اور پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

۱۹۶۹ء میں پاکستان کے گلی کوچے ایوب مردہ باد، ایوب کتا ہائے ہائے کے نعرے گونجنے لگے اور دوسری طرف بھٹو آ گیا میدان میں اور ہے جمالو گاتے ہوئے بھنگڑے ڈال رہے تھے۔ اور ایوب دور کا خاتمہ ہو گیا۔ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو جنرل یحیٰ خان ۱۹۶۲ء کے آئین کو منسوخ کر کے اور مارشل لاء نافذ کر کے پاکستان کے کرتا دھرتا بن گئے۔ ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو یحیٰ حکومت نے عام انتخابات کا انعقاد کیا۔ شیخ مجیب الرحمان کی پارٹی عوامی لیگ نے ۱۶۰ قومی اسمبلی کی سیٹیں حاصل کیں اور ذوالفقار علی بھٹو کی پارٹی پاکستان پیپلز پارٹی نے ۸۱ نشستیں جیتیں۔۔ شیخ مجیب الرحمان نے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا جس پر جنرل یحیٰ خان نے اجلاس بلانے سے گریز کیا ادھر مشرقی پاکستان میں گوریلا حملے شروع ہو گئے ان گوریلوں کو انڈیا تربیت دے رہا تھا، جنرل ٹکا خان کو ان کی ٹھکائی کے لیے بھیجا گیا، نفرت مزید بڑھی، اور ہندوستان سے جنگ شروع ہو گئی اور بنگلا دیش بن گیا۔ اور پاکستان کا وہ بازو ٹوٹ گیا جہاں پاکستان بنانے والی جماعت مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی تھی، نوے ہزار پاکستانی فوجی بھارتی جنرل رسیوں کے ساتھ باندھ کر لے گیا۔ تین برس بعد بھٹو کے دور حکومت میں ان جنگی قیدیوں کو بھارت سے ایسی پتلونیں پہنا کر پاکستان میں دھکیل دیا گیا جن پر x لکھا گیا تھا۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو سقوط ڈھاکا، تاریخ اسلام میں اپنی نوعیت کا اس لحاظ سے انوکھا واقع تھا کہ پاکستانی فوج نے ایک ایسے جنرل (مانک شا) کی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالے جو ایرانی النسل پارسی تھا۔ پاکستانی فوج کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے تین لاکھ بنگالی خواتین کا ریپ کیا تھا۔ حمود الرحمان رپورٹ میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

بنگلا دیش بن جانے کے چار روز بعد مغربی پاکستان، پاکستان بن گیا اور یحیٰ خان نے اس کی باگ ڈور بھٹو کے حوالے کر دی۔ بھٹو ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو صدر مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹر بن گئے، اور بھٹو اپنی دانست میں پاکستان کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے۔ بھٹو نے ۱۹۷۳ء میں آئین پاکستان بنوایا اور جو قرارداد مقاصد ۶۲ء کے آئین میں موجود تھی اسے بھی اس آئین کی کتاب میں جگہ دی۔ نیا آئین ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو نافذ کیا گیا، آئین کے مطابق بھٹو وزیر اعظم بن گئے اور فضل الٰہی چوہدری صدر مملکت بن گئے۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء بھٹو حکومت نے مولویوں کو خوش کرنے اور اگلے انتخابات بھاری اکثریت سے جیتنے کے خیال سے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر تاریخ اسلامی میں ایک نئی مثال پیدا کر دی۔ مولوی حضرات سوائے اس غیر اسلامی کام کے بھٹو

کے تمام اقدامات کو برا قرار دیتے ہیں۔مولوی حضرات بھٹو کو بے دین کہتے تھے۔عام انتخابات سے پہلے ۹ مذہبی سیاسی جماعتوں نے اتحاد کر لیا جسے پاکستان قومی اتحاد کا نام دیا گیا، بھٹو حکومت نے مارچ ۱۹۷۷ء میں عام انتخابات کروائے۔نام نہاد نوستارے بری طرح الیکشن ہار گئے۔بھٹو کی پارٹی نے قومی اسمبلی کی ۱۵۶ نشستیں جیت لیں اور قومی اتحاد کو ۳۶ نشستیں ملیں، نوستاروں نے اس بدترین شکست کو دھاندلی کا شاخسانہ قرار دے کر دوبارہ الیکشن کا مطالبہ کر دیا۔ جب نوستاروں کو ان کے مطالبہ کا پورا ہونا دور دور تک دکھائی نہ دیا تو انہوں نے ملک میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے ملک گیر تحریک کا آغاز کر دیا۔ مذہبی سیاسی لیڈروں سے بھٹو نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مذاکرات شروع کر دیے۔اس سے پہلے کہ کسی سمجھوتے پر مذاکرات پہنچتے، ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کو گرفتار کر کے اسمبلیاں توڑ دیں اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔اور پاکستان کی سیاہ بختی کا آغاز ہوا۔جس طرح بھٹو نے قوم کو روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر بے وقوف بنایا تھا اسی طرح بدترین آمر ضیاء الحق نے اسلام کا نعرہ لگا کر مولویوں اور بدمعاشوں کو قوم کے سر پر بٹھا کر بداخلاقی کی ایک نئی قسم ایجاد کر دی۔مگر اسلام تو قوم کو نہ ملا مگر ہیروئن، کلاشنکوف، فرقہ واریت اور عسکری ٹریننگ سنٹروں نے پاکستانی عوام کو زندہ لاشوں میں تبدیل کر دیا ایسی قوم بنا دیا جس میں سوچنے سمجھنے کی کوئی صلاحیت باقی نہ بچی ہو۔اپنے اقتدار کو مظبوط کرنے کے لیے ڈکٹیٹر نے بھٹو کو قتل کے کیس میں پھانسی دے دی۔ڈکٹیٹر نے افغانستان کی جنگ میں امریکا سے رقم لے کر امریکی ہتھیاروں سے روس سے جنگ کی۔اس جنگ کی وجہ سے لاکھوں پاکستانی مر چکے ہیں اور نجانے کتنے اور مریں گے۔ڈکٹیٹر نے ۱۹۸۴ء میں ریفرنڈم کروایا اور اسلام کا دوسرا نام ضیاء ہو گیا۔اسلام کے حق میں ووٹ ڈالنا ضیاء کو صدر یعنی اسلام تسلیم کرنا تھا۔ریفرنڈم کے ووٹ کا متین درج ذیل تھا:۔

''کیا آپ اسلام چاہتے ہیں؟۔۔۔اگر آپ اسلام چاہتے ہیں تو آئندہ ۵ سال کے لیے ضیاء الحق صدر ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔۔۔نہیں۔''

مجید نظامی صاحب نے ضیاء الحق کے دور حکومت کے متعلق کہا تھا:۔

''وہ (ضیاء الحق) اسلام کے نام پر ''اقتدار'' پر قابض ہوئے تھے۔اسلام تو نافذ نہ ہو سکا البتہ سرکاری افسروں نے اپنے دفاتر میں مصلے بچھائے اور بغیر وضو کے نمازیں ٹکائیں۔''

اور جناب مولانا مفتی محمود صاحب نے کہا تھا کہ:۔

''جنرل فضل حق میرے ملنے والے ہیں۔کہنے لگے کہ جنرل صاحب (ضیاء الحق) آپ کے گھر آنا چاہتے ہیں۔میں نے جواب دیا میں جنرل ضیاء الحق سے نہیں ملنا چاہتا۔انھوں نے مجھ سے ہی نہیں پوری قوم سے وعدہ خلافی کی ہے۔فضل حق کہنے لگے کہ دیکھیے مولانا صاحب، جنرل صاحب اسلام اور اسلامی نظام کی بات تو کرتے ہیں۔وہ پانچ وقت کے نمازی ہیں اور روزہ بھی رکھتے ہیں۔جبکہ پہلے حکمران اسلام کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے۔میں نے کہا ہاں یہ درست ہے کہ جنرل ضیاء الحق نماز پڑھتے ہیں۔لیکن صورت حال یہ ہے کہ ساری قوم کو گٹر میں پھینک دیا ہے اور ڈھکنا بند کر کے اس پر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی ہے۔آپ درست کہتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق نماز پڑھتے ہیں لیکن یہ ہے جنرل ضیاء الحق کی نماز کہ اس نے قوم کو دھوکا دیا ہے۔'' (بحوالہ۔درویش سیاست دان از سعید انور قدوائی صفحہ ۴۰)

معزز قارئین! جنرل ضیاء الحق نے گیارہ برس تک اپنے ذاتی اسلام کو پاکستان کے سینے پر اتنا رگڑا تھا کہ وہ زخمی ہو گیا تھا، اور بعد میں ناسوروں میں تبدیل ہو گیا ہے، انہیں ناسوروں سے تمام اخلاقی اور معاشرتی تعفن زدہ برائیاں ٹپک رہی ہیں اور فرقہ واریت کا رسنے والا زہر انسانوں کو ہلاک کر رہا ہے۔

۲۶ مئی 1984ء کو جنرل ضیاء کے آرڈیننس کے بعد پاکستان میں احمدیوں کو خود کو مسلمان کہلانے یا کسی بھی ایسی چیز کے استعمال سے روک دیا گیا جس سے وہ مسلمان ظاہر ہوں۔یعنی شعائر اسلام اختیار کرنے پر تین برس قید یا توہین مذہب کے الزام میں موت کی سزا دی جا سکے گی۔یہ سیاہ بختی بھی جنرل صاحب کے حصے میں آئی تھی کہ فرقہ واریت بڑھ گئی۔

جنرل ضیاء الحق نے ۱۹۸۱ء میں ملک میں نام نہاد علماء پر مشتمل مجلس شوریٰ بنا کر جگ ہنسی کروائی۔ ۱۹۸۵ء میں آمر نے غیر جماعتی الیکشن کروائے جس کی کوکھ سے محمد خان جونیجو وزیر اعظم کی صورت میں برآمد ہوئے۔محمد خان جونیجو جیسے شریف آدمی نے جرنیلوں سمیت افسر شاہی کو رگڑا لگانے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے جنرل صاحب نے ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو انہیں فارغ کر دیا۔شاید اس شریف جونیجو کی آہیں جنرل صاحب کو مٹی کا ڈھیر بنانے کو بے تاب تھیں، جونیجو کی برطرفی کے تین ماہ بعد یعنی ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو یہ بدنام آمر

طیارہ حادثے میں جل کر خاک ہوگیا۔

اس آمر کی ہلاکت کے بعد غلام اسحاق صدر بن گئے۔۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کو منعقد ہونے والے انتخابات کے نتیجے میں محترمہ بے نظیر بھٹو پاکستان کی پہلی خاتون وزیر اعظم بن گئیں۔دو برس بعد ان کی حکومت کو صدر اسحاق نے کرپشن کا الزام لگا کر برطرف کر دیا۔۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں جنرل ضیاء الحق کے سیاسی فرزند نواز شریف وزیر اعظم بن گئے۔صدر غلام اسحاق اور نواز شریف کے درمیاں بدگمانی حائل ہوگئی یا چپقلش پیدا ہوگئی اور صدر نے ۱۸ اپریل کو نواز شریف کو برطرف کر دیا۔نواز شریف کو عدلیہ نے بحال کر دیا مگر فوج کی مداخلت پر نواز شریف اور صدر دونوں نے ۱۹ جولائی ۱۹۹۳ء کو اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے دیا۔

۱۹۹۳ء میں بے نظیر صاحبہ وزیر اعظم بن گئیں۔پیپلز پارٹی نے فاروق لغاری کو صدر بنوایا۔۵ نومبر ۱۹۹۶ء کو فاروق لغاری نے کرپشن کا الزام لگا کر بے نظیر صاحبہ کو برطرف کر دیا۔اور معراج خالد کو نگران وزیر اعظم مقرر کر دیا۔۱۹۹۷ء میں ہونے والے انتخابات میں دوبارہ نواز شریف وزیر اعظم بن گئے۔۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کو برطرف کر کے طیارہ کیس میں جیل بھیج دیا، بعد میں سعودیہ کے کہنے پر جلاوطن کر دیا۔اور خود چیف ایگزیکٹو بن گئے۔مشرف دور میں ظفر اللہ جمالی، شوکت عزیز اور شجاعت حسین کٹھ پتلی وزیر اعظم بنے تھے۔نو برس بعد ۲۰۰۸ء میں بے نظیر کو قتل کیے جانے کے بعد آصف زرداری صدر اور یوسف گیلانی وزیر اعظم بن گئے۔کچھ دیر پرویز اشرف بھی وزیر اعظم بنے تھے ۲۰۱۳ء کے الیکشن کے بعد نواز شریف تیسری بار وزیر اعظم بن گئے مگر تین برس بعد سزا یافتہ مجرم بنا دیے گئے اور خاقان عباسی وزیر اعظم بن گئے۔ ۲۰۱۸ء کے انتخابات کے نتیجہ میں عمران خان وزیر اعظم بنا دیے گئے، نواز شریف کو جیل سے نکال کر لندن بھیج دیا گیا۔۲۰۲۲ء میں پہلی بار پاکستانی تاریخ میں عدم اعتماد کی چھری سے منتخب وزیر اعظم کو شہید کر دیا گیا۔اور وزیر اعظم کی کرسی پر نواز شریف کے بھائی شہباز شریف بیٹھا دیے گئے۔نو مئی کے واقعات کو جواز بنا کر عمران خان اور ان کی جماعت کو سیاست سے آؤٹ کرنے کی تیاریاں عروج پر ہیں۔

☆☆☆

”کسی کے باپ کا ھندوستان تھوڑی ھے“

جو آج صاحبِ مسند ہیں ، کل نہیں ہوں گے
کرائے دار ہیں ، ذاتی مکان تھوڑی ہے
سبھی کا خون ہے شامل یہاں کی مٹی میں
کسی کے باپ کا ہندوستان تھوڑی ہے

ان سچے اور زندہ اشعار کے خالق ہندوستان کے عظیم شاعر ڈاکٹر راحت اندوری مرحوم ہیں۔راحت اندوری جو مشاعروں کو اپنی اچھوتی اور دل موہ لینے والی شاعری اور دلکش اندازِ بیان سے لوٹنے کا ہنر خوب جانتے تھے، پچاس برس تک اہل ذوق کی ادبی پیاس کو بجھاتے رہے۔10 اگست 2020ء کو راحت اندوری صاحب کا کووڈ-19 کی جانچ کی گئی اور رپورٹ مثبت آئی، نیز وہ بندش قلب کے مرض میں بھی مبتلا تھے۔مدھیہ پردیش کے اندور کے ”آربندو ہسپتال“ میں داخل کیا گیا، جہاں 11 اگست 2020ء کی شام میں ان کا انتقال ہو گیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً 70 سال تھی۔



راحت اندوری (مرحوم) اندور میں یکم جنوری، 1950ء کو ایک ٹیکسٹائل مل کے ملازم رفعت اللہ قریشی اور محترمہ مقبول النساء بیگم صاحبہ کے یہاں پیدا ہوئے۔راحت اندوری ان کی چوتھی اولاد تھے۔راحت اندوری نے ابتدائی تعلیم نوتن اسکول اندور میں حاصل کی اور اسلامیہ کریمیہ کالج اندور سے 1973ء میں اپنی بیچلر کی تعلیم مکمل کی۔اس کے بعد 1975ء میں راحت اندوری نے برکت اللہ یونیورسٹی، بھوپال سے اردو ادب میں ایم اے کیا۔1985ء میں انہوں نے مدھیہ پردیش کے مدھیہ پردیش بھوج اوپن یونیورسٹی سے اردو ادب یعنی مشاعرہ پر مقالہ لکھنے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

راحت اندوری نے ملازمت کا آغاز اندور کے ایک کالج میں اردو ادب پڑھانے سے کیا وہ

مشاعروں میں بہت ذوق وشوق سے شرکت کرتے تھے جلد ہی وہ ملک کے مایہ ناز شاعر کے طور پر مقبول ہو گئے اور اردو لٹریچر کی ممتاز شخصیات میں ان کا شمار ھونے لگا۔ ادب کے ساتھ ساتھ وہ سکول اور کالج لیول کی فٹ بال اور ہاکی ٹیم کے کیپٹن بھی رہے۔ انہوں نے شعر وشاعری کا آغاز کالج دور سے ہی شروع کر دیا تھا جب ان کی عمر صرف 19 برس تھی۔ ان کے شعروں میں تازگی اور نیا پن شروع ہی سے تھا۔ انہوں نے کئی بالی وڈ فلموں کے لیے نغمے لکھے ہیں جو مقبول اور زبان زد عام بھی ہوئے ہیں۔ انہوں نے آشیاں، سر، جنم، خوددار، مرڈر، منا بھائی ایم بی بی ایس، مشن کشمیر، میناکشی، قریب اور عشق وغیرہ فلموں کے گیت لکھے تھے۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں بے شمار اعزازات سے نوازا گیا۔ اوران کو بہت سے ادبی ایوارڈ دیے گئے۔

اردو شاعری کے حوالے سے ان کی مشہور کتب مندرجہ ذیل ہیں۔

روپ روپ، پانچواں درویش، ناراض، لمحے لمحے۔

نمونہ کلام

یہ خاک زادے جو رہتے ہیں بے زبان پڑے
اشارہ کر دیں تو سورج زمیں پہ آن پڑے

سب کو رسوا باری باری کیا کرو
ہر موسم میں فتوے جاری کیا کرو

روز وہی اک کوشش زندہ رہنے کی
مرنے کی بھی کچھ تیاری کیا کرو

میں نے دنیا سے مجھ سے دنیا نے
سیکڑوں بار بے وفائی کی

بیٹھے ہوئے ہیں قیمتی صوفوں پہ بھیڑیے
جنگل کے لوگ شہر میں آباد ہو گئے

مولانا طاهر القادری کیا کهتے هیں؟

جس درس نظامی تعلیم کو حاصل کر کے امام بنتے ہیں سے متعلق مولانا طاہر القادری لکھتے ہیں:۔

''دوسری اہم وجہ ہمارے علماء کرام کے اَذہان میں پایا جانے والا ایک غلط تصوّر ہے کہ ہمارے ہاں مدارسِ اسلامیہ کے نصاب ''درس نظامی'' میں صدیوں سے جو فلسفہ پڑھایا جا رہا ہے وہ اسلام سے ماخوذ ہے۔ یہ تصوّر ہی حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ وہ فلسفہ بنیادی طور پر اِسلامی نہیں بلکہ یونانی فلسفہ ہے۔ ہمارے بعض کم نظر علماء وہ کتابیں پڑھ کر یہ تمیز بھول گئے ہیں کہ وہ فلسفہ یونانی ہے قرآنی نہیں۔ اسی وجہ سے یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ بعض سائنسی تصورات ہمارے مذہب کے خلاف ہیں، حالانکہ حقیقت اس سے یکسر مختلف ہے اور بدیہی طور پر اسلام اور سائنس میں کسی قسم کا کوئی تضاد اور ٹکراؤ نہیں بلکہ یہ تضاد غلط سوچ اور حقائق سے لاعلمی کی پیداوار ہے۔

نظریۂ اِضافیت (Theory of Relativity) کے خالق شہرہ آفاق سائنسدان آئن سٹائن کا کہنا ہے کہ:

Science with out religion is lame and religion with out science is blind.

(ترجمہ) ''مذہب کے بغیر سائنس لنگڑی ہے اور سائنس کے بغیر مذہب اندھا ہے۔''

مولوی طاہر القادری فرماتے ہیں کہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اِسلام اپنے ماننے والوں کو مذہب اور سائنس دونوں کا نُور عطا کرتا ہے۔'' (اسلام اور جدید سائنس از مولوی طاہر القادری صفحہ ۷۰)

مولوی طاہر القادری صاحب یہ بھی لکھتے ہیں:۔

''بخشش اور مغفرت کا دارومدار کسی طبقے یا فرقے کے عنوان کی بنیاد پر نہیں بلکہ ہر شخص کے ذاتی عقیدے اور عمل صالح کے باعث خُدا کے فضل اور کرم پر ہے۔ نجات کی یہ کسوٹی نہیں کہ وہ کس فرقے میں سے ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ خُدا اور رسول کی تعلیمات کے کتنا قریب ہے۔ یہ (فرقہ پرستی) کی لعنت ہماری زندگی کے لیے زہر ہلاہل کا درجہ رکھتی ہے۔

بحمدللہ مسلمانوں کے تمام مسالک اور مکاتب فکر میں عقائد کے بارے میں کوئی بنیادی اختلاف موجود نہیں ہے۔ البتہ فروعی اختلافات صرف جزئیات اور تفصیلات کی حد تک ہیں جن کی نوعیت تعبیری اور تشریحی

ہے۔" (فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟؟ از مولوی طاہر القادری صفحہ ۳۷ اور ۳۸)

معزز قارئین! عجیب بات ہے کہ مولوی صاحب بیان فرما رہے ہیں کہ تمام مکاتب فکر میں عقائد کے بارے میں بنیادی اختلاف نہیں ہے اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر مسجدیں مسلمانوں کے خون سے کیوں رنگین ہیں ؟منبر رسول پر کھڑے ہو کر مخالفوں کو جو مسلمان کہلاتے ہیں ننگی گالیاں کیوں دی جاتی ہیں؟ اور کفر کفر کی صدائیں کیوں بلند ہوتی ہیں؟ اور مرتد مرتد کے نعرے کیوں قتل و غارت میں بدل کر مسلمان ماؤں کی گودیں اجاڑ رہے ہیں؟ بیویوں کے سہاگ اور بہنوں کے بھائی موت سے ہمکنار کیوں ہو رہے ہیں؟ اور اگر فروعی اختلافات معمولی نوعیت کے ہیں تو پھر مولوی لوگ ایک دوسرے کے پیچھے یا ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھتے ؟ اور مسلمانوں پر مخالف مکتبہ فکر کی مسجدوں میں نماز پڑھنا کیوں جُرم بن گیا ہے؟

معزز قارئین! خود ساختہ عقائد ہی نے تو مسلمان معاشرے کو خاک و خون میں نہلایا ہے، مولویوں ہی نے تو بدعقیدہ اور بدمذہب کی اصطلاحیں ایجاد کی ہیں۔ اگر کوئی مولوی کے خود ساختہ عقیدے سے اختلاف کرے، وہ بدمذہب اور بدعقیدہ قرار پاتا ہے۔ مولوی طاہر القادری کو خوف خُدا کرنا چاہیے کہہ رہے ہیں کہ فروعی اختلافات کی نوعیت تعبیری اور تشریحی ہے، حالانکہ جانتے ہیں کہ ہمارے اسلامی معاشرے کی نحوستوں کی ایک بڑی وجہ فروعی اختلافات ہیں اور یہ کبھی حل نہیں ہو سکتے کیونکہ متکبر مولوی نہیں چاہتا کہ اُس کی روٹی بند ہو اور مُلّائیت کی چادر اُس کے مکروہ بدن سے اُترے کہ اس چادر کو ڈھال بنا کر ہی تو اسے روٹی ملتی ہے۔

مولوی طاہر القادری صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

"اب کسی واعظ اور مبلغ کو منبر پر کھڑے ہو کر یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی پر اپنا مسلک اور نقطہ نظر زبردستی مسلط کرے اور اختلاف رائے رکھنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا پھرے۔"

(فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟؟ صفحہ ۴۵)

مولوی صاحب! حق ناحق کی بات کم از کم آپ نہ کریں کہ آپ بھی تو انہیں واعظین اور مبلغین کی صف میں شامل ہیں جن کا یہ وطیرہ ہے کہ جسے چاہا کافر کہہ دیا، جسے چاہا مرتد بنا دیا اور جسے چاہا بدعقیدہ اور بد مذہب بتا دیا۔ اور جسے چاہا خوارجی کتے قرار دے دیا۔

کسی فلسفی کا دانشمندانہ قول ہے کہ

''صداقت ہی انسان کا اعلیٰ ترین جوہر ہے''

اور مولوی کے ساتھ یہ مسئلہ ہے کہ وہ صداقت سے عاری ہو گیا ہے۔ شرپسند اور فرقہ پرست مولویوں نے شیطان کی غلامی اختیار کر لی ہوئی ہے۔ شیطان کے لعین ہونے کی وجہ اُس کا تکبر بنا ہے اور نام نہاد مولوی بھی تکبر کے بدبودار ٹاٹ میں لپٹے ہوئے ہیں۔

یونہی باتیں بنانے سے کیا حاصل
دِکھانے کو کوئی جائیداد تو ہو

اور مولوی طاہر القادری صاحب کی اپنی ذات کے متعلققاری محبوب رضا خان لکھتے ہیں: '' طاہر القادری اپنے مصدقہ انٹرویو میں فرماتے ہیں کہ میں کسی بھی فرقے پر تنقید نہیں کرتا یعنی حُکم الٰہی ولاتلبسو االحق بالباطل پر عمل نہیں کرتا۔ مگر اپنے اقوال پر اہل حق کی گرفت سے فرار کے لیے پروفیسر صاحب جھوٹ بولنے اور اپنے قول و فعل کے انکار میں ذرا دیر نہیں کرتے۔ امام اہل سُنّت علامہ سیّد احمد سعید کاظمی نے فرمایا تھا کہ پروفیسر طاہر القادری اب سُنّی نہیں رہا اور یہ اس قدر فتنے برپا کرے گا کہ اس کی اصلیت سب پر کھل جائے گی۔ اکابر علماء حق کا یہی اعلان ہے کہ پروفیسر بھٹکا ہوا ہے۔ کیا ان حقائق کے باوجود طاہر القادری کو صحیح العقیدہ سُنّی، حنفی اور مجتہد و مفسر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔'' (فتنہ طاہری کی حقیقت صفحہ ۳۳ از قاری محبوب رضا خان قطب مدینہ پبلشر)

☆☆☆

اے میری قوم!

تیری دھرتی پر گل ناپید ہیں اب کیونکہ
بیجِ نفرت ہی اب تجھے بونا آتا ہے
اَخلاق و شرافت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی ہو
کیا تمہیں فقط اب ہاتھ ہی دھونا آتا ہے

حسنؔ

کوروناکووڈاور پاکستانی سیاست!!!!

تلخ زیادہ اور قلیل شیریں یادیں چھوڑ کر سال ۲۰۲۰ء گزر گیا۔گزشتہ برس ساری دنیا میں کم وبیش نو کروڑ انسان کورونا کووڈ ۱۹ نامی وائرس کا شکار بنے،تقریباً بیس لاکھ افراد اپنی جان کی بازی ہار گئے ۔ساری دنیا کی معیشت کو زبردست جھٹکے لگنے کے باعث کروڑوں یا شاید اربوں انسانوں کو دو وقت کی روٹی کے لالے پڑ گئے ہیں۔ترقی پذیر ممالک میں بھوک سب سے بڑا مسئلہ بنتا جا رہا ہے اور ترقی یافتہ ممالک میں بھی بیروزگاری بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے،اور بوجوہ بیکاری،آسائشوں کی کمی نے امیر ممالک کے عوام کو نفسیاتی طور پر بیمار کر دیا ہے۔ نئے سال ۲۰۲۱ء کا آغاز بھی اتنا اچھا نہیں ہوا ہے،کورونا کووڈ ۱۹ وائرس کی دوسری لہر ساری دنیا کے انسانوں کو اپنا خوفناک چہرہ نا صرف دکھا رہی ہے بلکہ بڑی تعداد میں ان کی جانیں بھی لے رہی ہے۔اچھی خبر یہ ہے کہ اس وائرس کی ویکسین تیار کر لی گئی ہے اور ترقی یافتہ ممالک میں اس ویکسین کا بطور علاج استعمال شروع ہو گیا ہے،اللہ کرے جلد از جلد غریب ممالک بھی اس ویکسین سے مستفید ہوں۔امید کی جا رہی ہے کہ اس سال اپریل مئی تک وبا پر قابو پا لیا جائے گا،اللہ کرے کہ یہ امید بارآور ہو جائے۔اللہ تعالیٰ ساری دنیا کے انسانوں کو روحانی،جسمانی اور وبائی امراض سے نجات دے۔آمین یارب العالمین۔

سال ۲۰۲۰ء میں پاکستان کی حالت مزید بدتر ہو گئی ہے۔ جناب وزیراعظم عمران خان سے پاکستانیوں نے جو امیدیں وابستہ کی تھیں ان امیدوں کا ان کی حکمرانی کے دوسرے برس بھی خون ہو گیا۔انتخابات سے پہلے جتنے وعدے عمران خان نے کیے تھے اس کی مثال پاکستان کی مختصر تاریخ میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔اب دو برس سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد یوں لگتا ہے کہ عمران خان کے تمام وعدوں کے پیچھے چھپا ہوا مقصد صرف اور صرف وزیراعظم بن کر مذہبی جوکروں کی تابعداری کرنا تھا۔ذرا تصور تو کریں وزیراعظم کا مشیر مذہبی امور دیوبندی ''مولوی'' طاہر اشرفی ہے،جس کی بداطواری کے چرچے زبان زد عام ہیں اور وفاقی وزیر مذہبی بریلوی مولوی،نورالحق قادری ہیں۔عمران خان کے وعدوں پر اس چوہدری کا قصہ یاد آتا ہے جس کا بیل چوری ہو گیا تھا۔بیل چوری ہو جانے پر چوہدری بہت پریشان ہوا اس نے اپنے نوکر کو ساتھ لیا اور بیل کی تلاش

میں نکل پڑا۔راستے میں جو بھی مزار آتا، چوہدری اس مزار میں جاتا اور بیل ملنے کی صورت میں ایک بڑی رقم کی نذر ماننا جاتا۔ ملازم جو یہ سب دیکھ رہا تھا اور تھک بھی گیا تھا، کہنے لگا چوہدری صاحب! آپ نے جتنی رقم نذر کرنے کا وعدہ کر دیا ہے اتنی رقم میں کئی بیل آسکتے ہیں، چلیے واپس چلتے ہیں۔ چوہدری نے جواب دیا کہ ''بس ایک بار بیل مل جائے، وعدوں کو چھوڑو!'' عمران خان صاحب کو بھی جب بیل یعنی وزیراعظم جیسا شاندار عہدہ مل گیا تو شاید شادمانی میں وہ اپنے وعدے بھول گئے ہیں۔ عمران خان صاحب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے جب پڑتی ہے تو سب وعدے یاد آنے لگتے ہیں مگر تب یہ کہاوت سامنے آتی ہے ''اب کیا ہووت جب چڑیا چگ گئیں کھیت'' عمران خان صاحب شاید آپ اس کہاوت کو نہ سمجھ پائیں اس لیے انگلش میں بھی بتا دیتے ہیں، انگلش کہاوت اس طرح سے ہے کہ ''No crying over spilt milk'' عمران خان صاحب کچھ کام کریے ورنہ پچھتاوے کی آگ آپ کو تاحیات جلائے گی۔

پی ڈی ایم پاکستان ڈیموکریٹ موومنٹ کی قیادت عوام کے مسترد شدہ لیڈر مولانا فضل الرحمان کر رہے ہیں اوران کی قیادت میں دس بڑی اپوزیشن جماعتیں عمران کے خلاف صف آراء ہیں۔ دو برس تک حکومت کے خلاف ایک بھی قابل ذکر جان دار آواز نہیں اٹھی، اگر حکومت اپنے وعدوں پر ایک دو فیصد بھی کام کرتی تو اپوزیشن سوئی رہتی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عمران پارٹی چور چور اور این آر او کا شور مچاتی رہی، کسی ایک چور کو بھی مجرم ثابت کر کے جیل بھیجنے میں ناکام ثابت ہوئی، الٹا یہ کہ ان کی نظر میں جو سب سے بڑا چور ہے، اسے جیل سے نکال کر عزت سے انسانی ہمدردی کے نام پر باہر بھیج دیا گیا ہے۔ ہماری رائے میں اگر حکومت چور چور اور این آر او کا شور مچانے کی بجائے اپنا کام کرتی اور عدالتوں کو اپنا کام کرنے دیتی تو نتائج مختلف ہوتے۔ افواج پاکستان اور حکومت ایک پیج پر ہے کی ڈگڈگی بجا کر عمران نے جرنیلوں کا بھی بینڈ بجوا دیا ہے، ساری دنیا میں افواج اور حکومت ایک ہی پیج پر ہوتے ہیں اور یہ بات بتانے کی نہیں ہوتی، کیا نواز شریف اور افواج ایک پیج پر نہ تھے، اگر ایک پیج پر نہ ہوتے تو جنرل قمر باجوہ کی مدت ملازمت میں توسیع کیونکر ممکن ہوتی۔ آپ نے نامعقول ڈھنڈورا پیٹ کر آرمی چیف کو متنازع بنا دیا اور ثابت کر دیا کہ آرمی چیف سلیکٹر ہے اور آپ سلیکٹڈ۔ نواز شریف کی گوجرانوالا والی تقریر اسی جانب اشارہ کرتی ہے۔ اور کراچی میں بھی آپ نے اور فوجی افسران نے سلیکٹر اور

سلیکٹڈ والی بات ثابت کردی۔ہم بھی جانتے ہیں کہ اپوزیشن میں خاصی بڑی تعداد چوروں کی ہے،مگران کے جرائم ثابت کرنا آپ کانہیں عدالتوں کا کام ہے۔ بہت گھمبیرصورت حال ہوچکی ہے۔کاش ہمارے ارباب اختیارسولہ دسمبر کے واقع کے پیچھے چھپے عوامل کا جائزہ لیتے تو سوچ سمجھ کر پھونک پھونک کرقدم اٹھاتے۔کیا کریں اقتدار کی بھوک اورسیاستدانوں کی بداخلاقیوں نے شرافت کا جنازہ نکال دیاہےاورعوام کی سوچ زندہ باد،مردہ باد تک محدود ہوگئی ہے۔ قومی وجود میں بظاہرشرکا زہراتنا پھیل چکا ہے کہ خیر کا پہلو دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔موجودہ صورت حال کی تصویرکشی درج ذیل قطعہ بخوبی کرتا دکھائی دیتاہے۔

جوتوں میں دال بٹ رہی ہے
ٹکڑوں میں قوم بٹ رہی ہے
تاریکی بڑھے ہی جا رہی ہے
نازک دیے کی ضو گھٹ رہی ہے

رانا حسن

ہماری رائے میں جب تک وطن عزیز کے آئین کوتبدیل کر کے پاکستان کے تمام شہریوں کوبلاتفریق مذہب و ملّت۔رنگ ونسل اورعقیدہ برابر کے حقوق نہیں دیے جاتے اورانصاف کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو دورنہیں کیا جاتاہماری پاک دھرتی، پلید سے پلیدتر ہوتی ہی چلی جائے گی۔اللہ ارباب اختیاراورعوام کوعقل سلیم عطافرمائے۔

سب سے بڑی وجہ ناکامی کی

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے کہاتھا:۔

''اس وقت سب سے بڑی وجہ ناکامی کی یہی ہوئی کہ مسلمانوں کے سر پرکوئی بڑانہیں، نہ مسلمانوں کی قوت کسی مرکز پر جمع ہے اور نہ ہوسکتی ہے جب تک کہ بالاتفاق ایک کو بڑا نہ بنالیں۔ اگر امام ہوتو سب کام ٹھیک ہو سکتے ہیں۔''(اسلام اور سیاست۔مجموعہ افادات مولانا اشرف علی تھانوی صاحب۔حکیم الامت کے سیاسی افکاراز مفتی محمد تقی عثمانی صاحب صفحہ۔54)

الاتفاق امام بنایا جائے۔یہ اتفاق اب تک نہیں ہوسکاہےاورنہ ہوگا۔نہ نومن تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔

کیا ستارہ بیت لحم ،معجزاتی ستارہ ہے ؟

سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ 21 دسمبر 2020ء کی رات کو نظام شمسی کے دو بڑے سیاروں مشتری اور زحل کا ملاپ ہوا۔ یہ دونوں سیارے انسانی آنکھ کو ڈبل سیارے کی طرح دکھائی دیے۔ دونوں سیارے ایک دوسرے کے قریب مدار مکمل کرتے ہوئے انتہائی قریب سے گزرتے نظر آئے۔دونوں سیارے غروب آفتاب کے فوراً بعد افق کے بالکل اوپر جنوب مغربی آسمان میں نظر آئے۔دسمبر 2020ء میں شہابیوں کی برسات اور سیاروں کے ملاپ نے اس برس کو خاص بنا دیا ہے۔چونکہ تمام سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں اس لیے اس طرح اکثر سیارے ایک لائن میں یا مثلث کی صورت بناتے رہتے ہیں، مشتری اور زحل کے موجودہ ملاپ کی خاصیت اس وجہ سے ہے کہ یہ دو سیارے جو درحقیقت ہمارے نظامِ شمسی کے سب سے بڑے اور سب سے چمکدار اجسام میں سے ہیں، 800 سال بعد ایک دوسرے کے اتنے قریب آئے ہیں۔اور آئندہ یہ نظارہ ننگی آنکھ سے 800 سال بعد ہی دکھائی دے گا۔

کچھ ماہرین فلکیات اور مذہبی زعما یہی سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ ستارہ بیت اللحم کی واپسی ہے۔مشتری اور زحل کے اس برس ہونے والے ملاپ کو ستارہ بیت اللحم کا نام دیا جا رہا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت چند عالم لوگ جس روشنی کی راہنمائی میں بیت لحم پہنچے تھے اسے ستارہ بیت اللحم کہا جاتا ہے۔اگر یہ مشتری اور زحل کا ملاپ مذہبی زعما کی نگاہ میں ستارہ بیت اللحم کی یاد دلاتا ہے تو یقیناً ان کی سوچ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کی پیشگوئی بھی گردش کر رہی ہو گی۔ستارہ بیت اللحم کا نمودار ہونا، شہابیوں کا برسنا، کورونا کووڈ نامی وبا کے ہاتھوں تقریباً دو ملین لوگوں کا مر جانا، عالمی معیشت کا تباہی کے کنارے پہنچنا، بد اخلاقیوں اور ناانصافیوں کا طومار وغیرہ وغیرہ نے عیسائی دنیا کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے، دوسرے لفظوں میں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ روحانی بیماریوں کے سبب ہو رہا ہے، اور ان روحانی بیماریوں کا علاج صرف اور صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی ہے، مسلمانوں کی اکثریت بھی یہی عقیدہ رکھتی ہے۔

مشتری اور زحل کا ملاپ جسے ستارہ بیت اللحم کہا جا رہا ہے اسے 17 ویں صدی میں جرمنی کے ایک

ماہر فلکیات اور ماہر ریاضی دان جوہانس کیپلر نے ''معجزاتی ستارہ'' قرار دیا تھا۔ڈاکٹر کیرولین کرافورڈ کے مطابق 2000 سال قبل لوگ رات کے وقت آسمان پر ہونے والے واقعات سے متعلق خبر رکھتے تھے۔لہٰذا یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے کہ بیت اللحم کا 2000 سال پرانا معجزاتی ستارہ سیاروں کا اسی قسم کا ملاپ ہو۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ستارہ بیت اللحم کے متعلق بائیبل میں جوذکر ملتا ہے اسے بھی بیان کر دیا جائے۔بائیبل میں لکھا ہے کہ:۔

''ہیرودیس بادشاہ کے زمانے میں یسوع یہودیہ کے بیت لحم گاؤں میں پیدا ہوا یسوع کی پیدائش کے بعد مشرقی ممالک کے چند عالم یروشلم آئے ،ان عالموں نے لوگوں سے پوچھا کہاں ہے؟ یہودیوں کا بادشاہ جو یہاں پیدا ہوا ہے؟ اس کی پیدائش بتانے والا ایک ستارہ مشرق میں طلوع ہوا ہے جس کو دیکھ کر ہم اس کو سجدہ کرنے آئے ہیں۔

جب ہیرودیس اور یروشلم کے تمام لوگوں کو یہودیوں کے نئے بادشاہ کے بارے میں معلوم ہوا تو پریشان ہو گئے۔ہیرودیس نے فوراً تمام یہودی کاہنوں کے راہنما اور معلمین شریعت کو یکجاہ کیا،اور ان سے دریافت کیا یسوع کے پیدا ہونے کی جگہ کون سی ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ یہودیہ کے بیت لحم شہر میں پیدا ہو گا۔کیونکہ نبی نے تحریروں میں اسی طرح لکھا ہے۔۔۔۔تب ہیرودیس نے خفیہ طور پر مشرقی ممالک کے مذہبی عالموں کو بلایا اوران سے دریافت کیا کہ انہوں نے اس ستارے کو ٹھیک کس وقت پر دیکھا۔ہیرودیس نے ان مذہبی عالموں سے کہا تم سب جاؤ اور ہوشیاری سے ڈھونڈو کہ وہ بچہ کہاں ہے پھر بچہ ملے تو آ کر مجھے بتاؤ۔کہ میں بھی جا کر اسے سجدہ کروں۔

مذہبی عالم بادشاہ کی بات سن کر جب وہاں سے نکلے،انہوں نے مشرق میں طلوع ہوئے اس ستارے کو دیکھا اور وہ اس ستارے کے پیچھے ہو لیے۔اور وہ ستارہ ان کے سامنے چلا اور اس جگہ پر جا کر ٹھہر گیا جہاں پر وہ بچہ تھا۔وہ اس ستارے کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔جب وہ اس گھر میں آئے اور بچہ کو اپنی ماں مریم کے پاس پایا تو اس کے سامنے گر کر سجدہ کیا،اور اپنے قیمتی تحفے کھول کر اس میں سے سونا،لُبان اور مُر اس کو نذر کیا۔لیکن خدا نے ان مذہبی عالموں کو خواب میں ہدایت دی کہ تم ہیرودیس کے پاس دوبارہ نہ جاؤ۔وہ عالم دوسری راہ سے اپنے

ملک کو گئے۔ (متی کی انجیل۔ باب ۲۔آیات ۱تا۱۶)

معزز قارئین! اور اللہ نے یوسف کو خواب میں کہا بچے کو لے کرتا حکم ثانی مصر لے جاؤ۔۔اور بعد اس کے ہیرودیس نے بیت لحم اور اس کے اطراف کے تمام دو برس عمر کے معصوم بچوں کو قتل کروا دیا تھا۔ ہیرودیس کے مرنے کے بعد یوسف، اللہ کی منشاء کے مطابق واپس اسرائیل کے علاقے گلیل واپس آ گئے۔۔۔۔

عیسائی دنیا اس وقت مشتری اور زحل کا ملاپ دیکھ کر اسے کرسمس اسٹار بھی کہہ رہی ہے۔ایسا کہہ دینے سے انسانوں کی پیاسی روحوں کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔ جس طرح پہلے کرسمس اسٹار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد دکھائی دیا تھا کچھ بعید نہیں اس مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کا اعلان ہوا اور اسے تلاش کرنے کی ترغیب دی گئی ہو۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے متعلق بھی بائیبل نے چاند، ستارے اور آسمان کا ذکر کیا ہوا ہے، چنانچہ متی کے باب ۲۴ میں لکھا ہے:۔

''اور فوراً اُن دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمان کی قوتیں ہلائی جائیں گی۔اور اُس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا۔اور اُس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابن آدم کو بڑی قُدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی۔اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اُس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اُس کنارے تک جمع کریں گے۔''

اور ایسی ہی پیشگوئی اسلامی لٹریچر میں بھی ملتی ہے، چنانچہ احادیث کی کتاب دار قطنی میں لکھا ہے:۔

''ہمارے مہدی کی سچائی کے دو نشان ہیں کہ جب سے زمین و آسمان پیدا ہوئے وہ کسی کی سچائی کیلئے اس طرح ظاہر نہیں ہوئے۔رمضان کے مہینے میں چاند کو (اس کی مقررہ تاریخوں میں سے) پہلی رات اور سورج کو (اس کی مقررہ تاریخوں میں سے) درمیانی تاریخ میں گرہن لگے گا اور جب سے اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا یہ دو نشان ظاہر نہیں ہوئے۔'' (دار قطنی کتاب العیدین باب صفۃ صلوٰۃ الخسوف والکسوف)

ان روائتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کی آمد اور رخصت پر آسمان پر ہلچل ہوتی ہے۔رسول اللہ ﷺ کی آمد پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری پر بھی رمی شہب ہوا تھا۔صحیح بخاری میں ایک روایت ہے

کہ ''روم کا عیسائی بادشاہ ہرقل جب زمانہ نبویؐ میں دورہ کرتے ہوئے ایلیا کے مقام پر آیا تو ایک دن صبح کے وقت اس کی طبیعت بہت ناساز تھی وہ علم ہیئت کا ماہر تھا اور رصد گاہوں میں بیٹھ کر ستاروں کو دیکھا کرتا تھا۔ اس نے کسی کے پوچھنے پر بتایا کہ آج رات جب میں ستاروں کا معائنہ کر رہا تھا تو میں نے وہ علامات دیکھیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کا بادشاہ یعنی نبی آخر الزمانؐ ظاہر ہو گیا ہے۔'' (صحیح بخاری باب بدء الوحی)

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ''رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں شہب بھی گرے اور اس کثرت سے گرے کہ کفار نے خیال کیا کہ شاید آسمان اور زمین تباہ ہونے لگے ہیں۔''

(تفسیر ابن کثیر سورۃ الجن زیر آیت انا لمسنا السماء)

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق مہدی و مسیح موعود کی آمد پر کیا آسمانی نشان ظاہر ہوں گے۔ سورج، چاند گرہن کی پیشگوئی کا ذکر ہو چکا ہے۔ مزید پیشگوئیاں پیش خدمت ہیں:۔

امام مہدی کے ظہور کی 10 علامات ہیں اور پہلی علامت دمدار ستارے کا طلوع ہونا ہے۔

(بحار الانوار جلد 52 صفحہ 268 از علامہ باقر مجلسی دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت کعبؓ سے روایت ہے کہ مشرق سے ایک ستارہ نکلے گا وہ زمین پر اس طرح روشن ہو گا جس طرح 14 ویں کا چاند۔ پھر لکھا ہے ایک ستارہ ظاہر ہو گا جس کی کئی دمیں ہوں گی۔

(کتاب الفتن نعیم بن حماد جلد 1 صفحہ 225۔229 باب علامات من السماء حدیث 625۔642)

حضرت ابو جعفر محمد بن علی سے روایت ہے کہ امام مہدی سے قبل مشرق میں ستارہ ذوالسنین طلوع ہو گا یہ وہ ستارہ ہے جو طوفان نوحؑ کے وقت، ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے کے وقت، فرعون کی غرقابی اور یحیٰؑ کی شہادت کے وقت نکلا تھا اور یہ طلوع کسوف شمس و قمر کے بعد ہو گا۔

(کتاب الفتن نعیم بن حماد جلد 1 صفحہ 224 حدیث نمبر 623)

معزز قارئین! جب ۱۸۳۵ء کو دم دار ستارہ نمودار ہوا تو بڑی تعداد میں عیسائیوں اور بعض مسلمانوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ شاید یہ مسیح ثانی کا ہی وقت ہے اس دم دار سیارے کو Halleys Comet کہا جاتا ہے۔ 1882ء میں ذوالسنین ستارہ طلوع ہوا جسے دم دار ستارہ بھی کہتے ہیں۔ سائنسی

اصطلاح میں اسے Great Comet کہا جاتا ہے۔Great Comet ہر ایسے دم دار ستارے کو کہتے ہیں جو غیر معمولی روشن ہو جائے اور ماہرین فلکیات کے حلقے سے نکل کر عوام الناس میں بھی پذیرائی حاصل کرلے۔ یہ سیارہ 1882ء میں نظر آنا شروع ہوا پہلے تو صرف طلوع آفتاب سے قبل نظر آتا تھا اور دن کی روشنی میں غائب ہو جاتا تھا مگر بعد میں اتنا نمایاں ہو گیا کہ سورج کی موجودگی میں بھی زمین سے بآسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ایک بار سورج کی روشنی میں بادلوں کے پیچھے سے دکھائی دے رہا تھا اس لئے اسے پچھلے ایک ہزار سال میں سب سے زیادہ روشن اور غیر معمولی ستارہ قرار دیا گیا۔ یہ سیارہ فروری 1883ء تک بغیر کسی آلہ کے نظر آتا رہا آخری مرتبہ سپین میں جون 1883ء میں دیکھا گیا۔۱۹۰۸ء میں بھی ایک دمدار سیارہ زمین پر گرا تھا۔

اب رمی شہب کے متعلق بات ہو جائے۔دم دار سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں جب یہ سورج کے قریب سے گزرتے ہیں تو گرمی سے ان کے ذرات خلا میں بکھر جاتے ہیں۔جب یہ زمین کے سامنے آتے ہیں تو زمین کے کرہ ہوائی سے ٹکرا کر شعلوں میں تبدیل ہو کر اہل زمین کو دکھائی دیتے ہیں۔ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سدی سے روایت کی ہے کہ شہب کا کثرت سے گرنا کسی نبی کے آنے پر دلالت کرتا ہے۔ یا دین کے غلبہ کی بشارت دیتا ہے.....

(مسیح موعود و مہدی کی آمد پر) رمی شہاب ثاقب ہو گی جیسا کہ آنحضورﷺ کی پیدائش کے وقت ہوئی تھی۔ (زرقانی جلد ا صفحہ ۱۲۲،۱۲۳)

۲۸ نومبر ۱۸۸۵ء کو رمی شہب کا نظارہ ساری رات رہا۔اس طرح کا نظارہ دوبارہ نہ ہوا ہے گو رمی شہب ہوتی ہی رہتی ہے۔W. F. Denning (Bristol, England) کے مطابق ۲۷ کی شام کو جوں جوں اندھیر بڑھتا گیا شہابیے اس قدر گرنے لگے کہ انہیں شمار کرنا ناممکن ہو گیا، تقریباً ۳۶۰۰ شہابیے ایک گھنٹے میں گر رہے تھے۔ یہ نظارہ ساری دینا نے دیکھا۔تب بھی یسوع اور مسیح و مہدی کی آمد کا اسے نشان سمجھا گیا تھا۔ یہ بات تو ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جس طرح اجرام فلکی انسانی زندگی کے لیے ضروری ہیں اسی طرح روحانی پانی برسنے کی نوید بھی سناتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مہدی و مسیح کی آمد پر پرجوش عیسائی و مسلمانوں کی اکثریت، زمینی اور آسمانی نشانات دیکھنے کے باوجود تکذیب کرنے والی ہے۔اللہ تعالیٰ سیدھا راستہ دکھائے۔

پاکستانی مسلمانوں کی حالت زار!

معزز قارئین! آیئے دیکھتے ہیں کہ وطن عزیز کے علما، دانشور، سیاست دان اور صحافی حضرات، اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار کو کس نگاہ اور زاویے سے دیکھتے ہیں۔ آیئے سب سے پہلے اسلامی جمہوریہ پاکستان جس کی پارلیمنٹ کی جبین پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے کے متعلق ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی سالانہ رپورٹ بابت سال ۲۰۱۰ء میں کیا لکھا ہے وہ دیکھتے ہیں۔

''سال ۲۰۱۰ء کے دوران پاکستان میں ایک ہزار سات سونوّے عورتیں قتل کی گئیں۔ ۴۲۵ عورتیں اپنے شوہروں کے ہاتھوں ماری گئیں، ۲۲۵ کو ان کے بھائیوں نے قتل کیا، ۵۸ عورتوں کو اُن کے حقیقی بیٹوں نے قتل کیا، ۵۰ عورتوں کو اُن کے والد صاحبان نے قتل کیا، ۶۳ عورتوں کو اُن کے سُسرال والوں نے قتل کیا، ۲۲۸ عورتوں کو اُن کے قریبی عزیزوں نے قتل کیا، کم از کم ۱۸ عورتوں کو غیرت کے نام پر قتل کیا گیا اور آٹھ کو قتل کرنے سے پہلے اجتماعی بے آبرو (گینگ ریپ) کیا گیا۔ سال ۲۰۱۰ء کے دوران ۱۹ خواتین نے خودکشی کرنے میں کامیابی حاصل کی جبکہ ۴۱۴ عورتوں کو بچا لیا گیا۔ سال ۲۰۱۰ء کے دوران چاروں صوبوں میں کم از کم ۲۹۰۳ عورتوں کو بے آبرو کیا گیا ان میں سے ۵۱ کے ساتھ گینگ ریپ کیا گیا۔ (گویا ہر روز آٹھ خواتین بے آبرو کی گئیں) تفصیلات کے مطابق صوبہ خیبر پختونخواہ میں سرکاری اعداد وشمار معلوم نہیں ہوسکے پولیس تھانوں سے ملنے والی معلومات کے مطابق ۵۲ عورتوں کی عزت لوٹی گئی اور اتنی ہی تعداد میں خواتین کو اغواء کیا گیا۔ صوبہ سندھ میں ۲۳۴ خواتین کی عزت لوٹی گئی ۵۰ گینگ ریپ ہوئے۔ بلوچستان میں ۳۲ خواتین کو بے آبرو کیا گیا اور پنجاب میں عزت لوٹنے کی ۲۵۸۱ وارداتیں رجسٹرڈ ہوئیں۔ یہ اعداد وشمار اصل وارداتوں کا سوواں حصہ بھی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ عزت لُٹنے کی رپورٹ درج کروانے کے لیے انسانی حقوق کے کمیشن جتنے بڑے ادارے اور مختاراں مائی جتنے حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

معزز قارئین! یہ دس برس قبل کی رپورٹ ہے اور آج ۲۰۲۰ء کا اختتام ہونے کو ہے۔ اور صورتحال بری سے بری تر ہوتی چلی جارہی ہے، اعلیٰ اقدار و روایات قصہ پارینہ لگنے لگی ہیں۔

مشہور کالم نگار جناب منو بھائی لکھتے ہیں:۔

''سب سے زیادہ انسانیت سوز جرائم چھوٹے نابالغ بچوں کے ساتھ جنسی جرائم ہیں جن کو عام طور پر درندگی کی وارداتیں کہا جاتا ہے جبکہ درندے اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرتے۔ کبھی کسی درندے نے نابالغ درندے کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کی ''درندگی'' کا مظاہرہ نہیں کیا۔ درندے اپنی تمام تر درندگی کے باوجود قدرت کے خلاف نہیں جاتے۔ اسی لیے جائزوں میں ایسی درندگی کے واقعات کو شامل نہیں کیا جاتا۔'' (نابالغ بچوں سے درندگی کرنے والوں میں عام طور پر مسجدوں میں قرآن پڑھانے والے معلم، استاد، رشتہ دار اور ہمسائے ملوث ہوتے ہیں) (جنگ لاہور جمعرات ۱۲ مئی ۲۰۱۱ء مضمون از منو بھائی صفحہ ۳)

اس بدترین صورت حال پر ارباب اختیار اور دین پڑھانے والے نام نہاد مولویوں کو جو خود کو وارثان انبیاء قرار دیتے نہیں تھکتے اُن کو بزبان شاعر یہی کہا جاسکتا ہے۔

کیا تمہاری کوئی شکایت کرے
تم کو کیا ہے کوئی جیے کہ مرے

پاکستان میں اسلامی نظام کا شور قومی اتحاد میں شامل نو مذہبی جماعتوں نے نظریہ ضرورت کے تحت سیاسی مسند حاصل کرنے کے لیے مچایا تھا۔ جنگ اخبار نے اس شور مچانے والوں کی سیرت کچھ اس طرح بیان کی تھی۔ ''۲۵ اگست ۱۹۷۷ء کی شام متحدہ محاذ (قومی اتحاد) کے بڑے بڑے لیڈر جب افطاری کرنے لگے تو اسلامی اخوت اور نظامِ اسلام کے قیام کے دعوے داروں کے درمیان ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔ یہ لیڈر جب افطاری کر چکے تو نماز کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور لوگ وہاں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مولانا مفتی محمود صاحب اور نوابزادہ نصر اللہ خان دس بارہ آدمیوں کو لے کر ایک طرف چل پڑے اور ان نمازیوں کی امامت مفتی محمود صاحب نے کی جب کہ مولانا نورانی صاحب اور میاں طفیل محمد دوسری طرف کھڑے ہوگئے۔ یہاں شاہ احمد نورانی صاحب نے جماعت کروائی اور تحریک استقلال کے میاں محمود علی قصوری نے بھی نورانی صاحب کے ساتھ نماز پڑھی۔'' (یہ سب کچھ چوہدری ظہور الٰہی صاحب مرحوم کی رہائش گاہ واقع مین گلبرگ لاہور پر رونما ہوا۔)

(روزنامہ مساوات ۲۶ اگست ۱۹۷۷ء)

جب روزنامہ جنگ لاہور کے پلیٹ فارم پر جنگ فورم کے تحت ''اتحاد ملّت کیسے قائم ہوسکتا ہے۔'' کے موضوع پر اظہار خیال کرنے کے لئے مختلف علماء تشریف لائے۔ اگلے روز جنگ لاہور ۲۴ نومبر ۱۹۸۵ء کے سرورق پر جو خبر شائع ہوئی وہ یہ تھی۔ جنگ فورم میں اتحاد اُمّت مسلمہ کے موضوع پر طویل اور فکر انگیز تقریروں کے بعد مختلف مکاتب فکر کے علماء نے اکھٹے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا۔

ہے کوئی خادم کوئی مخدوم ہے
جو حقیقت ہے ہمیں معلوم ہے

معزز قارئین! مذہبی جماعتوں کی تحریک نظام مصطفیٰ کے نتیجہ میں جو دھبہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی جبین پر نمودار ہوا اس کا نام جنرل ضیاء الحق تھا۔ اسی آمر کی پالیسیاں اب ناسوروں کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔ بھٹو نے آئین میں ترامیم کر کے جس برائی کا آغاز کیا تھا، اس برائی کو آمر نے بام عروج تک پہنچایا، اب انہیں برائیوں بلکہ کہنا چاہیے کہ ناسوروں نے وطن عزیز کو بے حال کر دیا ہوا ہے۔

ضیاء الحق کے متعلق انیس احمد نوری صاحب کہتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا نہ کرے گا۔ مثلاً تمام ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھانا، پھر زندہ کرنا۔۔ روز قیامت حساب۔۔ اور کافر اور مُشرک کو جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رکھنے کا اللہ ربّ العزّت نے بار بار ارشاد فرمایا۔۔ قضاءِ مبرم پر مسلمانوں کا ایمان ہے۔ گویا ضیاء الحق (سابق ڈکٹیٹر پاکستان) جیسے ''مذکورہ'' شرکیہ افعال والے کے حق میں۔۔ اگر تمام مخلوق بھی مغفرت کی دُعا کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے عہد و پیمان کو ہرگز نہیں توڑے گا۔۔ اور دوزخ سے نجات۔۔۔ عذاب میں تخفیف کے فیصلے میں عظیم فرق ہے۔ ایسے (ضیاء الحق) کافر، مُشرک کو شہید کہہ کر اللہ تعالیٰ کے اصولوں کا مذاق اُڑانا۔۔۔ اللہ واحد وقہار کے غضب کو دعوت دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ عذاب الٰہی کو یہ شہادت کہتے ہیں

ڈھیٹ اور بے شرم دُنیا بھر میں دیکھے ہیں بہت
سب پہ سبقت لے گئی ہے بے حیائی آپ کی

(مسلمانو! حق و باطل کو پہچانو۔ نوریہ سُنّی بیاض از انیس احمد نوری۔ مکتبہ رضویہ وکٹوریہ مارکیٹ سکھر۔ نور مدینہ نیٹ)

معزز قارئین! جب مذہبی جماعتوں نے آمر ضیاء الحق کے لیے مسند اقتدار تیار کر کے اسے مسند پر بٹھا دیا تو امام مسجد کے بیٹے ضیاء نے امام مسجدوں کی اوقات کچھ ان الفاظ میں قوم کو بتائی:۔

''جمعرات کی روٹیوں پر تکیہ کرنے والوں سے قوم کیا توقع کر سکتی ہے۔ ملک میں اس وقت تقریباً ۵۵ ہزار امام مسجد ہیں جن میں سے صرف ۸ ہزار ایسے ہیں جنہوں نے درس نظامی تعلیم حاصل کی جبکہ ۳۶ ہزار نیم تعلیم یافتہ اور ۱۱ ہزار سفید ان پڑھ ہیں اور یہ ان پڑھ بھی اپنے آپ کو امام مسجد قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا ان اماموں سے قوم کیا توقع کر سکتی ہے جو صرف جمعرات کی روٹی پر تکیہ کر کے جی رہے ہیں جبکہ قوم کو حقیقی اماموں کی ضرورت ہے۔'' (جنگ لاہور یکم فروری ۱۹۸۵ء)

معزز قارئین! ان اَن پڑھ اماموں نے ہی صدر صاحب کو اسلام کا نعرہ لگانے کا موقع فراہم کیا تھا اور ضیاء صاحب گیارہ سال تک اپنے خود ساختہ اسلام کو قوم کے سینے پر رگڑتے رہے جس کی وجہ سے قوم کا بدن ناسوروں سے بھر گیا ہے۔ ان متعفن ناسوروں سے اُٹھنے والی بدبو نے نا صرف پاکستانی قوم کو بلکہ تمام دُنیا کو بے حال اور بیقرار کر دیا ہے۔ سائنس میگزین کی ایک رپورٹ کے مطابق ''اس وقت کرّہ ارض پر مسلمانوں کی تعداد قریباً ایک ارب ہے ان میں سے تقریباً ۶۰ کروڑ اَن پڑھ اور بالکل ناخواندہ ہیں۔ بیشتر قرآن ناظرہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔'' (ہفتہ وار سائنس میگزین ۱۶ جون ۱۹۸۹ء صفحہ ۸)

دین اور فکر تھے کبھی کچھ چیز
اب دھرا کیا ہے اِس میں اور اُس میں

مولانا قطب الدین عابد صاحب، فرقہ پرست مولوی برادری کے متعلق لکھتے ہیں:

''جس طرح عوام اور قوم کے دوسرے طبقوں میں انتشار و افتراق اور تحزب (گروہ بندی) کارفرما ہے اسی طرح علماء کرام کے طبقوں اور دینی اداروں میں بھی شتت و افتراق موجود ہے نہ صرف مختلف مکاتب فکر کے علماء میں بلکہ ایک ہی مکتب فکر کے بزرگوں میں بھی یہی صورت حال کارفرما ہے کہیں جمعیت علماء اسلام ہے تو کہیں جمعیت علماء پاکستان اور کہیں مجلس احرار اسلام موجود ہے تو کہیں جمعیت اہل حدیث کہیں تنظیم اہل سنت ہے تو کہیں ادارہ ختم نبوت۔۔۔۔۔ دین کے لئے یہ انتشار و افتراق سانحہ عظیم ہے، کاش! یہ سب یا کم از کم ایک

مکتب خیال کے ادارے ایک مرکز پر جمع اور متحد و متفق ہو جائیں اور پھر باہمی تعاون و مشاورت اور متحدہ نظام کے تحت تقسیم کار کے اصول پر جو جماعت جس مقصد کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو وہ کام اس کے سپرد کیا جائے، آپس میں کل ارتباط و اتحاد تعاون و تناصر اور ہم آہنگی و یگانگت موجود ہو اور سب ایک نظام میں منسلک ہوں۔''

ہمارے جامعتہ العلوم الاسلامیہ (علامہ بنوری ٹاؤن) کے مہتمم مولانا عبدالرزاق اسکندر ابھی ابھی یورپ کے دورے پر گئے تھے۔ انھوں نے ہمیں کہا کہ ''وہاں پر اخبارات میں بُش (سابق صدر امریکہ) کا ایک بیان چھپا کہ ''برصغیر کے اندر دینی مدارس، یہ گندگی کے تالاب ہیں۔ ان کے اندر مچھر پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس گندگی کے ان تالابوں کو ختم کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔'' میرے عزیزو! آج ہماری حالت ایسی ہے جیسے کہ جنگل، پہاڑ یا دشت میں ایک مُردہ لاش پڑی ہو، بغیر قبر اور بغیر کفن کے، اور جنگل کے تمام جانور، خواہ شیر ہو یا گیدڑ سب آتے ہیں اور اس کو کھاتے ہیں۔ اور کوئی بھی اس مُردہ لاش سے جانوروں کو ہٹانے والا نہیں ہوتا۔

غیبت ہوگئی، علماء کی مجلس ہو، طلباء کی مجلس ہو، مشائخ کی مجلس ہو، مجاہدین کی مجلس ہو، عورتوں کی یا مردوں کی مجلس ہو۔ جوانوں کی یا بوڑھوں کی مجلس ہو، ہر مجلس میں غیبت عام ہے۔ گالی دینا اسقدر عام ہے کہ احساس تک نہیں ہوتا۔'' (خطبات شامزئی جلد اوّل مرتب مولانا قطب الدین عابد، شائع کردہ مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی)

مولانا قطب الدین عابد صاحب نے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں دینی مدارس کی اوقات سابق صدر امریکا جارج بش کے ایک بیان کو بیان کر کے بتا دی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں موجود دینی مدارس کا بھی کچھ حال بیان کر دیا جائے۔

معزز قارئین! ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان آزاد ہوا تو وطن عزیز میں کل ۱۸۹ مدارس تھے ۲۰۰۲ء تک ان دینی مدارس کی تعداد ۱۰ ہزار سے تیرہ ہزار ہوگئی۔ اور ان مدارس میں بھرتی ہونے والے طالب علموں کی تعداد ایک اعشاریہ نو ملین ہو چکی تھی۔ بھرتی ہونے والوں طالب علموں کی عمر عموماً آٹھ سے بیس سال کے درمیان ہوتی ہے۔ سابق ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق کے دور میں ان دینی مدارس کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا۔ اسی ڈکٹیٹر کے دور میں جو مدارس دینی تعلیم دیا کرتے تھے انہوں نے طالب علموں کی عسکری تربیت کا بیڑا بھی اُٹھا لیا۔ اس مجاہدانہ تربیت کے لیے فوجی حکومت نے مولانا حضرات کی خوب مالی امداد کی۔ جس کے نتیجے میں مدارس کی تعداد میں

خوب اضافہ ہوا۔اس تمام دھما چوکڑی کا سبب افغانستان پر سوودیت یونین کا قبضہ بتایا گیا،مجاہدین کی پشت پناہی کرنے والے امریکہ نے بھی،مولانا حضرات کی دل کھول کر مالی امداد کی اور جدید اسلحہ بھی مہیا کیا۔اصولی طور پر سوودیت یونین سے جنگ جیتنے کے بعد نئے حالات میں خاص مقصد کے تحت کھلنے والے تمام مدرسے اور تربیتی مراکز ختم کرنا ضروری تھا مگر ہوا اس کے برعکس نئے مدارس کی تعداد میں اضافہ ۲۰۲۰ء میں بھی ہو رہا ہے،شنید ہے کہ اس وقت ان مدارس کی تعداد لاکھوں میں ہے۔۲۰۰۸ء میں مدارس کی تعداد بڑھ کر چالیس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔۲۰۰۳ء میں سابق صدر مشرف نے ان مدارس کی رجسٹریشن کرانے کی کوشش کی،جس کی مولوی لوگوں نے شدید مخالفت کی،صرف چند ہزار نے مجبور ہو کر رجسٹریشن کروائی۔۶۵ فیصد مدارس دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں،۲۵ فیصد بریلوی مسلک کے ہیں،اہل حدیث مدرسوں کی تعداد ۶ فیصد اور ۳ فیصد مدرسے شیعہ مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔

معزز قارئین! مدرسوں کے نام سے جو پولٹری فارم کھولے گئے تھے ان میں پروان چڑھنے والے کروڑوں، مذہبی جنونی اس وقت پاکستان کے گلی کوچوں میں خونی کھیل کھیل رہے ہیں اور ان کی پھیلائی ہوئی گندگی کے غلیظ چھینٹے سبھی کے دامن کو ناپاک کر رہے ہیں۔لطف کی بات یہ ہے کہ ان جنونیوں کی تمام اقسام کی پروڈکشن جاری وساری ہے۔اس وقت ان جنونیوں کا اسلحہ بیچنے اور خودکش بمبار سپلائی کرنے جیسا گھناؤنا کاروبار انتہائی پرکشش کاروبار بن چکا ہے۔نام نہاد مولوی حضرات ان کے سب سے بڑے بیوپاری ہیں اور ان کے خریداروں میں سیاست دان، مذہبی جماعتیں،کالعدم مذہبی تنظیمیں،خفیہ ایجنسیاں،طالبان،دہشت گرد، جہادی تنظیمیں،لینڈ مافیا،ڈرگ مافیا اور دشمنان وطن کی خفیہ فوجی ایجنسیاں وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

معزز قارئین! مدرسوں میں پروان چڑھنے والے چوزوں کے سرپرست ہی اسلام کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔اس لیے ان سے کنارہ کشی کرنا بھی ایک قسم کا جہاد ہے۔اپنے بچوں کو رزق حلال کھلا کر انہیں امن اور سلامتی کی تعلیم دینا چاہیے۔ان مدرسوں میں بچوں کو جو سکھایا جاتا ہے اور جو سلوک ان بچوں سے کیا جاتا ہے اس کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جس کی منظر کشی پاکستان کے موجودہ حالات کر رہے ہیں۔مدرسوں میں بچوں سے ہونے والا سلوک بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ملتان: لودھراں کے ایک مدرسے سے زنجیروں سے بندھے دو بھائی ۹ سالہ اکبر اور ۷ سالہ اصغر مولویوں کے تشدد سے بچنے کے لیے فرار ہو گئے۔ ساری رات کھیتوں میں چھپے رہے۔ صبح ہونے پر لوگوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس نے بچوں کے ہاتھوں اور پاؤں کو زنجیروں سے آزاد کیا اور ان کو والدین کے حوالے کر دیا۔ پولیس نے مدرسے پر چھاپہ مارا اور مزید تالے اور زنجیریں قبضہ میں لے کر مولوی مختار اور اس کے ساتھی مولوی کو گرفتار کر لیا۔ قارئین مدرسوں میں بچوں کو زنجیروں سے باندھنا اور شدید جسمانی تشدد کرنا عام سی بات ہے۔ کچھ عرصہ پہلے اوکاڑہ میں مولویوں نے ایک بچے پر اس قدر تشدد کیا کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دینی مدارس میں بچوں کو تشدد کا نشانہ بنانا، ان سے بھیک منگوانا، زنجیروں سے باندھنا اور جنسی زیادتی کا نشانہ بنانا، بیگار لینا وغیرہ وغیرہ جیسے بھیانک جرم کرنا بچوں کو معاشرے کے ناکارہ وجود بنا کر معاشرے کو گندا اور بدبودار کرنا ہے، اور ایسا ہی ہو رہا ہے۔

عرفان احمد خان اپنی کتاب پاکستان پہ کیا گزری؟ میں لکھتے ہیں:۔

''جوں جوں پاکستان میں حرام کی کمائی بڑھ رہی ہے توں توں ملک میں نعتیہ محافل کا رواج بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ نبی کریمؐ کی شان بیان کرنا اچھی بات ہے لیکن جو طریقہ پاکستان میں میلاد کے بہانے اختیار کر لیا گیا ہے، وہ حد درجہ شرمناک ہے پیسے کی نمائش جس طرح نعتیہ محافل میں کی جاتی ہے اس سے یہ مقدس محافل ''نعتیہ مجرے'' میں بدل کر رہ گئی ہیں۔ کس قدر دکھ ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ ایک نعت خواں کسی ''طوائف'' کی طرح بیٹھا ہے اور اس پر نوٹ لٹائے جا رہے ہیں۔ نعت خواں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس پر وارے جانے والے نوٹ حلال کے ہیں یا حرام کے، وہ نعت خوانی کے ساتھ ساتھ برسنے والے نوٹوں کو حریصانہ نظروں سے تکتا بھی جا رہا ہے۔ کوٹھوں پر مجرے اور نعتیہ محافل کے اوقات کار بھی حسن اتفاق سے ایک جیسے ہی ہیں، اب تماشبین سوچ میں پُر ہے وہ جائے تو کہاں جائے؟ اسے یہ بھی پتہ ہے کہ مذہب کے نام پر تو ایک مائیک لگا کر لوگوں کی نیند تمام رات کے لیے بخوشی حرام کی جا سکتی ہے لیکن جب بات ہو خود ان کی یعنی مولویوں کی برداشت کی تو ان کے لیے نیوائیر نائیٹ، بسنت یا عید تہوار پر نوجوانوں کے ملے گلے کو برداشت کرنا مشکل اور بعض صورتوں میں ناممکن ہو جاتا ہے اور یہ جماعتی صورت میں ڈنڈا بردار خود ہی ڈنڈے لے کر شہروں کے اہم ترین مقامات پر کسی ہارر فلم میں

ڈائنوسار جیسی عفریت کی طرح نمودار ہوتے ہیں اور تفریحی مقامات پر سنسنی پھیلا کر سمجھتے ہیں کہ جنّت پکّی کر لی۔ یوں تو ہر دور میں جہالت سستی رہی ہے لیکن باریش طالبان بستیوں میں تو جہالت کی فیئر پرائس شاپس کھل چکی ہیں۔سرکاری راشن پر پلے ہوئے مُلاّ کو معدے میں گرانی کے باعث جو ڈراؤنے خواب تہجد سے پہلے دکھائی دیتے ہیں وہ نماز فجر کے بعد ان کی تعبیر جاننے کی کوشش کرتا ہے اور اس کوشش میں سارے نظام کو تلپٹ کرنے کے جذبے سے سرشار ہو جاتا ہے، اسے آزادی کی رمق جس شے میں بھی نظر آتی ہے اس کی غیرت ایمانی جوش مارنے لگتی ہے، کبھی اسے شہر کے کسی خوبصورت چوک میں لگے ہوئے بل بورڈ پر طیش آجاتا ہے اور وہ کالے پینٹ سے بھرا ہوا شاپر بیگ غلیل کے ساتھ بل بورڈ پر مارتا ہے جس سے بل بورڈ کے داغدار ہونے کے ساتھ ساتھ پورے ملک کا امیج بھی داغدار ہو جاتا ہے۔''

(پاکستان پہ کیا گزری؟ از عرفان احمد خان۔ باب ملا، ملٹری۔ اردو پوائنٹ ڈاٹ کام)

معزز قارئین! جناب عرفان احمد خان کے ان خیالات کو مبالغہ نہ سمجھیے، یہ ایسی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہر ذی شعور انسان وطن عزیز کے ہر گوشے میں کر سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ اہل وطن کو عقل و شعور عطا فرمائے۔آمین۔

مولانا محمد یوسف بنوری کہا کرتے تھے:۔

''آہ! یہ اُمّت جس کے سَر پر ''خیرِ اُمّت'' کا تاج رکھا گیا تھا آج اپنی جگہ طعمہءاغیار بنی ہوئی ہے۔ اس کی حالت اُس گلّے کی سی ہے جس کو بھیڑیئے چیر پھاڑ رہے ہوں لیکن اُس کا کوئی گلّہ بان اور پاسبان نہ ہو۔اُمّت کے حق میں دُعا کریں کہ اُمّت پِس رہی ہے، اعدائے اسلام اس کی تکہ بوٹی کر رہے ہیں، درندوں کی فوج در فوج اس کو چیرنے، پھاڑنے اور نوچنے میں مصروف ہے۔''

مولانا یوسف لدھیانوی نے لکھا ہے کہ مولانا یوسف بنوری نے اپنی وفات سے چھ مہینے پہلے اپریل ۱۹۷۷ء میں فرمایا:۔

''اب کچھ ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ شاید حق تعالیٰ اس قوم سے ناراض ہے اور اُس کے غضب کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اور شدید خطرہ ہو گیا ہے کہ اس کا حشر بھی اُن برباد شدہ ملکوں جیسا نہ ہو۔''

(معاشرتی بگاڑ کا سدّ باب از مولانا یوسف لدھیانوی صفحہ ۲۶۲، ۲۳۱)

مولانا یوسف لدھیانوی صاحب (مولانا کو ہم وطن مسلمانوں نے گولیاں مار کر قتل کر دیا تھا اور مولانا سعید جلال پوری کو بھی قتل کر دیا گیا تھا، یہ دونوں مولانا دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے) نے اپنی کتاب میں اغیار کو اپنی بربادیوں کا ذمہ دار قرار دے کر دُعا کی درخواست کی ہے اور علامہ اقبالؔ، مولانا لوگوں کو کہہ رہے ہیں۔

مجھ کو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے مُلّا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

مشہور کالم نگار ارشاد احمد حقانی صاحب (مرحوم) فرماتے ہیں:۔

''ایک زمانہ تھا کہ پورے برصغیر میں ایک دو افراد کو علاّمہ کہا جاتا تھا جیسے علاّمہ مشرقی اور علاّمہ اقبال۔ لیکن آج ہر دوسرا مولوی علاّمہ ہے۔ جس نے چند شعر یاد کر لیے اور تاریخ اسلام کے دو چار واقعات ان کی صحیح معنویت سمجھے بغیر رٹ لیے وہ علاّمہ بن جاتا ہے۔ اس کی جلسہ گاہ میں آمد پر نعرے لگتے ہیں۔ اس کی تقریر کے دوران بات جس قدر احمقانہ کی جائے اسی قدر زیادہ پُرجوش پذیرائی ہوتی ہے۔ دین کا ایک مضحکہ خیز اور انتہائی مسخ شُدہ تصوّر ایسے جاہل علاّموں کے ذریعہ نیم خواندہ عوام میں پھیلایا جا رہا ہے۔ اور یہ کاروبار ایک جگہ نہیں سارے مُلک میں ہو رہا ہے۔'' (جنگ لاہور ۲۵ مارچ ۱۹۸۴ء)

ہر کوئی بنا ہے اپنے خیال میں
اِک عالم جسے افلاطون کہتے ہیں

ارشاد احمد حقانی صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے مگر ان کی کہی باتیں سو فیصد سچ ثابت ہو رہی ہیں۔ یوٹیوب پر مولوی دھاڑ رہے ہیں اور ان کی نامعقول دھاڑ پر سبحان اللہ کہنے والے بھی بے شمار ہیں۔ گزشتہ دنوں خادم رضوی نامی مولانا جو کہ بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے والے دیوبندیوں کو دیوبندی مفتی زرولی خان یوٹیوب پر دھاڑتے دکھائی دیے، دھاڑ رہے تھے کہ ''جن دیوبندیوں نے اس کے لیے دعا مانگی وہ تجدید نکاح کریں۔''

جناب ارشاد احمد حقانی ''مُسلمان کی تعریف'' کے سلسلے میں ایک خط کا ذکر کرتے ہوئے اپنے کالم

جنگ لاہور مورخہ ۷ افروری ۱۹۸۴ء میں تحریر کیا تھا کہ ”مجھے یاد ہے کہ لاہور ہائی کورٹ میں جسٹس ایم۔آر۔کیانی نے علماء سے مُسلمان کی تعریف دریافت کی تو عُلماء نے آپس میں مشورہ کے بعد کہا تھا کہ ”ہمیں اس کے لیے کچھ مہلت دیجیے۔“ (تو جسٹس موصوف نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا) کہ آپ کو ڈیڑھ ہزار سال کی مہلت مل چکی ہے اس سے زیادہ کی مہلت دینا اس عدالت کے اختیار میں نہیں۔“ جسٹس ایم۔آر۔کیانی نے نام نہاد علماء کی ایک فقرے میں اوقات بتادی تھی۔

منہاج القرآن کے سربراہ مولانا طاہر القادری صاحب جنہیں مسیحا اور مجدد نیز شیخ الاسلام بھی کہا جاتا ہے فرماتے ہیں: ”لیکن آج کے مسلمان تو عملاً یہود سے بھی آگے گزر گئے ہیں کہ اپنے گروہی، مسلکی، جماعتی اور طبقاتی مفادات کی خاطر انھیں رسول اکرم ﷺ کی تعلیم وحدت کا اتنا بھی پاس نہیں رہا کہ اسلام کی کشتی میں سوار ہر فرقہ کشتی ملت کے تختوں کو اکھاڑ اکھاڑ کر سمندر میں پھینک رہا ہے۔ اور کسی کو اتنا بھی خیال نہیں کہ اگر خدانخواستہ یہ کشتی ڈوب گئی تو وہ بھی اِس کے ساتھ غرق ہو جائیں گے۔

قول و فعل میں تضاد، منافقت، ریاکاری، تصنع، کذب و افتراء، روزمرہ معاملات میں فریب دہی، عیاری مکاری اور چالبازی نے ہماری پوری کی پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔“

(فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے از ڈاکٹر طاہر القادری صفحہ ۳۳ اور ۳۹)

محمد حنیف صاحب لکھتے ہیں: ”ستّر کی دہائی میں ہم نے نئے کافر تیار کرنے کا جو کامیاب تجربہ کیا تھا وہ وہیں نہیں رکا اسّی اور نوّے کی دہائی میں کئی مسجدوں سے نعرے اٹھے۔ کافر کافر، شیعہ کافر اور ملک کے طول و عرض میں شیعہ ڈاکٹر، استاد، وکیل، تاجر اور دانشور چُن چُن کر اتنی بے دردی سے قتل کیے گئے کہ احمدی بھی کہہ اُٹھے ہوں گے کہ شکر ہے ہم کافر ہیں شیعہ نہیں۔ اس کے بعد سے کافر پیدا کرنے کا کاروبار اتنا پھیل چکا ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے ہر شہری کے لیے دو اور ایسے مسلمان موجود ہیں جو اسے کافر سمجھتے ہیں، فوج پہلے طالبان کو مومنین سمجھتی تھی اب کافر سمجھتی ہے یا شاید ہمیں یہی بتاتی ہے۔ پنجاب کی حکومت پنجابی بولنے والے طالبان کو مسلمان سمجھتی ہے، پشتو بولنے والوں کو کافر، یا الٰہی یہ ملک ہے یا کافر بنانے کی فیکٹری۔“

(کافر فیکٹری از محمد حنیف بی بی سی اردو ڈاٹ کام کراچی، ۲۹ مئی ۲۰۱۰ء)

’’خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا۔‘‘

برنارڈ شا نے کہا تھا کہ ’’میرے لیے زندگی ایک چھوٹی سی موم بتی نہیں ہے، یہ ایک ایسی عمدہ قسم کی ٹارچ ہے جسے مجھے ایک لمحے کے لیے تھمایا گیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ جس قدر ممکن ہو اسے روشن کروں اس سے پہلے کہ اسے اگلی نسلوں کو تھماؤں۔‘‘

معزز قارئین! تعریف کے قابل وہی انسان یا قوم ہوتی ہے جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ایسا اخلاقی، علمی، عملی اور معاشی سرمایہ چھوڑ جاتے ہیں جس پر بجا طور پر وہ فخر محسوس کریں نہ کہ ندامت۔ جب بغور تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ ہمیشہ وہی تہذیبیں دنیا میں شہنشاہیت کا تاج اپنے سروں پر رکھ کر حکمرانی کرتی رہی ہیں جو اخلاقی، علمی، عملی اور معاشی طور پر برتر و اعلیٰ تھیں۔ اور جب یہ تہذیبیں ان خصوصیات سے پیدل ہو گئیں تو دوسری تہذیب جس نے متذکرہ بالا خصوصیات حاصل کر لی تھیں، دنیا کی حکمران بن گئی۔ یہ بھی یاد رہے کہ معلوم تاریخ کے مطابق ہر تہذیب کو بنانے والے انبیاء کرام ہوتے ہیں۔ تہذیبیں بربادی کی راہ پر چل کر تاریخ بن جاتی ہیں۔

عصر حاضر میں بھی اخلاقی، علمی، عملی اور معاشی طور پر مظبوط مغربی اقوام دنیا بھر کو جنبش ابرو سے کنٹرول کر رہی ہیں بالکل ویسے ہی جیسے یونانی، ایرانی اور عربی وغیرہ کرتے رہے ہیں۔ ایک ہزار برس پہلے مسلمان اخلاقی، علمی، عملی اور معاشی طور پر نہایت مظبوط تھے۔ ان کی یہ برتری تاریخی طور پر مغلیہ سلطنت کے اکبر اعظم کے دور تک کم و بیش رہی۔ جس وقت اکبر اعظم جو امت مسلمہ کا آخری لبرل بادشاہ تھا اور رواداری جس کا وصف تھا، ہندوستان پر حکمرانی کر رہا تھا، برطانیہ نہایت تاریک دور سے گزر رہا تھا۔ برطانیہ کی ملکہ ایلزبتھ ون حیران تھی کہ اکبر اعظم کیونکر ہندوستان کے کروڑوں لوگوں کو پرامن اور خوشحال بنانے میں کامیاب ہوا؟

برطانیہ میں خانہ جنگی جو ۱۵۴۱ء میں شروع ہو کر ۱۵۵۱ء میں ختم ہوئی تھی، اس خانہ جنگی نے برطانیہ کو کنگال کر دیا تھا، اس خانہ جنگی کے بعد ۱۵۷۷ء میں برطانیہ میں عوام کی اکثریت غربت کی دلدل میں دھنس چکی

تھی،سیاسی اور مذہبی طور پر بدحالی کا شکار برطانیہ ایسا لگتا تھا جیسے کسی عفریت نے اسے دبوچ رکھا ہو۔نوے فیصد آبادی دیہاتی تھی،اور یہ آبادی کھیتوں میں کام کرتی تھی اور ان میں اکثریت خوراک کی کمی کی وجہ سے بھوک کے ہاتھوں مر رہی تھی۔انڈسٹری چلانے والوں نے ان دیہاتیوں کے لیے کڑے قوانین بنا رکھے تھے انڈسٹری میں کام کرنے کی بھاری فیس مقرر کر رکھی تھی۔



ایلز بیتھ اول جنہیں کنواری ملکہ بھی کہا جاتا ہے۔۲۵ برس کی عمر میں ملکہ برطانیہ بنیں۔۱۵۳۳ء تا ۱۶۰۳ء

برطانیہ میں بھیک مانگنا عام ہو چکا تھا۔گندگی کی وجہ سے وبائیں اور بیماریوں نے برطانیہ کو بے حال کر رکھا تھا،ہیضہ،طاعون،نمونیہ،فلو،خسرہ وغیرہ سے برطانوی بے بسی سے مر رہے تھے۔برطانویوں کی اوسط عمر صرف ۳۸ برس ہو چکی تھی یعنی اس وقت کانگو،سیرالیون،سوڈان سے بھی زیادہ بری حالت ہو چکی تھی۔برطانوی عوام کی اکثریت جاہل تھی اور یہ جاہل ذرا سی بات پر مرنے مارنے کے لیے تیار ہو جاتے،عیسائی فرقے ایک دوسرے کو کافر سمجھتے تھے،عقیدہ کے اختلاف پر قتل و غارت عام بات تھی،چڑیلوں کا شکار ہونے والے اور چڑیلوں کا شکار کرنے والے بھی بکثرت موجود تھے۔(اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت اسلام کا قلعہ سمجھے جانے والے ملک سے ملتے جلتے حالات تھے تو شاید غلط نہ ہو۔)

۲۳۲ قبل مسیح عظیم اشوکا کا ہندوستان اشوکا کی وفات کے بعد ترکوں،افغانوں،ایرانیوں،منگولوں وغیرہ نے روندڈالا تھا۔اور تقریباً اٹھارہ سو برس بعد اکبر اعظم نے ہندوستان کو عظیم بنا دیا۔اس وقت یعنی ۱۵۷۷ء میں دنیا کے بہت بڑے حصے پر قائم دنیا کے طاقتور ترین بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کا ہندوستان شاندار سلطنت تھا،مربوط نظام کو بڑی ذہانت سے نافذ کیا گیا تھا اور قوم بلاتفریق مذہب،ملت،رنگ و نسل متحد تھی۔۱۵۷۷ء

میں عام آدمی کی معقول آمدن تھی اور ٹیکس برائے نام تھا، بازاروں میں جے پور کا سونا، برما کے روبی، عمدہ کشمیری شالیں اور ہر طرح کے مسالے سستے داموں فروخت ہوتے تھے، افیون بنگال سے آتی تھی اور رقاصائیں افریقہ سے آتی تھیں۔ اکبر کے ہندوستان میں امن و امان تھا دولت کی ریل پیل تھی، چالیس لاکھ کی چاق و چوبند فوج تھی، اکبر کے پاس تیس ہزار گھوڑے تھے اور ہزاروں ہاتھی اور ایک ہزار ٹائیگر تھے۔ غیر مسلم مزے میں تھے، ہندو، سکھ اور بدھ کو مکمل مذہبی آزادی تھی وہ بغیر کسی پابندی کے تمام مذہبی رسومات ادا کرنے میں آزاد تھے۔ اکبر اعظم کے شوق بھی نرالے تھے اسے آرٹ، فلاسفی اور تعمیرات سے لگاؤ تھا۔ علمی مباحثوں میں بے حد دلچسپی رکھتا تھا۔ عبادت خانہ میں علمی مباحثوں میں بنفس نفیس شرکت کرتا، طبیعات اور مذہب میں دلچسپی رکھتا تھا۔ مذہبی علماء کے شور شرابے نے اسے ان سے متنفر کر دیا اور اس نے دین الٰہی نامی نیا دین بنایا۔ مذہبی علماء سے جان چھڑانے کے بعد اس نے ہندوستان کو لبرل اسٹیٹ قرار دیا اور اس کے نو رتنوں نے عملی نفاذ میں اس کی مدد کی۔ اکبر اعظم شکار کھیلنے کا شوقین تھا وہ چیتوں کا شکار اس طرح کرتا جیسے کوہ نور ہیرے سے کھیل رہا ہو۔ (کوہ نور ہیرا ۱۸۶ قیراط سے زیادہ وزنی تھا۔ یہ وہی کوہ نور ہیرا ہے جسے موجودہ ملکہ برطانیہ نے اپنے تاج میں سجا رکھا ہے۔ ملکہ برطانیہ کے تاج میں جو کوہ نور ہیرا ہے وہ اس ہیرے سے آدھا ہے جو اکبر اعظم کے پاس خاندانی ہیرا تھا) فتح پور سیکری (آگرہ اور فتح پور سیکری لندن سے بڑے شہر تھے اور ہندوستان کا رقبہ پورے یورپ سے بھی بڑا تھا) میں جو اس نے شاندار محل بنوایا تھا اس میں سنگ مرمر اور صندل کی خوشبودار لکڑی استعمال کی گئی تھی، اور محل کے کمروں کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے خادم مور چھل کرتے تھے۔

برطانوی تاجر رالف فیچ وہ پہلا برطانوی تھا جس نے آٹھ برس میں ایران، عراق، شام، لیبا اور ہندوستان تک کا سفر Lavent company کے بحری جہاز Tyger کے ذریعہ شروع کیا تھا۔ اس نے ہندوستانی شہر آگرہ سے الہٰ آباد تک کا سفر ایک بہت بڑے تجارتی قافلے کے ہمراہ کیا اس قافلے کی ایک سو سے زائد بڑی کشتیاں نمک، افیون، ہنگ، سکہ، قالینوں اور دوسری اشیاء سے بھری ہوئی تھیں۔ برطانوی تاجر رالف فیچ کے مطابق اس نے سونا اور ریشم سے لدے چھکڑے قطار در قطار سڑک پر رواں دواں دیکھے تھے، بازاروں میں ہیرے فروخت ہوتے دیکھے تھے۔ رالف فیچ نے ہندوستان میں لاہور، بنارس، سورت، گوا، کچھ، پٹنہ،

چٹا گانگ، بہار اور دوسرے شہروں کا سفر کیا تھا اور بازاروں کا مشاہدہ کیا تھا واپسی پر اس نے برما کے شہر رنگون میں اور تائی سلطنت میں بھی کچھ وقت گزارا۔

رالف فیچ نے واپس برطانیہ پہنچ کر سفر نامہ بھی شائع کروایا تھا، ملکہ ایلزبیتھ کو اس نے رپورٹ دی اور بتایا کہ ہندوستان وسائل سے مالا مال ملک ہے، اس ملک میں مسالے، نمک، سونے وغیرہ کی بہتات ہے۔ اس کے علاوہ اس نے بتایا کہ ملک کا نہایت طاقتور بادشاہ اکبر شاندار محل میں رہتا ہے اور رعایا بھی رواداری و بھائی چارے کی فضا میں چین کی نیند سوتی ہے۔ برطانوی تاجر رالف فیچ (Ralph Fitch) کی زبانی اکبر اعظم کے ہندوستان کی ہوشربا داستان سن کر اور دوسرے ذرائع سے ملنے والی معلومات کے بعد ملکہ برطانیہ نے جو فیصلہ کیا اس نے برصغیر اور برطانیہ کی تاریخ کو دو صدیوں میں یکسر بدل کر رکھ دیا۔ ۱۶۰۰ء میں ملکہ برطانیہ نے Levant company کمپنی کے ۱۵۹۲ء میں بنائے گئے گورنر رالف فیچ کو ہندوستان کے ساتھ تجارت کے لیے پندرہ برس کی اجازت دے دی۔ رالف فیچ نے نہایت قیمتی معلومات کمپنی کو دیں۔ ملکہ کی ۱۶۰۳ء میں وفات کے بعد جیمز ون نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو خصوصی اختیارات کے ساتھ تجارت کرنے کی اس شرط پر اجازت دے دی کہ اگر ڈھیروں منافع نہ کما سکے تو تمام خصوصی اختیارات واپس لے لیے جائیں گے۔ یعنی اس کمپنی کا ہدف زیادہ سے زیادہ دولت کمانا تھا۔ اکبر اعظم کے بیٹے جہانگیر نے انگریزوں کی ہندوستان میں تجارت کی اجازت نہ دی، شاہ جہاں نے اپنے دادا کی سلطنت کو مزید بڑا کیا تھا اس نے بھی انگریزوں کو گھاس نہ ڈالی۔ مگر اس کا بیٹا اورنگ زیب عالمگیر جب اپنے باپ کو قید کر کے بادشاہ بن گیا تو اس نے انگریزوں کو



شہنشاہ ہندوستان
جلال الدین
محمد اکبر
۱۵۴۲ء تا ۱۶۰۵ء

تجارت کے لیے محفوظ راہداری فراہم کردی۔اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے سونے کی چڑیا ہندوستان کو تیزی سے کنگال کرنا شروع کیا اور بالآخر تمام ہندوستان کو غلام بنالیا، جو کہ آج بھی آزادی ملنے کے باوجود غلام ذہنیت سے پیچھا نہ چھڑا سکا ہے۔

معزز قارئین! جلال الدین محمد اکبر نے وہ شمع جو اپنے باپ ہمایوں سے حاصل کی تھی اس کی روشنی کو تمام ہندوستان میں پھیلا دیا اور اس کی اولاد نے اسے مزید روشن کرنے کی بجائے رفتہ رفتہ بجھا دیا اور اور عالم اسلام میں بجھی ہوئی شمع ابھی تک کسی اکبر کے انتظار میں ہے جو اسے روشن کرے۔اس کے بالمقابل برطانیہ جو ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے اور جس کی آبادی ۱۸۵۱ء میں محض ایک کروڑ تھی، کی ملکہ ایلزبیتھ اول نے بھی ۱۶۵۲ء میں ایک شمع روشن کی تھی جس کی روشنی میں آج تک اس ملکہ کے پیشرو اضافہ کررہے ہیں۔وہ برطانوی قوم عالم اسلام کو متاثر کررہی ہے۔اکبراعظم نے رواداری جیسے جس اعلیٰ وصف اور بلاتفریق مذہب وملت، رنگ ونسل خدمت کی بدولت دلوں پر حکمرانی کی تھی اب یہ شاندار اوصاف مسلمانوں میں تقریباً ناپید ہوچکے ہیں۔اور برطانیہ کے شہری رواداری کی بدولت امن کے مزے لے رہے ہیں۔

اور یہ بھی سچ ہے کہ ان کی رواداری عالمی نہیں ہے۔جب تک برطانیہ میں کوئی نالائق مغلوں جیسا نہیں آئے گا، چرچل، برناڈ شا جیسے مفکروں کو عزت دی جاتی رہے گی، بلا امتیاز مذہب وملت، رنگ ونسل انصاف فراہم کیا جاتا رہے گا تب تک کئی ممالک کے وسائل برطانیہ کی تجوری بھرتے رہیں گے۔

سچی بات یہ ہے کہ جب مغل بادشاہوں نے عیاشی کو اوڑھنا بچھونا بنالیا عوام کا جینا حرام کردیا تو عوام نے بھی غلامی قبول کرنے میں دیر نہ لگائی۔اگست 1765 میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغل بادشاہ شاہ عالم کو شکست دی۔لارڈ کلائیو نے ان سے مشرقی صوبوں بنگال، بہار اور اڑیسہ کی 'دیوانی' یعنی ٹیکس وصول کرنے اور عوام کو کنٹرول کرنے کے حقوق، چھبیس لاکھ روپے سالانہ کے عوض حاصل کیے۔اس کے بعد کمپنی ہند کی مالک بن بیٹھی۔اور پھر اٹھارہویں صدی میں جنوبی علاقوں میں 1769 سے 1773 تک قحط سے بہار سے لے کر بنگال تک کا علاقہ متاثر ہوا۔ایک اندازے کے مطابق اس قحط سے ایک کروڑ افراد (برطانیہ کی کل آبادی کے برابر) جان کی بازی ہار گئے۔گورنر جنرل وارن ہاسٹنگ کی ایک رپورٹ کے مطابق ایک تہائی آبادی بھوک کی

وجہ سے ہلاک ہوئی۔

مشہور مورخ جناب ڈاکٹر مبارک علی اپنی کتاب ''آخری عہد کا مغلیہ ہندوستان'' میں لکھتے ہیں کہ '' 1848ء میں رقص و سرود کی محفلوں میں دادِ عیش دینے والے اس قماش کے ناکارہ سلاطین کی تعداد 2104 تک جا پہنچی۔ شاہ عالم کے بیٹے اکبر بھی جنسی جنون میں اپنے باپ سے کم نہ تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ اٹھارہ بیویوں کے شوہر تھے۔'' مورخ سید حسن ریاض کے مطابق شاہ عالم کی شکست کے بعد یہ بات زبان زدِ عام تھی:

''خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا۔''

وہ حکمران جو اپنی رعایا کے حقوق پورے کرنے کے بجائے عیش پرست ہو جاتے ہیں ان کی قومیں بڑی آسانی سے غلامی کی زنجیریں پہن لیتی ہیں اور ایسا ہی ہوا ہندوستان جس کی آبادی بیس کروڑ تھی، ایک کروڑ آبادی والے ملک کا غلام ہو گیا، کوئی بادشاہ، سلطان، نواب ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور غلامی در غلامی ہندوستانیوں کا مقدر بن گئی۔ اگر ہندوستان کو ان عیاش 2104 سلاطین کے بدلے، دو چار برناڈ شاہ، چرچل جیسے دانشور مل جاتے تو ہندوستان کی تاریخ یکسر مختلف ہوتی۔ عصر حاضر میں اسلامی ممالک کی حالت بھی غلام ہندوستان جیسی ہے فرق یہ ہے کہ ابھی تک آزادی کے لیے کہیں بھی پہلا قدم بھی اٹھایا نہ جا سکا ہے۔

☆☆☆

مغرب میں اسلام

مشہور مفکر، مفتیٔ اعظم مصر محمد عبدہ مصری (۱۸۴۹ء تا ۱۹۰۵ء) نے درج ذیل الفاظ میں مغرب اور مشرق کا موازنہ کیا تھا۔

I went to the West and saw Islam, but no Muslims; I got back to the East and saw Muslims, but not Islam.

میں مغرب میں گیا اور اسلام دیکھا لیکن مسلمان نہیں دیکھے۔ مشرق میں واپس آیا تو مسلمان دیکھے لیکن اسلام دکھائی نہیں دیا۔

کرپشن بددیانتی بمقابلہ کرپشن بددیانتی

ونسٹن چرچل نے کہا تھا کہ Fear-thought is the cause of much unhappiness and many failures. گزشتہ تین چار ماہ سے عمران حکومت نے خوف کے سائے میں کچھ ایسے فیصلے کیے جو ان کے لیے شرمندگی اور ان کی بدنامی کا باعث بنے۔ پہلا واقعہ ڈسکہ میں ہونے والا ضمنی الیکشن این اے ۷۵ کے دوران دیکھنے میں آیا۔ صرف اس خوف سے کہ اگر ن لیگ یہ سیٹ جیت گئی تو حکومت کی کارکردگی پر انگلیاں اٹھیں گی، کم ازکم بیس پولنگ اسٹیشنوں سے پولنگ باکس کے ساتھ ساتھ انتخابی عملہ کو بھی کئی گھنٹوں کے لیے غائب کروا دیا گیا۔ پولنگ کے دوران اندھا دھند فائرنگ کے نتیجے میں دو شہری بھی ہلاک ہوئے۔ اس دھما چوکڑی کا نتیجہ کسی صورت بھی حکومت کے لیے قابل تعریف اور باعث عزت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ الیکشن کمیشن نے تحقیقات کے بعد ڈسکہ کے حلقہ این اے ۷۵ میں دوبارہ پولنگ کرانے کا حکم دیا مگر حکومت نے اس حکم کے خلاف عدالت میں جانے کا فیصلہ کیا مگر عدالت نے بھی دوبارہ الیکشن کرانے کا حکم دے کر حکومت کی بدنیتی اور دھاندلی پر مہر ثبت کر دی۔ حکومت نے نا صرف اپنے خوف کی بنا پر شرمندگی اٹھائی بلکہ قوم کا، عدالتوں کا اور اپنا وقت ضائع کیا نیز کروڑوں روپے بھی کوڑے دان میں پھینک دیے۔ اگر حکومت دھاندلی کی مرتکب نہ ہوتی تو یہ سیٹ ہار جانے کے باوجود اس کے قد کاٹھ میں اضافہ ہوتا۔ ہارنے کے خوف کی وجہ سے عمران حکومت کو بہت ساری ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ اور ان ناکامیوں کا نام خوشی بہرحال نہیں ہوسکتا۔

سینیٹ الیکشن بھی حکومت کے لیے سبکی اور ذلت و رسوائی کا باعث بنا۔ حکومت کے اپنے کم ازکم سولہ ممبران اسمبلی بک گئے۔ حکومت یہ تو شور مچاتی رہی کہ ستر کروڑ روپے فی ممبر خریدا جا رہا ہے مگر اپنے ممبران کو بکنے سے روکنے میں مکمل طور پر ناکام رہی۔ حکومت نے سر توڑ کوشش کی کہ اسے سینیٹ ہاؤس میں برتری مل جائے مگر جس بات کا عمران حکومت کو خوف تھا وہ ہو کر رہی، اپوزیشن کو برتری مل گئی، اور پھر عمران کو اعتماد کا ووٹ لینا پڑا۔ بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ اعتماد کا ووٹ لینے سے پہلے سولہ بکاؤ ممبران کو کوئی سزا نہ دی گئی ان سولہ منافقوں کو جانتے بوجھتے ہوئے سینے سے لگائے رکھا گیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جن ۱۶ بکاؤ ممبران نے اپوزیشن کو برتری

دلائی تھی ،انہیں کے دم سے عمران ، وزیر اعظم کی کمزور کرسی پر بیٹھے رہنے کے قابل ہوئے ہیں ۔سینیٹ الیکشن میں برتری نہ ملنے کا غصہ عمران پارٹی نے سینیٹ چیئر مین کے انتخاب کے روز نکالا۔اور وہ تمام منفی ہتھکنڈے استعمال کیے جن کا الزام اپوزیشن پر لگاتے رہے تھے۔اور اقلیت ایک بار پھر اکثریت میں تبدیل ہوگئی۔اگر غور کیا جائے تو صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ سیاستدانوں کے لیے کرسی سے جدا ہونے کا خوف بہت بھاری،سوہان روح ہے۔یہی خوف ساری قوم کو بھی ہے ،اسی لیے کرپشن نے وطن عزیز میں مستقل بنیادوں پر ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔یہی اختیارات چھن جانے کا دکھ ہماری قومی بدحالی اور ناکامیوں کی وجہ ہے۔اگر عمران خان کرپشن بددیانتی کا مقابلہ کرپشن بددیانتی سے کرنے کی بجائے ،اصولی سیاست کرتے ہوئے اعتماد کا ووٹ بکاؤ،منافق ممبران سے لینے کی بجائے ان کو عبرت کا نشان بنا کر کرسی چھوڑ دیتے تو ان کا سیاسی واخلاقی قد بڑھ جاتا۔بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ تمام سیاستدانوں کے سیاسی کھیل کا حاصل کرسی ہی کے گرد گھومنا ہے،ناں کہ عوام کی خدمت وتربیت۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مسائل کا حل سرخ مارشل لاء کے بغیر ممکن دکھائی نہیں دیتا۔کسی مثبت سوچ رکھنے والے جرنیل کا آنا وطن عزیز کے لیے روشنی کی کرن ثابت ہوسکتا ہے۔ایسے جرنیل کو آئین،کرپٹ جرنیلوں،منافق سیاستدانوں اور مذہبی غنڈوں کو دفن کر کے اپنے کام کا آغاز کرنا چاہیے۔یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ آمروں کو ایسی دعوت دینا اچھی بات نہیں ،مگر جب سیاستدان ملک کے حصے بکھرے کرنے کے درپے ہوں،عوام کی بدحالی ثریا کو چھو رہی ہو،اسلام کے نام پر شیطانیت رقص کر رہی ہو،کرپشن قوم کے رگوں میں سرایت کر چکی ہو،اقلیتوں،خواتین،بزرگوں اور بچوں کو دن رات ذلیل کیا جاتا ہو،انصاف اور فتوے،طوائف کی طرح بکتے ہوں،مذہب کے نام پر جاہل غریب عوام کے گلے میں بدرسومات کا طوق ڈال دیا گیا ہو،دھوکا دہی اور امانت میں خیانت کو خوبی سمجھا جاتا ہو،آئین اقلیتوں کے حقوق ضبط کرنے کے ساتھ ساتھ قومی مجرموں کو تحفظ فراہم کرتا ہو،وغیرہ وغیرہ تو ایسے آمروں کو دعوت دینا جو آہنی ہاتھوں سے مسائل حل کرنے کی قوت رکھتے ہوں، گناہ نہیں ثواب کا کام کہلائے گا۔اگر مزید کچھ دیر ہوگئی تو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا حشر بھی قرآن کریم کی ان آیات کی جیتی جاگتی تصویر بن سکتا ہے جن میں سابقہ قوموں کے بداعمال کے نتیجے میں آنے والے عذابوں کا ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔آمین

شیخ ،مولوی، عمران خان اور فوج

مشہور کالم نگار جناب عطاء الحق قاسمی صاحب اپنے ایک کالم ''سیاسی وغیر سیاسی جملے بازیاں'' میں لکھتے ہیں کہ:

''نظام مصطفیٰ ﷺ تحریک کے دنوں میں بھٹو مرحوم کا تاریخی جملہ ''انہیں اسلام نہیں اسلام آباد چاہئے۔'' آج کل کا لیکن آئندہ ایک تاریخی بن جانے والا جملہ ''ان کا مسئلہ ختم نبوت ﷺ نہیں ختم حکومت ہے!''

معزز قارئین! جناب عطاء الحق قاسمی صاحب کا یہ اقتباس روزنامہ جنگ میں ۲۸ دسمبر ۲۰۱۷ء کو شائع ہوا تھا۔اور ۲۰۱۸ء میں ختم نبوت ﷺ کے نعرے لگانے والے نا صرف نواز حکومت ختم کرنے میں کامیاب ہوئے بلکہ اپنی حکومت بنانے میں بھی کامیاب ہو گئے تھے۔شیخ رشید صاحب تو ٹاک شو میں بڑی ادا سے کہتے پائے جاتے تھے کہ جی ہمیں کون پوچھتا تھا؟ ختم نبوت کی بات کرنے پر ہم پر لوگوں نے ووٹوں کی بارش کر دی۔عمران بھی کہتے تھے میں نے قرآن پڑھی ہے اس میں لکھا ہے جو ختم نبوت کو نہیں مانتا وہ کافر ہے۔اسی کالم میں شیخ صاحب آف راولپنڈی کے متعلق قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

''شیخ صاحب آف پنڈی باتھ روم کی وہ چپل ہے جو بھی آئے پہن سکتا ہے۔''

اور عمران خان صاحب کے متعلق قاسمی صاحب لکھتے ہیں:۔

''عمران خان وہ دلہن ہے جو سسرال میں قدم رکھتے ہی دیورانی، جیٹھانی، ساس، نند سب سے بیک وقت محاذ آرا ہو جاتی ہے اور پھر ایک دن چولہا پھٹنے سے اس کی کہانی ختم ہو جاتی ہے۔''

پاکستان کو برباد کرنے والے دو طبقوں کے متعلق قاسمی صاحب لکھتے ہیں:۔

''بہت سے لوگ کہتے ہیں پاکستان کی بربادی کی وجہ دو طبقے ہیں۔ایک مولوی اور دوسرے کا میں نام نہیں لینا چاہتا۔''

قارئین کرام! بہت سے لوگوں نے پہلے طبقے کے متعلق جو کہا سچ کہا ہے، دوسرے کا نام قاسمی صاحب

نے نہیں بتایا ہے اس لیے بتانا ضروری نہیں مگر اشارہ دیا جا سکتا ہے۔ دوسرے طبقے کا پول محترمہ عائشہ صدیقہ صاحبہ نے اپنی کتاب ''خاکی کمپنی'' میں کھولا ہے، اسی طرح عرفان احمد خان کی کتاب ''پاکستان پہ کیا گزری؟'' کے باب ''مُلا، ملٹری الائنس'' سے بھی قاسمی صاحب کے بیان کردہ دونوں طبقوں کی اصلیت یعنی قد بت کی پیائش ممکن ہو سکتی ہے۔ متذکرہ دونوں مصنفین دونوں طبقوں کے لیے نا قابل قبول ہیں۔ ہر وہ شخص جو اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سچ بولتا ہے اسے غدار وطن اور کافر سمجھا جاتا ہے، جناب جسٹس فائز عیسیٰ نے اپنے خلاف صدر کی جانب سے نظر ثانی کے لیے بھیجے گئے ریفرنس کی کاروائی کو براہ راست نشر کرنے کی درخواست کرتے ہوئے بھری عدالت میں کیا خوب کہا ہے۔ ''کفر کا لفظ اسلام آنے سے پہلے استعمال ہوتا تھا۔ کفر کا مطلب ہے سچ کو چھپانا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سچ نہیں بولا جا سکتا۔''

ڈاکٹر مبارک علی اگست 2009 میں اپنی شائع ہونے والی کتاب ''پاکستان میں مارشل لاء کی تاریخ'' میں عطاء الحق قاسمی صاحب کے بیان کردہ دوسرے طبقے کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''پاکستان اپنے قیام کے بعد پچھلے باسٹھ برسوں میں چار مرتبہ براہ راست فوجی اقتدار کے تجربے سے گزر چکا ہے ان چاروں ادوار میں جنرل ایوب خان (1969-1958) جنرل یحییٰ خان (1971-1969) جنرل ضیاالحق (1988-1977) اور جنرل پرویز مشرف (2008-1999) مملکت کے مقتدر اعلیٰ کے عہدے پر فائز رہے۔ مجموعی حیثیت سے ان چار فوجی ادوار کی مدت بتیس سال سے کچھ اوپر بنتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ملک کی باسٹھ سالہ تاریخ کے نصف سے زیادہ حصے میں فوج ہی اقتدار میں رہی ہے۔ پاکستان میں ریاست کے کردار اور سیاست کے بالا دست اداروں کی نوعیت اور اثر واہمیت کو پیش ونظر رکھا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہی ہوتا کہ وہ ادوار جن میں فوج براہ راست اقتدار میں نہیں تھی ان میں بھی امور مملکت اور حکومت کے قیام اور ان کی معزولی کے پیچھے فوج کا ایک کلیدی کردار رہا ہے۔''

عسکری امور کی تجزیہ کار عائشہ صدیقہ اپنی کتاب ''Arms procurement and Military Buildup'' میں لکھتی ہیں:۔

''افواج وقتاً فوقتاً براہ راست سیاسی اقتدار حاصل کرتی ہیں۔ ایسی افواج مختلف سیاسی قوتوں کے درمیان خود کو ایک توزان پیدا کرنے والی والی قوت کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ وہ اپنی مداخلت کا خودساختہ اخلاقی جواز یہ پیش کرتی

ہیں کہ قوم کی ترقی اور استحقام کے لیے ان کی مداخلت ضروری ہے۔ اندرونی اور بیرونی طور پر مملکت کے تحفظ کے سلسلے میں سیاسی فریقین کی صلاحیتوں کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلائے جاتے ہیں اور سویلین بدعنوانیوں کو روکنے کے لیے افواج خود کو نگران مقرر کر لیتی ہیں اور متواتر مداخلت کا جواز پیدا کرتی رہتی ہیں۔''

محترمہ عائشہ صدیقہ صاحبہ اپنی کتاب ''خاکی کمپنی'' میں لکھتی ہیں: ''ایک مثال جس سے فوج کا ''غیر قانونی'' تسلط قائم کرنے کا رجحان ظاہر ہوتا ہے، چولستان پر قبضہ ہے۔ سرکاری ریکارڈ کے مطابق فوج نے چولستان کی 99 ہزار 865 ایکڑ زمین پر غیر قانونی قبضہ کر لیا جس میں 5 ہزار ایکڑ جنگلات کے شعبے کا بھی حصہ شامل ہے۔ اس چوری شدہ علاقے کے علاوہ دو لاکھ ایکڑ زمین فوج کو صوبائی حکومت نے پہلے ہی ٹھیکے پر دی ہوئی تھی۔''

جب ۲۰۰۷ء میں وکلاء تحریک شروع ہوئی تو وکیلوں نے فوج کو شرمندہ کرنے کے لیے میڈم نور جہاں کے گائے ہوئے نغمے ''اے وطن کے سجیلے جوانو! میرے نغمے تمہارے لیے ہیں'' کی مضحکہ خیز نقل بنائی اور اسے اس طرح سے سڑکوں پر گایا: ''اے وطن کے سجیلے جوانو! سارے رقبے تمہارے لیے ہیں''

عائشہ صدیقہ صاحبہ مزید لکھتی ہیں کہ ''فوج بھارت سے تعلقات بہتر کرنے کے لیے کسی ڈرامائی موڑ تک پہنچنے میں جھجکتی ہے ایسا یقیناً معاشی وجوہات کی بنا پر نہیں بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اس دشمنی ہی کی بنیاد پر یہ تاثر قائم رکھ سکتی ہے کہ فوج واحد ادارہ ہے جو پاکستان کے تحفظ کی ضمانت دے سکتا ہے بھارت سے دشمنی پاکستان کی سیاسی طور پر مضبوط فوج کے لیے ایک ایسا پہلو ہے جس پر تبادلہ خیال نہیں کیا جا سکتا اس کا سب سے واضح ثبوت مشرف کے بھارت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر اعلیٰ فوجی حکام کی مخالفت ہے حالانکہ مشرف اور ان کے ساتھیوں مثلاً ان کے وزیر خارجہ خورشید احمد قصوری کا دعوی تھا کہ کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے فوج کے 9 کمانڈرز بھارت کو ممکنہ رعایتیں دینے کے عمل میں شامل تھے اور بھی کچھ لوگ ہیں جو اس امر کا دعوی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سابق سفیر ریاض کھوکھر جو بھارت اور امریکہ کے لیے اپنے تنگ مزاج رویے کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جنرل کیانی نے مشرف کے اس خیال سے بعد ازاں اتفاق نہیں کیا کہ کشمیر پر اپنے سابقہ موقف سے دست بردار ہو کر اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق اس مسئلے کا حل نکالا جائے۔ بھارت دشمنی اس روایتی تاثر کو قائم رکھنے میں حصہ دار ہے کہ ہماری فوج ہی وہ فریق ہے جس سے ان مسائل پر بات چیت ہو سکتی ہے اور یہ کہ وہی ملک کے تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے۔ یہی وہ رائے ہے جو فوج کی سیاسی قوت کو بڑھاوا دیتی ہے۔

☆☆☆

''نو مور،نو مورکا نعرہ اوراخلاقی گراوٹ''

وزیراعظم پاکستان جناب عمران خان نے پارلیمنٹ میں حقیقت پر مبنی دھواں دار خطاب کر کے اپنے مخالفین کی سیاست کو نا قابل یقین حد تک نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔وزیراعظم نے واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ پاکستان کے سابقہ حکمرانوں کی حماقتوں کی وجہ سے ستر ہزار سے زائد پاکستانی مارے گئے اور ڈیڑھ سو ارب ڈالر کا نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ان حکمرانوں نے امریکہ کی ہر اک ناجائز بات مان کر ساری قوم کو ذلت اور رسوائی سے دوچار کیا۔اب ہم کسی کی جنگ میں حصہ دار نہیں بنیں گے،ڈومور کا جواب اب نو مور،نو مور ہو گا۔بلاشبہ ذوالفقار علی بھٹو کے بعد عمران خان وہ لیڈر ہے جس نے سفید ہاتھی کو بغیر کسی لگی لپٹی کے کھری کھری سنا کر مہنگائی کی ماری جذباتی قوم کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔اب قوم کی نظر اس پر ہے کہ آنے والے دنوں میں جو ہونے جارہا ہے اس کے آگے عمران خان سیسہ پلائی دیوار بنتے ہیں یا سابقہ حکمرانوں کی طرح ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں،بہرحال اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔

جناب عمران خان نے کسان کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے جہاں زراعت کے شعبے سے وابسطہ بہت ساری تجاویز اور منصوبے شرکاء کے گوش گزار کیے وہیں انہوں نے دل دہلا دینے والی یہ خبر بھی شرکاء بلکہ ساری قوم کو سنائی کہ پاکستان میں چالیس فیصد بچے غذائی قلت کا شکار ہیں۔یہ غذائی قلت جسمانی اور ذہنی نشوونما روک کر بچوں کو معذور بنارہی ہے۔وزیراعظم نے یہ بھی بتایا کہ بچوں کی ابتدائی غذا دودھ ہوتی ہے مگر اکثر بچوں کو دودھ بھی میسر نہیں جو دودھ کے نام پر انہیں پلایا جاتا ہے وہ دودھ ہوتا ہی نہیں۔انہوں نے حیرت انگیز یہ انکشاف بھی کیا کہ جعلی دودھ ڈٹرجنٹ،یوریا کھاد وغیرہ سے واشنگ مشینوں میں تیار کیا جاتا ہے۔سچ یہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ میں ہر چیز جعلی ہے۔

معزز قارئین!جذباتی تقاریر چند روز بعد بوجوہ زمینی حقائق اپنی وقعت کھو دیتی ہیں۔بڑی طاقتوں کو برا بھلا کہنا بہت آسان ہوتا ہے مگر ان کے جوابی وار کا مقابلہ کرنے کے قابل ہونا اور بات ہے۔یقینی طور پر عالمی منظر نامے کے تناظر میں قومی سلامتی اور قومی مفادات کو اولیت حاصل ہوتی ہے۔قومی سلامتی اور قومی مفادات

کے تحفظ کے لیے معاشی اور عسکری قوت کا ہونا بیحد ضروری امر ہوتا ہے۔ اگر معاشی اور عسکری قوت ہو مگر اخلاقی قوت نہ ہو تو دونوں متذکرہ قوتیں یقینی طور پر مفلوج ہو جاتی ہیں۔

اگر پاکستان کے حالات کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جب سے پاکستان بنا ہے تب سے اخلاقی گراوٹ کا گراف منفی ہونے کی سرحد عبور کر کے منفی ترین سطح پر پہنچ چکا ہے۔ بہترین زرعی زمین رکھنے اور ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود پاکستان دنیا کی نظر میں کوئی بھی مقام نہیں رکھتا، اسے ڈالروں سے عقیدت رکھنے والا ملک سمجھا جاتا ہے۔ اسے جو بھی ڈالر دے اسی کے گن گاتا ہے۔ کل تک امریکا اس کا باس تھا اور اور آج کل چین کی بانہوں میں جھول رہا ہے، کبھی سعودی عرب کے گیت گاتا ہے اور کبھی ترکی کے گن گاتا ہے۔ یہ سب اخلاقی گراوٹ کا نتیجہ ہے۔ غیرت اور خودداری کی بات جب قرض اور بھیک پر انحصار کرنے والے کرتے ہیں تو دنیا ان کا مذاق اڑاتی ہے۔

کیا بڑی قوتوں نے پاکستانیوں کو بتایا ہے کہ واشنگ مشینوں میں دودھ تیار کر کے قوم کے نونہالوں کو معذور بنا کر ماردو؟ اور کیا امریکا کہتا ہے کہ جھوٹ بولو، ملاوٹ کرو، بچوں سے جنسی زیادتی کرو، دھوکا کرو، کافر کافر کھیلو، ناانصافی کرو، جاہل رہو، کرپشن کرو وغیرہ وغیرہ۔ زراعت اگر پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے تو اسے مضبوط بنانے کے لیے روحانی سائنس کی نہیں، جدید سائنس کی ضرورت ہے۔ تعلیمی نظام درست کرنے کی ضرورت ہے۔ انگلش زبان اور انگلش لباس کے استعمال کو وزیرِاعظم صاحب نے احساس کمتری کی علامت قرار دے کر کوئی نئی بات نہیں کی ہے ان کے اس بیان سے پہلے انگلش زبان اور انگلش لباس کو حرام اور کفر قرار دیا جا چکا ہے۔ کالج سے فالج بہتر اور اخبار پڑھنے کو کفر قرار دیا جا چکا ہے۔ ان فتاویٰ نے قوم کو جس جہالت کی راہ پر لگایا تھا وزیرِاعظم صاحب کا بیان اسی کا شاخسانہ ہے۔ اگر وزیرِاعظم صاحب کی منطق پر سرِتسلیم خم کر لیا جائے تو کچھ اس طرح کی مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہو گی جسے دیکھنے کے لیے دنیا بھر کے سیاح جوق در جوق پاکستان آئیں گے۔ کتنا پر لطف ہو گا وہ منظر جب پاکستانی کرکٹ ٹیم لنگی پہن کر کھیلے گی۔ اسکولوں اور کالجوں میں انگریزی زبان کوئی نہ بولے گا کیونکہ کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ اسے احساس کمتری میں مبتلا سمجھا جائے۔

وزیرِاعظم صاحب سے ہم یہی گزارش کریں گے کہ وہ حقیقی قومی مسائل کی طرف توجہ دیں، امریکا اور

اپوزیشن کو للکارنے سے مسائل بڑھیں گے۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی میں توازن ہونا چاہیے۔عمران خان صاحب نے اپنی بجٹ تقریر میں یورپین لوگوں کی انصاف پسندی، انسانی خدمات اور رواداری کی تعریف کی ہے مگر ہم آپ سے بصد احترام پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ نے تین برسوں میں کیا کیا ہے؟ آپ نے حضرت عمرؓ کے قول دریائے فرات کے کنارے بھوکا کتا مرنے پر حضرت عمرؓ کے جوابدہ ہونے کا حوالہ تو دے دیا مگر جناب وزیراعظم اسلامی جمہوریہ کیا آپ بھی اللہ کے حضور جوابدہ ہوں گے کہ نہیں؟

(ہمارا ہمدردانہ مشورہ ہے حکمران سوانح حضرت عمرؓ کا مطالعہ کریں)

اگر خلافت کہیں بھی قائم نہیں ہے تو؟

محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ خلافت کا قیام دینی واجبات میں سے ہے اور فرض کفایہ ہے۔ اگر دنیا کے کسی حصے میں خلافت موجود ہے تو دنیا بھر کے مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر خلافت کہیں بھی قائم نہیں ہے تو دنیا کے سارے مسلمان اس فریضہ کے تارک اور گناہگار کہلائیں گے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس پر دو دلیلیں دی ہیں:۔

ایک یہ کہ قرآن کریم کے بہت سے احکام پر عملدرآمد خلافت کے نظام پر موقوف ہے مثلاً حدود کا نفاذ، جہاد، نماز و زکوٰۃ کے باقاعدہ نظام کا قیام اور بیت المال کا معاشرتی کردار۔ یہ سب امور حکومت کے فرائض میں سے ہیں اور ان پر عمل کے لیے حکومت کا وجود ضروری ہے۔ جبکہ شرعی اصول یہ ہے کہ جس کام پر کسی شرعی فرض کی ادائیگی موقوف ہو وہ خود بخود فرض ہو جاتا ہے۔ اس لیے خلافت کا قیام بھی شرعی فریضہ ہے اور دینی تقاضوں میں سے ہے۔ دوسری دلیل حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ دی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ نے سب سے پہلے جس کام پر اتفاق کیا وہ خلافت کا قیام اور خلیفہ کا انتخاب تھا، حتیٰ کہ اسے جناب نبی اکرمؐ کی تدفین سے بھی پہلے سرانجام دیا گیا۔ اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے اس لیے خلافت کا قیام ایک شرعی فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج دنیا میں کسی جگہ بھی خلافت کا ادارہ موجود نہیں ہے۔ اس لیے پوری امت اور ہم سب لوگ ایک شرعی فریضہ کے تارک اور گناہگار ہیں اور ہمیں اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر کے اجتماعی گناہ کے اس دائرہ سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔۔

(خلافت کا قیام۔ایک بھولا ہوا سبق! از ابوعمار زاہد الراشدی بشکریہ روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۴ستمبر ۲۰۰۶ء)

فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کا قیام!

کیا مسئلہ فلسطین حل ہوسکتا تھا یا آئندہ ہوسکتا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب قارئین کو اس مضمون کو آخر تک پڑھنے سے مل سکتا ہے۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں یقینی طور پر یا تو فلسطین کی تقسیم رکوا سکتے تھے یا پھر فلسطین کی تقسیم اس طرح سے کروانے میں کامیاب ہو سکتے تھے کہ فلسطینی ریاست کو بہت سارے وہ حقوق بھی مل جاتے جنہیں دینے پر برطانیہ، امریکا اور اس کے حواری آمادہ نہ تھے۔ چوہدری صاحب کا اگر عرب بالخصوص فلسطینی لیڈر شپ ساتھ دیتی تو آج تہتر برس بعد بھی فلسطین لہو نہ اگل رہا ہوتا۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں اپنی یاداشتوں پر مشتمل کتاب ''تحدیث نعمت'' میں فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کا قیام کے عنوان سے فلسطین کے متعلق حقائق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''سب سے اہم مسئلہ جو اس اجلاس میں زیر بحث آیا وہ قضیہ فلسطین تھا۔ پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اقوام متحدہ کے فلسطین کمیشن نے فلسطین کی تقسیم کی سفارش کی تھی۔ یہ رپورٹ 1947 کے اجلاس میں زیر بحث آئی اور اس پر اسمبلی کی اول کمیٹی میں بحث ہوئی۔ کمیٹی کے صدر آسٹریلیا کے وزیر خارجہ ڈاکٹر ایوٹ تھے۔ بحث کے دوران میں اول کمیٹی نے دو سب کمیٹیاں مقرر کیں۔ ایک کے سپرد یہ کام ہوا کہ تقسیم کی تفاصیل پر غور کر کے رپورٹ کرے اور دوسری کے ذمہ یہ فرض عائد کیا گیا کہ فلسطین کی وحدت برقرار رکھتے ہوئے عربوں اور صہیونیوں کے حقوق کی حفاظت کا منصوبہ تیار کرے۔ کولمبیا کے مندوب دوسری کمیٹی کے صدر منتخب کیے گئے۔ کچھ دن بعد وہ اس ذمہ داری سے دست کش ہو گئے اور ان کی جگہ اس سب کمیٹی نے مجھے صدر منتخب کیا۔ دونوں سب کمیٹیوں کی رپورٹ پر طویل بحث و تمحیض کے بعد اول کمیٹی نے تقسیم کے حق میں تجویز منظور کر لی۔ اس عرصے میں بہت کشمکش جاری رہی۔

جب پاکستان کی طرف سے میں نے پہلی بار تقریر شروع کی تو عرب نمائندگان کو کچھ اندازہ نہیں تھا کہ میری تقریر کا رخ کس طرف ہوگا۔ پاکستان ایک دو دن قبل ہی اقوام متحدہ کا رکن منتخب ہوا تھا۔ عرب ممالک کے مندوبین ہمیں خاطر ہی میں نہیں لاتے تھے اور ہماری طرف سے بالکل بے نیاز تھے۔

میری تقریر کا پہلا حصہ تو تاریخی اور واقعاتی تھا۔ جس کے بعض حصوں سے عرب مندوبین بھی ناواقف تھے جب میں نے تقسیم کے منصوبے کا تجزیہ شروع کیا تو اور اس کے ہر حصہ کی ناانصافی کی وضاحت کرنی شروع کی تو عرب نمائندگان نے توجہ سے سننا شروع کیا۔ تقریر کے اختتام پر ان کے چہرے خوشی اور طمانیت سے چمک رہے تھے۔ اس کے بعد اس معاملہ میں عرب موقف کا دفاع زیادہ تر پاکستان کا فرض قرار دے دیا گیا۔

تقریریں تو عرب مندوبین کی طرف سے بہت ہوئیں اور بعض ان میں ٹھوس اور موثر دلائل سے آراستہ بھی تھیں لیکن عرب فصاحت کا اکثر حصہ جذباتی رنگ لیے ہوئے تھا اور وقت کا بہت سا حصہ انہوں نے یہ ثابت کرنے کی بے سود کوشش میں صرف کیا کہ فلسطین میں جو یہودی آ کر آباد ہو رہے ہیں ان میں سے اکثر نسل ابراہیم ہی بلکہ روسی قبیلے بنام خازار سے ہیں جن کے آباؤاجداد نے ایک وقت میں یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ عرب موقف ہر پہلو سے اس قدر مضبوط اور قرین انصاف تھا کہ اسے تقویت دینے کے لیے ایسے غیر متعلق دلائل کی طرف رجوع کرنا دراصل اسے کمزور کرنا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عرب مندوبین نے مرکزی ہدایت کے ماتحت اپنے دلائل اور تقریروں کو ترتیب نہیں دیا تھا۔ جو کچھ کسی کے ذہن میں آ جاتا وہ اسے بیان کرنے سے رک نہ سکتا۔ بحث کے دوران ہی یہ ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا کہ کمیٹی کا فیصلہ دلائل یا انصاف کی بنا پر نہیں ہو گا۔

کمیٹی میں نیوزی لینڈ کے نمائندے سر کارل بیرنڈسن تھے میری ایک تقریر کے بعد کمیٹی سے نکلتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ اچھی تقریر تھی، صاف، واضح، پر دلائل اور نہایت موثر۔ سر کارل چونکہ خود نہایت اچھے مقرر تھے مجھے ان کے اظہار تحسین سے خوشی ہوئی میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دریافت کیا" سر کارل پھر آپ کی رائے کس طرف ہو گی؟ وہ خوب ہنسے اور کہا" ظفراللہ رائے بالکل اور معاملہ ہے"۔

جب بحث کا سلسلہ ختم ہو کر تقسیم کے منصوبے کے تفصیلی حصوں پر رائے زنی شروع ہوئی تو کمیٹی کے اجلاس کے دوران ہی ڈنمارک کے مندوب میرے پاس آئے اور فرمایا واقعات اور تمہارے دلائل سے صاف ظاہر ہے کہ تقسیم کا منصوبہ بالکل غیر منصفانہ ہے اور اسے عربوں کے حقوق پر نہایت مضر اثر پڑے گا۔ سکینڈے نیویا کے تمام ممالک کے نمائندوں کی یہی رائے ہے۔ معلوم ہوتا ہے تقسیم کی تجویز ضرور منظور ہو جائے گی کیونکہ امریکہ کی طرف سے ہم پر بہت زور ڈالا جا رہا ہے میں تمھیں یہ بتلانے آیا ہوں کہ کمیٹی میں عام طور پر یہ احساس ہے کہ

ہم امریکہ کے دباؤ کے ماتحت ایک بے انصافی کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔

اس احساس کا تمہیں فائدہ اٹھانا چاہیے تم نے اپنی تقریروں میں علاوہ تقسیم کی سرے سے مخالفت کرنے کے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اس کی بعض تجاویز ظاہرہ طور پر عرب حقوق کو غصب کرنی والی ہیں مثلا یافہ کا شہر جس کی 99 فیصد آبادی عرب ہے اسے اسرائیل میں شامل کیا گیا ہے اسی طرح اور بہت سی ایسی خلاف انصاف تجاویز ہیں۔ اس وقت کمیٹی کی کاروائی بڑی جلدی میں ہورہی ہے اگر تم ان تجاویز کے متعلق ترامیم پیش کرتے جاؤ اور مختصر سی تقریر یر ہر ترمیم کی تائید میں کردو تو ہم سیکنڈے نیوی کے پانچوں مما لک کے نمائندے تمہاری تائید میں رائے دیں گے۔ اور کمیٹی کی موجودہ فضا میں تمہاری تمام ترمیمیں منظور ہوجائیں گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر تقسیم کی ترمیم منظور ہو بھی گئی تو بہت سے امور میں عربوں کی اشک شوئی ہوجائے گی۔

مجھے یہ تجویز پسند آئی اور میں یہ دیکھنے کے لیے ان کا اندازہ درست ہے یا نہیں ایک معمولی ترمیم پیش کرنے پر فوراُرائے شماری ہوئی اور ترمیم منظور ہوگئی اور اس السید جمال الحسینی نے جو فلسطینی وفد کے سربراہ تھے اور جن کی نشست عین میرے عقب میں تھی مجھ سے کہا ظفر اللہ یہ تم نے کیا کیا۔ میں نے ڈینش مندوب کی بات انہیں بتلائی انھوں نے حیران ہوکر دریافت کیا کہ اگر تمہاری تمام ترامیم منظور ہوگئیں تو تم تقسیم کے حق میں رائے دو گے؟

مَیں نے کہا ہرگز نہیں! ہم پھر بھی پرزور مخالفت کریں گے لیکن اتنا تو ہوگا کہ تقسیم کا منصوبہ بہت کمزور ہوجائے گا اور اگر منظور ہو ہی گیا تو اتنا برا نہیں ہوگا جتنا اس وقت ہے۔

السید جمال الحسینی: ہمارے لیے تو بڑی مشکل ہوگی۔

ظفر اللہ خان: آپ عرب ریاستوں کے نمائندوں سے کہہ دیں کہ وہ بے شک ترمیم کے حق میں رائے نہ دیں غیر جانبدار رہیں۔

السید جمال الحسینی: مشکل تو پھر بھی حل نہیں ہوتی۔

ظفر اللہ خان: کیا مشکل ہے؟

السید جمال الحسینی: مشکل یہ ہے کہ اگر تقسیم ہمارے حقوق کو واضح طور پر غصب کرنے والی نہ ہوئی تو

ہمارے لوگ اس کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے اور ہمیں سخت نقصان پہنچے گا۔تم مہربانی کرو اور کوئی ترمیم پیش نہ کرو۔ میں خاموش ہو گیا۔‘‘

معزز قارئین! فلسطینی قیادت کسی بھی قیمت پر قضیہ فلسطین پر راضی ہونے کو تیار نہ تھی، وہ صرف لڑنے یعنی جہاد پر آمادہ تھی۔گزشتہ تہتر برسوں میں صیہونیوں نے عربوں کے ہر لڑائی اور معرکہ آرائی میں نا صرف علاقے چھینے بلکہ بے شمار فلسطینیوں کو شہید بھی کیا ہے۔اس وقت حالت یہ ہے کہ تمام عرب مما لک بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ سارا عالم اسلام مل کر بھی صیہونیوں کو شکست فاش دینے کے قابل نہیں ہے۔

اس کے بعد اقوام متحدہ کی اسمبلی میں کیا ہوا؟ محمد ظفر اللہ خان لکھتے ہیں:۔

’’قوائد کے مطابق کمیٹی میں ہر تجویز کثرت آراء کے ساتھ منظور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کمیٹی میں تقسیم کا منصوبہ منظور ہو گیا لیکن اسمبلی کے اجلاس میں ہر اہم معاملے کے متعلق تجویز کی منظوری کے لئے 3/2 آراء کی تائید لازم ہوتی ہے اب ہماری کوشش یہ ہے کہ تقسیم کے حق میں دو تہائی کثرت پوری نہ ہو اسمبلی میں بھی کاروائی خاصی لمبی ہو گئی۔تقریروں کی افتاد سے ہمیں کچھ امید بندھنے لگی کہ تقسیم کی تجویز منظور نہیں ہو گی۔اندازہ تھا کہ نومبر کے آخری بدھ کے دن رائے شماری ہو جائے گی۔بعض مما لک کے متعلق ابھی پختہ علم نہیں تھا کہ وہ کس طرف رائے دیں گے مثلا لائبیریا کی طرف سے ابھی اظہار رائے نہیں ہوا تھا۔میں فلشنگ جانے سے قبل لائبیرین وفد کے سربراہ مسٹر ڈینس کو ملنے کے لئے والڈارف اسٹوریا ہوٹل گیا۔وہ اسمبلی جانے کو تیار تھے میں نے ان کی رائے معلوم کرنی چاہی انہوں نے کہا میری ذاتی ہمدردی تو عربوں کے ساتھ ہے اور ابھی تک میری حکومت کی ہدایت بھی یہی ہے کہ تقسیم کے خلاف رائے دی جائے لیکن امریکہ کا دباؤ ہم پر بڑھ رہا ہے۔کوشش کرو کہ آج رائے شماری ضرور ہو جائے۔اس صورت میں تقسیم کے خلاف رائے دیں گے لیکن اگر آج رائے شماری نہ ہوئی تو پھر معلوم نہیں کیا صورت ہو۔میری موجودگی میں انہوں نے اپنی سیکرٹری کو کہا میں اب اسمبلی کے اجلاس کے لئے جا رہا ہوں میرے نام کہیں سے بھی کوئی پیغام آئے تو مجھے مت بھیجنا جو کچھ بھی میں واپس آ کر دیکھ لوں گا مجھ سے کہا آپ نے دیکھ لیا میں نے آج کا انتظام تو کر لیا ہے۔ میں نے ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور میں بھی اسمبلی کے اجلاس کے لئے فلشنگ چلا گیا۔صبح کا اجلاس ختم ہونے تک یہ قیاس محکم ہو گیا کہ تقسیم

کی تجویز منظور نہیں ہوگی۔سہ پہر کا اجلاس شروع ہونے سے عین پہلے السید فاضل جمالی وزیر خارجہ عراق بڑی پریشانی حالت میں میرے پاس آئے اور فرمایا میں نے سنا ہے کہ آج کا اجلاس بغیر رائے شماری ملتوی ہو جائے گا۔چلو صدر اسمبلی سے چل کر معلوم کریں۔اسمبلی کے صدر برازیل کے مسٹر رانیا تھے۔ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔انہوں نے فرمایا کل Thaksgiving day ہے اور سیکرٹری جنرل ٹرگوے لی کہتے ہیں اسمبلی کا اسٹاف آج شام دیر تک کام کرنے پر رضامند نہ ہوگا۔اس لئے آج سہ پہر کے اجلاس کے بعد اجلاس پرسوں صبح تک ملتوی کرنا پڑے گا۔ہم نے کہا کہ رائے شماری آج سہ پہر کے اجلاس کے آخر میں ہو جانی چاہئے۔صدر نے فرمایا اس کے لئے وقت نہیں ہوگا۔ابھی پانچ تقریریں باقی ہیں پھر ممکن ہے بعض مندوبین رائے شماری سے پہلے اپنی رائے کی وضاحت کرنا چاہیں۔ہم نے کہا پانچ تقریریں کرنے والوں میں دو تو ہم ہیں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہیں آپ ہمارے نام فہرست سے کاٹ دیں باقی صرف تین رہ جائیں گے اور آراء کی وضاحت کے متعلق آپ کا اختیار ہے کہ آپ اسے رائے شماری ہو جانے کے بعد ملتوی کر دیں۔لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے ہم ان پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتے تھے کیونکہ اگر تقسیم کے حامی التوا پر مصر تھے تو صدر اگر التوا پر رضامند نہ بھی ہوتے تو کثرت رائے سے التوا ضرور ہو جاتا۔لیکن یہ عذر کہ سٹاف دیر تک کام کرنے پر رضامند نہ ہوگا ایک عذر لنگ تھا۔اس کے بعد آج تک نہ صرف Thanksgiving day سے پہلی شام سٹاف نے حسب ضرورت دیر تک کام کرنے پر کوئی عذر نہیں کیا بلکہ Thankgiving day پر بھی ہمیشہ اسمبلی کا اجلاس دو بجے دوپہر تک ہوتا رہا ہے۔اس میں شک نہیں کہ اور سیکرٹری جنرل دونوں امریکن دباؤ کے ماتحت اور رجحان سے صیہونیوں کی تائید میں تھے اور جب تقریروں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ تقسیم کی تجویز کو دو تہائی کی تائید حاصل نہیں تو وہ دونوں اس منصوبے میں شریک ہو گئے کہ اجلاس جمعہ کی صبح تک ملتوی کیا جائے تا کہ اس وقفہ میں صیہونی صدر ٹرومین کے دباؤ کے ذریعہ تین چار ایسے ممالک کی تائید حاصل کر سکیں جو اب تک تقسیم کے خلاف تھے۔

سہ پہر کے اجلاس میں میں نے اپنی تقریر میں مغربی طاقتوں کو پرزور انتباہ کرتے ہوئے کہا۔آپ نے اول عالمی جنگ کے دوران میں جو وعدے عربوں سے کئے تھے ان کی خلاف ورزی نہ کریں اگر آپ ایسا کریں گے تو بدعہدی کے مرتکب ہوں گے اور آئندہ عربوں کا اعتماد کلی طور پر آپ سے اٹھ جائے گا۔تقریر ختم

کرتے ہوئے میں نے کہا:۔

I beg you, I implore you,I entreat you not to destroy your credit in arab countries.Tomorrow you may need their friendship but you will never get it.

لیکن طاقت کا گھمنڈ اندھااور بہرہ کر دیتا ہے۔ہمارے احتجاج اور ہمارے انتباہ صدر الصحرا ثابت ہوئے اپنی چوتھی میعاد کی ابتداء ہی میں فوت ہو گئے اور مسٹر ٹرومین نے ان کی جگہ صدارت سنبھال لی 1940ء کے نومبر میں پھر انتخاب ہونے والا تھا۔اوراب کی بار مسٹر ٹرومین صدارت کے امیدوار تھے۔صدارتی انتخاب سے ایک سال قبل ہی سارے امریکہ میں بحران کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔اورامیدواراوران کے حمایتی اپنی کامیابی کے لئے ہرانہونی کر گذرتے ہیں مسٹر ٹرومین کو یہ خوف لاحق تھا کہ انہیں شائد اپنی پارٹی کی پر جوش تائید حاصل نہ ہواس لئے وہ سبھی سے سرتوڑ کوشش میں تھے کہ ان کا پلڑا جس قدر بھاری بنایا جا سکے بنایا جائے۔اس جدوجہد میں انہیں امریکہ کے یہودی عنصر کی تائید کی شدید ضرورت تھی۔نیویارک میں یہودی عنصر نہایت زبردست ہےاورصدرٹرومین انہیں خوش رکھنے پر تلے ہوئے تھے۔اس دھن میں انہوں نے اس واضح حقیقت کو بھی نظرانداز کر دیا کہ روس اوران کے ہم خیال ممالک بھی تقسیم کی تائید میں ہیں اوراس مؤقف سے ان کی واحدغرض یہ ہے کہ تقسیم کی تجویز منظور ہوجائے تا کہ عرب ریاستوں کے ساتھ امریکہ کے تعلقات الجھ جائیں۔میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ امریکی وفد کے مشیران قانونی نے یہ مشورہ دیا تھا کہ تقسیم کی تجویز کرنا اسمبلی کے اختیارات سے باہر ہےلیکن صدرٹرومین نے یہ مشورہ بھی رد کر دیا۔اب اس آخری مرحلے پر صدرٹرومین کی سرگرمیوں کا اندازہ ان واقعات سے کیا جاسکتا ہے۔لائبیریا کا موقف لائبرین وفد کے سربراہ مسٹر ڈینس کی زبانی بیان کیا جا چکا ہے۔ہائٹی کے مندوب نے اپنی تقریر میں بڑے جوش سے کہاتقسیم کی تجویز نہایت غیر منصفانہ تجویز ہے ہم ہرگز اس رضامند نہیں ہو سکتے میری حکومت کی مجھے ہدایت ہے کہ ہم اس کے خلاف رائے دیں۔فلپائنز کی طرف سے جنرل رومیولو جیسے فصیح البیان طلیق اللسان مقرر نے منفرد نقطہ نگاہ سے تقسیم کی تجویز کے پرخچے اڑائے اور پورے وثوق سے اعلان کیا ہم ہرگز اس کی تائیدنہیں کر سکتے جمعہ کے دن رائے شماری ہوئی

اور نام پکار کر رائے لی گئی عین اس سے قبل ہائٹی کے مندوب مجھ سے آ کر ملے۔ان کی آنکھوں بہہ رہے تھے میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور نہایت اندوہناک لہجے میں کہا مسٹر منسٹر پرسوں رات تک تو ہمارا وہی موقف تھا جو میں نے اپنی تقریر میں بیان کیا تھا اب مجھے یہ ہدایت موصول ہوئی ہے کہ تقسیم کے حق میں رائے دو۔تقسیم کے حق میں رائے شماری میں جب ہائیٹی کا نام پکارا گیا تو ایک بیدلی سے کہی گئی ہاں سنی گئی جنرل رومیولو نیویارک سے واپس روانہ ہو چکے تھے۔فلپائن کا نام پکارے جانے پر جواب اسی طرح کا تھا جیسا لائیبیر یا کا جواب ہاں تھا۔لاطینی امریکہ کی ریاستوں میں سے صرف کیوبا نہ پر اڑا رہا۔تجویز کے حق میں دوتہائی آراء ہوگئیں۔ تجویز منظور ہوگئی۔

اقوام متحدہ کی بنیاد انصاف،مساوات اور حق خوداختیاری پر رکھی گئی تھی لیکن فلسطین کے معاملے میں ان تینوں اصولوں کا خون کیا گیا۔میثاق اقوام متحدہ میں معاہدات کی پابندی پر زور دیا گیا ہے لیکن فلسطین کے معاملے میں برطانیہ نے جو معاہدات شاہ حسین کے ساتھ کئے تھے ان کی صریح خلاف ورزی کی گئی یہ درست ہے کہ تقسیم کے متعلق رائے شماری میں برطانیہ غیر جانبدار رہا لیکن برطانیہ اعلان بالفور کے ذریعے اسرائیل کی بنیاد رکھ چکا تھا اور فلسطین کے قضیئے کی ابتداء اعلان بالفور سے ہوئی فلسطین میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اور فلسطین کی وجہ سے جس طرح دنیا کا امن برباد ہوگا اور نوع انسان کے ایک بڑے طبقے پر جو تباہی اور مصائب وارد ہوں گے ان کی تمام تر ذمہ داری اول برطانیہ اور مسٹر بالفور پر ان کے بعد ریاستہائے متحدہ امریکہ اور خاص طور پر صدر ٹرومین پر ہوگی۔

فلسطین پر برطانیہ کی نگرانی ختم ہونے کے دوسرے دن صیہونیوں کی طرف سے اسرائیل کے قیام کا اعلان ہوگیا۔یہ اعلان ہوتے ہی صدر ٹرومین کی حکومت نے اسرائیل کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔جب مجلس امن میں اسرائیل نے اقوام متحدہ کی رکنیت کی درخواست پیش کی تو اس پر رائے شماری کے وقت برطانیہ غیر جانبدار رہا جب یہ درخواست اسمبلی میں پیش ہوئی تو میثاق اقوام متحدہ کی دفعہ 27 کے فقرہ 3 کی صریح عبارت کے خلاف باوجود مستقل رکن مجلس امن کی تائید حاصل نہ ہونے کے مجلس امن کی سفارش بحق اسرائیل کو جائز قرار دے کر اسمبلی نے اسرائیل کی رکنیت قبول کر لی۔

(تحدیث نعمت۔ صفحات ۵۲، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۵۰)

یہ تھے وہ تاریخی حقائق جن کو سامنے رکھتے ہوئے معمولی شعور رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر اسرائیل کو بنانے والے ناانصاف، مکار اور جھوٹے تھے تو اسرائیل کی مخالفت کرنے والے منافق اور پرلے درجہ کے احمق یہ سمجھتے تھے کہ لڑائی یعنی جہاد کر کے اسرائیل کے وجود نامسعود کو مٹا سکتے ہیں۔ گزشتہ سات دہائیوں میں اسرائیل کا وجود عربوں کے جذبہ جہاد کو کچلتے ہوئے مصر، شام، اردن کے وسیع رقبے تک پھیل چکا ہے۔

جب ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے لارڈ ڈلٹن نے اپنی معلومات کی بنا پر اس امید کا اظہار کیا کہ عربوں اور صیہونیوں کے درمیان سمجھوتہ ممکن ہے اور اس سمجھوتے کا خاکہ بھی پیش کیا۔ تو سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے اس کا یہ جواب دیا کہ عیسائی مذہب میں میاں بیوی کی علیحدگی بذریعہ طلاق کے خلاف حضرت مسیحؑ کا ایک مقولہ بیان کیا جاتا ہے:

Those whom God has joined together let no man put asunder.

(جسے خدا نے جوڑا ہے اسے کوئی الگ نہ کرے)

مَیں نے اس مقولے کے الفاظ تبدیل کر کے کہا کہ فلسطین میں جو صورت حال پیدا ہوگئی ہے اس کا صحیح نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا جا سکتا ہے:

Those whom God has put asunder let no man joined together.

(جسے خدا نے الگ کر دیا ہے اسے کوئی نہ جوڑے)

آج ستر برس سے زائد بیت چکے ہیں اور سمجھوتے کے آثار دور دور تک دکھائی نہیں دیتے۔ اقوام متحدہ کے کردار کے متعلق چوہدری صاحب نے سچ کہا تھا کہ:۔

''اقوام متحدہ کا ناصور پھونکا گیا لیکن میڈرڈ کی دیواریں تو متزلزل نہ ہوئیں۔''

☆☆☆

اسلامی جمھوریہ پاکستان میں اقلیتوں اور مسلمان اقلیتی فرقوں اور جماعتوں کی حالت زار

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اقلیتوں اور مسلمان اقلیتی فرقوں اور جماعتوں کی حالت زار کیا ہے؟ سب سے پہلے غیر مسلم اقلیتوں پر ہونے والے ظلم وزیادتی کی وجوہات پیش خدمت ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے تھے، ان کی کابینہ میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی تھے جیسے کہ اسمبلی کے اسپیکر جگن ناتھ اور وزیر قانون جگندھر ناتھ منڈل تھے اور اسی طرح قائداعظم نے مسیحی فرقے سے تعلق رکھنے والے کو سپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس مسٹر کارنیلیسن اور فارن آفس میں ایس ایم برق کو نامزد کیا ان کے چیف سیکیوریٹی افسر پارسی تھے اسی طرح جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے سر محمد ظفراللہ خان کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا۔ آئین ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس جگندھر ناتھ منڈل کی صدارت میں شروع ہوا تھا، متفقہ طور پر قائداعظم کو صدر بنا دیے جانے پر جگندھر ناتھ منڈل نے کرسی صدارت سے اٹھ گئے اور قائداعظم کرسئ صدارت پر تشریف فرما ہو گئے۔

آئین ساز اسمبلی کے پہلے صدر کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی پہلی تقریر کرتے ہوئے پاکستان کی آئین سازی کا سنگ بنیاد ان الفاظ کے ساتھ رکھا تھا:۔

''خواہ آپ کا تعلق کسی مذہب، ذات یا عقیدے سے ہو اس کا امور مملکت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔ مذہبی اعتبار سے نہیں کہ یہ ہر فرد کا ذاتی عقیدہ ہے بلکہ سیاسی اعتبار سے کہ وہ ایک قوم کے شہری ہیں۔'' (۱۱ستمبر ۱۹۴۷ء)

۱۵دسمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں آل انڈیا مسلم کونسل کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا:۔

''پاکستان اسلامی نظریات پر مبنی ایک مسلم ریاست ہوگی اور یہ کوئی پاپا پیت نہیں ہوگی۔''

یہ تھے قائداعظم کے افکار وخیالات۔قائداعظم سو فیصد اسلامی فلاحی نظریات رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ آئین پاکستان کی بنیاد یہی فلاحی نظریات ہوں۔ مذہب کا جھنڈا جب ریاست اٹھا لیتی ہے تو عوام شہری حقوق حاصل کرنے سے محروم ہو جاتی ہے اور مذہبی ،لسانی ،علاقائی تعصّبات کا شکار ہو کر برباد حال ہو جاتی ہے۔ یہ بات قائداعظم بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اسی لیے آپ نے دہلی میں تیسویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

''مسلمان گروہوں اور فرقوں کی نہیں اپنے اندر اسلام اور قوم کی محبت پیدا کریں کیونکہ ان برائیوں نے مسلمانوں کو دو سو برس سے کمزور کر رکھا ہے مزید برآں یہ فرمایا کہ جس ملک کی آج ہم بنیاد رکھنے جارہے ہیں اس میں ذات پات،نسل و مذہب کی بناء پر کسی سے امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا اور ہم سب ایک ریاست میں برابر کے شہری ہیں۔''

قائداعظم نے تحریک آزادی کے دوران ایک مرتبہ بھی علماء،مولوی اور مولانا حضرات کے مطالبات کو نہ تحسین کی نگاہ سے دیکھا اور نہ ہی ان کے سوقیانہ خیالات پر کبھی غور کرنے کی ضرورت محسوس کی ۔قائداعظم جانتے تھے کہ یہ نام نہاد مذہبی راہنما تفرقے کو پسند کرتے ہیں اور مذہب کو آڑ بنا کر عام لوگوں کی زندگیوں سے کھیلنا چاہتے ہیں ۔چنانچہ ایک مرتبہ علماء حضرات نے قائداعظم سے کہا کہ آپ نماز کے وقت پنڈال میں باجماعت نماز ادا کرنے کا اہتمام کیا کریں۔اس پر آپ نے فرمایا کہ:۔

''نماز کی اہمیت سے مجھے انکار نہیں لیکن آپ کی تجویز میں مجھے ایک خطرہ نظر آتا ہے۔اور وہ یہ کہ نماز باجماعت میں ایک امام کا ہونا ضروری ہے۔اگر میں خود امامت کے لئے کھڑا ہو جاؤں تو شاید یہ تمام حاضرین میرے پیچھے نماز پڑھ لیں۔لیکن میں اپنے آپ کو اسکا اہل نہیں سمجھتا۔اسکے بعد سوال یہ پیدا ہوگا امام کسے بنایا جائے۔اگر امام دیوبندی ہوگا تو بریلوی حضرات اسکے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کردیں گے۔اور یہی صورت بریلوی کی بجائے دوسرے امام کے پیچھے پڑھنے میں پیدا ہوگی۔لہٰذا اس صورت حال میں یہ ہوگا کہ ایک پنڈال میں مختلف جماعتیں کھڑی ہو جائیں گی۔اس سے غیر مسلموں کے سامنے اُمتِ مسلمان کے اختلاف نمایاں ہو

جائیں گے۔اور وہ کہیں گے کہ جو قوم ایک امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتی وہ ایک متفقہ علیہ اسلامی ریاست کیسے قائم کرے گی۔اس وقت تو آپ مجھے معاف فرمائیں آئندہ دیکھا جائے گا۔''

(تعمیر پاکستان و علماء بحوالہ مذہبی وسیاسی فرقہ بندیاں از محمد اشرف ظفر صفحہ ۷۵)

اسی طرح ایک بار مسلم لیگ کے ایک ضلعی سربراہ کے خلاف یہ تحریک شروع ہوئی کہ وہ قادیانی ہے اور معاملہ قائداعظم تک پہنچا تو انہوں نے یہ رولنگ دی کہ ''اگر وہ خود کو مسلمان کہتا ہے تو بس ٹھیک ہے۔'' قائد اعظم تفرقہ باز، فرقہ باز مذہبی عناصر کو یہی کہتے کہ مذہبی بحثوں میں نہ الجھو اور جو شخص خود کو مسلمان کہتا ہے اسے مسلمان سمجھ لو۔''

قائداعظم ہی کا فرمان ہے کہ ''صوبہ پرستی ایک لعنت ہے۔جس طرح مذہبی فرقہ بندی شیعہ، سُنّی وغیرہ بہت بڑی لعنتیں ہیں۔'' (بحوالہ تقاریر بحثیت گورنر جنرل صفحہ۸۴)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تفرقہ باز مذہبی عناصر کے پاکستان کے متعلق کس طرح کے بیہودہ اور قابل مذمت خیالات تھے ایک واقع بیان کر دیا جائے۔

گم گشتہ قوم نامی کتاب کے مصنف مجاہد آزادی جناب سردار شوکت حیات خان صاحب ہیں۔اس کتاب کا ایک ورق معزز قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔سردار شوکت خان صاحب لکھتے ہیں:۔

''ایک دن مجھے قائداعظم کی طرف سے پیغام ملا شوکت مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم بٹالہ جا رہے ہو جو قادیان سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے تم وہاں جاؤ اور حضرت صاحب کو میری درخواست پہنچاؤ کہ وہ پاکستان کے حصول کے لیے اپنی نیک دعاؤں اور حمایت سے نوازیں۔جلسے کے اختتام کے بعد مَیں نصف شب تقریباً بارہ بجے قادیان پہنچا۔تو حضرت صاحب آرام فرما رہے تھے۔مَیں نے ان تک پیغام پہنچایا کہ مَیں قائداعظم کا پیغام لے کر حاضر ہوا ہوں، وہ اسی وقت نیچے تشریف لائے اور استفسار کیا کہ قائداعظم کے کیا احکامات ہیں۔مَیں نے کہا کہ وہ آپ کی دعا اور معاونت کے طلبگار ہیں۔انہوں نے جواباً کہا کہ وہ شروع ہی سے ان کے مشن کے لیے دعا گو ہیں اور جہاں تک ان کے پیروکاروں کا تعلق ہے، کوئی احمدی مسلم لیگ کے خلاف انتخاب میں کھڑا نہ ہوگا اور اگر کوئی اس سے غداری کرے گا تو وہ ان کی جماعت کی حمایت سے محروم رہے گا۔اس ملاقات کے نتیجے میں

ممتاز دولتانہ نے سیالکوٹ کے ایک حلقے میں ایک احمدی نواب محمد دین کو بھاری اکثریت سے شکست دی۔قادیانی لوگوں نے اپنے امیر کے حکم کی بجا آوری میں محمد دین کی بجائے ممتاز کو ووٹ دیے۔''

''جب میں پٹھانکوٹ پہنچا تو قائد اعظمؒ نے مولانا مودودی سے بھی ملنے کے لیے حکم فرمایا تھا۔وہ چوہدری نیاز کے گاؤں سے متصل باغ میں رہائش پذیر تھے۔مولانا بنیادی طور پر دیو بندی مسلک سے تعلق رکھتے تھے جو اس وقت انڈین نیشنل کانگرس کے حامی تھے۔جب مَیں نے انہیں قائد اعظم کا پیغام پہنچایا کہ وہ پاکستان کے لیے دعا کریں اور ہماری حمایت کریں تو انہوں نے جواباً کہا کہ:''وہ کیسے ناپاکستان (ناپاک جگہ) کے لیے دعا کر سکتے ہیں۔مزید برآں پاکستان کیسے بن سکتا ہے،جس وقت تک کہ تمام ہندوستان کا ہر فرد مسلمان نہیں ہو جاتا۔''جماعت اسلامی کے قائد کی یہ بصیرت اور نظریہ تھا۔پاکستان کے متعلق مولانا مودودی کا رویہ ہمیشہ مخالفانہ ہی رہا۔بعدازاں یہی مولانا میری مدد کے طلبگار ہوئے کہ انہیں ان کے علاقے کے غیر مسلموں سے بچایا جائے، مَیں اس وقت پنجاب میں وزیر تھا۔چنانچہ میں نے فوج کی مدد سے انہیں باحفاظت پٹھان کوٹ سے پاکستان پہنچایا۔'' (گم گشتہ قوم۔مجاہد آزادی سردار شوکت حیات خان۔صفحہ ۱۹۵۔شائع کردہ جنگ پبلشرز لاہور۔اشاعت اول دسمبر ۱۹۹۵ء)

معزز قارئین! قائد اعظم محمد علی جناح کے مدبرانہ افکار و خیالات کی روشنی میں اگر آئین سازی کی جاتی تو یقیناً پاکستان اسلامی فلاحی ریاست ہوتا، ہر پاکستانی بلا امتیاز، مذہب، رنگ و نسل، غربت اور جہالت جیسی آہنی زنجیروں سے رہائی پا کر خوشحالی اور امن و امان کے مزے لوٹ رہا ہوتا۔

قائد اعظم پاکستان کا آئین کس طرح کا بنانا چاہتے تھے،اس پر بھی آپ نے روشنی ڈالی تھی۔قائد اعظم نے نہرو رپورٹ پر ان کی تجاویز رد کر دیے جانے پر فرمایا تھا:۔

''جب تک اقلیتوں کو اس امر کا یقین نہ ہو کہ انہیں حکومت اور اس کے آئین کی رو سے بطور ایک وحدت کے اپنے مفادات کا تحفظ حاصل ہوگا۔اس وقت تک وہ کبھی ایسے آئین کی حمایت نہیں کر سکتیں قطع نظر اس سے کہ وہ آئین کیسا ہی قابل نمونہ اور کہنے کو کتنا ہی مکمل کیوں نہ ہو۔اس سوال کا جواب کہ کون سا دستور کامیاب ہوگا، یہی ہے کہ وہ دستور جس میں اقلیتوں کے حقوق محفوظ ہوں۔ورنہ کوئی بھی دستور دیرپا اور کامیاب نہیں ہو سکتا۔اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوگا کہ ملک انقلاب اور خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائے۔''

(قائداعظم۔دی اسٹوری آف اے نیشن۔صفحہ۲۰۸۔بحوالہ تاریخ نظریہ پاکستان از پیام شاہجہان پوری۔صفحہ۲۱۱۔۲۱۲)

اس سے پہلے کہ قائداعظم آئین سازی کا کام مکمل کرتے وہ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ قائداعظم کی وفات کے بعدان کے شاندار افکار اور خیالات کو بھی ان کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا۔قائداعظم کی وفات کے بعد لیاقت علی خان وزیراعظم بن گئے۔قائداعظم نے ایک اصول قائم کیا تھا کہ جو بھی ریاست کا سربراہ ہو گا وہ سیاسی جماعت کا سربراہ نہیں بن سکتا۔خود قائداعظم نے گورنر جنرل بنتے ہی مسلم لیگ کی صدارت چھوڑ دی تھی۔اس اصول کی دھجیاں لیاقت علی خان سے لے کر عمران خان تک سب اڑا چکے ہیں اور نجانے کب تک ایسا ہوتا رہے گا۔لیاقت علی خان کو اصولی طور پر فوری طور پر قائداعظم کی ہدایات کی روشنی میں آئین سازی کا کام مکمل کر کے عام انتخابات کا اعلان کرنا چاہیے تھا مگر انہوں نے اُن مذہبی عناصر کو ہدایت جاری کر دی کہ وہ قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کریں اور اس ضمن میں کچھ نکات بھی انہیں بتائے۔۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو لیاقت علی خان نے قرارداد مقاصد کا مسودہ دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کیا جسے دستور ساز اسمبلی نے منظور کر لیا۔ قرارداد مقاصد کا مسودہ مولوی شبیر احمد عثمانی نے تیار کیا تھا۔یہ وہی مولوی صاحب ہیں جنہوں نے ۱۲ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔پھر اسی مولوی نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد کا مسودہ دستور ساز اسمبلی میں پیش کر کے قائداعظم کے افکار و خیالات کا جنازہ نکال دیا اور ان افکار کی تدفین کے بعد قائداعظم کے افکار کے متضاد نیا فکر متعارف کروایا جس کی سزا قوم آج تک بھگت رہی ہے اور نجانے کب تک بھگتتی رہے گی۔ قائداعظم کی مدبرانہ اور دانشمندانہ سوچ کو اگر پیش نظر رکھ کر پاکستان کی تعمیر اور ترقی کے لیے کام کیا جاتا تو بلاشبہ پاکستان کی عوام دنیا کی پر امن اور خوشحال ترین عوام ہوتی۔اس قرارداد مقاصد کا متن پاکستان کو ناپاکستان کہنے والے مولانا مودودی نے ریڈیو پر قوم کو پڑھ کر سنایا۔مزید آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشہور کالم نگار محی الدین بن احمد دین صاحب کے قرارداد مقاصد کے متعلق خیالات قارئین کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں۔موصوف اپنے کالم میں لکھتے ہیں:۔

"قائداعظمؒ نئے مسلمان ملک کو قدیم طرز کی دینی اور مذہبی ایسی ریاست ہرگز نہیں بنانا چاہتے تھے جس میں عقل و شعور، تدبر و فراست، منطقی استدلال کی بجائے مولویان کرام، علمائے کرام کی خواہشوں،

خطبات،فتویٰ جات ہی ملکی وریاستی امور ہی ''نشان منزل'' اور''منزل مراد'' بن جائیں۔یہی وجہ ہے کہ زیارت میں بیمار جناح، گورنر جنرل، کے ساتھ وزیراعظم لیاقت علی خان، جن کے ہمراہ چوہدری محمد علی بھی تھے، ملاقات کو تلخ ہوتا جب دیکھتا ہوں تو میرا شک پختہ ہو جاتا ہے کہ قائداعظمؒ کا جو فکر، اسلوب و انداز فکر تشکیل پاکستان تھا، لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی اس اسلوب فکر و انداز سے کافی مختلف اسلوب فکر و انداز فکر رکھتے تھے۔اگر میں یہ کہوں کہ وہ قدیمی مذہبی سوچ کے علمائے کرام سے خود کو وابستہ رکھتے تھے تو شائد یہ اتنا بھی غلط نہ ہوگا جبکہ قائداعظمؒ شیعہ وسنی قدیم فکر کے علمائے کرام کی اہمیت سے آگاہی کے باوجود بھی پاکستانی فیصلہ سازی میں طرز کہن والے مسلمان پادریوں کی شکل وصورت کو اہم ترین جگہ نہیں دیتے تھے۔نہ ہی دے سکتے تھے۔

میرا شک مزید اس وقت بڑھ جاتا ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد لیاقت علی خان خود علماء سے رابطہ کر کے قرارداد پاکستان لانے کی تجویز دیتے ہیں، کچھ نکات بھی علماء کو دیتے ہیں، جب علمائے کرام مسودہ تیار کر دیتے ہیں تو وزیراعظم لیاقت علی اس میں مزید ترامیم واضافہ جات کراتے ہیں؛ پھر مسلم لیگی وزیراعظم خود اس قرارداد مقاصد کو اسمبلی سے پاس کرواتے ہیں۔مگر یہ سب کچھ اس وقت ہوتا ہے جب قائداعظمؒ دنیا سے جاچکے ہیں اور لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی اپنے ایجنڈے کو مکمل کر دیتے ہیں۔

قرارداد مقاصد سے پہلے بیوروکریسی میں موجود کچھ عناصر نے بھرپور کوشش کی تھی کہ وہ ملک کو مکمل طور پر یورپی طرز کا سیکولر ولبرل بنا دیں۔ یہ جنگ مخفی تھی مگر اتنی شدید تھی کہ بالآخر لیاقت علی خان کو قرارداد مقاصد سامنے لاکر اپنی ذاتی حیثیت منوانا پڑی مگر اس مذہبی سوچ کے لیاقت کو بھی لیاقت باغ میں دن دھاڑے شہید کر دیا گیا تھا۔ اس کے اسباب کیا تھے؟ ایسے میں بھی اقبالؒ اور جناحؒ والی جگہ لیاقت علی خان کو نہیں دے سکتا۔معذرت۔'' (23 اگست 2020ء کالم نگار محی الدین بن احمد دین روزنامہ اوصاف۔زاویہ)

پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی کے کل اراکین کی تعداد ۶۹ تھی۔مشرقی بنگال کے ۴۴، پنجاب کے ۱۷، سندھ کے چار، سرحد کے تین اور بلوچستان کا ایک رکن تھا۔جس وقت قرارداد مقاصد منظور کی گئی اس وقت پارلیمنٹ میں کل ۳۱ ارکان موجود تھے جن میں سے ۲۱ ارکان نے قرارداد مقاصد کے حق میں ووٹ دیے۔اقلیتی ارکان اور بنگالی ارکان نے اس قرارداد کے خلاف زبردست تقریریں کیں اور اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔جب

ان تحفظات کی طرف توجہ دلائی گئی تو مخالفین قرارداد کو اطمینان دلانے کے لیے غیر فعال کمیٹی بنادی گئی جس نے کچھ بھی نہ کیا۔ بنگالی اور اقلیتی ممبران اسمبلی سمجھتے تھے کہ ان کا مستقبل اور پاکستان کا مستقبل یہ قرارداد تاریک کر دے گی۔ان کا کہنا تھا کہ اس قرارداد نے پاکستان کے شہریوں کو مسلمانوں اور اقلیتوں میں تقسیم کر کے مذہبی تعصب کی بنیاد رکھ دی ہے۔قائداعظمؒ کے نامزد کردہ پاکستان کے پہلے وزیر قانون ومحنت جوگندر ناتھ منڈل تو اس قدر بددل ہوگئے کہ اپنی وزارت کو لات مار کر ملک چھوڑ کر بھارت چلے گئے تھے۔

قرارداد مقاصد کا منظور کیا جانا قائداعظم کے واضح ارشادات کی نفی تھی۔قائداعظم نے پاکستان کے تمام شہریوں کو برابر حقوق دینے کی بات کی تھی اور کسی کے عقیدہ یا مذہب کی بنیاد پر امتیازی سلوک کو رد کیا تھا۔آئین پاکستان قائداعظم کے ان افکار وخیالات کی نفی کرتے ہوئے اپنے شہریوں کو برابر کے حقوق نہیں دیتا۔ناصرف شہری حقوق نہیں دیتا بلکہ ان کے خلاف یعنی ان کے ضمیر کی آواز کی بھی توہین کرتا ہے۔ایسا بے رحم آئین ہمیں دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دیتا اگر دنیا کے کسی ملک کا آئین اسی طرح کی بے رحمی اپنے اندر رکھتا ہے تو وہ بھی انسانیت کی توہین کرنے والا ہے۔ریاست کے آئین کی یہ قطعاً عظمت نہیں کہ وہ کسی شہری کو یہ بتائے کہ تمہیں مسلمان ہونے کے باوجود تمہارے عقیدہ،نظریہ یا خیال سے اختلاف کی بنا پر غیر مسلم قرار دیا جاتا ہے۔اور اس بات میں بھی کسی قسم کا تقدس دکھائی نہیں دیتا کہ کسی ملک کا آئین کسی بھی مذہب کے لیے حدود متعین کرے، اور ریاستی آئین بتائے کہ تم پر یہ یہ مذہبی پابندیاں ہیں۔

قائداعظم کے فرمان:''خواہ آپ کا تعلق کسی مذہب، ذات یا عقیدے سے ہو اس کا امور مملکت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا'' پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا۔اور ریاست نے قائداعظم کے ارشادات کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے ٹھیکہ لے لیا۔قرارد مقاصد کے متن میں موجود درج ذیل فقرہ قائداعظم محمد علی جناح کے افکار وخیالات کا منہ چڑاتا دکھائی دیتا ہے۔

''مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن وسنت میں درج اسلامی تعلیمات ومقتضیات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔''

ریاست کے کاروبار میں قائداعظم نے فرمایا تھا کہ یہ نہیں پوچھا جائے گا کسی کا مذہب کیا ہے اور عقیدہ

کیا ہے، ہم سب ایک ریاست میں برابر کے شہری ہیں۔قرارداد مقاصد کی اگلی شق میں ریاست نے یہ ذمہ داری بھی اپنے ہاتھ میں لے لی کہ اقلیتوں کو اپنے مذہب کو آزادی سے پریکٹس کی اجازت بھی ریاست دے گی۔

''اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کے جائز حقوق، مذہبی اور ثقافتی آزادی کا پورا تحفظ کیا جائے گا۔''

جب دستور ساز اسمبلی سے قرارداد مقاصد منظور ہوئی اس دن سے لے کر آج کے دن تک پاکستانی قوم، قائداعظم کے بیان کردہ نشانِ منزل سے دور سے دور ہوتی چلی جارہی ہے۔اسی قرارداد کی بدولت پاکستان مخالف مولوی نما مذہبی جوکروں کو گل کھلانے کا موقع میسر آیا۔۱۹۵۳ء کے فسادات کروانے کے لیے دولتانہ جیسے بے ضمیر سیاست دان نے سب سے پہلے مولوی نما درندوں کو اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے احمدیوں کے خلاف استعمال کیا۔ممتاز دولتانہ کی اس بے ہودہ حرکت کی وجہ سے نا صرف پاکستان مخالف ملاؤں کو اپنی اہمیت منوانے کا موقع ملا بلکہ فوج کو بھی اقتدار کے خمار سے آشنا کرنے کا باعث بنا۔دولتانہ نے جو پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے ان کی وزیر اعظم بننے کی خواہش نے کچھ اس طرح ریاست کی بنیادیں ہلا دی تھیں کہ ہر باشعور پاکستانی یہ کہنے پر مجبور تھا کہ سیاسی حکمران ریاست کو چلانے کے قابل نہیں ہیں۔جس طرح پاکستانی قوم مذہبی فرقوں، گروہوں کے علاوہ علاقائی، لسانی اور نسلی طور پر تقسیم ہے اسی طرح پاکستان مسلم لیگ کے بھی کئی ٹکڑے ہو چکے ہیں جیسے کہ عوامی لیگ، جناح مسلم لیگ، کنونشن مسلم لیگ، کونسل مسلم لیگ، قیوم مسلم لیگ، نون مسلم لیگ، قاف مسلم لیگ، ضیاء مسلم لیگ، فنکشنل مسلم لیگ، جونیجو مسلم لیگ، پگارا مسلم لیگ، عوامی مسلم لیگ، آل پاکستان مسلم لیگ وغیرہ وغیرہ۔

وطن عزیز میں جاری بدترین صورت حال کی وجوہات پر بات کرتے ہوئے خاص وعام کی زبان جلتی ہے۔قائداعظم کی تصاویر کو تو پاکستان کے درودیوار اور دفاتر کی دیواروں پر آویزاں کر کے ان سے عقیدت کا اظہار کیا جاتا ہے اور ان کے افکار کا اپنے عمل سے مذاق اڑایا جاتا ہے۔قائداعظم کا شاندار مزار دنیا کے عظیم لوگوں کے مزاروں کا منہ چڑاتا ہے۔ہم نے ابراہم لنکن، چرچل، گوئٹے، بسمارک، ہٹلر، گاندھی اور دوسرے بہت سے عظیم لوگوں کے مزاروں، یادگاروں کو دیکھا تو حیران رہ گئے کہ یہ لوگ جن کے مزار و یادگاریں معمولی نوعیت کے ہیں۔ان کی قوموں نے قبروں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ان کے افکار سے فائدہ اٹھا کر ترقی کے

زینے چڑھ کر معزز کہلائیں۔زندہ قومیں اپنے قائدین کو مرنے کے بعد قبر میں اتارتی ہیں ان کے افکار کو نہیں۔ جب ہم آدھا پاکستان گنوا کر بچے کھچے پاکستان کی حالت زار کو دیکھتے ہیں تو دل بیقرار ہو کر صرف یہی کہتا ہے کہ ہماری خستہ حالی اور اخلاقی دیوالیہ پن کی سب سے بڑی وجہ بابائے قوم حضرت محمد علی جناحؒ کو ان کے افکار سمیت دفن کر کے منافقت کا مزار تعمیر کرنا ہے۔ان کے افکار کیا تھے اور انکی کیا اہمیت ہے؟ یہ سب بھلا کر نفرت، تعصب، کرپشن، جھوٹ، منافقت، عداوت، سفارش، بدکرداری، ناانصافی اور فرقہ واریت جیسی لعنت کو گلے کا ہار بنالیا گیا ہے۔قائداعظم جن خصوصیات سے مالا مال تھے ان خصوصیات کو صرف ان کی تصویر تک محدود کر دیا گیا ہے۔وہ احراری، مودودی پارٹی اور دوسرے پاکستان و قائداعظم مخالف مولوی آج بھی پاکستان اور قائداعظم کے دشمن ہیں۔قائداعظم کے مزار پر آج تک نہ جانے والے مولوی اسلامی نظام کا دیپ جلانے کے چکر میں قوم کو چکر پر چکر دے کر ان کی موت کا سامان کر رہے ہیں۔کسی بھی ملک کا آئین قوم کی سوچ کا عکاس ہوتا ہے۔پاکستان نامکمل آئین کے گھوڑے پر سوار ہو کر ۱۹۷۳ء تک پہنچا۔متفقہ آئین کی تشکیل تب ہوئی جب آدھا پاکستان نفرت اور عصبیت کی نظر ہو چکا تھا اور دو قومی نظریہ زخمی ہو کر کراہ رہا تھا۔سیاست دانوں نے قائداعظم کے پاکستان کو اسلامی ریپبلک آف پاکستان کا چوغہ پہنایا اور پھر اسے اتار کر اسلامی جمہوریہ نام کی چادر اوڑھا کر دنیا کے سامنے بھیک منگا بنا کر بٹھا دیا۔

قائداعظم کی وفات کے فوراً بعد پاکستان میں اسلامائزیشن کا آغاز ہو گیا تھا۔قائداعظم کی گیارہ ستمبر والی تقریر کو غائب کرنے کی کوشش کی گئی۔قائداعظم کے افکار بھلا دیے گئے۔اسلامی فلاحی ریاست کا تصور دھندلا گیا اور مذہبی ریاست کا خونی تصور اپنانے کی کوششیں کی جانے لگیں۔قائداعظم کی اسلامی فلاح ریاست کے لیے کی جانے والی کاوشوں کو پس پشت ڈال دیا گیا۔اس ضمن میں مشہور مورخ جناب حسن جعفر زیدی لکھتے ہیں کہ:۔

''7 تا 9 اپریل 1946ء دہلی میں زیر صدارت محمد علی جناح منعقد ہونے والے کنونشن سے جناح نے اپنی اختتامی تقریر میں کہا:

''ہم کس لئے لڑ رہے ہیں؟ ہمارا مقصد کیا ہے؟ یہ تھیوروکریسی کے لئے نہیں ہے نہ ہی یہ کسی

تھیوکریٹک ریاست کے قیام کے لئے ہے۔ مذہب اپنی جگہ پر ہے اور مذہب ہمیں عزیز ہے۔ جب ہم مذہب کی بات کرتے ہیں تو تمام دنیوی اشیا بے وقعت ہو جاتی ہیں لیکن بعض دوسری چیزیں بے حد اہمیت کی حامل ہیں ان میں ہماری معاشرتی زندگی اور معاشی زندگی ہے اور سیاسی اقتدار حاصل کیے بغیر آپ کس طرح اپنے عقیدے اور معاشی زندگی کا تحفظ کر سکتے ہیں؟ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اپنی مستند انگلش اردو ڈکشنری میں تھیوکریسی کے دو مطالب دیئے ہیں (1) حکومت الٰہی جس میں وحی الٰہی کے مطابق حکومت کی جائے۔(2) دینی حکومت مذہبی حکومت جس میں پیشوایان دین نائب الٰہی کی حیثیت سے حکومت کرتے ہیں۔ اسی طرح تھیوکریٹک کا مطلب دیا ہے کہ حکومت الٰہی یا دینی حکومت کا۔''

جناح نے بھی اپنے مفہوم میں وضاحت کرتے ہوئے معاشرتی زندگی اور سیاسی اقتدار کو دنیوی اشیا کی حیثیت سے دین سے جدا کیا ہے اور ان کی اہمیت کو واضح کیا ہے کہ ان کے بغیر عقیدے کا بھی تحفظ نہیں ہو سکتا چنانچہ جناح کے نزدیک حصول پاکستان کی جدوجہد کسی حکومت الٰہی یا مذہبی حکومت کے قیام کے لئے نہیں تھی اور نہ ہی اس میں ملاؤں کے اقتدار کی کوئی گنجائش تھی اس کا مقصد برصغیر کے دس کروڑ مسلمان عوام الناس کی معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی کی ترقی و ترویج تھا۔ مذہبی جماعتوں کو چونکہ مسلم عوام الناس کی فلاح و بہود سے کوئی سروکار نہیں تھا اور نہ انہیں جناح کے پاکستان میں اپنے اقتدار کا کوئی مستقبل نظر آتا تھا وہ اپنے کاروبار دین فروشی کی منڈی کے طور پر متحدہ برصغیر کو برقرار رکھنے کے حق میں تھے مسلم لیگ کے مذکورہ کنونشن کے چھ روز بعد یعنی 16 اپریل کو برصغیر کی سرکردہ مذہبی جماعتوں کے رہنماوں نے وزارتی مشن کے ساتھ ملاقات کر کے پاکستان کے خلاف اور متحدہ ہندوستان کے حق میں اپنا مئوقف پیش کیا ان راہنماوں میں جمیعت العلمائے ہند کے مولانا حسین احمد مدنی، آل انڈیا مومن کانفرنس کے صدر ظہیرالدین، آل انڈیا مجلس احرار کے صدر حسام الدین، آل پارٹیز شعبہ کانفرنس کے صدر حسین اور آل انڈیا مسلم مجلس کے صدر عبدالحمید خواجہ شامل تھے انہوں نے معمولی ردوبدل ساتھ وہی موقف اختیار کیا جو گاندھی اور کانگرس نے اختیار کر رکھا تھا۔''

(پاکستان کیسے بنا؟ از حسن جعفر زیدی و زاہد چوہدری صفحہ 301و302 حصہ اول)

معزز قارئین! ہندوستان اور پاکستان آزاد ہو گئے۔ ایک ملک ہندو اکثریت رکھتا تھا اور دوسرے

ملک میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔آیئے دیکھتے ہیں کہ ان دونوں مما لک نے آزاد ہوتے ہی کیا کیا؟ پہلے ہم ہندوستان کی آزادی پر ہندو سیاسی اور مذہبی شخصیات نے کس طرح استقبال کیا تھا؟

15 اگست 1947ء جمعہ کا دن تھا اور ہندو جوتشیوں کے نزدیک یہ بہت منحوس شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس تاریخ کا اعلان ہوتے ہی پورے ہندوستان کے جوتشیوں نے زائچے تیار کرنے شروع کر دیئے۔ بنارس اور جنوبی ہند کے جوتشیوں نے فوری طور پر اعلان کر دیا کہ 15 اگست اتنا منحوس دن ہے کہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہونے سے بہتر ہوگا کہ ہندوستان مزید ایک دن برطانوی کی عملداری میں گزار دے کلکتہ کے سوامی دیانند نے موقف اختیار کیا کہ 15 اگست برج جدی میں آ رہا ہے جس کی خصوصیت اس نے یہ بتائی کہ یہ مرکز گریز قوتوں یعنی بٹوارے کے رجحانات کو ہوا دیتا ہے۔ چنانچہ اس نے ماونٹ بیٹن کو خط لکھا کہ بھگوان کے لئے ہندوستان کو 15 اگست کو آزادی مت دیں۔ اگر آئندہ سیلاب آئے خشک سالی ہوئی، قحط پڑا اور خونریزی ہوئی تو یہ محض اس لئے ہوگا کہ ہندوستان ایک ایسی تاریخ کو آزاد ہوا کہ جو ستاروں کے نزدیک ایک منحوس دن تھا۔ ہندوستانی رہنماؤں اور ماؤنٹ بیٹن کے لئے مسئلہ بن گیا کہ اب کیا کریں؟ بالآخر جوتشیوں کی ایک جماعت نے ہندوستانی رہنماؤں کو سمجھایا کہ 15 اگست تو نئی قومی زندگی کا آغاز کرنے کے لئے بڑا منحوس دن ہے لیکن 14 اگست کو ستاروں کا ملاپ خاصا موافق ہے چنانچہ ہندوستانی راہنماؤں نے ماونٹ بیٹن کو یہ درمیانی راہ تجویز کی کہ انتقال اقتدار 14 اور 15 اگست کی درمیانی رات کو بارہ بج کر ایک منٹ پر کر دیا جائے۔ ماونٹ بیٹن نے یہ تجویز منظور کر لی۔

اس تصفیے کے بارے میں خود ماونٹ بیٹن نے برطانوی حکومت کے نام 8 اگست کو ارسال کردہ ہفتہ وار رپورٹ میں ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ مجھے اس بارے میں پہلے سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا کہ مجھے انتقال اقتدار کی تاریخ کا تعین کرتے وقت جوتشویوں سے مشورہ کرنا چاہئے تھا لیکن خوش قسمتی سے اب یہ معاملہ یوں طے ہوگیا کہ آئین ساز اسمبلی کا اجلاس نصف شب سے پہلے یعنی 14 اگست کو شبھ (نیک) گھڑی کے اندر اندر ہو جائے گا جب کہ انتقال اقتدار کی رسم عین نصف شب کو ہوگی اور وہ بھی تقریباً شبھ گھڑی ہی ہوگی۔ اسی طرح کا مسئلہ نئی کابینہ کے بعض زیادہ توہم پرست ارکان چاہتے تھے کہ تمام کی تمام رسومات نصف شب کو دربار ہال

میں انجام پا جائیں لیکن خوش قسمتی سے کابینہ کے بعض عمر رسیدہ ارکان رات 9 بجے سو جاتے ہیں۔ چنانچہ نئی کابینہ کی رسم حلف برداری کے معاملے میں اوہام پرستی پر غلبہ حاصل کر لیا اور اب نئی کابینہ کی حلف برداری کی تقریب 15 کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے منعقد ہوگی۔

14 اگست کی رات تقریب سے پہلے دو معتبر سنیاسیوں نے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق نہرو کو راج سنبھالنے کے لئے تیار کیا تھا۔ انہوں نے اس کے اوپر دریائے تنجور کا مقدس پانی چھڑکا، اس کی پیشانی پر مقدس راکھ ملی، ایک پاؤں کا بت اس کے بازوں پر رکھا اور پھر بھگوان کی مقدس چادر پتامبرم کو اس کے گرد لپیٹا گیا قدیم ہندوستان میں جب کوئی راجہ یا مہاراجہ سنگھاسن پر بیٹھتا تھا تو معتبر اور مقدس سنیاسی اس قسم کی رسوم ادا کرتے تھے۔ 14 اگست کی شام کو یہ رسم نہرو کی رہائش گاہ میں انجام دی گئیں۔

ادھر ہندوستان آئین ساز اسمبلی کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد کے باغ میں آگ کا الاو روشن کیا گیا تھا جس میں سینکڑوں من گھی جلایا جا رہا تھا اور برہمن مہنت اس کے گرد منتر پڑھ رہے تھے۔ وہ مرد و خواتین جو تھوڑی دیر بعد آزاد ہندوستان کے وزیر بننے والے تھے ایک قطار کی صورت میں اس آگ کے گرد پھیرے لگا رہے تھے۔ ایک برہمن ان کے اوپر متبرک پانی چھڑکتا جاتا۔ پھر وہ ایک عورت کے قریب رکتے جوان کے ماتھے پر سرخ رنگ کا تلک لگا دیتی تھی۔

ان رسومات کے بعد سیکولر ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا اور پھر بارہ بج کر دو منٹ پر یونین جیک اتار کر ترنگا لہرایا گیا۔ اگلے روز صبح وائسرائے ہاوس کے دربار ہال میں حلف برداری کی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں ماونٹ بیٹن نے آزاد ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل کا حلف اٹھایا۔

اس موقع پر کانگرسی کارکنوں نے جو نعرے بھی بلند کئے ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو بورژوا ماؤنٹ بیٹن کا کس قدر مرہون منت تھا۔ جے ہند، مہاتما گاندھی کی جے اور پنڈت نہرو کی جے، جیسے عام نعروں کے علاوہ یہ نعرے بھی لگائے گئے۔ ماؤنٹ بیٹن کی جے اور لیڈی ماؤنٹ کی جے اور ایک سے زیادہ مرتبہ یہ نعرہ بھی لگایا گیا تھا کہ پنڈت ماؤنٹ بیٹن کی جے۔

نام نہاد سیکولر ہندوستان کی آزادی کی تقریبات کے موقع پر توہم پرستی اور ہندو مذہبی کٹر پن

کا جو مظاہرہ ہوا وہ اس کے بالکل برعکس تھا جو کراچی میں پاکستان کو اقتدار کی منتقلی کے موقع پر دیکھنے میں آیا۔ یہاں نہ تو کوئی مذہبی رسم ادا کی گئی اور نہ کسی مذہبی طور طریقے کا مظاہرہ کیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ ''یہ دونوں دہلی میں ہونے والی نصف شب کی رسومات کا ذکر کر کے میرا مذاق اڑاتی رہیں کہ ایک ذمہ دار حکومت کو اتنے اہم معاملات میں جوتشیوں کے کہنے پر نہیں چلنا چاہئے''

اگلے روز 14 اگست کی صبح کو ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان آئین ساز اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کیا اس کے بعد جناح اور ماؤنٹ بیٹن ایک کھلی گاڑی میں بیٹھے اور ان کا پر جوش نعروں سے استقبال کیا 13 اگست کو ماؤنٹ بیٹن کی آمد اور 14 اگست کو اس کی واپسی پر بھی ہوائی اڈے اور شہر کے درمیان راستے پر کھڑے ہزاروں لوگوں نے پر جوش استقبال کیا لیکن کسی ایک موقع پر بھی ''مولانا ماؤنٹ بیٹن زندہ باد'' کا نعرہ نہیں لگایا گیا۔ فقط ''قائداعظم محمد علی جناح زندہ باد'' اور ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے ہی لگتے رہے۔

15 اگست کی صبح قائداعظم جناح نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کے طور پر حلف اٹھایا حلف لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر عبدالرشید نے لیا۔ حلف کی عبارت سادہ مگر پر وقار تھی یہ عبارت اس سے بھی سادہ اور مختلف تھی جو برطانوی حکومت نے تجویز کی تھی۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان اور پاکستان دونوں کے گورنر جنرلوں کے لئے حلف نامے کی یکساں عبارت تجویز کی تھی اس کا متن یہ تھا۔

اطاعت کا حلف ''میں حلف اٹھاتا ہوں کہ شہنشاہ معظم شاہ جارج، اس کے وارثوں اور جانشینوں کا قانون کے مطابق وفادار اور سچا اطاعت گزار رہوں گا۔ پس اے خدا میری مدد فرما۔''

عہدے کا حلف۔ ''میں ... حلف اٹھاتا ہوں کہ میں ... کے عہدے پر احسن طریقے سے اور سچے دل سے شہنشاہ معظم شاہ جارج کی خدمت کروں گا۔ پس اے خدا میری مدد فرما''

پٹیل اور نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے لئے یہ عبارت من وعن منظور کر لی۔ لیکن جناح نے اس سے اتفاق نہ کیا اور اپنے لئے علیحدہ عبارت تجویز کی جس کی برطانوی حکومت نے توثیق کر دی اور 15 اگست کو انہوں نے اسی عبارت پر حلف اٹھایا اس میں متذکرہ دونوں حلف ایک ہی عبارت میں اکٹھے کر دیئے گئے تھے۔ متن یہ ہے۔

''میں محمد علی جناح باضابطہ اقرار کرتا ہوں کہ میں پاکستان کے آئین کی جو کہ قانوناً نافذ ہے سچا وفادار

اوراطاعت گزار رہوں گا۔اور یہ کہ میں شہنشاہ معظم شاہ جارج، اس کے وارثوں اور جانشینوں کا بطور گورنر جنرل پاکستان وفادار رہوں گا۔''

اس میں جناح نے پاکستان کے آئین سے وفاداری کوشامل کیااوراسے اولیت دی۔اس کے بعد شہنشاہ معظم کی وفاداری فقط ''بطور گورنر جنرل'' شامل کی مگر بطور ''محمد علی جناح'' صرف آئین کی وفاداری اوراطاعت گزاری کا عہد کیا۔اس کے علاوہ برطانوی حکومت کے مجوزہ متن سے ایک اہم جملہ جسے جناح نے حذف کر دیا یہ تھا۔''پس اے خدا میری مدد فرما''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جناح کاروبارحکومت میں مذہب کا عمل دخل نہیں چاہتے تھے وہ اس کے لئے آئین کی بالادستی کواولیت دیتے تھے۔جواس وقت 1935ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ تھا۔

15 اگست کو جناح نے پاکستان کی پہلی کابینہ کے وزیروں کا حلف بھی اسی عبارت پر لیااس میں فقط ''باضابطہ اقرار کرتا ہوں'' کی جگہ ''حلف اٹھاتا ہوں'' کر دیا گیا تھا۔

10 اگست کو پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس ہوا۔اس میں مشرقی بنگال کے رکن اور اچھوت رہنماؤں جوگندر ناتھ منڈل کواسمبلی کا عارضی چیئر مین منتخب کیا گیا۔یہ شخص متحدہ ہند کی عبوری مخلوط وزارت میں مسلم لیگ کے پانچ وزیروں میں سے ایک تھا اس کے پاس محکمہ قانون کا قلم دان تھااور جب جناح نے پاکستان کی پہلی کابینہ وضع کی تو اس میں اسے بطور وزیر قانون شامل کیا گیا۔''اسلامی نظریاتی مملکت پاکستان'' کی آئین ساز اسمبلی کا پہلا عارضی چیئر مین اور پہلا وزیر قانون ایک ہندواچھوت کو بنایا''

یہ سچ ہے کہ جس ملک کا آئین اپنے شہریوں کو برابر کے حقوق نہیں دیتا وہ ملک ہمیشہ برباد حال رہتا ہے۔وطن عزیز کی بربادیوں اوررسوائیوں کی وجہ بھی آئین ہے۔اگر آئین کو قائداعظم کے افکار وخیالات کی روشنی میں تیار کیا جاتا تو حالات موجودہ حالات سے بے حد مختلف ہوتے۔ارباب اختیار جب تک آئین کی اصلاح نہیں کرتے اورحلف نامے کوتبدیل نہیں کریں گے تب تک حالات بد سے بدتر ہوتے ہی چلے جائیں گے۔

☆☆☆

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان نے ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال پر سال 2020 کی سالانہ رپورٹ جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملک میں اقلیتوں کو جبری مذہبی تبدیلی، تعصب، نفرت آمیز اور توہین رسالت کے جھوٹے الزامات کا سامنا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ کمیشن نے ایسے 31 کیسز کی نشاندہی کی ہے جن کو جبری مذہبی تبدیلی کا سامنا کرنا پڑا اور ان میں چھ کم عمر لوگ شامل تھے۔ کمیشن نے کہا ہے کہ گزشتہ سال ملک میں 586 افراد پر توہین مذہب قوانین کے تحت مقدمات دائر کئے گئے جن میں زیادہ تعداد پنجاب کے شہریوں کی ہے۔

کمیشن نے کہا ہے کہ ملک میں احمدی کمیونٹی کے 24 افراد پر توہین مذہب کے مقدمات دائر کئے گئے جن میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کا ایک سنار بھی شامل ہے جس پر توہین مذہب کا مقدمہ صرف اس وجہ سے دائر کیا گیا کہ اس نے ایک گائے کی قربانی کے بعد گوشت مقامی مسلمانوں میں تقسیم کیا۔

انسانی حقوق کے کمیشن نے اپنے رپورٹ میں کہا ہے کہ ملک میں خواتین کے خلاف جرائم میں اضافہ ہوا لیکن پاکستانی خواتین نے 'ٹو فنگر ٹیسٹ' کے متنازع طریقوں کو 'غیر قانونی' اور 'آئین کے منافی' قرار دینے میں بڑا کردار ادا کیا اور یہ پاکستانی خواتین کے لئے ایک فتح تھی۔

انسانی حقوق کے کمیشن نے گزشتہ سال بچوں کے ساتھ ہونے والے جرائم کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا ہے کہ گزشتہ سال بچوں کے خلاف جرائم کے کل ۲۹۶۰ واقعات سامنے آئے ہیں۔ کمیشن نے بچوں کے خلاف بڑھتے جرائم پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ سال شیرخوار بچوں سمیت دیگر عمر کے بچوں کو مختلف قسم کے جرائم کا نشانہ بنایا گیا جن میں اغوا سمیت جنسی درندگی اور ریپ جیسے واقعات شامل ہے۔

ملک میں ماحولیات کی صورتحال پر رائے دیتے ہوئے کمیشن نے واضح کیا ہے کہ خیبر پختونخوا میں ماحولیات کو شدید خطرہ ہے۔ ادارے نے لکھا ہے کہ خیبر پختونخوا کے ضلع ہری پور میں بڑے بڑے جنگلات کی کٹائی کر کے ان کو رہائشی اور کاروباری سرگرمیوں میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ ادارے نے لکھا ہے کہ پاکستان

تحریک انصاف حکومت کی بنائی گئی اپنی انکوائری کمیٹی نے سفارشات حکومت کوفراہم کی ہے جس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ ایک مافیا جنگلات کی غیر قانونی کٹائی میں مصروف ہے اور جنگلات پر محیط ایک بڑے علاقے کو کاروباری اور رہائشی منصوبوں میں تبدیل کیا گیا ہے۔

کمیشن نے اظہار رائے کی آزادیوں پر بات کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملک میں اس وقت میڈیا اور اظہار رائے کوشدید خطرات کا سامنا ہے اور ملک میں صحافیوں کے قتل عام سمیت ڈرانے دھمکانے کا سلسلہ جاری ہے۔کمیشن نے جنگ گروپ کے مالک میر شکیل الرحمان کے کیس پر تبصرہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ میر شکیل الرحمان کو چونتیس سالہ پرانے مقدمے میں شامل تفشیش کرنا میڈیا کے اداروں پر دباؤ بڑھانے کے لئے علاوہ کچھ نہیں تھا تاکہ میڈیا کواس بات کا پابند کریں کہ وہ حدود سے باہر نہ نکلے۔کمیشن نے اپنے سالانہ رپورٹ میں کہا ہے کہ صحافی بلال فاروقی کے خلاف منظّم پروپیگنڈا اوران پر غداری کے مقدمات درج کرنا صحافیوں کوخاموش کرانے کی ایک سازش تھی۔

کمیشن نے سال 2020ء کی سالانہ رپورٹ میں آزادانہ نقل وحرکت کی آزادی پر تبصرہ دیتے ہوئے کہا ہے ملک میں آزادانہ نقل وحرکت کوبھی شدید خطرات کا سامنا ہے اور ممبر قومی اسمبلی محسن داوڑ کو کوئٹہ میں داخل ہونے سے روک کر سیکیورٹی رسک قرار دیا گیا۔کمیشن نے مزید کہا ہے کہ گوادر کے باسیوں کی نقل وحرکت کو محدود کرانے کے لئے شہر میں باڑ لگانے کی کوشش کی گئی جس پر انسانی حقوق کمیشن تشویش کا اظہار کرتی ہے۔

کمیشن نے حکومت اور ریاست کوتنقید کا نشانہ بناتے ہوئے واضح کیا ہے کہ یہ نیولبرل ہائبرڈ نظام شہریوں کی آئینی اور قانونی حقوق کا تحفظ نہیں کرسکتا۔

کمیشن نے جبری گمشدگیوں پرتشویش کا اظہار کرتے ہوئے ہوئے کہا ہے کہ موجودہ حکومت نے تین سال پہلے وعدہ کیا تھا کہ وہ جبری گمشدگیوں کو مجرمانہ فعل بنانے کے لئے قانون پارلیمنٹ میں پیش کرے گی لیکن ابھی تک وہ قانون پیش نہیں کیا گیا۔صوبہ خیبر پختونخوا جبری گمشدگیوں کے واقعات میں سرفہرست رہا ہے اور گزشتہ سال کے دسمبر تک صوبے میں جبری گمشدگیوں کے کیسز ۲۹۴۲ تک پہنچ گئے ہیں۔

کمیشن نے جبری گمشدگیوں کے لئے بنائے گئے کمیشن کو متنازعہ قرار دیتے ہوئے واضح کیا ہے کہ

جبری گمشدگیوں کا کمیشن ملک میں جبری طور پر گمشدہ ہونے والے شہریوں کے صحیح اعداد و شمار سامنے لانے میں ناکام رہا جبکہ کمیشن نے گزشتہ سال ملک میں 177 افراد کو سزائے موت سنانے پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔

انسانی حقوق کے کمیشن نے عدلیہ کی ناکامی پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے واضح کہا ہے کہ ملک میں 21 لاکھ مقدمات تاحال زیرالتواہیں جن پر کوئی فیصلہ نہیں ہوا اور گزشتہ سال ان مقدمات کی تعداد اٹھارہ لاکھ تھی جواب بڑھ کر 21 لاکھ ہوگئی ہے۔ کمیشن نے سپریم کورٹ کے جسٹس جسٹس فائزعیسیٰ کے خلاف بنائے گئے صدارتی ریفرنس پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ جسٹس فائزعیسیٰ کے خلاف صدارتی ریفرنس بنانا کا مقصد تنقیدی آوازوں کو دبانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کمیشن نے موجودہ حکومت کے زینب الرٹ بل کی پارلیمان سے منظوری کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ انسانی حقوق کے کمیشن کو امید ہے کہ اس قانون سے بچوں کے خلاف جرائم میں کمی واقع ہوگی۔ کمیشن نے موجودہ حکومت کی انسانی حقوق کی ترجیحات کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ نیشنل کمیشن برائے انسانی حقوق مئی 2019ء سے غیر فعال ہے اور کیونکہ حکومت نے تاحال ان کے سربراہ کی تعیناتی نہیں کی۔ کمیشن نے مزید کہا ہے کہ نیشنل کمیشن برائے خواتین کی سربراہ کی تعیناتی بھی تاحال نہیں ہوئی اور وہ عہدہ تاحال خالی پڑا ہے۔ (بشکریہ روزنامہ نیا دور ۱۴ مئی ۲۰۲۱ء)

ارباب اختیار کو دنیا کو اسلاموفوبیا کا سبق پڑھانے سے پہلے ایک نظر اپنے گریبان پر بھی ڈالنا چاہیے۔

قیام خلافت

معزز قارئین! قیام خلافت کے لیے کوشش کرنے والے علماء کرام دو غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خلافت کا قیام انسانی کاوشوں سے ہوسکتا ہے جبکہ قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جسے نبی اکرم ﷺ نے ملوکیت یعنی مسلمانوں کی سیاسی حکومت قرار دیا ہے اسے وہ خلافت کا نام دیتے ہیں اور اس کے قیام کی ناکام جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ اس دور میں خلافت احمدیہ حقّہ اسلامیہ کی مخالفت اور آئے روز اس کے خلاف برپا کیے جانے والے اندرونی و بیرونی فتنوں کی بنیاد محض حسد ہے کہ جس نعمت عظمیٰ کو پانے کے لیے یعنی مسلمانوں میں ایک بین الاقوامی اتحاد اور ایک واجب الاطاعت امام کے وجود کے لیے ان کی دن رات کی کوششیں اور ہر چند سال بعد ایک نئی تحریک بار بار ناکامی کا شکار ہوتی ہے جبکہ احمدیہ مسلم جماعت کے پاس یہ نعمت نہ صرف 114 برس سے قائم ہے بلکہ پھلتی پھولتی جارہی ہے۔

تماشا گربھی تماشا بن جائیں گے!!

طالبان کا طوفان کی طرح افغانستان میں پھیل جانا کئی سوالات کو جنم دے رہا ہے۔کیا واقعی طالبان اتنے طاقتور ہیں کہ انہیں روکنا افغان آرمی کے بس میں نہیں تھا۔۱۶۷ جنگی طیارے، درجنوں ہیلی کاپٹر اور جدید اسلحہ رکھنے کے باوجود تین لاکھ فوج بے بسی کی تصویر کیوں بنی دکھائی دی۔اشرف غنی کو افغانستان سے بھاگ جانے کا مشورہ کس نے دیا، طالبان کی پیش قدمی روکنے کے لیے افغان فضائیہ کو کس نے ہوائی حملوں سے روکا وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہی لگتی ہے کہ طالبان کو ایک منصوبے کے تحت افغانستان پر قابض کروایا گیا ہے، بالکل اسی طرح جیسے صدام حسین سے کویت پر قبضہ کروا کر بڑی طاقتوں نے شور مچا دیا تھا کہ صدام ظالم ہے اس نے کویت پر قبضہ کر کے انسانیت اور بین الاقوامی قوانین کا مذاق اڑایا ہے۔اقوام متحدہ کو مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ صدام، عراق اور اس کی فوج تباہ و برباد کر دیے گئے۔تفصیل اس کی اب تاریخ کا حصہ ہے۔

دوحا مذاکرات کی آڑ میں جس ڈرامے کا اسکرپٹ تیار کیا گیا تھا اس کی پہلی قسط طالبان کے قبضے کی صورت میں منظر عام پر آ چکی ہے۔دوحہ مذاکرات میں شرکت کروانے کے لیے ملا عبدالغنی برادر کو پاکستانی جیل سے رہا کروایا گیا اور جس حقانی نیٹ ورک کو توڑنے کے لیے پاکستان سے ڈو مور کا مطالبہ کیا جاتا تھا اسی نیٹ ورک کے ملا یعقوب اور ملا عمر کا بیٹا کابل میں سر عام فاتحانہ شان سے گھوم رہے ہیں۔طالبان کے قبضے کے بعد دوسری قسط کے طور پر بڑی عالمی قوتیں طالبان کو ظالم اور انسانی حقوق پامال کرنے والے قرار دے کر ان پر پابندیاں عائد کر رہی ہیں۔جلد یا چند ماہ بعد دنیا دیکھے گی کہ طالبان کی جہالت افغان قوم کو غربت، جہالت اور مذہبی جنونیت کے شکنجے میں کس کے تاریک کنوئیں میں پھینک دے گی اور وطن عزیز بھی سیاستدانوں اور طالبان کے غیر دانشمندانہ اقدامات کے نتیجے میں آگ اگلے گا اور لہو تھوکے گا۔اور طاقتور ممالک آخری قسط تک تماشا دیکھیں گے۔بہتر یہی ہے کہ نیا اسکرپٹ تیار کیا جائے جو حقیقی انصاف پر مبنی ہو۔افغانی عوام کو بھی انسان سمجھا جائے جو گزشتہ چالیس برس سے لاشیں اٹھا رہے ہیں۔ورنہ عالمی برادری لکھ رکھے کہ طالبان نامی پتلیوں کی ڈوریاں ہلانے والے تماشا گر بھی تماشا بن جائیں گے اور فلک ان کا عبرت ناک تماشا دیکھے گا۔اور شاید اس کے بعد نہ کوئی تماشا گر باقی بچے گا اور نہ ہی کوئی تماشا گاہ رہے۔اللہ رحم فرمائے، طاقتوروں کو عقل سلیم فرمائے۔آمین

نحوستیں اور پھٹکاریں کیوں؟

محمود خان اچکزئی نے کہہ رکھا ہے کہ:۔

''اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسلمان بہت ہیں مگر اسلام خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا''۔

جس قدر وطن عزیز میں سیاسی، معاشی، معاشرتی اور عسکری مقاصد کے لیے مذہبی کارڈ استعمال کیا جاتا ہے اس قدر دنیا میں اس کا استعمال کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ وطن عزیز میں حکومتوں کا بننا اور بگڑنا بھی اسی مذہبی کارڈ کا مرہون منت ہوتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے زمانے سے مذہبی کارڈ کے استعمال میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جتنا تیزی سے مذہب کا استعمال بڑھ رہا ہے اتنی ہی تیزی سے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ شیخ رشید صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں کہاں کوئی پوچھتا تھا ختم نبوت کا نعرہ لگایا اور لوگوں نے ووٹوں کے ڈھیر لگا دیے۔ اگر عمران خان اور ان کے اتحادی اسلام، اسلام کرنے کی بجائے اسلامی تعلیمات کے مطابق ملک چلاتے تو اسلام کی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا۔ اسلامی تعلیمات ہیں کیا؟ ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ دھیان دیں بھی کیسے، ووٹوں میں اضافہ کے لیے پنجاب اور سندھ کے دفاتر میں مقدس آیات و احادیث کو سنہری الفاظ میں لکھا جا رہا ہے۔ ان مقدس آیات و احادیث کا تعلق بھی ختم نبوت سے ہے، تکبر، جھوٹ، منافقت، وعدہ خلافی، امانت میں خیانت، اقربا پروری، سفارش، غیبت، چغلی، حسد، چوری، رشوت، دھوکہ دہی، زنا کاری، لونڈے بازی، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، گندگی، بدنظری، کرپشن وغیرہ کے متعلق نہیں ہے۔ انسانوں، جانوروں، مردوں اور رستوں کے حقوق کا ذکر تو شاید ہوتا ہو مگر عمل ناپید ہے۔ موجودہ حکومت جس قدر ریاست مدینہ کی بات کرتی ہے اس سے دوگنی رفتار سے اسلامی جمہوریہ پاکستان، ریاست مدینہ کے تصور سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف قول و فعل کا تضاد ہے۔ اور اس قول و فعل کے تضاد کو عرف عام میں منافقت کہتے ہیں۔ اور سلیم صافی صاحب کہہ چکے ہیں کہ پاکستانی قوم سو فیصد منافق ہے۔ جب قوم سو فیصد منافق نہ تھی تب مولانا مودودی صاحب نے کہا تھا کہ:۔

''یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے 999 فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم

رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر اسے قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے اس کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابل داد ہے۔''

(رسالہ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ 15 / 16)

سلیم صافی اور مولانا مودودی کے بیانات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ساری قوم منافقت کی دلدل میں پھنس چکی ہے اور جو قوم منافق ہو اس کا سردار بھی منافق ہی ہوتا ہے۔ جن علماء کو خوش رکھنے کے لیے حکومت غیر اسلامی اور غیر اخلاقی اقدامات کر رہی ہے، ان کی حالت منافقت کی حد سے بھی گزر چکی ہے۔

اگر دیوبندی حنفی عالم دین مولانا الیاس گھمن کہتا ہے کہ:۔

''مدرسے کا فاسق طالب علم کالج کے ولی سٹوڈنٹ سے بہتر ہے۔''

تو مذہبی اسکالر قاری حنیف ڈار کہتا ہے کہ:۔

''مدارس ''گے'' بنانے والی فیکٹریاں ہیں، حکومت انہیں ہڈی ڈالتی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم حکومت سے کچھ نہیں لیتے۔'' یہ ہے ان نام نہاد علماء کی حقیقی شکل۔

مشہور کالم نگار جناب حسن نثار اپنے ایک کالم میں اسلامی پاکستان کے اسلامی تشخص پر بمباری کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''ہم چاہیں تو اپنے اندر کا اصل خود ساختہ ''اسلامی تشخص'' بہ آسانی دیکھ سکتے ہیں۔ فرض کریں کوئی نیوٹرل قسم کا غیر ملکی، غیر مسلم قرآنی تعلیمات سے انسپائر ہو کر پاکستان آ کر دو چار سال گزار کے ایک کتاب لکھتا ہے جس کا عنوان ہو ''اسلامی پاکستان اور اسلامی تشخص'' تو دیانتداری سے فرمائیں کہ وہ ہمارے اور ہمارے ملک کے بارے میں کیا لکھے گا؟ ہمارا ''اصل تشخص'' ہے کیا؟ جتنی نحوستیں اور پھٹکاریں ہم پر طاری ہیں وہ نہ آسمان سے اتری ہیں نہ امپورٹ کی گئی ہیں۔ دنیا کا کوئی ایک باعزت کامیاب معاشرہ بتائیں جہاں خیر اور شر کا تناسب ہم جیسا ہو، تو جب ہم اپنے ''اسلامی تشخص'' کی بات کرتے ہیں تو دراصل ہم کیا کر رہے ہوتے ہیں؟ خود کو بہلا

رہے ہوتے ہیں یا خود کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں؟ جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں؟ منافقت کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں یالاعلمی، بے خبری، ڈھٹائی کی معراج پر ہوتے ہیں؟ یہ ہے ہماری حقیقی اجتماعی صورت حال لیکن کیا کریں کہ سچ صحیح ہوتا ہے لیکن مقبول نہیں ہوتا، جھوٹ خودفریبی مقبول ہوسکتی ہے، سچ نہیں ہوسکتی۔ اگر ہماری آبادی کا صرف پانچ فیصد بھی اصل ''اسلامی تشخص'' کی تلاش پر تل جائے تو..''

مودودی کے گمراہ کُن عقائدونظریات

ڈاکٹر فیض احمد چشتی صاحب لکھتے ہیں:۔

محترم قارئینِ کرام: جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی زندگی میں جس کام کو مقصود بنایا وہ انبیاء علیہم السلام، سلف صالحین اور اکابرینِ اُمت پر تنقید اور ان کی تنقیص ہی نہیں بلکہ ان پر سے اُمت کے اعتماد کو ہٹانے کا کام کیا ہے۔ مودودی صاحب ناں کوئی متقی باسند عالم تھے، نا کسی مدرسے کے فارغ التحصیل تھے، نا کسی متند عالم سے تعلیم حاصل کی، بلکہ خود ہی مطالعہ کر کے جو دماغ میں آیا وہ تاریخ میں لکھ ڈالا۔ یاد رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیار کو تاریخ کی کتابوں سے نہیں تولا جاتا، بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں تولا جاتا ہے۔ اس لیے فتنہ مودودیت جو ظاہر میں اپنے آپ کو جماعت اسلامی کہلاتا ہے ایک ایسا فتنہ ہے کہ اس کے عقائد امت مسلمہ کے اکابرین کے خلاف ہیں۔ جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتابوں اور رسالوں میں ایسی خطرناک باتیں موجود ہیں کہ جن سے ناواقف آدمی صرف گمراہ ہی نہیں بلکہ کفر میں بھی پڑ سکتا ہے۔ "جماعت اسلامی" اور "اسلامی جمعیت طلبہ" کے کارکن نوجوانوں کو اپنی جماعت میں شرکت کی دعوت دے کر گویا کہ مودودی صاحب کے غلط عقائد کو اپنانے کی دعوت دیتے ہیں۔

مودودی صاحب کے گمراہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے دین کو کسی سے پڑھا نہیں اور صرف اپنے مطالعہ پر اعتماد کیا، اس کے ساتھ ساتھ بدقسمتی یہ کہ نیاز فتحپوری جیسے ملحد و زندیق آدمی کی صحبت بھی ملی، اس کے ساتھ اللہ نے ان کو زورِ قلم اور شوخی تحریر کی آمیزش بھی دی، ایک طرف ذھن آزاد اور دوسری طرف قلم میں وہ طاقت کہ جس طرح چاہے اپنی تحریر کو موڑ لیں، اس وجہ سے ان کے قلم سے ایسی تحریرات سامنے آئیں کہ جن کی ایک مسلمان سے امید نہیں کی جاسکتی ہے۔

https://faizahmadchishti.blogspot.com/

ابولہب،نام نہادمولوی و عالمی طاقتیں!

اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے:۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ.

تَبَّت یَدَا اَبِی لَھَبٍ وَّتَبَّ.مَااَغنٰی عَنہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ .سَیَصلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ . وَّامرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الحَطَبِ .فِی جِیدِھَا حَبلٌ مِّن مَّسَدٍ. (سورۃ اللّھب)

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے اور وہ بھی ہلاک ہوگیا۔اُس کے کچھ کام نہ آیا اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کمایا۔وہ ضرور ایک بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔اور اُس کی عورت بھی،اس حال میں کہ وہ بہت ایندھن اٹھائے ہوئے ہوگی۔اس کی گردن میں کھجور کی چھال کا مضبوطی سے بٹا ہوا رسّہ ہوگا۔''

اس مقدس سورۃ میں زبردست پیشگوئیاں موجود ہیں۔اس سورۃ کے اول مصداق عبدالعزیٰ جسے ابولہب یعنی آگ کا باپ کہا جاتا ہے اور اس کی بیوی ام جمیل ہے جو ابوسفیان کی بہن تھی۔ان دونوں نے ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نہ صرف بے حد مخالفت کی بلکہ جسمانی تکلیف دینے میں بھی اول درجہ پر تھے۔جب اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی یہ دونوں دشمنان اسلام زندہ تھے۔اس سورۃ میں ان کے متعلق پیشگوئی تھی کہ ایمان لائے بغیر لازماً یہ دونوں دردناک طریقے سے ہلاکت کے گڑھے میں گریں گے۔ان دشمنان اسلام کے لیے بہت آسان تھا کہ دل سے نہ سہی منافقانہ طرز عمل اختیار کرتے ہوئے ایمان لاکر اسلام اور نبی کریم ﷺ کی سچائی کو دھندلا دیتے مگر اللہ تعالیٰ کے سچے کلام کے عین مطابق دونوں ہلاکت کے گڑھے میں گر کر رہتی دنیا تک عبرت کا نشان بن گئے۔ابولہب جنگ بدر کے چند دن بعد پھوڑے کا زہر جسم میں سرایت کر جانے کے باعث ہلاک ہوا۔روایات کے مطابق تین دن بعد جب اس کی لاش سے بدبو آنے لگی تو اس کی لاش ڈنڈوں سے دھکیل کر گڑھے میں پھینک دی گئی۔اور اس کی بیوی بھی گلے میں رسی کا پھندہ بن جانے سے ہلاک ہوئی۔بڑا ہی بدنصیب ہے وہ جو بے ایمانی کی حالت اور نبی کی مخالفت کرتا ہوا مارا جائے۔

قیامت تک جب بھی ابولہبی سوچ ابھر کر اسلام کے لیے ضرررساں ثابت ہوگی تب تب اللہ تعالیٰ اس

کا سر توڑتا رہے گا۔ چاہے وہ اسلام کے نام لیوا نام نہاد علماء ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسے نام نہاد علماء کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ " جلد ہی لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا، اور قرآن صرف رسم کے طور پر استعمال ہوگا، ان کی مساجد بظاہر آباد ہوں گی مگر ہدایت کے اعتبار سے خالی ہوں گی۔ اور ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ انہی سے فتنے نکلیں گے اور انہیں میں فتنے واپس لوٹائے جائیں گے۔" (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم)

سورۃ اللّھَب پر اگر یہ نام نہاد علماء غور کریں تو انہیں اس میں اپنا چہرہ بھی دکھائی دے سکتا ہے۔ ابولہبی سوچ رکھنے والے علماء بھی یاد رکھیں کہ ان کے بداعمال کے نتیجے میں ان کے مال اور سب کمائی کچھ کام نہ آئے گی، ان کے ہاتھ توڑ دیے جائیں گے ان کا اور ان کی ایسی بیویوں کی جو ان کے نقش قدم پر ہوں نیز ان کے مریدوں کا ہلاکت کے گڑھے میں گرنا یقینی دکھائی دے رہا ہے۔ توبہ کے سوا اور کوئی نجات کا ذریعہ نہیں ہے۔ افغانستان میں روس آیا تو یہی نام نہاد علماء امریکی اسلحے اور ڈالروں سے جہادی تیار کرتے رہے، پھر امریکہ افغانستان میں گھس آیا بیس برس تک غیروں کی دولت کے بل بوتے پر جہاد کراتے رہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ نام نہاد علماء سورۃ اللّھَب کے مطابق بمنزلہ عورت کے ہیں، ان کے گلوں میں ایسی منافقت کی رسیاں ہیں جو ٹوٹ نہ سکیں گی۔

ان نام نہاد علماء کے فتووں، فرقوں، تنظیموں نے جو چاند چڑھائے اس کا ایک نمونہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

سینیگال کی آزادی کے لئے ایک عیسائی لیڈر Léopold Sédar Senghor جو کہ معروف شاعر اور دانشور بھی تھے (سینیگال کا قومی ترانہ انہیں کی تخلیق ہے) نے نمایاں خدمات سرانجام دیں جس کی بنا پر آزادی ملنے کے بعد انہیں ملک کی باگ ڈور سونپ دی گئی۔ اب وہاں کے مذہبی لیڈرز کو خیال پیدا ہوا کہ ملک کی چھیانوے فیصد آبادی مسلمان ہے اور سربراہ مملکت ایک عیسائی بن گیا۔ ملک کا سربراہ تو ایک مسلمان ہونا چاہیے۔ چنانچہ معروف علماء اور شیوخ نے باہمی مشورہ سے ایک وفد تجویز کیا جو صدر مملکت کو قبول اسلام کی دعوت دے۔

خیر وفد سربراہ مملکت کے پاس حاضر ہوا اور اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ سینیگال ایک

مسلمان ملک ہے۔کیا اچھا ہو کہ اس ملک کا سربراہ بھی مسلمان ہو۔اس سے ملک کو بہت سارے متفرق فوائد حاصل ہوں گے۔خاص طور پر اسلامی دنیا سے ہمیں ایک خاص مقام کے علاوہ معاشی فائدے بھی ملیں گے۔

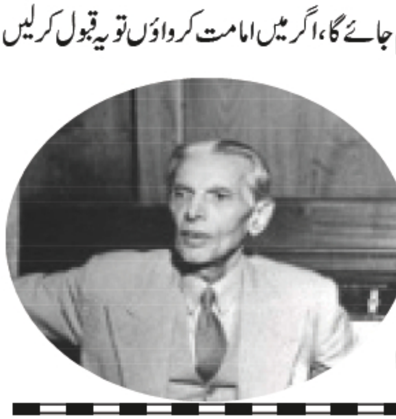


سینیغور ایک جہاندیدہ لیڈر تھا کہنے لگا'' مجھے تو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میری ایک شرط ہے۔آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کی آبادی مختلف فرقوں میں تقسیم ہے جس طرح تیجانی، مرید، اہل سنہ، عبادالرحمان اور لائن وغیرہ ہیں۔اب اگر میں تیجانی فرقہ میں شمولیت اختیار کرتا ہوں تو اس کے نتیجہ میں دیگر سارے فرقے میرے خلاف ہو جائیں گے۔اگر مرید ہوتا ہوں تو ان کے علاوہ باقی ملک کی بیشتر آبادی میرے خلاف ہو جائے گی۔میرے نزدیک اس کا ایک حل ہے کہ آپ لوگ واپس تشریف لے جا کر باہمی رضامندی سے اپنا ایک خلیفہ منتخب کر لیں پھر میں بھی اس کی بیعت کر کے آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔''

نتیجہ کیا ہوا؟ وہی جو ازل سے ہوتا آیا ہے کہ دوباوہ کبھی بھی علماء اور شیوخ نے اس اہم مسئلے کے بارے میں اپنی بات نہیں دوہرائی۔سینیغور نے اطمینان سے اکیس برس سینیگال کے عوام کے دلوں پر حکومت کی اور خود ہی سیاست سے ریٹائر ہو گئے۔ (بحوالہ انصارالدین ماہ جون 2021)

اسی طرح قائداعظم سے بھی کہا گیا تھا کہ جلسے میں شریک لوگوں کو نماز پڑھائی جائے۔آپؒ نے فرمایا:

''ہمارے ہاں فرقوں کا ماحول جانتے ہو اگر پنڈال میں موجود کسی مولوی کو امام بنایا تو پنڈال میں کئی جماعتیں نماز کے لیے کھڑی ہو جائیں گی اور دنیا میں برا پیغام جائے گا، اگر میں امامت کرواؤں تو یہ قبول کر لیں مگر میں خود کو امامت کے قابل نہیں سمجھتا۔''



وطن عزیز میں جو خزاں کی ویرانی چھائی ہے اس کی وجہ بھی نام نہاد علماء حضرات کی ابولہبی سوچ ہے۔اگر یہ ناہنجار طبقہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہوا، حقیقی توبہ نہ کی اور بہار کی پذیرائی کے لیے اپنی روحوں کو آمادہ نہ کیا تو اے نام

نہاد طبقہ مولویاں! تم انجامِ ابولہب سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہو۔

سورۃ اللّھب ایک چھوٹی سی سورت ہے مگر دنیا کی سپر پاورز کے انجام کا بھی علم فراہم کرتی ہے۔ جس طرح سے آج تک ہر وہ ہاتھ جو اسلام کے گریبان کی طرف بڑھا اسے ابولہب کے ہاتھوں کی طرح اللہ تعالیٰ نے توڑ کر ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا اسی طرح آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا، چاہے وہ ہاتھ اور گردن سپر پاورز کی اور ان کے حواریوں ہی کی کیوں نہ ہو توڑ کر ہلاکت کے تاریک متعفن گڑھے میں پھینک دیا جائے گا۔ انشاء اللہ

اس سورۃ میں صرف ابولہب کا ہی ذکر نہیں بلکہ اس سے وہ دو قومیں جن کا تعلق مشرق اور مغرب سے ہے اور ان کے حواری بھی مراد ہیں جو آخری زمانہ میں ٹیکنالوجی کے بل پر دنیا پر غلبہ حاصل کر کے، ایٹمی ہتھیار جو آگ اور شعلے پیدا کرتے ہیں ایجاد کر کے، رسول اللہ ﷺ یا اسلام کے خلاف آگ بھڑکائیں گے۔ اور سورۃ اللّھب ہمیں حتمی طور پر اس بات کی خبر دیتی ہے کہ یہ بڑی طاقتیں اور ان کے حواری جنہیں سورۃ اللّھب میں **امرأتُہ** کہا گیا ہے تباہ ہو جائیں گے، ان کی ایجادات، مال و دولت ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور ان کا یہ مقصد کہ اسلام کو مٹا دیں کسی صورت بھی حاصل نہ ہوگا۔ (وہ قومیں یا لوگ جو ان اقوام کے لیے بمنزلہ عورت کے ہیں، ان کے گلوں میں ایسی رسیاں ہیں جو ٹوٹ نہ سکیں گی۔ یعنی ان کی مخالفت اسلام کے خلاف اتنی شدید ہوگی کہ اس کو دور کرنا مشکل ہوگا۔) (تفسیر کبیر جلد ۱۰)

پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کی سب سے بڑی وجہ اسلام دشمنی تھی۔ ان جنگوں میں کروڑوں لوگ ہلاک ہوئے تھے۔ اب جب کہ اسلام کی مخالفت زوروں پر ہے تیسری عالمی جنگ کے خطرات بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

سورۃ اللّھب میں موجود آخری زمانہ کے متعلق پیشگوئی خلافت منہاج النبوۃ سے مشروط ہے۔ قرآن کریم اور احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک امام اور ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ امام الزماں کو تلاش کریں۔

☆☆☆

”انتہا پسندی کے ٹائم بم“

۳ دسمبر بروز جمعہ سیالکوٹ میں ایک ایسا المناک سانحہ پیش آیا جس کے بعد ہر اہل دل پاکستانی کا سر شرم سے جھک گیا ہے اور ہر باضمیر انسان اشکبار ہے۔ پریانتھا کمارا کو لبیک یارسول اللہ کے نعرے لگاتے ہوئے مشتعل ہجوم نے بدترین تشدد کر کے جان سے مار کر اس کی لاش کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ گزشتہ دنوں فواد چودھری نے سری لنکن شہری پریانتھا کمارا کے بہیمانہ قتل پر کہا تھا کہ:۔

”ہم نے جو انتہا پسندی کے ٹائم بم نصب کیے ہیں وہ پھٹ رہے ہیں، ریاست پر انتہا پسند حاوی ہیں۔ ہم نے معاشرے میں ٹائم بم لگا دیے ہیں، ان بموں کو ناکارہ نہ کیا تو وہ پھٹیں گے نہیں تو اور کیا کریں گے، وقت ریت کی طرح ہاتھوں سے نکل رہا ہے بہت توجہ چاہیے۔“

وزیر اطلاعات جناب فواد چودھری نے یہ بھی کہا ہے کہ:۔

”تحریک لبیک کیس میں ریاست کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ تحریک لبیک نے لاہور کو کورونا ٹائم بم بنانے میں کسر نہیں چھوڑی۔ انتہا پسندی کی وجہ مدارس نہیں اسکول اور کالج ہیں۔ ہمیں سب سے بڑا خطرہ اپنے آپ سے ہے، انتہا پسندی کی وجہ مدارس نہیں اسکول اور کالج ہیں جہاں سے انتہا پسندی وجود میں آئی، اسکول، کالجوں میں انتہا پسندی کی تعلیم دینے والے اساتذہ بھرتی کیے گئے اور مقامی انتظامی نظام کو بھی تباہ کر دیا گیا۔“

پریانتھا کمارا کی جلتی لاش کے گرد کھڑے جو جنونی لبیک یارسول اللہ کے نعرے لگا رہے تھے ان کے متعلق وزیر داخلہ شیخ رشید احمد فرما چکے تھے کہ:۔

”تحریک لبیک پاکستان والے ہمارے بھائی ہیں اور ہم اپنے بھائیوں سے لڑنا نہیں چاہتے۔“

جہاں باضمیر پاکستانی اس واقعہ پر شرم سے سر جھکائے بیٹھے تھے وہیں جے یو آئی کے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے درج ذیل بیان جاری کرنا ضروری سمجھا ہے:۔

”توہین رسالت کے خلاف اگر سزا نہیں دی جائے گی تو ایسے واقعات تو ہوں گے“۔

معزز قارئین! پریانتھا کمارا کا قتل کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے۔ کوٹ رادھا کشن میں ایک عیسائی جوڑے

شہزاد مسیح، شمع بی بی جو کہ حاملہ بھی تھی کو شدید تشدد کے بعد بھٹے کی آگ میں زندہ جھونک دیا گیا تھا۔ گوجرہ اور شانتی نگر میں کم از کم آٹھ مسیحی خواتین کو ان کے گھروں میں بند کر کے زندہ جلایا گیا، گوجرانوالہ میں دو خواتین کو زندہ جلایا گیا۔ مردان ولی خان یونیورسٹی کے نوجوان مشعال خان کو قتل کیا گیا، ایک پروفیسر کو قتل کیا گیا۔ شانتی نگر، گوجرہ، باہمنی والا، سانگلہ ہل، بادامی باغ میں جوزف کالونی اور گوجرنوالہ میں فرانسس کالونی میں جو مظالم ڈھائے گے اب وہ تاریخ کے پنوں پر موجود رہ کر مذہبی جنونیوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ یہاں ممکن نہیں کہ سینکڑوں واقعات کی تفصیل بیان کی جائے، مسیحیوں، ہندوؤں، سکھوں اور اقلیتی مسلمان فرقوں جیسے ہزارہ، احمدی ہم وطنوں کو آئے دن مظالم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ بہت پرانا ہے۔ 11 اگست 1848ء وہ دن ہے جس میں یہ قتل و غارت کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ منیر انکوائری رپورٹ میں اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ:۔

1948ء کے موسم گرما میں بمقام کوئٹہ نوجوان فوجی افسر میجر محمود کو جو احمدی تھے نہایت وحشیانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ ریلوے کے مسلم (تب میجر محمود شہید بھی قانون کی نگاہ میں مسلمان اور محبّ وطن تھے) ملازمین کی ایسوسی ایشن نے ایک جلسہ کا اعلان کیا تھا جو 11 اگست 1848ء کو منعقد ہوا۔ اس جلسے میں بعض مولویوں نے تقریریں کیں اور ہر شخص نے اپنی تقریر کے لئے ایک ہی موضوع یعنی ''ختم نبوت،، اختیار کیا۔ ان تقریروں کے دوران میں قادیانیوں کے کفر اور اس کے نتائج کی طرف بار بار اشارے کئے گئے۔ ابھی یہ جلسہ منعقد ہو رہا تھا کہ میجر محمود ایک مریض کو دیکھنے کے بعد واپس آتے ہوئے جلسہ گاہ کے قریب سے گزرے۔ اتفاق سے ان کی موٹر کار جلسہ گاہ کے قریب پہنچ کر خراب ہو گئی تھی اور اس کو دوبارہ چلانے کی کوشش ناکام ہو گئی۔ عین اس موقع پر ایک ہجوم موٹر کار کی طرف بڑھا اور اس نے میجر محمود کو گھسیٹ کر نیچے اتار لیا۔ میجر محمود نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ان کا تعاقب کیا گیا اور آخر کار پتھر اور چھرے مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ ان کی پوری انتڑیاں پیٹ سے باہر نکل آئی تھیں۔ ان کی نعش کے پوسٹ مارٹم معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جسم پر کند اور تیز دھار والے ہتھیاروں سے لگائے ہوئے چھبیس زخم تھے اور موت ایک تو صدمے سے اور دوسرے داخلی جریان خون سے واقع ہوئی۔ جو بائیں پھیپھڑے بائیں گردے اور جگر کے دائیں کنارے کے زخموں سے جاری ہوا تھا۔ کوئی شخص بھی،، اسلامی شجاعت،، کے کارنامے کی نیک نامی لینے پر آمادہ نہ ہوا اور بے شمار عینی شاہدوں میں ایک بھی ایسا نہ

نکلا جوان غازیوں کی نشان دہی کر سکتا یا کرنے کا خواہش مند ہوتا جن سے یہ ''بہادرانہ فعل،، صادر ہوا تھا۔ لہٰذا اصل مجرم شناخت نہ کئے جا سکے اور مقدمہ بے سراغ ہی دفتر کر دیا گیا۔ پولیس کے کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیظ سے بھرے ہوئے لوگ چھوٹی ڈاڑھیوں والے اشخاص کی تلاش میں دیوانے ہو رہے تھے تاکہ انہیں ہلاک کر دیں۔(واضح رہے کہ بعض احمدی چھوٹی ڈاڑھیاں رکھتے ہیں) (منیرانکواری رپورٹ فسادات ۱۹۵۳)

معزز قارئین! اگر اس وقت ان جنونی وحشی نام نہاد مذہبی درندوں کو سخت ترین سزا دے دی جاتی تو سینکڑوں افراد کو بے دردی سے قتل ہونے سے بچایا جا سکتا تھا۔ اور ریاست کو ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کا اقرار نہ کرنا پڑتا۔ صد حیف! کہ آج تک کسی ایک جنونی وحشی کو بھی نشان عبرت نہ بنایا جا سکا ہے۔ کوٹ رادھا کشن واقعہ میں ملوث پانچ سو افراد کے خلاف مقدمہ درج ہوا، مشعال کیس میں سینکڑں افراد کو گرفتار کیا گیا۔ پھر جو ہوا سب جانتے ہیں۔ اب اس تازہ واقعہ میں ۹۰۰ فیکٹری ورکرز کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ 302، 297، 201، 427، 431، 157، 149 اور انسداد دہشت گردی قانون کے 7 اور 11 ڈبلیو ڈبلیو کے تحت مقدمہ درج کیا گیا تھا۔ اور ۱۲۰۰ افراد کو پکڑا گیا، جن میں سے باسٹھ افراد کو چھوڑ دیا گیا، اب نامزد ملزمان کی تعداد سترہ رہ گئی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ کم از کم ان کو نشان عبرت بنا دے اور توہین رسالت کا جھوٹا الزام لگانے والے کے لیے سزائے موت مقرر کرے۔ ارباب اختیار یاد رکھیں کہ توہین رسالت قانون کا خاتمہ ہی مذہبی جنونیوں کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ سب کو برابر کے حقوق دینا ریاست کا فرض ہے۔



قرآن مجید اور مقدس احادیث کی روشنی میں مسلمان کون ہے؟

عصرِ حاضر میں مسلمان بہت سارے فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور سبھی فرقوں کے بانی تو شاید فرقہ بندی کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوں مگر ان فرقوں کے علماء بہر حال ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ یہاں کفر کے فتووں سے صرف نظر کرتے ہوئے تمام فرقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے سامنے اس بنیاد کو رکھنا ہے جس پر اسلام کی شاندار عمارت کھڑی ہے۔

معزز قارئین! مسلمان ہونے کی بنیادی شرط کلمہ طیّبہ ہی ہے اور اس کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ اب کسی نے کلمہ طیّبہ دِل سے پڑھا ہے یا منافقت سے اس کا فیصلہ خُدا کرے گا جو دِلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ اگر کلمہ طیّبہ کا اقرار کرنے والا اچھے اعمال کرے گا تو اُس کو اچھی جزاء ملے گی اور اگر اعمال بد کرے گا تو خُدا سزا دے گا۔ سیّدنا حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔

نحن نحكم بالظاهر والله يتولى السرائر۔

یعنی ہمارا کام ظاہر پر حکم لگانا ہے اور مخفی راز اللہ کے سپرد ہیں۔

یقیناً آخرت میں دِل اور نیّتوں پر فیصلہ اللہ کرے گا۔ جب تک کوئی شخص خود کو مسلمان کہے گا، وہ مسلمان ہی رہے گا۔ کوئی مولوی یا حکومت اس کی قطعاً مجاز نہیں کہ وہ فتویٰ جاری کرے کہ کون مسلمان ہے کون مسلمان نہیں ہے۔ کلمہ طیّبہ پڑھنے والا اُس وقت تک دائرہ اسلام کے اندر رہے گا جب تک وہ یہ نہ کہے میں مسلمان نہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔ : دین میں کوئی جبر نہیں۔ (البقرہ آیت ۲۵۶)

پہلی بات تو یہی ہے کہ انسان کی مرضی ہے کہ وہ جو دین بھی چاہے قبول کر لے۔ زبردستی کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ آج کل تقریباً تمام اسلامی ممالک میں ایسے قوانین موجود ہیں جو دہریہ ہو جانے

والے یا کسی اور مذہب کو اختیار کرنے والے مسلمان کو سزائے موت تک کی سزا دلوا سکتے ہیں۔ وطن عزیز میں تو غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانے کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایسے قوانین کو رد کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:۔

''وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انکار کر دیا پھر ایمان لائے پھر انکار کر دیا، یا پھر کُفر میں بڑھتے چلے گئے، اللہ ایسا نہیں کہ انہیں معاف کر دے اور انہیں راستہ کی ہدایت دے۔'' (سورۃ النساء آیت ۱۳۸)

اس مقدس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جو ایمان کو کھیل سمجھ کر کفر میں بڑھتے چلے جاتے ہیں ان کی جزا سزا کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھ کر انسانی فتووں اور ریاستی قوانین کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ کسی کو بھی دین کے معاملے میں جبر کرنے یعنی قتل گری اور بدزبانی کی اجازت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات کی آیت پندرہ میں ہمارے حبیب آقا رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئاً إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔

ترجمہ: ''عرب کے جنگلی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ تُو اُن سے کہہ دے کہ تم حقیقتاً ایمان نہیں لائے۔ لیکن ہاں تم کہہ سکتے ہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں کیونکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال میں کچھ بھی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔''

اس مقدّس آیت میں ایمان اور اسلام کی وہ ابتدائی تعریف بیان کی گئی ہے جو ایمان کو اسلام سے الگ کر دیتی ہے۔ منہ سے تو ہر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہمارے دل میں ایمان ہے لیکن ان کو بتایا گیا ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جن کے دل میں ایمان نہ بھی ہو اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ہیں جو کُفر کی حالت میں ہی مریں گے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے دل میں سر دست ایمان داخل نہیں ہوا مگر وہ ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے کے بعد بالآخر سچے دل

سے مومن بھی ہو جائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ .

(سورۃ حم السجدۃ آیت ۳۴)

اُس شخص سے بات کا اچھا کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں''۔

اس مقدس آیت نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ جو کوئی بھی اعلانیہ اظہار کرے کہ میں مسلمان ہوں تو اللہ کے نزدیک وہ مسلمان ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔

''ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لا اله الا اللّٰه ولا تکفره بذنب ولا نخرجه من الاسلام بعمل''

تین باتیں دین کی جڑ ہیں جن میں ایک بات یہ ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللّٰہ پڑھ لے، اس کے بارے میں رو کو زبان کو، اس کو نہ تو اس کے کسی گناہ کی وجہ سے کافر کہو نہ اس کو کسی فعل کی وجہ سے اسلام سے خارج کرو۔ (سنن ابوداؤد) (اظہر حق الجلی)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من مات لا یشرك با اللّٰه شیئا دخل الجنة، ومن مات یشرك شیئا دخل النار۔

جو شخص اِس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا تھا تو وہ جنّت میں داخل ہو گا۔ اور جو شخص شریک بناتا ہے نار یعنی جہنم میں داخل ہوگا۔ (مسلم کتاب الایمان۔ جلد اول۔ حدیث نمبر ۹۴)

معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

"مخاتیح الجنة شهادة ان لااله الا اللّٰه"

جنّت کی چابی اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ (اس حدیث کی تائید بخاری نے کی ہے) (مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۵۲ حدیث نمبر ۴۰)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:۔

''اللہ فرماتا ہے اے فرزندِ آدم! تُو جب تک مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے اُمید رکھے گا میں تجھ سے سرزد ہونے والے گناہوں کو مٹاتا رہوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں کو پہنچ جائیں پھر تُو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں۔اے ابن آدم! اگر تُو میرے پاس زمین کے برابر بھی گناہ لے آئے اور مجھ سے اس حال میں ملے کہ تُو نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرایا ہو تو میں تجھے زمین کے برابر مغفرت عطا فرماؤں گا۔''

(جنتی اور جہنمی بنانے کا اختیار آج کل مولوی اپنے ہاتھ میں سمجھتا ہے نعوذ باللہ)

(جامع الترمذی ابواب الدعوات، باب الحدیث القدس یا ابن آدم صفحہ ۱۱۰۰ حدیث ۳۵۴۰ بحوالہ جہنم میں لے جانے والے اعمال صفحہ ۲۴۸ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

''تین باتیں اسلام کی اصل ہیں، اُس شخص سے رُکا جائے جو **لا الہ الا اللہ** کہتا ہے یعنی اسے قتل نہ کیا جائے، کسی مسلمان کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہو، اور نہ کسی کام کے سبب کسی کو اسلام سے خارج کرو، اور جہاد اس وقت سے جاری ہے جب سے مجھے اللہ نے مبعوث فرمایا ہے، یہاں تک کہ اس اُمّت کے آخری لوگ دجّال سے جنگ کریں گے۔کسی ظالم کا ظُلم اور کسی عادل کا عدل جہاد کو ختم نہیں کرے گا۔'' (یہاں جہاد سے مراد تلوار کا جہاد نہیں ہے بلکہ جہاد اکبر مراد ہے۔کیونکہ ہمارے حبیب آقا حضرت محمد ﷺ مبعوث ہونے کے بعد مکّہ میں تیرہ برس رہے اور اس دوران صرف جہاد اکبر ہی کیا۔آخری دور میں بھی مسلمان جہاد اکبر جاری رکھیں گے بے شک اُن پر ظلم کے پہاڑ توڑے جائیں وہ جہاد اکبر سے باز نہیں آئیں گے بالکل اسی طرح جس طرح کفار مکّہ کے مظالم کے باوجود جہاد اکبر جاری رہا۔اور ایسے عظیم جہاد کو کوئی عدالت جو عدل کی دعوے دار ہوگی قانون سازی کے ذریعے بھی نہیں روک سکے گی۔بالکل اسی طرح جس طرح کُفارِ مکّہ کے قانون ساز سردار مسلمانوں کو کلمہ حق کہنے سے نہ روک سکے تھے۔مضمون نگار)

(مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۶۲ حدیث نمبر ۱۵۹ از شیخ ولی الدین الخطیب التبریزی ترجمہ وتشریح مولانا محمد صادق

طبع اول ۲۰۰۵ طابع عبدالرحمان عابد فیصل آباد پاکستان۔مکتبہ اہل حدیث امین پور بازار فیصل آباد۔ یہ حدیث سنن ابو داؤد میں بھی موجود ہے)

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی فہرست تیار کرنے کا ارشاد فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی کہ "**واکتبوالی من یلفظ با الا سلام من الناس**"ترجمہ:لوگوں میں سے جو شخص اپنی زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہے اس کا نام میرے لیے تیار ہونے والی فہرست میں لکھ لو۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب کتابۃ الامام الناس)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔

''جو شخص بھی ہمارے قبلہ (یعنی کعبہ) کی طرف منہ کر کے مسلمانوں کی سی نماز پڑھے اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھائے پس وہ مسلمان ہے جس کو خُدا اور اس کے رسول کی ضمانت حاصل ہے۔پس تم خُدا اور رسول ﷺ کی ضمانت کو مت توڑو۔'' (بخاری کتاب الصلوۃ باب فضل استقبال القبلۃ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی خُدا نہیں، اور ہمارے قبلے کی طرف رُخ کیا اور ہماری طرح نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ کھایا، وہ مسلمان ہے۔اس کے حقوق وہی ہیں جو مسلمان کے حقوق ہیں اور اس پر فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے فرائض ہیں۔ (صحیح بخاری۔کتاب الصلوۃ)

علامہ سید سلیمان ندوی صاحب فرماتے ہیں:۔

''بخاری میں ہے کہ ایک صاحب کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا تھا۔ وہ احمق سی کوئی حبشیہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے اور آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہے؟ آپ ﷺ نے اس حبشیہ سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اُس نے آسمان کی طرف انگلی اُٹھا دی۔آپ ﷺ نے اُن صاحب سے فرمایا! لے جاؤ یہ مسلمان ہے۔''(صحیح بخاری، بحوالہ رسالہ اہل سنت والجماعت صفحہ ۲۴)

(اللہ اکبر! اسلام کی حقیقت پر کتنے پردے پڑ گئے ہیں۔آپ ﷺ اسلام کے لیے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا دینا کافی سمجھتے ہیں۔لیکن آوارگانِ اُمّت کے نزدیک آج کوئی مسلمان، مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ نسفّی کے بندھے ہوئے عقائد پر حرفاً حرفاً آمنتُ نہ کہا جائے)

اسامہ بن زیدؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرتﷺ نے ہمیں جُہینہ قبیلے کے نخلستان کی طرف بھیجا۔ ہم نے صبح صبح اُن کے چشموں پر ہی اُن کو جالیا۔ میں نے اور ایک انصاری نے ان کے ایک آدمی کا تعاقب کیا۔ جب ہم نے اُس کو جالیا اور اسے مغلوب کر لیا تو وہ بول اُٹھا **لا الــه الا الـلّـه** (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) اس بات سے میرا انصاری ساتھی اُس سے رُک گیا لیکن مَیں نے اُس پر نیزے کا وار کر کے اُسے قتل کر دیا جب ہم مدینہ واپس آئے اور آنحضرتﷺ کو اِس بات کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا اے اُسامہ کیا **لا اله الا اللّٰه** پڑھ لینے کے باوجود تم نے اُسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ صرف بچاؤ کے لیے (یہ الفاظ) کہہ رہا تھا۔ آپﷺ بار بار یہ دُہراتے جاتے تھے یہاں تک کہ میں نے تمنّا کی کہ کاش آج سے پہلے مَیں مسلمان ہی نہ ہوتا۔۔

اور ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ جبکہ اُس نے **لا الـه الا اللّٰه** کا اقرار کر لیا پھر بھی تُو نے اُسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس نے ہتھیار کے ڈر سے ایسا کہا تھا آپﷺ نے فرمایا کہ کیوں نہ تُو نے اُس کا دِل چیر کر دیکھا کہ اُس نے دِل سے کہا ہے یا نہیں۔ حضورؐ نے یہ بات اتنی بار دُہرائی کہ میں تمنّا کرنے لگا کہ کاش میں آج مسلمان ہوا ہوتا''۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب بعث النبی اُسامۃ بن زید الی الحرقات من جھینۃ صفحہ ۶۱۲)

مقداد بن عمرو کندیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ سے پوچھا، آپؐ مجھے بتایئے اگر میں کسی کافر سے لڑوں اور ہم خوب لڑیں اور وہ میرا ایک ہاتھ تلوار سے اُڑا دے اور پھر مجھ سے (ڈر کر) ایک درخت کی پناہ لے لے اور کہے کہ میں خُدا پر (ایمان اور) اسلام لے آیا، اُس کو اِس اقرار کے بعد مار دوں (یا نہیں)۔ آپؐ نے فرمایا اس کو مت مارو۔ مقدادؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اُس نے میرا ہاتھ کاٹ دیا ہے، پھر کاٹنے کے بعد یہ کلمہ کہا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اُسے ہرگز نہ مارو، اگر تُو نے اُسے مار دیا تو وہ تیری جگہ شمار ہوگا جیسا کہ تُو اُس کے مارنے سے پہلے تھا اور تُو اُس کی جگہ شمار کیا جائے گا جیسے وہ اِس کلمہ کے کہنے سے پہلے تھا۔ (بخاری جلد۲ حدیث نمبر ۱۸۲ا کتاب المغازی۔ بحوالہ شریعت یا جہالت از مولانا پالن)

رسول خُداﷺ نے خالد ابن ولیدؓ کو خزیمہ کی طرف بھیجا کہ اُن کو اسلام کی طرف دعوت کریں۔ بنی خزیمہ نے بجائے اس کے کہ ''اسلمنا'' کہیں ''صبانا صبانا'' کہا، جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنے مذہب سے پھر گئے، یعنی مسلمان ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اس مطلب کو نہیں سمجھے اور اُن کو قتل کر دیا۔ جب آپؐ کو یہ خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا:۔

''اے خُدا میں بری ہوں اُس کام سے جس کو خالدؓ نے کیا''۔ (مقالات سر سید احمد خاں۔ آخری مضامین سر سید)

نہایت اختصار کے ساتھ مسلمان کون ہے؟ کی تعریف قرآن مجید اور مقدس احادیث کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔اگر مسلمان تھوڑا غور کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ جو بھی اللہ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار کلمہ طیبہ پڑھ کر کر لیتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول آنحضرت محمد ﷺ کے نزدیک مسلمان ہے۔۔۔

غزوہ بدر اور غدر 1857ء

1857ء کے ہنگام علماء کے درمیان بحث ہو رہی تھی کہ اس موقع پر جہاد فرض ہے کہ نہیں۔بقول مصنف مشائخ دیوبند مولانا شیخ محمد کی رائے تھی کہ ''انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا ہم مسلمانوں پر فرض تو درکنار موجودہ احوال میں جائز نہیں (پھر یہ سوال پوچھا گیا) کیا اتنا بھی سامان نہیں کہ جتنا غزوہ بدر میں تھا۔اس موقع پر مولانا شیخ محمد نے سکوت فرمایا...چنانچہ جہاد کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔'' (مفتی عزیز الرحمٰن، مشائخ دیوبند، یوپی، 1967ء، صفحہ 82)

حیرت ہے کہ اس موقع پر موازنہ دنیاوی ساز و سامان کے حوالے سے ہو رہا تھا۔روحانی سرمایہ اور تائید الٰہی جو ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعاؤں کے طفیل اصحاب بدر کو حاصل تھی اور وہ روحانی انقلاب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کے فیض سے برپا ہوا جس نے صحابہ کرام کو **يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا** کا نمونہ بنا دیا اسے مکمل فراموش کر دیا گیا۔ اِدھر 1857ء کی جنگ میں شامل ہونے والوں کا حال یہ تھا کہ بقول سر سید احمد خان ''وہ ایسے خراب اور بدرویہ اور بداطوار آدمی تھے کہ بجز شراب خوری اور تماشا بینی اور ناچ رنگ دیکھنے کے کچھ وظیفہ ان کا نہ تھا۔'' (رسالہ اسباب بغاوت ہند، پٹنہ 1995ء صفحہ 17)

ہم دیکھتے ہیں اس کے برعکس صحابہ کرام کا طرز عمل کیا تھا جو اس روحانی انقلاب کی دولت سے مالا مال تھے۔کیا کبھی انہوں نے عورتوں اور بچوں پر تلوار اٹھائی۔حضرت زبیرؓ بیان کرتے ہیں: ''ابو دجانہؓ مشرکین کی صفوں میں گُھس گئے، ہند زوجہ ابوسفیان جو بڑے شور سے اپنے مردوں کو جوش دلا رہی تھی اس کے سامنے آئی اور ابو دجانہؓ نے اپنی تلوار اوپر اٹھائی... لیکن میں نے دیکھا ابو دجانہؓ نے خود بخود ہی اپنی تلوار نیچی کر لی۔'' (سیرت خاتم النبیینؐ۔صفحہ 489) لیکن یہاں نام نہاد مجاہدین کیا کر رہے تھے۔ بقول مرزا ظہیر الدین دہلوی انگریز عورتوں اور بچوں سے کیا سلوک ہوا بیان کرتے ہیں: ''دیکھتے ہیں کہ پچاس پچپن عورتیں اور بچے اور چار یا پانچ مرد زخمی چلے آتے ہیں اور گرد ان کے ایک حلقہ پوربیوں کا ہے اور خلائق کا ہجوم ہے۔متفق اللفظ ان سب نے کہا بھائی مسلمانو! **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ**۔ ہم سب مسلمان ہوتے ہیں۔ہم کو جان سے نہ مار تھوڑی دیر میں ہرکارے نے آکر خبر دی ان قیدیوں کا کام تمام کر دیا گیا...وہ کمبخت کیسے سنگدل تھے کہ جن ظالموں کے ہاتھ ان بچوں اور حور طلعت عورتوں پر اٹھائے تھے۔'' (ظہیر دہلوی، داستانِ غدر، لاہور، 1955ء، صفحہ 113-121) (پروفیسر نصیر حبیب۔لندن)

اب قیامت آلینے دیجئے !

سوچ بچار کرنے والے اہل وطن اکثر سوچتے تو ہوں گے کہ قرآن کریم اور مقدس احادیث میں بیان کی گئیں قیامت کی اکثر نشانیاں پوری ہو جانے کے باوجود قیامت کے آثار دور دور تک کیوں دکھائی نہیں دیتے؟ اس کا جواب کوئی بھی مذہبی علماء سے ہرگز نہ پوچھے کیونکہ سوائے تفرقے، فساد کے ان کے پاس لوگوں کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی قیامت کے متعلق علماء متفق نہیں ہیں، یہاں تک کہ قیامت کی ایک تعریف پر بھی ان کا اتفاق نہیں ہے بالکل اسی طرح جیسے فرقہ مولویاں مسلمان کی متفقہ تعریف بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ غیر مذہبی قیامتوں کے متعلق وکیلوں، سیاستدانوں، صحافیوں وغیرہ نے بارہا اس سوال کا جواب دیا ہے کہ قیامت کیوں نہیں آتی؟ اور واقعی جو وہ کہتے ہیں وہی ہوتا ہے یعنی سب کچھ ہو جاتا ہے مگر قیامت نہیں آتی۔ سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر علی احمد کرد جو بڑے بے باک اور دبنگ وکیل ہیں اگر وہ چاہتے تو ۳۰ ستمبر ۲۰۰۹ء کو قیامت آجاتی مگر ان کی فراست کو سلام کہ انہوں نے قیامت کو نہ آنے دیا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ

''عدالتوں میں بیٹھے فرعونوں کے نام بتا دیئے تو قیامت آجائے گی' عدالتوں میں چند فرعون اور عدالت کے باہر فرعونوں کا پورا قبیلہ موجود ہے۔'' (نوائے وقت ۳۰ ستمبر ۲۰۰۹ء)

جناب علی احمد کرد کو تو چھوڑیئے آج تک کسی نے بھی اس ڈر سے کہ کہیں قیامت ہی نہ آجائے عدالتوں کے اندر اور باہر بیٹھے فرعونوں کو بے نقاب نہیں کیا ہے۔ اور نہ ہی کسی کا ایسا موڈ دکھائی دیتا ہے۔

22 دسمبر، 2015 کو بھی چیئرمین پی آئی اے جناب ناصر جعفر کی پیشگوئی پوری ہوگئی اور قیامت نہ آئی۔ یاد رہے کہ ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعہ پی آئی اے قانونی طور پر کارپوریشن سے لمیٹڈ کمپنی بنادی گئی تھی۔ اس پر جناب ناصر جعفر نے فرمایا تھا:۔

''4 دسمبر کے صدارتی آرڈیننس سے پی آئی اے میں کوئی قیامت نہیں آجائے گی''

(22 دسمبر، 2015 جیو نیوز)

دیکھ لیجیے پی آئی اے بھی موجود ہے اور مالی بدعنوانیاں بھی عروج پر ہیں، مجال ہے کہ پی آئی اے

اوراس کی کسی بھی کارستانی پر قیامت کے معمولی آثار بھی دکھائی دیتے ہوں ۔مزے کی بات یہ ہے کہ پی آئی اے کے مسافر بھی پی آئی اے پر قیامت نہ آنے پر خوش لگتے ہیں،اگر ناراض ہوتے تو پی آئی اے پر ضرور قیامت ٹوٹ پڑتی۔

چوہدری شجاعت حسین سے کون واقف نہیں ان کی مسلم لیگ کے مرکزی رہنما کامل علی آغا نے بھی ایک پیشگوئی کی تھی جس کے الفاظ کچھ یوں تھے:۔

سابق وزیراعظم نواز شریف ہو یا پھر کوئی اور شخصیت جس نے بھی ملکی خزانے کی لوٹ مار کی ہے اس کے گرفتار ہونے سے کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔ (۲۵دسمبر۲۰۱۸ء روزنامہ پاکستان)

معززقارئین! ساری دنیا نے دیکھا کہ یہ پیشگوئی شاندار طریقے سے پوری ہوئی۔نواز شریف،شہباز شریف،مریم نواز،حمزہ شہباز،خاقان عباسی،خورشید شاہ اور سعد رفیق وغیرہ وغیرہ گرفتار ہوئے مگر قیامت نہ آئی اور تو اور یہ کہ یہ سبھی گرفتاری کے بعد رہا بھی ہوگئے مگر قیامت نے نہ آنا تھا اور نہ آئی۔

شیخ رشید صاحب پاکستان کے ان چند گنے چنے سیاستدانوں میں سے ہیں جنہوں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے کسی نہ کسی پارٹی کے وزیر یا بارہویں کھلاڑی رہے ہیں۔پاکستان پیپلز پارٹی سے سیاست کا آغاز کیا اور تحریک استقلال،جنرل ضیاء،مسلم لیگ ن،مسلم لیگ ق،جنرل مشرف سے فیضیاب ہوتے ہوئے تحریک انصاف تک پہنچے ہیں اپنی پارٹی عوامی مسلم لیگ کی واحد سیٹ کی پالکی میں بیٹھ کر۔اس تجربہ کار کہنہ مشق سیاستدان کی بھی بے شمار قیامت کے نہ آنے کے متعلق پیشگوئیاں پوری ہوچکی ہیں۔دو امثال پیش خدمت ہیں۔فرماتے ہیں:''آرمی چیف اور ڈی جی آئی ایس آئی سے ملنا اعزاز کی بات ہے۔ابھی ملاقاتوں کا ذکر کیا،ٹیلیفون ڈیٹا لیک کیا تو ملک میں قیامت آجائے گی۔'' (دنیانیوز ۲۵ستمبر۲۰۲۰)

یعنی ملاقاتوں کی کچھ تفصیل بتا دیتے تو قیامت آجاتی۔یعنی شیخ رشید کی فراست قیامت کے سامنے دیوار بن گئی۔

9اگست 2021 جیو نیوز کو درج ذیل خبر نشر ہوئی تھی کہ:

''شہباز شریف کو گرفتار کرنے سے کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔مثال اس کی یہ ہے کہ بھٹو کی پھانسی پر

ایک چڑیا نہیں پھڑکی تھی۔''

شیخ رشید صاحب کی اس پیشگوئی کے پہلے حصہ کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ شہباز شریف وغیرہ کی گرفتاری و رہائی پر قیامت نہ آئی تھی۔ شیخ رشید صاحب نہ صرف پیشگوئی کرتے ہیں بلکہ پاک سرزمین پر ہونے والے منحوس واقعات اور فیصلوں پر بھی نگاہ رکھتے ہیں۔ اور ان کو مثال کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ بھٹو کی پھانسی پر ایک چڑیا نہیں پھڑکی تھی، شیخ رشید صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں شاید کہ بے شک عدالتیں منحوس فیصلے کریں، فرعونیت اور غلام ذہنیت کا جتنی بار اور جب جب چاہیں اظہار کریں، کوئی قیامت نہیں آتی، پاکستان میں غریب، جاہل مردے بستے ہیں جو فرعونیت کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں، اور اسے اپنا مقدر سمجھ بیٹھے ہیں۔ بھٹو کی پھانسی کے بعد شیخ رشید صاحب پھڑکتی چڑیا ڈھونڈتے رہے جو انہیں ملی نہیں مگر انسان زندہ جلتے رہے، کوڑے کھاتے رہے، پھڑکتے رہے وہ بھی انہیں کہیں دکھائی نہ دیے، شیخ رشید صاحب نے سب سچ کہا ہے۔

آج کل ویڈیو لیکس بھی قیامت بنی ہوئی ہیں، گو ابھی تک وہ ویڈیوز منظر عام پر نہیں آئیں جن سے قیامت برپا ہو جائے، جن ویڈیوز سے خطرہ ہوتا ہے کہ وہ قیامت برپا کر سکتی ہیں انہیں سامنے لانے کی کوئی بھی جرآت نہیں کرتا۔ ہم نیوز پر 7 جولائی 2019 کو سینئر صحافی محمد مالک سے منسوب یہ خبر نشر ہوئی تھی کہ ''سینئر صحافی محمد مالک نے انکشاف کیا ہے کہ انہیں مسلم لیگ ن کے ایک اہم رہنما نے بتایا ہے کہ ان کے پاس مزید ویڈیوز بھی موجود ہیں جو سامنے آ گئیں تو قیامت آ جائے گی۔''

آج نیوز نے 11 اکتوبر 2021ء کو یہ خبر نشر کی تھی کہ جب عامر لیاقت سے پوچھا گیا کہ آپ کے استعفیٰ دینے کی کیا وجہ بنی تو عامر لیاقت نے جواب دیا کہ:۔

''اگر میں نے استعفے کی وجہ بتا دی تو پورا پاکستان دہل جائے گا اور قیامت آ جائے گی۔''

یکم نومبر 2019ء کو جناب فواد چودھری نے فرمایا کہ

''ہمارے ہاں امیر بیمار ہو تو لگتا ہے قیامت آ جائے گی''۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان نامی ریاست کے سبھی ستون ایسے موقع پر جب ایسی قیامت کے برپا ہونے کے آثار دیکھتے ہیں تو فوری طور پر امیروں کو چاہے وہ جیل میں سزا کاٹ رہے ہوں انہیں علاج کے لیے بیرون

ملک روانہ کردیتے ہیں۔۱۴دسمبر، 2021 کوہم نیوز میں فواد چودھری سے منسوب درج ذیل خبر نشر ہوئی کہ :۔

''تین روپے والی دوا سات روپے کی ہونے سے قیامت نہیں آ گئی۔''

فواد چودھری کا یہ بیان سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے کہ قیامت زندوں پر آتی ہے نہ کہ مردوں پر،فواد چودھری کہہ رہے ہیں کہ ہماری مردہ عوام ناممکن ہے کہ ہم پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑے،اگر تین روپے کی گولی تین سو روپے کی بھی ہو جائے تب بھی یہ مردے ہمیں قیامت سے دوچار نہیں کر سکتے۔

معزز قارئین!وہ پاکستانی جو ریاست اور اس کے بوسیدہ بدبودار ستونوں سے امید رکھتے ہیں کہ وہ انہیں ناانصافی،جہالت،بے روزگاری،مہنگائی،غربت وغیرہ نامی تاریک قبروں سے نکال دیں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہے،یہ ان قبروں پر پھول تو ایک آدھ شاید رکھ دیں بعد ازاں ان قبروں کو بھی مسمار کر کے خوشی کے شادیانے بجائیں گے۔

اہل وطن یاد رکھیں جب تک اہل دل ونظر دانشور،وکلاء،سیاستدان،صحافی،عوام ان گلے سڑے نظام کو چلانے والی بدبودار سڑی ہوئی بڑی مچھلیوں کو جو قیامت آنے نہیں دیتیں انہیں گٹر میں نہیں پھینک دیتے تب تک کچھ نہیں ہوسکتا،نہ زلزلہ آئے گا اور نہ کوئی طوفان،قیامت تو دور کی بات ہے۔اگر علی احمد کرد جیسے وکیل عدالتوں میں بیٹھے اور عدالتوں سے باہر گھومتے فراعین پر قیامت آنے دیتے،ناصر جعفر پی آئی اے پر قیامت آنے دیتے،ارباب اختیار نواز شریف اور دیگر قیدیوں کو آزاد کر کے قیامت کو نہ روکتے،شیخ رشید آرمی چیف اور ڈی جی آئی ایس آئی سے ملاقات کا احوال بیان نہ کر کے قیامت کو نہ روکتے،بھٹو کی پھانسی کے غلط فیصلے پر قیامت کو نہ روکا جاتا،عامر لیاقت استعفے کی وجہ نہ بتا کر پاکستان کو قیامت سے نہ بچاتے وغیرہ وغیرہ تو ملک بڑی تیزی سے ترقی کی منازل طے کرتا اور اگر مذہبی جنونیوں کو بھی بروقت قیامت سے دوچار کر دیا جاتا تو معاشی ترقی اور اخلاقی ترقی کی رفتار بھی غیر معمولی ہوتی۔ہم تو یہی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سولہ دسمبر ۱۹۷۱ء والی قیامت سے دوبارہ نہ گزارے۔سولہ دسمبر والی بڑی قیامت کی سب سے بڑی وجہ چھوٹی قیامتوں کو روکنا ہی تھے۔

☆☆☆

مسلم لیگ، پاکستان، قائد اعظم اور فتاویٰ کفر

معزز قارئین! جیسا کہ آپ سبھی جانتے ہیں کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے قائد اعظم محمد علی جناح، پاکستان، مسلم لیگ اور علامہ محمد اقبال شاعر مشرق پر نام نہاد علماء نے کفر کے فتوے لگائے گئے تھے۔ بغیر کسی ترتیب کے ایسے ہی چند فتاویٰ پیش خدمت ہیں:۔

قائد اعظم کو احرار نے ''کافر اعظم'' اور اسلام سے خارج قرار دیا۔''

(حیات محمد علی جناح از رئیس احمد جعفری صفحہ ۹۱ بمبئی ۱۹۴۶ء، مسٹر جناح کا اسلام صفحہ ۹ شائع کردہ جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام نیز ہفت روزہ چٹان لاہور ۶ نومبر ۱۹۵۰ء)

''بھارت کے ۱۰ کروڑ مسلمانوں کا نام نہاد رہنما ایک پارسی عورت کو حلقۂ زوجیت میں لینے کے لیے حلفیہ اقرار نامہ کے ذریعہ مسلمان ہونے سے انکار کرتا ہے اور آج تک کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان نہیں ہوا۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں کا قائد اعظم۔'' (مسٹر جناح کا اسلام صفحہ ا شائع کردہ جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام نیز ہفت روزہ چٹان لاہور ۶ نومبر ۱۹۵۰ء)

احمد رضا خان کے آستانہ ء بیعت مارہرہ شریف نے قائد اعظم محمد علی جناح کے بارے میں لکھا:۔

''کیا کوئی سچا مسلمان کسی کتّے کو اور وہ بھی دوزخیوں کے کتّے کو اپنا قاعد اعظم، سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا؟ حاشا وکلاّ ہر گز نہیں۔''

(مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری صفحہ ۴ بحوالہ پڑھتا جا شرماتا جا از عبدالرشید مانچسٹر صفحہ ۲۵)

''پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کا خُون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ ہائی کمانڈ ایک سپیرا ہے۔ مسٹر محمد علی جناح کافر و مُرتد ہے اُس کے بہت سے کُفریات ہیں۔ بحکم شریعت وہ عقائد کُفرہ کی بناء پر قطعاً مُرتد اور خارج از اسلام ہے اور جو اُس کے کُفر پر شک کرے یا اُسے کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر۔''

(تجانب اہل سنّت صفحہ ۱۱۹،۱۲۲ بحوالہ بریلویت صفحہ ۲۹۷، بحوالہ ''دھماکہ'')

''جو محمد علی جناح' قائدِ اعظم' کی تعریف کرتا ہے۔ وہ مُرتد ہوگیا، اسکی بیوی اسکے نکاح سے نکل گئی، مسلمانوں پر فرض ہے کہ اسکا کُلّی مقاطعہ کریں، یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔'' (الجوابات السنیہ از مولانا ابو برکات)

''اور مسٹر جینا اُن کا قائد اعظم، اگر صرف اِنہیں دو کُفروں پر اکتفا کرتا تو قائد اعظم کی خصوصیت ہی کیا رہتی؟ لہذا وہ اپنی اسپیچوں اپنے لیکچروں میں نئے نئے کُفریات بکتا رہتا ہے۔ بحکم شریعت مسٹر جینا (جناح) اپنے ان عقائد کُفریہ قطعیہ خبیثہ کی بناء پر قطعاً مُرتد اور خارج از اسلام ہے۔ جو شخص اُس کے کُفروں پر مطلع ہونے کے بعد اُس کو مسلمان جانے یا اس کے کافر و مُرتد ہونے میں شک رکھے یا اُس کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر مُرتد اور شرالئام اور بے توبہ مرا تو مستحق لعنت عزیز علام۔'' (تجانب اہل سنّت صفحہ ۱۱۴ بحوالہ رضا خانیوں کی کُفر سازیاں)

مسٹر جینا (جناح) جیسے کھلے ہوئے مُرتد کو ہندو مسلم اتحاد کا پیغام بَر بلکہ سیاسی پیغمبر کہہ دینا ہے۔ (مظاہر الحق الاجلی صفحہ ۳۳ بحوالہ رضا خانیوں کی کُفر سازیاں)

''اگر وہ ندوہ و مسلم لیگ و سیرت کمیٹی و تحریک خاکسار و مجلس احرار کے اُن حرکات و کلمات کُفر و ضلال کو معاذ اللہ حق و صحیح مانتے ہیں تو جو کُفر کو حق مانے وہ خود کافر ہے۔''

(تجانب اہل سنت صفحہ ۱۱۴ رضا خانیوں کی کُفر سازیاں)

''ہر سنّی مسلمان پر شریعت مطہرہ کی روشنی میں روشن ہو کہ یہ سب اغراض و مقاصد صریح محرمات شریعہ پر مشتمل اور حرام قطعی اور کُفر و ضلال میں اور اِن کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ کی شرکت و رکنیت و امداد و اعانت بہ حکم شریعت مطہرہ اُسی طرح گناہ و ممنوع و حرام و ناجائز ہے جس طرح ندوہ و کانگریس کی شرکت و رُکنیت و امداد و اعانت شرعاً حرام و گناہ ہے۔ اِس میں شریک ہونے والا ایسا ہی فاسق ہے جیسے ندوہ و کانگریس میں شریک ہونے والا فاسق ہے۔ رہا مطالبہ پاکستان یعنی تقسیم ملک کہ اتنا لیگیوں کا اتنا ہندوؤں کا، اِس صورت میں احکام کُفر ملک کے بڑے حصے میں لیگیوں کی رضا سے جاری ہوں گے کہ وہی اِس تقسیم پر راضی اور اِس کے طالب ہیں۔ احکام کُفر پر رضا کُفر اور کم از کم سخت بے دینی ہے۔''

(اجمل انوار الرضا از مولوی حشمت علی صفحہ۳ بحوالہ رضا خانیوں کی کُفر سازیاں)

''جو محمد علی جناح کی تعریف کرتا ہے وہ مُرتد ہو گیا، اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کا کلّی مقاطعہ کریں یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔'' (بحوالہ بریلویت صفحہ۴۳)

حزب الاحناف لاہور کے مولوی ابو البرکات سید احمد (بریلوی) ایک رسالہ ''الجوابات السنیۃ زہاء السوالات'' کے صفحہ ۲۹ پر فرماتے ہیں:۔

''لیگ کی حمایت کرنا، اس میں چندے دینا، اس کا ممبر بننا، اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا، منافقین و مُرتدین کی جماعت کو فروغ دینا ہے۔'' (بحوالہ دھاکہ صفحہ ۱۷ب)

تجانب اہل سنت کے مصنف طیّب داناپوری علامہ اقبال کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''اور زمانہ حال کے مشہور شاعر ڈاکٹر اقبال نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی ''صلح کلیت'' اپنی حد سے گذر کر شدید نیچریت و دہریت تک پہنچی ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے مضامین میں نظم و نثر کے ذریعے سے نیچریت کا زبردست پرچار کیا ہے۔''

پھر مولانا محمد طیّب داناپوری لکھتے ہیں:۔

''مسلمانان اہل سُنّت خود ہی انصاف کریں کہ ڈاکٹر صاحب کے مذہب کو سچے دین اسلام سے کیا تعلق؟'' (تجانب اہل سنت از مولانا محمد طیّب داناپوری صفحہ ۲۸۹) یہ کتاب ۱۹۴۲ء میں چھپی تھی)

(بحوالہ رضا خانیوں کی کُفر سازیاں صفحہ ۱۶۲)

تجانب اہل سنت کے صفحہ ۳۳۴ تا صفحہ ۳۴۶ تک بارہ صفحات میں بال جبرئیل اور بانگ درا کے اشعار کے حوالے دیئے گئے ہیں اور ان بارہ صفحات میں کم از کم بارہ بار کافر، زندیق، گستاخ وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا ہے۔ صفحہ ۳۳۴ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔ ''نیچریت کے فلسفی ڈاکٹر اقبال نے اپنے فارسی اور اردو نظموں میں دہریت اور الحاد کا زبردست پروپیگنڈہ کیا ہے۔ کہیں اللہ عزوجل پر اعتراضات کی بھرمار ہے، کہیں شریعت محمدؐیہ اور اسلامی احکام اور عقائد پر تمسخر اور استہزاء اور انکار ہے۔ کہیں اپنی زندیقیت اور بے دینی، فخر کا مباہات کے ساتھ کھلا اقرار ہے۔'' پھر صفحہ ۳۴۵ پر لکھا ہے۔ ''اگر ان اعتقادات کے باوجود بھی ڈاکٹر صاحب مسلمان ہیں، تو

قطعی معلوم ہوا، کہ انہوں نے کوئی دوسرا اسلام گھڑ لیا ہے، اور اس کے مطابق وہ مسلمان ہوں گے۔"

جناب عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:۔

"سلطان ابن سعود کی تطہیر حجاز کے غلغلے نے ہندوستان کے مسلمانوں کو دو مذہبی کیمپوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔۔۔علامہ اقبال سلطان ابن سعود کی حمایت میں بیان دے چکے تھے۔ اور بدعتی علماء ان کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک خوش طبع مسلمان کو دِل لگی سوجھی، اُس نے ایک استفتاء مرتب کر کے مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ خطیب مسجد وزیر خان لاہور کو بھیج دیا۔ یہ صاحب اپنے شوقِ تکفیر کے لیے بے حد مشہور تھے۔ چنانچہ متعدد اکابر مسلمین کو کافر بنا چکے تھے۔ اس خوش طبع مسلمان نے اپنا نام "پیرزادہ محمد صدیق سہارنپوری" تجویز کیا۔ چنانچہ احمد رضا خان کے خلیفہ اور بریلویوں کے "امام المحد ثین" مولوی دیدار علی صاحب بانی مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور نے علامہ اقبال مرحوم کو کافر قرار دے دیا اور ساتھ بائیکاٹ کا حُکم دیتے ہوئے فرمایا۔ "جب تک ان کُفریات سے قایل اشعارِ مذکورہ توبہ نہ کرے اس سے ملنا جُلنا تمام مسلمان ترک کر دیں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گے۔" (ذکرِ اقبال صفحہ ۱۲۷، ۱۲۹، سرگذشتِ اقبال صفحہ ۱۹۱)

عطاءاللہ شاہ بخاری نے پسرور کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم کو مخاطب کر کے کہا:۔

"تم کہتے ہو کہ ہم نے پاکستان بنانا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اب تک کسی ماں نے کوئی ایسا بچہ نہیں جَنا جو پاکستان تو کجا پاکستان کی "پ" کا ایک نقطہ بھی بنا سکے۔"

(روز نامہ جدید نظام لاہور استقلال نمبر ۱۹۵۰ء، ورپورٹ تحقیقاتی عدالت اردو صفحہ ۲۷۴)

مولانا عطاءاللہ شاہ بخاری نے ایک دفعہ کہا کہ "جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں سؤر کھانے والے ہیں"۔ (بحوالہ چمنستان صفحہ ۱۶۵)

احراری لیڈروں مولانا محمد علی جالندھری، مولانا عطاءاللہ شاہ بخاری، تاج الدین انصاری اور مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی نے ہمیشہ پاکستان کو "پلیدستان" اور "خاکستان" کے ناموں سے پکارا۔ مولانا عطا اللہ شاہ بخاری نے بارہا اعلان کیا کہ "اب تک کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی "پ" بھی بنا سکے۔

مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب سیاسی کشمکش کے حصہ سوم کے صفحہ ۱۳۲ پر لکھا ہے:۔

''پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں۔اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔''

مجلس احرار کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو دہلی میں ہوا جس میں احراری ملاؤں نے پاکستان کے منصوبے کو رَدّ کر دیا اور اپنی تقریروں میں پاکستان کو پلیدستان کہا۔ پھر ۱۷ تا ۱۹ مارچ ۱۹۴۷ء کو گوجرانوالہ میں اجلاس ہوا جس میں مسلم لیگ کے خلاف جانے کا فیصلہ ہوا اور اس اجلاس میں مولانا مولانا مظہر علی اظہر نے قائداعظم کے بارے میں زہرافشانی کرتے ہوئے کہا ۔

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ قائد اعظم ہے کہ ہے کافر اعظم

(جسٹس منیر انکوائری رپورٹ ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۱، ۱۲)

یاد رہے کہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں احراری لیڈروں نے مسلم لیگی امیدواروں کے خلاف ۱۳ احراری امیدوار کھڑے کیے جو تمام کے تمام ہار گئے تھے۔

چوہدری فضل حق احراری نے کہا تھا کہ:''ہم اس کے سخت خلاف ہیں کہ لاکھوں مسلمانوں کی قربانی دے کر کسی یزید جیسے مسلمان کے لیے تخت سلطنت بچھایا جائے''۔(تاریخ احرار پہلا ایڈیشن صفحہ ل،م (سید عطا اللہ شاہ بخاری از شورش کاشمیری صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ ۱۱ ستمبر ۱۹۵۶ء)

پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کا خُون چوس رہا ہے۔اور مسلم لیگ ہائی کمانڈ ایک سپیرا ہے۔ (احراری اخبار آزاد کا اداریہ ۹ نومبر ۱۹۴۹ء)

''مسلم لیگ کو دامِ فرنگ سمجھ کر دور ہی رہنا چاہتے ہیں''۔''ہمیں پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کے دام فریب میں نہ پھنساؤ''۔''قومی بوجھ بھگڑ ایسے حال میں شمالی ہند کو پاکستان بنا رہے ہیں''۔

(خطباتِ احرار صفحہ ۲۲، ۱۰۱، ۱۴۱ بار اوّل)

مولوی ظفر علی خان فرماتے ہیں کہ''پھر میرٹھ میں مولوی حبیب الرحمان لدھیانوی صدر مجلس احرار اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ''دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر

جواہرلعل کی جوتی کی نوک پرقربان کیے جاسکتے ہیں۔''اس پر میں (مولوی ظفرعلی خان) نے یاروں کی فرمائش یوں پوری کی۔

کیا کہوں آپ سے کیا ہیں
احرار کوئی لُچّا ہے اور کوئی لُقّہ

(چمنستان مجموعہ منظومات ظفرعلی صاحب صفحہ ۱۶۵)

سابق صدر آزاد کشمیر خان عبدالقیوم خان کا شمار بھی پاکستان کے مخالفین میں ہوتا تھا۔پاکستان بننے کے بعدانہوں نے مذہبی منافرت پھیلا کراور سیاسی جوڑتوڑاور سیاسی بلیک کے ذریعے آزادکشمیر کی وزارت اعلیٰ حاصل کی تھی۔ان کے متعلق عرفان احمد لکھتے ہیں:۔

''خان عبدالقیوم خان بھی کانگریسی تھااوراُس نے پاکستان بننے سے تھوڑاعرصہ پہلے ایک کتاب لکھی جس کا نام''GOLD AND GUN'' تھا۔جب خان صاحب وزیراعلیٰ بنا تو اس نے خوداپنی لکھی ہوئی کتاب(BAN) کی اوردکانوں اورگھروں سے اٹھوائی۔''(پاکستان پہ کیا گزری؟ازعرفان احمد خان۔اردوڈاٹ کام)

معززقارئین! آخرمیں ایک حقیقت پرمبنی فکرانگیز مضمون پیش خدمت ہے جو حرف تمنّا کے نام سے جنگ میں شائع ہوا تھا۔ارشاداحمد حقانی فرماتے ہیں:۔

''میرےایک کرم فرماراجہ فتح خان لکھتے ہیں کہ:۔

''جہاں تک نظریہ پاکستان کی بات ہے تو پاکستان کی تاریخ میں یہ جھوٹ قیام پاکستان کے برسوں بعدمُلاّئیت کی سازش اور جنرل شیرعلی کے توسط سے شامل کرایا گیااور تعلیمی نصاب میں لازمی پڑھنا قراردلوایا گیا۔مُلاّئیت نے پروپیگنڈے کے زور پراِس جھوٹے اورفرضی نظریہ پاکستان کو،وہ بیل باورکرالیا جس کے سینگ پر سرزمین ٹکی ہوئی ہے۔منہ بولتی تاریخی حقیقت یہ بھی ہے کہ مُلاّئیت نے بحیثیت مجموعی مطالبہ پاکستان کی ایڑی چوٹی کازورلگا کرمخالفت کی۔کسی نے جناح کو کافراعظم کہا،کسی نے اس وجہ سے حمایت نہیں کی اگر پاکستان بن گیا تو وہاں مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔اور جب پاکستان بن گیا تو کشمیر کے لیے جہادکوحرام قراردے دیا۔ دوسرے مُلاّئیت کے برخلاف قادیانیوں نے بحیثیت جماعت مطالبہ پاکستان کی اعلانیہ حمایت اُس

وقت کی جب جماعت اسلامی اپنے جلسوں میں گاندھی کو بلا کران سے تقریر کروا رہی تھی۔

قائداعظم کی وفات کے بعد قانون ساز اسمبلی سے قرارداد مقاصد منظور کروائی گئی اور پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔تھیوکریسی کے لیے پہلی اینٹ رکھ دی گئی اور اس ٹیڑھی بنیاد پر سیدھی عمارت بننے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا۔اس پر مُلاّ ئیت نے گھی کے چراغ جلائے اور مودودی صاحب نے فرمایا کہ قرارداد مقاصد منظور ہونے سے ریاست نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ریڈیو پاکستان پر مودودی ۲۲ نکات کا پروپیگنڈہ کرتے رہے۔اس حقیقت کو چھپالیا گیا کہ یہ ۲۲ نکات پاکستان بننے (اور قائداعظم کی وفات) کے بعد منظور کیے گئے۔تحریک پاکستان کے دوران تو پاکستان کو ناپاکستان اور قائداعظم کو انگریزوں کا ایجنٹ کہا گیا، احرار نے کہا یا خاکسار نے کہا حتیٰ کہ قائد کو قتل کرانے کے لیے قاتل بھی بھیجے گئے۔ بہر حال مودودی کی 'اسلامی ریاست' میں جماعت اسلامی کا مسلمانوں کو 'مسلمان' بنانے کا پروگرام واضح ہے کہ ایک سال کے اندر صحیح مسلمان بن جاؤ ورنہ خود کو غیر مسلم قرار دے کر دائرہ اسلام سے خود کو خارج سمجھ لو، ذمی ہو جاؤ۔شاید ہی کوئی مذہبی فرقہ ہو جس نے باقی فرقوں کو اپنے فتوے سے کافر قرار نہ دے رکھا ہو۔اس 'کافر سازی' کا ہی نتیجہ ہے کہ آگے چل کر مساجد اور امام بارگاہوں کے در و دیوار عبادت گزاروں کے خُون سے رنگین ہونے لگے اور اب تو مزاروں کو بھی اُڑایا جانے لگا ہے۔

کہاں تو قرارداد مقاصد سے پہلے ملک کا وزیر خارجہ قادیانی اور وزیر قانون ہندو! اور قرارداد مقاصد کے بعد پاکستان کے پہلے انعام یافتہ سائنس دان کی لاش بھی باہر سے چپکے سے پاکستان لا کر دفنانی پڑی کہ قرارداد مقاصد کے مطابق بننے والے باہر سے چپکے سے پاکستان لا کر دفنانی پڑی کہ قرارداد مقاصد کے مطابق بننے والے آئین کے تحت ریاست شہریوں کے عقیدے کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہوگئی کہ ریاست کا مذہب اسلام تھا جس نے ڈاکٹر عبدالسلام کی جماعت کو ان کی مرضی کے خلاف 'غیر مسلم' قرار دے دیا تھا۔مُلاّ ئیت اور اس کی پالنہار حکمران اقلیت چونکہ ووٹ کے ذریعے کبھی بھی اقتدار حاصل نہیں کر سکتی اسی لیے یہ مذہب کے نام سے جمہوریت کی مخالفت کرتے ہیں۔مُلاّ ئیت بحیثیت مجموعی ریاست اقتدار پر قابض ہونے کی تمنائی ہے۔ یہ بہ زور ریاست پر قبضہ کرنے کے پروگراموں اور سازشوں پر عمل پیرا رہتا ہے۔مصر کے اخوان المسلمین ہوں یا ان کا پاکستانی ایڈیشن جماعت اسلامی یکساں پروگرام ہیں۔'' (''حرف تمنا'' جنگ ۲۷ جون ۲۰۰۹ء)

بھیڑ بکریوں کا ریوڑ اور بھیڑیے !

وطن عزیز جب سے معرض وجود میں آیا تب سے بیمار سے بیمار تر ہوتا چلا جا رہا ہے، آج کل تو جان کے لالے پڑے ہیں۔ مشرقی پاکستان کو ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو ایسی ہی بیماریوں کا بروقت علاج نہ ملنے کی وجہ سے مر کر بنگلا دیش کی صورت میں نئی زندگی ملی تھی۔ بنگالیوں کو آج بھی غداری کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ بنگالیوں کی وفاداری اور حب الوطنی کے ضمن میں جسٹس محمد منیر اپنی کتاب ''جناح سے ضیاء تک'' میں لکھتے ہیں کہ:۔

''اسمبلی کی روئیداد سن کر مجھے خیال گزرا کہ آئے دن کے شاکی بنگالی ممبران شاید مشرقی پاکستان کو الگ ریاست بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ایوب سے ذکر کیا اور اس کے کہنے پر چند برسرآوردہ بنگالی لیڈروں کو گھر بلایا، چائے پلائی اور باتوں باتوں میں پوچھا کہ کیا آپ لوگ علیحدگی چاہتے ہیں؟ اس پر سب کے سب بنگالی بھڑک اٹھے اور یک زبان ہو کر بولے کہ ''دیکھو منیر! ہم آبادی کے لحاظ سے ملک کا بڑا حصہ ہیں۔ اگر تم لوگ الگ ہونا چاہتے ہو تو اور بات ہے''۔۔

اور ہم نے الگ ہو کر چھوڑا تھا۔

معزز قارئین! اچھا معالج صرف مرض سرطان کی تشخیص ہی نہیں کرتا بلکہ موت کے منہ میں جاتے مریض کو اچھے علاج سے شفایاب بھی کرتا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان کو قائداعظم کے بعد کوئی بھی لیڈر خواہ سیاسی ہو یا فوجی ایسا نہیں ملا جو اصل بیماری کو سمجھے اور اس کا علاج کرے۔ عجیب بات یہ ہے کہ پاکستانی قوم کے جرنیلوں بڑے بڑے سیاستدانوں، صحافیوں، ججوں اور دانشوروں کو اچھی طرح علم ہے کہ پاکستان کو کون سا موذی مرض لاحق ہے مگر یہ سب اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ یہ مرض انہیں بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آنے والا حکمران اور اس کی ٹیم بیماری کا علاج کرنے کی بجائے بیماری میں مزید اضافے کا باعث بنتی ہے۔ اب کنگ میکروں کو نا صرف سوچنا ہوگا بلکہ ایسے معالج لانے ہوں گے جن کے ہاتھ سرجری کرتے ہوئے نہ کپکپائیں، پاکستان کے بدن میں بننے والے سرطانوں کو جڑوں سے نکال باہر کریں بعدازاں کیموتھراپی بھی کریں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ماس خور کلکی کیڑیاں اللہ نہ کرے بچے کھچے ہمارے پیارے وطن پاکستان کو نگل جائیں گی۔

ہمارے ہاں ہیراور رانجھا کی محبت نے بہت گل کھلائے ہیں، اخلاقیات کوتو سنڈی لگ گئی ہے۔

آیئے معزز قارئین مقامات وارث شاہ کی ہیر کے مکر کی کہانی پڑھتے ہیں۔ اگر اس کہانی میں کہیں پاکستان اوراس کے لیڈران دکھائی دیں تو کچھ نہ کچھ سوچیئے گا ضرور مگر مرنے مارنے کے بغیر۔۔۔ جب ہیر نے مکر کیا کہ اسے سانپ نے ڈس لیا ہے تو کھیڑے رانجھے جوگی کو اس کے علاج کے لئے بلا لائے تھے۔ اس پر وارث شاہ کہتے ہیں۔

''ان بے شعور کھیڑوں کی حماقت تو دیکھو کہ خود باز کے پنجے میں طمعہ دے دیا ہے۔ بھوکے کو کھیر کا رکھوالا مقرر کیا ہے اور رنڈوے سے کہا ہے کہ ہمارے لئے رشتہ تلاش کرو۔ بندر کو پھلیوں کے قریب بٹھا دیا ہے اور سرسوں کے دانے کیڑے مکوڑوں کے آگے بکھیر دیئے ہیں۔ مرغوں کے سامنے اناج دھوپ میں ڈال دیا ہے۔ گیدڑ کو خربوزوں کے کھیت کا چوکیدار بنایا ہے اور کاغذ کی ناؤ بندر کے سپرد کی ہے کہ جاؤ اس میں لوگوں کو دریا کے پار لے جاؤ۔ اونٹ سے باغ لگوار ہے ہیں۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کو بھیڑیے کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے اور شیر سے کہا ہے کہ جاؤ ہماری بھینسیں چرالاؤ۔ زرومال کی حفاظت ڈاکو کے سپرد کی ہے اور خود چور سے کہتے ہیں کہ چوری کا سراغ لگاؤ۔ گدھے کو جو کے ڈھیر کا نگران مقرر کیا ہے اور اندھے سے کہا ہے جاؤ لکھ لاؤ۔ سانپ کاٹنے کا منتر پڑھنے کے لئے جوگی کو لے آئے یہ نہ سوچا کہ یہ تو الٹا ہیر کو سانپ سے ڈسوادے گا۔'' (مقامات وارث شاہ)

اب ذرا تصور کریں کہ پاکستان ہیر ہے، سیاست دان کھیڑے اور جرنیل رانجھے ہیں۔ پاکستان نامی ہیر کو جن رانجھوں اور کھیڑوں نے رسوائی کے گلے سڑے ہار ڈالے ہیں عوام پاکستان نامی ہیر کے ناسوروں کے علاج کے لیے انہیں رانجھوں اور کھیڑوں کو بلاتی ہے جن کے ڈسنے سے پاکستان نامی ہیر بستر مرگ پر پڑی ہے۔

میر تقی میرؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

اللہ کرے کہ عوام کو عقل آجائے اور اب وہ پاکستان نامی ہیر کے علاج کے لیے کھیڑوں کی طرح کسی رانجھے کو نہیں لائیں گے بلکہ نامور سرجنوں کو لائیں گے۔☆☆☆

فاکس گائے ڈے اور سانحۂ پشاور کی برسی

پانچ نومبر کی رات کو برطانیہ کی فضائیں آتش بازی کے دلفریب رنگوں سے جگمگا اٹھتی ہیں۔ برطانوی قوم پانچ نومبر کا دن جشن مسرت کے طور پر مناتی ہے۔ اس دن کا پس منظر کچھ اس طرح سے ہے کہ 5 نومبر 1605ء میں کیتھولک عیسائی فرقے کے چند لوگوں نے رابرٹ نامی شخص کی قیادت میں پراسٹنٹ فرقے سے تعلق رکھنے والے شاہ جیمز اول کو پارلیمنٹ لارڈز میں ان کے ساتھیوں سمیت قتل کرنے کی سازش کی تھی جسے ناکام بنا دیا گیا تھا۔ برطانوی قوم ہر سال 5 نومبر 1605 کو سازش ناکام بنانے کی خوشی میں Guy Fawkes دن مناتی ہے، آتش بازی بھی کی جاتی ہے۔

اس کے بالمقابل پاکستانی قوم اداروں کی ناکامیوں کے دن مناتی ہے۔ مثال کے طور پر پشاور میں شہید ہونے والے ڈیڑھ سو سے زائد بچوں کا دن بڑے جوش و جذبے سے ہر سال مناتے ہیں مگر ان اداروں کے متعلق بات کرتے ہوئے سبھی کی زبان جلتی ہے، جن کی سستی کی وجہ سے معصوم بچوں کی جان گئی۔ سات لاکھ فوج رکھنے کے باوجود غیر ملکیوں نے چار سو اسی ڈرون حملے کیے، ایک بھی ڈرون نہیں گرایا جا سکا۔ یہاں تک کہ غیر ملکی ہیلی کاپٹر ایبٹ آباد سے اسامہ اور ملتان سے ایمل کانسی کو اٹھا کر لے گئے۔ اس سستی کی پاداش میں ایک بھی جنرل کو سزا نہیں ہوئی۔ نجانے غوری، غزنوی وغیرہ میزائل ہیں بھی یا نہیں۔ اگر ہیں تو صرف نمائشی ہیں۔ بڑی طاقتیں آئی ایس آئی کو دنیا کی اول انٹیلی جنس ایجنسی قرار دیتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ پشاور واقع ہو یا جی ایچ کیو پر حملہ ہو، کراچی میں نیوی پر حملہ ہو، واہگہ بارڈر پر حملہ ہو، لاہور پولیس لائن وغیرہ وغیرہ پر حملوں میں اس کی کارکردگی صفر رہی ہے۔ کاش جرنیل بھی بہادر فوجی جوانوں کی طرح جذبہ حب الوطنی اور جذبہ ایمانی نیز تمنا شہادت رکھتے تو آٹھ ہزار سے زاید بہادر فوجی جوانوں کو موت کے جبڑے سے بچایا جا سکتا تھا۔ مزا تو تب تھا جب بیس تیس جرنیل بھی شہادت جیسے عظیم رتبے کو حاصل کرتے۔ مدت سے ہم دیکھ رہے جرنیلوں کی غلط پالیسوں کے نتیجے میں ماں باپ کے لعل، بہنوں کے ویر، سہاگنوں کے سہاگ، بچوں کے باپ اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔ اب نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ میری قوم کا کوئی بھی فرد محفوظ نہیں۔ اقلیتوں کو مارنا، زندہ جلانا تو معمول بن چکا، بچے، عورتیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے عیاشی کے لیے بنائے گئے ہیں، باپ بیٹوں کے ہاتھوں مر رہے ہیں اور بچوں کو باپ مار رہے ہیں، رشتوں کا تقدس خاک میں مل چکا ہے۔ خواجہ سراؤں کو زندہ جلا کر، کبھی

تشدد کر کے اس لیے مار دیا جاتا ہے کہ ان پلیدوں کو مارنے سے دھرتی ماں پاکیزگی کا چولا پہن لے گی ۔ جرنیل، سیاسی و مذہبی لیڈران، منصف، صحافی اور دانشور وغیرہ اپنے فرائض بھول کر فقط اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اس بھیانک صورتحال کو تبدیل نہ کیا گیا تو تاریخ سقوط ڈھاکہ کے ساتھ اور بھی بہت کچھ آئندہ نسلوں کو دکھائے گی تب تم سب ذلت و رسوائی کے ساتھ یاد کیے جاؤ گے۔ بنگلا دیش میں آزادی کا جشن منایا جاتا ہے اسے دیکھ کر بھی ارباب اختیار عبرت نہیں پکڑتے۔ کیا پاکستانی قوم کے مقدر میں صرف اور صرف مرن ڈے ہی منانے کو رہ گئے ہیں، کبھی تو ایسا ہو کہ ہم بحیثیت قوم اپنے کسی کارنامے پر خوشی کے شادیانے بجائیں، جشن منائیں۔۔ اللہ تعالیٰ میری قوم پر رحم فرمائے، بااختیاروں کو عقل سلیم دے یا دھرتی سے اٹھا لے۔

ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس انسان کامل حضرت محمد ﷺ کے احسانوں تلے دبا ہوا ہے۔ جن کے عشق نے ہمیں لاشریک خدا تعالیٰ کا حسین جلوہ دکھایا۔ آپ نے جس خدا کا تعارف کروایا وہ رحمٰن ہے رحیم ہے رب العلمین ہے، قدوس ہے، سلام ہے، قوی ہے، قادر ہے، اوّل و آخر ہے، جبار و غفار ہے، اُس کے صفاتی ناموں کی کوئی انتہا نہیں اگر سارے سمندر سیاہی بن جائیں اور اُس کی حمد لکھی جائے اور پھر سارے سمندر سیاہی بن جائیں اور اُس کی حمد لکھی جائے تو بھی ممکن نہیں اُس کی صفات انسان کے احاطۂ فکر سے ماورا ہیں۔

ایک دُھن تھی کہ اپنے حبیب کا چہرہ سب کو دکھا دیں۔ اُس کی رحمتوں کا جلوہ سب کو نظر آ جائے۔ انسانیت ارضی بتوں کی غلامی سے نجات پا کر اللہ تبارک تعالیٰ کے دامن رحمت میں آ جائے۔ آپؐ نے جو نعمت پائی تھی اس کی لذات میں سب کو شریک کرنا چاہتے تھے۔ ایک دفعہ جو آپؐ کے محبوب کا جلوہ دیکھ لیتا اس کی کایا پلٹ جاتی۔ ایمان کے بدلے جان دینا آسان لگتا۔ ہم سب جانتے ہیں خدائے واحد کی طرف بلانے پر آپ پر اور آپ کے ہم نواؤں پر کس کس قسم کے مظالم ڈھائے گئے، گھر بار عزیز و اقارب چھوڑنے پڑے، بچے ذبح کئے گئے، بدن کے اعضاء کاٹ دیئے گئے مگر کسی کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے کل انسانیت کو قادر مقتدر اللہ جل شانہ سے تعارف کرا کے بڑا احسان فرمایا ہے۔ ہم پر بھی لازم ہیں کہ ہم اپنے محسن پر درود بھیجتے ہوئے اپنا تعلق اُس ہستی سے جوڑیں جو ماں سے کئی گنا زیادہ مہربان ہے، اُس کی گود میں آ جائیں اور زمانے کے خداؤں کو سجدہ نہ کریں۔ آج کی دنیا طرح طرح کے مصائب میں گھری ہوئی ہے۔ ہر طرف قتل و خون، بھوک، مفلسی، وبائیں اور ناگہانی آفات نے منہ کھولا ہؤا ہے۔ ہم کیوں نہ اپنے خدا سے مدد چاہیں۔ اُسی کی پناہ میں آ جائیں، ہمارا اشعار ہو:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (سورۃ الانعام: آیت 162)''

یقیناً میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''

(محترمہ امتہ الباری ناصر صاحبہ۔۔ پیشوا اپریل تا جون ۲۰۲۳ء)

جیتنے والی بدی ہے یا نیکی؟

وطن عزیز میں ان دنوں سیاسی جوکروں نے طوفان بدتمیزی مچا رکھا ہے۔اگر ایک سیاسی جماعت امر بالمعروف نامی جلسہ کرتی ہے تو دوسری نہی المنکر جلسے کا اہتمام کرتی ہے۔جناب عمران خان خود اچھائی کا سرچشمہ اور اپنی جماعت کو ایسی اصلاح کاروں کی جماعت کہتے ہیں جو اسلامی اصولوں پر کاربند ہے اور ریاست کو ریاست مدینہ جیسی ریاست بنانا چاہتے ہیں اور یہ کہ ہم راہ حق پر ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ اور ان کی جماعت اپوزیشن کو برائی کا جوہڑ، چور، ڈاکو اور غیر اسلامی سرگرمیوں میں ملوث بھی سمجھتے ہیں۔جناب عمران خان نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ تاریخ ان غداروں کو معاف نہیں کرے گی۔اور ان کے بالمقابل اپوزیشن خود کو پارسا، سچے مسلمان، محبّ وطن، اچھائیوں کے علمبردار اور نجانے کیا کیا کچھ سمجھتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عمران خان اور ان کی جماعت کو گمراہ، یہودیوں کے ایجنٹ، بدزبان، نالائق، عوام کو مہنگائی کی چکی میں پیسنے والے اور ہر برائی کے ذمہ دار سمجھتے ہیں۔بلاول نے تو عمران کو یہاں تک کہہ دیا کہ:۔

''عمران شیطان ہے اسے یکم رمضان کو بنی گالا میں بند کر دیں گے۔''

نیکی اور بدی کے درمیان زبردست جنگ جاری ہے مگر اس جنگ کا فیصلہ جب ہو جائے گا تب بھی یقین سے نہیں کہا جا سکے گا کہ جیتنے والی بدی ہے یا نیکی۔آیئے مختصر سی جنگل کی کہانی سنیئے۔

اب سے ساڑھے تین برس قبل موجودہ جنگل کا بادشاہ جو نام نہاد مدینہ کی ریاست کے گھوڑے پر سوار، اخلاقیات کا جامہ پہن کر تسبیح زدہ، ہاتھ میں اسلام کی تلوار لے کر، حوروں والے بزرگ کی دعائیں سمیٹ کر پیروں مریدوں سے عمل کروا کر بڑی شان سے شیر اور سفید ہاتھی کا شکار کرنے نکلا تھا اب جا کر ان کا شیر اور اس کے ہم خیالوں سے جنہیں وہ جنگل کی تباہی کا باعث قرار دیتا ہے، سے غضب کا رن پڑا ہے۔جنگل میں قیامت کا شور ہے۔شیر چاہتا ہے کہ اسے ہر صورت جنگل کی بادشاہت دی جائے اور یہی مطالبہ سفید ہاتھی کا بھی ہے۔مگر موجودہ جنگل کا بادشاہ جسے شیر ناجائز قرار دیتا ہے، اس بات پر مصر ہے کہ شیر جنگل کو تباہ کر دے گا، جنگل کو سرسبز رکھنے اور جانوروں کو خوشحال رکھنے کا واحد حل ان کی مقدس ذات ہے۔سیانے بندر بھی سر جوڑ کر بیٹھے ہیں

اور سوچ رہے ہیں کہ اس نیکی اور بدی کی لڑائی میں کس کو بدی کا سرٹیفکیٹ دیا جائے ،لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سیانے بندر اتنے طاقتور ہیں کہ ان کی عطا کی گئی سند کہیں بھی چیلنج نہیں کی جاسکتی۔لگتا ہے کہ یہ سیانے بندر نیکی اور بدی کا فیصلہ جنگل کے کمزور، بھوکے، بیمار، جاہل رعایا سے کروانے کا مشورہ تو نہیں دے سکتے ہاں حکم دیں گے۔اور پھر انتخابات کے بعد سیانے بندروں کی منشاء کے عین مطابق نیکی برائی اور برائی نیکی بن جائے گی اور برائی سے نیکی قرار دیئے جانے والے کے سر پر اقتدار کی سنہری چڑیا بٹھادی جائے گی اور برائی کے چہرے پر سیاہی مل دی جائے گی۔ جب تک سیانے بندروں میں پھوٹ نہیں پڑتی یا کوئی سیانا بندر سچا بندر بن کر کوئی سچا کام نہیں کرتا تب تک برائی نیکی،اور نیکی برائی میں بار بار تبدیل ہوتی رہے گی۔

ہمیں تو عمران جی سے ایک ہی بات کہنا ہے وہ یہ کہ اگر آپ راہ حق پر ہیں تو آپ کے ساڑھے تین سالہ دور میں توہین مذہب کے الزام میں ایک درجن سے زائد افراد کو نہایت بے دردی سے سڑکوں پر،عدالت میں ،بس سٹاپ پر،کام کرتے ہوئے کیوں قتل کیا گیا۔سچ یہی ہے کہ آپ نے اقتدار کے لیے جھوٹ بولے، ہرایرے غیرے کی چاپلوسی کی،شیخ رشید جسے آپ چپڑاسی بننے کے قابل نہیں سمجھتے تھے اسے وزیر داخلہ بنا دیا،آپ جسے قاتل لیگ کہتے تھے اس سے بغلگیر ہو گئے اور بقول آپ کے ڈاکو پرویز الٰہی کو اسپیکر بنا دیا اور تو اور لبیک جیسی بے باک ،بدزبان جماعت کے ساتھ دوستی کر لی۔اور اسی لبیک نے توہین مذہب کے نام پر بے دردی سے قتل کروائے۔کل کی ایک خبر ہے کہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پولیس کے مطابق تین خواتین نے صفورہ بی بی نامی معلّمہ کو مبینہ توہین رسالت کے الزام میں پہلے ڈنڈوں سے مار مار کر نیچے گرایا اور کھڑے کھڑے چھریوں کے وار کر کے اس وقت قتل کیا جب وہ پڑھانے کی غرض سے جامعہ اسلامیہ فلاح البنات مدرسے میں داخل ہو رہی تھیں۔اس کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک تیرہ سالہ لڑکی کو خواب میں رسول اللہ ﷺ نے توہین مذہب پر قتل کا حکم دیا تھا۔مدرسے کے مالک شفیع اللہ نے بتایا کہ صفورہ بی بی پچھلے دو سال سے ہمارے مدرسے میں پڑھاتی رہی ہیں۔ وہ ایک شریف اور نہایت اچھا اخلاق رکھنے والی لڑکی تھیں۔انہوں نے کبھی پیغمبر اسلام محمد ﷺ کے خلاف کسی قسم کی گستاخانہ بات نہیں کی۔ڈیرہ اسماعیل خان سے تعلق رکھنے والے صحافی عدنان بیٹنی نے بھی اس واقعے کو اپنے ٹوئٹر اکاؤنٹ پر رپورٹ کرتے ہوئے مقامی لوگوں کے حوالے سے لکھا کہ جب معلّمہ کو قتل کیا جارہا تھا تو وہ مدد کے لیے پکار رہی تھیں، جبکہ لوگ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ارباب اختیار یاد رکھیں کہ توہین رسالت قانون کا خاتمہ ہی مذہبی جنونیوں کا خاتمہ کر سکتا ہے۔سب کو برابر کے حقوق دینا ریاست کا فرض عین ہے۔ ☆☆☆

صحابہ رسول اللہ ﷺ کا عشق الٰہی

جب انبیاء کرام عشق الٰہی کی تمام منازل طے کرنے کے بعد عالم لاہوت کی حقیقت جان لیتے ہیں تب اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ سے حاصل کیئے ہوئے فیض کو عالم انسانی میں جاری کرنے یعنی اللہ کی محبت حقیقی کے فضائل بندوں میں پرچار کرنے کا کام سونپ دیتا ہے۔ چونکہ انبیاء کرام عالم لاہوت کی حقیقت بھی جان جاتے ہیں اس لیئے وہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان سنگم بن جاتے ہیں۔ انبیاء کرام کی بلاتفریق مذہب وملت انسانوں سے ہمدردی اور محبت یہ ثابت کرتی ہے کہ انسانوں سے محبت ہی وہ جوہر عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیار اور رضا کا سبب بنتا ہے۔ تمام انبیاء کرام انسانوں کو انسانیت کا سبق پڑھاتے رہے ہیں۔ جب انسان انبیاء کرام کے اس پیغامِ محبت پر ایمان لاکر انسانیت سے محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں تو ان کو بھی لاہوتی عالم سے اللہ تعالیٰ روشناس کرادیتا ہے، اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جس میں اللہ اپنے بندوں سے اور بندے اپنے خدا سے راضی ہو جاتے ہیں۔ انبیاء کرام اللہ کی مدد سے اپنے ماننے والوں کی بدیوں کی میل کچیل دور کر کے وہ نیکی جوان کی سرشت میں ہوتی ہے نمایاں کر دیتے ہیں۔ انبیاء کرام ہی بتاتے ہیں کہ عبادات کے ساتھ والدین رشتے داروں، ہمسایوں، بیوی بچوں، ناداروں، معذوروں، یتیموں، خواتین، بیواؤں، بزرگوں، بچوں، جوانوں، مزدوروں، دشمنوں وغیرہ وغیرہ کے ساتھ حُسن سلوک سے پیش آنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا سبب بنتا ہے۔

ہم جب تاریخِ عالم پر نظر دوڑاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جو جامِ شیریں اللہ تعالیٰ نے ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پلایا ہے اس کی نظیر جب سے دنیا بنی ہے کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ جب دنیا بالخصوص عرب دنیا تمام معلوم برائیوں میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھلا چکی تھی۔ تب اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے رُوحانی مرُدوں کو زندہ کرنے کے لیے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ؐ کی قوت قدسیہ اور اندھیری راتوں کی متضرعانہ دعاؤں نے بھٹکی ہوئی سرکش قوم کو **صبغة اللّٰہ** کا مصداق بنادیا اور اُن کے جینے مرنے، اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے اور دوسرے تمام امورِ زندگی میں اللہ کی خوشنودی اوّلیت حاصل کرگئی۔

اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرمایا:

قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰہ فَاتَّبِعُونِی یُحبِبکُمُ اللّٰہُ وَ یَغفِر لَکُم ذُنُوبَکُم ، وَ اللّٰہُ غَفُورٌ رَّحِیمٌ۔ (تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ ال عمران آیت ۳۲)

اور پھر فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق، سچی ہمدردی، بنی نوع انسان سے محبت اور سچائی کے نُور جیسے اعلیٰ اوصاف نے تمام عرب کو آپؐ کی زندگی میں ہی روشن کر دیا۔ عشق الٰہی صحابہ رسول اللہ ﷺ کے وجود کے ہر اک ذرّے میں سرایت کر گیا۔ صحابہ رسول اللہ ﷺ عشق الٰہی میں اس طرح سے مگن ہو گئے کہ دنیا ان کے لیے ہیچ ہو گئی۔ وہ جو ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے دیکھتے دیکھتے **انما المؤمنون اخوۃ (القرآن)** کا نمونہ بن گئے۔ اور بحرِ ظلمات سے نکل کر روشنی اور ہدایت کے مینار اَور اللہ تعالیٰ کی حقیقی رضا کے وارث بن گئے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:۔

جَزَآؤُھُم عِندَ رَبِّھِم جَنّٰتُ عَدنٍ تَجرِی مِن تَحتِھَا الاَنھٰرُ خٰلِدِینَ فِیھَا اَبَدًا رَضِیَ اللّٰہُ عَنھُم وَ رَضُوا عَنہُ ذٰلِکَ لِمَن خَشِیَ رَبَّہٗ ۔ (سورۃ البینۃ آیت ۹)

''اُن کی جزا اُن کے ربّ کے پاس ہمیشہ کی جنتیں ہیں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ابدالآباد تک ان میں رہنے والے ہوں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اُس سے راضی ہو گئے۔ یہ اُس کے لئے ہے جو اپنے ربّ سے خائف رہا۔''

ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی اپنے پیارے صحابہؓ جو عشق الٰہی میں سرتاپا چُور تھے کے متعلق ''**اللّٰہ اللّٰہ فِی اَصحَابِی** ''(میرے صحابہ میں خدا ہی خدا ہے) اور'' **أصحابی کالنّجوم**'' (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں) فرما کر صحابہؓ کو آسمان رُوحانیت کے روشن ستارے قرار دے کر ہمیشہ کے لیے محبت اور عظمت کا شاہکار بنا دیا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے صحابہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ کتنی سچی اور حقیقت پر مبنی بات بیان فرمائی ہے کہ:۔

''جودن کو میدانوں کے شیر اور راتوں کے راہب ہیں اور دین کے ستارے ہیں (راتوں کے راہب ہونے کا مطلب ہے راتوں میں عبادت کرنے والے اور دین کے ستارے ہیں) خدا کی خوشنودی ان سب کے شامل حال ہے۔'' (خطبہ جمعہ یکم جون ۲۰۱۸ء بیان فرمودہ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

ایک اور موقع پر آپؑ صحابہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

''حضور ﷺ کے فیض صحبت اور تربیت سے وہ صحابہ گویا بشریت کا چولا اتار کر مظہر اللہ ہو گئے تھے اور ان کی حالت فرشتوں کی سی ہو گئی تھی۔'' (ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۵۹۵)

آیئے دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عشق الٰہی کے بعد کیا سے کیا ہو گئے، چند جھلکیاں پیش ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ ایک دفعہ ایک کافر نے ایک کپڑا آنحضرت ﷺ کے گلے میں ڈال کر بل دینے شروع کیئے یہاں تک کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے۔ آنحضور ﷺ کو ان ظالموں سے چھڑایا اور کہا: ''کیا تم ایک شخص کو اس لیئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے۔'' اس پر ان ظالموں نے حضرت ابوبکرؓ کو پکڑ لیا اور مار مار کر بے حال کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے ''پاک ہے اللہ جو جلال اور عزت والا ہے۔''

(بخاری کتاب التفسیر ۴۰ سورۃ المومن وسیرت)

نوفل بن خویلد، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت طلحہؓ کو ایک رسی سے باندھ دیا کرتا تھا تا کہ وہ نماز وغیرہ دینی کاموں سے رک جائیں۔ مگر یہ مصائب ان عاشقان الٰہی کو اللہ تعالیٰ سے عشق و وفا میں بڑھانے کا باعث بنتے۔ (بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۶۷)

حضرت ابوبکرؓ کے بلند مقام کی خبر حضرت جبرائیلؑ نے آنحضرت ﷺ کو ان الفاظ میں دی کہ ''عتیق''، یعنی آگ سے آزاد ابوبکرؓ کو کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے روحانی مقام کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''روز

قیامت ابوبکرؓ کا حشر بھی میرے پہلو سے ہوگا۔'' (مستدرک حاکم جلد۳ صفحہ ۶۸)

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''ابوبکرؓ اس امت کے بہترین اور افضل فرد ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی پیدا ہو۔'' (جامع الصغیر صفحہ۵)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ تھے **عَبد ذَلِیل لِرَبِّ جَلِیلِ** ''یعنی خدائے بزرگ و برتر کا ادنیٰ بندہ۔ (استعیاب جلد۳ صفحہ۱۰۱)

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ ''خدا کی قسم! اللہ کی ذات کے بارے میں جب میرا دل نرم ہوتا ہے تو وہ جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور خدا کی خاطر جب میرا دل سخت ہوتا ہے تو وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی اسی حق گوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اے عمرؓ! جس راستے پر تم آ رہے ہو اگر اس راستے پر شیطان بھی آ رہا ہو تو وہ یہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لے گا۔'' اور یہ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور دل پر حق جاری فرمایا ہے۔'' (ترمذی کتاب المناقب باب مناقب عمرؓ)

حضرت عمرؓ کی انگوٹھی پر یہ جملہ کندہ تھا ''**کَفٰی بِالمَوتِ وَعِظًا یَا عُمَر** ''یعنی اے عمر موت نصیحت کے لیے کافی ہے۔ (استعیاب جلد۳ صفحہ ۲۳۶، ۲۴۳)

کاتب وحی اور حفاظت قرآن کریم کا کارنامہ انجام دینے والے اور دنیا و آخرت میں آپؐ کے دوست حضرت عثمانؓ کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد کفار مکہ نے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے مگر یہ عاشق صادق اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہا۔ قبول اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ نے آپ کو رسّوں سے باندھ دیا۔ وہ کہتا تم اپنے آباءاجداد کا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کرتے ہو؟ خدا کی قسم! میں تمہیں کھولوں گا نہیں جب تک یہ نیا دین چھوڑ نہ دو؟ حضرت عثمانؓ کمال استقامت سے جواب دیتے ''خدا کی قسم! میں یہ نہیں چھوڑوں گا، کبھی نہیں چھوڑوں گا۔'' جب چچا نے اسلام پر ان کی مضبوطی دیکھی تو خود ہی تھک کر انہیں چھوڑ دیا۔ (سیرت صحابہ رسول ﷺ از حافظ مظفر احمد صاحب)

تیسرے خلیفہ راشد، حافظ قرآن حضرت عثمانؓ کو تلاوت کرتے ہوئے روزہ کی حالت میں شہید کر دیا گیا تھا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے ان کی شہادت پر مرثیہ لکھا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے کہ

ضَحُّوا بِاَشمَطَ عَنوانُ السُّجُودَ بِہ
یَقطَعُ الَّلیلَ تَسبِیحاً وَ قُرآنَاً

یعنی ''ظالموں نے ایک ایسے خوبصورت مرد کو قربان گاہ پر چڑھا دیا، جس کے ماتھے پر سجدوں کے نشان تھے اور جو رات عبادت اور قرآن پڑھنے میں گزار دیتا تھا۔''

شیر خدا، داماد رسول اللہ ﷺ علم نحو یعنی عربی کلمات پر اعراب اور زیر و زبر کے موجد حضرت علیؓ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے جو علم کا قصد کرے وہ اس کے دروازے پر آئے''۔ حضرت علیؓ کی اللہ سے داستان عشق بہت طویل ہے، بوقت شہادت رمضان کے آخری عشرہ کی ایک فجر کو جب آپ پر قاتل نے تلوار سے وار کیا تو حضرت علیؓ نے یہ نعرہ بلند کیا ''**فُزتُ وَ رَبُّ الکعبۃِ**'' یعنی ربّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ شدید زخمی حالت میں بھی حضرت علیؓ حملہ آور ابن ملجم کے متعلق یہ کہنا نہیں بھولے کہ ''یہ قیدی ہے اس کی عزت کرو اور اچھی جگہ رکھو۔'' اور تین دن کے بعد آپؓ کی وفات ہو گئی۔ حضرت علیؓ کی انگوٹھی پر ''**اللّٰہ الملک**'' یعنی اللہ ہی بادشاہ ہے کندہ تھا۔ (سیرت صحابہ رسول ﷺ)

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے عالم جوانی میں اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے جیسے مقدس جرم میں والدین نے قید کر دیا۔ بڑی مشکل سے قید سے چھٹکارا حاصل کیا اور حبشہ ہجرت کر گئے۔ اسلام کی خاطر بے حد تکلیفیں برداشت کیں۔ آپ بہت امیر تھے، ان کے متعلق یہ ذکر ملتا ہے کہ آپ بہترین پوشاک اور اعلیٰ لباس پہنتے تھے۔ مکہ کی اعلیٰ درجہ کی خوشبو استعمال کرتے اور حضرم کے علاقہ کا بنا ہوا جوتا استعمال کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ ''میں نے مصعبؓ سے زیادہ حسین و جمیل اور ناز و نعمت اور آسائش میں پروردہ کوئی شخص نہیں دیکھا۔'' حضرت سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ ''مصعب بن عمیر کو میں نے آسائش کے زمانہ میں بھی دیکھا اور مسلمان ہونے کے بعد بھی، راہ خدا میں آپ نے اتنے سارے دکھ جھیلے کہ میں نے دیکھا آپ کے جسم سے جلد اس طرح اترنے لگی تھی جیسے سانپ کی کینچلی اترتی اور نئی جلد آتی ہے۔''..... ایک دن ہمارے حبیب آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا مصعبؓ اس حالت زار میں آپؐ کی مجلس میں آئے کہ پیوند شدہ کپڑوں پر ٹاکیاں بھی چمڑے کی لگی ہیں صحابہؓ نے دیکھا تو سر جھکا لئے

کہ وہ بھی مصعبؓ کی مدد کرنے سے معذور تھے مصعبؓ نے آ کر سلام کیا آپؐ نے دلی محبت سے وعلیکم السلام کہا اور اس امیر کبیر نوجوان کی آسائش کا زمانہ یاد کر کے آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے پھر مصعبؓ کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''الحمدللہ دنیاداروں کو ان کی دنیا نصیب ہو میں نے مصعب کو اس زمانے میں بھی دیکھا ہے جب شہر مکہ میں ان سے بڑھ کر صاحب ثروت و نعمت کوئی نہ تھا یہ ماں باپ کی عزیز ترین اولاد تھی اسے کھانے پینے کی اعلیٰ نعمت وافر میسر تھی مگر خدا اور اس کے رسول کی محبت و نصرت نے اسے آج اس حال تک پہنچایا ہے اور اس نے وہ سب کچھ خدا اور اس کے رسول کی رضا کی خاطر چھوڑ دیا پھر خدا نے اس کے چہرہ کو نور عطا کیا ہے۔'' (سیرت صحابہ رسول ﷺ از حافظ مظفر احمد صاحب)

ایک خوبصورت امیر شہزادے کی داستانِ عشق الٰہی کے بعد اب ایک ایسے شہیدوں کے خاندان کی داستان وفا کا ذکر پیش خدمت ہے جو غلامی اور غربت کی زندگی گزار رہا تھا۔ یہ خاندان حضرت یاسرؓ قحطانی، حضرت سمیّہؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن یاسرؓ پر مشتمل تھا۔ حضرت یاسرؓ اپنے دو بھائیوں کے ہمراہ اپنے گمشدہ بھائی کی تلاش میں یمن سے مکہ آئے تھے۔ ان کے دونوں بھائی واپس یمن چلے گئے اور حضرت یاسرؓ مکہ ہی میں بس گئے اور ابوحذیفہ مخزومی سے حلیفانہ تعلق قائم کر لیا۔ ابوحذیفہ نے اپنی لونڈی حضرت سمیّہؓ سے ان کی شادی کروا دی اور حضرت سمیّہؓ کو آزاد کر دیا۔ جب اسلام آیا تو میاں بیوی اور بچوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرتے ہی ان پر کفار مکہ خاص طور پر ابوحذیفہ کے بھتیجے ابوجہل نے ظلم کرنا شروع کر دیا مگر کوئی ظلم بھی ان کے عشق الٰہی کو کم نہ کر سکا۔

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز الِ یاسر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

''عمارؓ اور ان کے والد یاسرؓ اور ان کی والدہ سُمیّہ کو بنی مخزوم جن کی غلامی میں سُمیّہ کسی وقت رہ چکی تھیں اتنی تکالیف دیتے تھے کہ ان کا حال پڑھ کر بدن میں لرزہ پڑنے لگتا ہے۔ ایک دفعہ جب ان فدایانِ اسلام کی جماعت کسی جسمانی عذاب میں مبتلا تھی اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس طرف آ نکلے۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا اور دردمند لہجے میں فرمایا۔ صَبْرًا اٰلَ یَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃ۔ اے آل یاسر (صبر

کر۔) صبر کا دامن نہ چھوڑنا کہ خدا نے تمہاری انہی تکلیفوں کے بدلہ میں تمہارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے۔ آخر یاسرؓ تو اسی عذاب کی حالت میں جاں بحق ہو گئے اور بوڑھی سُمیّہ کی ران میں ظالم ابوجہل نے اس بے دردی سے نیزہ مارا کہ وہ ان کے جسم کو کاٹتا ہوا ان کی شرمگاہ تک جا نکلا اور اس بے گناہ خاتون نے اسی جگہ تڑپتے ہوئے جان دے دی۔ اب صرف باقی عمار رہ گئے تھے۔ ان کو بھی ان لوگوں نے انتہائی عذاب اور دکھ میں مبتلا کیا اور ان سے کہا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر نہ کرو گے اسی طرح عذاب دیتے رہیں گے۔ چنانچہ آخر عمار نے سخت تنگ آکر کوئی نازیبا الفاظ منہ سے کہہ دیئے جس پر کفّار نے انہیں چھوڑ دیا۔ لیکن اس کے بعد عمار فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زار زار رونے لگے۔ آپ نے پوچھا کیوں عمار کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں ہلاک ہو گیا۔ مجھے ظالموں نے اتنا دکھ دیا کہ میں نے آپ کے متعلق کچھ ایسے الفاظ منہ سے کہہ دیئے جو غلط تھے۔ آپ نے فرمایا تم اپنے دل کا کیسا حال پاتے ہو؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا دل تو اسی طرح مومن ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اسی طرح سرشار ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر خیر ہے خدا تمہاری اس لغزش کو معاف کرے۔"

(خطبہ جمعہ ۲۲ جون ۲۰۱۸ء)

حضرت عمارؓ کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو اولیت حاصل تھی، شہادت سے پہلے آپ کے کہے الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ عشق الٰہی ان کی رگوں میں لہو کی طرح دوڑ رہا تھا۔ عبدالرحمٰن بن اُبزی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عمارؓ بن یاسرؓ نے صِفّین کی طرف جاتے ہوئے دریائے فرات کے کنارے یہ کہا کہ:۔

"اے اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں اپنے آپ کو اس پہاڑ سے نیچے پھینک دوں تو میں ایسا کر گزرتا اور اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تیری خوشنودی اس میں ہے کہ میں یہاں بہت بڑی آگ جلا کر اس میں اپنے آپ کو گرا دوں تو میں ایسا ہی کرتا۔ اے اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیری خوشنودی اس میں ہے کہ مَیں اپنے آپ کو پانی میں گرا دوں اور اس میں اپنے آپ کو غرق کر دوں تو مَیں یہی کرتا۔ میں صرف تیری رضا کی خاطر یہ جنگ کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے ناکام نہ کرنا اور میں صرف تیری رضا ہی چاہتا ہوں۔"

(الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 195 عمار بن یاسرؓ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1990ء)

انصاری صحابی عبداللہؓ بن عمرو جنگ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ شہادت کے بعد حضرت عبداللہؓ بن

عمرو کے بیٹے کوافسردہ دیکھ کرآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعزیت فرمانے کے بعد فرمایا کہ ''مَیں تمہیں ایک خوش کرنے والی بات بتاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کوشہادت کے بعد اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا کہ'' مجھ سے جو چاہو خواہش کرو مَیں تمہیں عطا کروں گا۔'' حضرت عبداللہؓ نے اپنے ربّ سے عرض کیا کہ: ''اے میرے خدا! میں نے حقِ بندگی تو ادا نہیں کیا۔ تیرے سامنے خواہش کس منہ سے کروں۔ (حالانکہ آپؓ کے عبادتوں کے معیار تھے، قربانیوں کے معیار تھے۔ لیکن پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ مَیں نے تیرا حقِ بندگی تو ادا نہیں کیا۔ اور پھر کس منہ سے تیرے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کروں۔ تیرا رحم اور فضل ہے جو عطا کر دے) خواہش میری اگر پوچھتا ہے اے اللہ! تو یہی خواہش ہے کہ مجھے تُو پھر دنیا میں لوٹا دے تا کہ مَیں پھر تیرے نبی کے ساتھ ہو کر دشمن کا مقابلہ کروں اور پھر شہید ہو کر آؤں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''مَیں یہ فیصلہ کر چکا ہوں جس کو ایک دفعہ موت دے دوں وہ دوبارہ دنیا میں لوٹایا نہیں جاتا۔'' (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 389 حدیث 15756 کتاب المناقب باب فی عبداللہ بن عمروؓ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء) اس لئے یہ خواہش تو پوری نہیں ہوسکتی۔

(خطبہ جمعہ 9 مارچ 2018ء فرمودہ حضرت مرزا مسرور احمد، خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کا عشق الٰہی اس درجہ کا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے سامنے بٹھا کر ان کی خواہشات پوچھتا تھا اور یہ اللہ کے عاشق صرف اور صرف اللہ کی خاطر اپنا سب کچھ یہاں تک کہ اپنی جانیں تک بغیر کسی تردد کے بار بار قربان کرنے کو سعادت اور خوش نصیبی سمجھتے تھے۔ سیرت صحابہؓ کا مطالعہ کرنے کے بعد صاف دکھائی دیتا ہے کہ صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاک وجود اخلاص و وفا کے مثالی نمونہ تھے اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ شہادت کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے۔

جب آنحضرت ﷺ نے ایک وفد حضرت حرامؓ بن ملحان کی امارت میں بنی عامر کی طرف ان کی درخواست پر روانہ کیا تو اس وفد کے ستر صحابہؓ کو دھوکے سے شہید کر دیا گیا۔ سب سے پہلے وفد کے امیر حرام بن ملحان پر بنی عامر کے سردار کے اشارے پر پیچھے سے ایک آدمی نے نیزے سے حملہ کیا۔ ان کی گردن سے خون کا فوارہ نکلا۔ انہوں نے اس خون کو اپنے ہاتھوں پر لیا اور کہا کہ ''رب کعبہ کی قسم! مَیں کامیاب ہو گیا۔ کعبہ کے رب کی قسم مَیں کامیاب ہو گیا۔'' ان صحابہؓ کی دعاؤں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کی خبر آنحضرت ﷺ کو حضرت جبرائیل کے ذریعے دی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو حضرت جبرائیل نے ان صحابہؓ کا سلام پہنچایا اور وہاں

کے حالات اور شہادت کی اطلاع دی۔ستر صحابہؓ کی شہادت پر آنحضرت ﷺ نے تیس دن تک ان قبائل کے خلاف دعا کی کہ ''اے اللہ! ان میں سے جنہوں نے یہ ظلم کیا ہے خود ان کی پکڑ کر۔''

(بحوالہ خطبہ جمعہ 9 مارچ 2018ء فرمودہ حضرت مرزا مسرور احمد، خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام لذت مصائب و شہادت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

''غرض اس لذت کے بعد جو خدا تعالیٰ میں ملتی ہے ایک کیڑے کی طرح کچل کر مر جانا منظور ہوتا ہے (جس طرح ان صحابی نے کہا تھا میں نے ربّ کعبہ کو پا لیا۔ جو انتہا تھی عشق کی وہاں میں پہنچ گیا۔ حضرت مرزا مسرور احمد، خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)) اور مومن کو سخت سے سخت تکالیف بھی آسان ہی ہوتی ہیں۔ سچ پوچھو تو مومن کی نشانی ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ مقتول ہونے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو کہہ دیا جاوے کہ یا نصرانی ہو جایا قتل کر دیا جائے گا۔ اس وقت دیکھنا چاہئے کہ اس کے نفس سے کیا آواز آتی ہے؟ آیا وہ مرنے کے لئے سر رکھ دیتا ہے یا نصرانی ہونے کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر (وہ) مرنے کو ترجیح دیتا ہے تو وہ مومن حقیقی ہے ورنہ کافر ہے۔ غرض ان مصائب میں جو مومنوں پر آتے ہیں اندر ہی اندر ایک لذت ہوتی ہے۔ بھلا سوچو تو سہی کہ اگر یہ مصائب لذت نہ ہوتے تو انبیاء علیہم السلام ان مصائب کا ایک دراز سلسلہ کیونکر گزارتے''۔　(ملفوظات جلد 2 صفحہ 308-309۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

عشق الٰہی انسان کو وہ قوت اور شوکت عطا کرتا ہے کہ مصائب میں اور کٹ مرنے میں بھی انسان لذت محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل اور انعام ہے کہ وہ اپنے عاشقوں کے درد والم میں بھی لذت پیدا کر دیتا ہے۔ صحابہ رسول اللہ ﷺ بھی معرفت الٰہی حاصل کر کے عشق الٰہی کے اس بلند ترین مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں مصائب اور شہادت ان کے لیے باعث لذت تھے۔

اسلام کے پہلے مؤذن حضرت بلالؓ جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے آزاد کروایا تھا کا مالک امیہ بن خلف اور دیگر مشرکین ان پر بے حد ظلم کرتے تھے۔ امیہ لوہے کی زرہیں پہنا کر انہیں سخت چلچلاتی دھوپ میں پھینک دیتا اور کبھی تپتی دوپہر کو سنگلاخ زمین پر پشت کے بل لٹا کر آپؓ کے سینے پر پتھر رکھ دیتا اور ان سے کلمۂ کفر کہلوانا چاہتا کہ لات و عزّیٰ کی خدائی کا اقرار کرو۔ مگر سیدنا بلالؓ کی زبان سے سوائے ''احد'' کے کچھ اور نہ نکلتا تھا۔ آپؓ کو

گلے میں رسی ڈال کر مکے کی گلیوں میں گھسیٹا جاتا اور نو جوان لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا اور وہ سارا دن ان کو شہر میں کھینچتے پھرتے مگر بلالؓ اپنے صدق اور استقامت پر قائم رہے۔ (بحوالہ سیرت صحابہ رسول اللہ ﷺ از حافظ مظفر احمد)

ایک دفعہ ورقہ بن نوفل حضرت بلالؓ کے پاس سے گزرے، اس وقت انہیں سخت اذیت کا نشانہ بنایا جا رہا تھا اور بلالؓ دیوانہ وار ''اَحَد اَحَد'' یعنی اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے پکار رہے تھے۔ ورقہ بن نوفل انہیں دشمن کے چنگل سے تو آزاد نہ کرا سکے بلالؓ کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا: ''اے بلال! اگر اس طرح توحید کی خاطر تمہاری جان جاتی ہے تو پرواہ نہ کرنا خدا کی قسم! مَیں وہ شخص ہوں گا جو تمہاری قبر کو ہمیشہ کے لیے بطور ایک یادگار کے قائم رکھوں گا۔'' (اسد الغابہ جلد ا صفحہ ۲۰۷)

ایک طرف صحابہ کرام کے دل عشق الٰہی سے معمور تھے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کو بھی ان پر ناز تھا۔ حضرت معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور کچھ صحابہؓ کو حلقہ باندھے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''تم کس مقصد سے یہاں بیٹھے ہو۔'' انہوں نے جواب دیا کہ ''ہم یہاں اس لئے بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور اس نے جو احسانات ہم پر کئے ہیں اور دین کی طرف جو ہدایت ہمیں دی ہے اس پر اس کی حمد کریں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''کیا خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ تمہارا مقصد صرف یہی ہے؟'' صحابہؓ نے جواب دیا: ''ہاں خدا کی قسم! ہمارا مقصد صرف یہی ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''میں نے یہ قسم تمہیں اس لئے نہیں دلوائی کہ مجھے تم پر کوئی شک تھا صرف بات یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے۔'' (صحیح مسلم)

رہبر کامل رسول مقبول ﷺ نے صحابہ کرام کو ذکر الٰہی کا ایسا چسکا ڈال دیا تھا کہ وہ ذکر الٰہی کے بغیر رہ ہی نہ سکتے تھے۔ اور ان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو اپنی محبت کے جام بھر بھر کر پلاتا تھا۔ ایک بار آنحضرت ﷺ نے حضرت حارثؓ سے پوچھا کہ ''کیا حال ہے؟'' بولے، ''یا رسول اللہ! خدا پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟'' بولے، ''دنیا سے میرا دل بھر گیا ہے اس لئے رات کو جاگتا ہوں، دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں گویا مجھ کو خدا کا عرش علانیہ نظر آتا ہے اور اہل جنت کو باہم ملتے جلتے دیکھ رہا ہوں اور گویا اہلِ دوزخ مجھے چیختے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

آپؐ نے فرمایاتم نے حقیقت کو پالیااب اس پر قائم رہو۔ (بحوالہ سیرت صحابہ رسول اللہ ﷺ ۔سدالغابہ)

سچ تو یہ ہے کہ شب وروز صحابہ کرام کی زبانوں پر **سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُلِلّٰہ، لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، اَللّٰہُ اَکْبَر، لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ** کے الفاظ جاری رہتے تھے۔ذکرالٰہی ان کی روحوں کا سروراوردل کا چین بن چکا تھا۔نماز باجماعت ذکرالٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ۔جب نماز کا وقت ہوتا تو صحابہ کرام اپنے سب کام چھوڑ چھاڑ کر عاشقانہ روح کے ساتھ دیوانہ وار مساجد کی طرف روانہ ہوتے ۔حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''ایک دفعہ میں بازار میں تھا کہ نماز کا وقت آ گیا۔تمام صحابہ دوکانیں بند کر کے مسجد چلے گئے ۔قرآن مجید کی آیت **رِجَالٌ لَا تُلْھِیْھِمْ** ان ہی لوگوں کی شان میں نازل ہوئی۔'' (فتح الباری)

ظہر کی نماز کے متعلق روایت ہے کہ گرمی کی شدت سے زمین اس قدر گرم ہو جاتی کہ بعض صحابہؓ مٹھی میں کنکریاں اٹھا کر اس کو ٹھنڈا کرتے تھے پھر سامنے رکھ کر اس پر سجدہ کرتے تھے۔ (سنن ابی ابوداوٗد)

حضرت عمرؓ کے شوق عبادت کے متعلق ایک روایت مئوطا امام مالکؒ میں درج ہے کہ ''جس دن حضرت عمرؓ کو زخم لگا جس سے آپ کی شہادت ہوئی اسی رات کی صبح کو لوگوں نے نمازِ فجر کے لئے جگایا تو خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا ہاں جو شخص نماز چھوڑ دے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔چنانچہ اسی حالت میں کہ زخم سے مسلسل خون جاری تھا نماز فرض ادا کی۔''

صحابہ کرام عشق الٰہی میں کمال حاصل کرنے کے لیے تلاوت قرآن کریم ،ذکرالٰہی اورنوافل میں مشغول رہتے تھے۔حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ مغرب کی نماز سے قبل اذان ہوتے ہی کبار صحابہؓ مسجد کے ستونوں کے قریب تیزی سے جاتے اور حضور ﷺ کی امامت کے لئے تشریف لانے تک نوافل میں مصروف رہتے۔ (صحیح بخاری)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عکرمہؓ کو قرآن کریم کے ساتھ والہانہ عشق تھا اسے چہرہ پر رکھ کر فرماتے:"کتاب ربی، کتاب ربی" اوریہ کہتے ہوئے ساتھ ساتھ روتے جاتے تھے۔(اسدالغابہ ج3ص566)

ایسانہیں ہے کہ صرف صحابہ رسول اللہ ﷺ کو ہی عشق الٰہی نے سرشار کر رکھا تھا،صحابیاتؓ رسول اللہ ﷺ بھی اپنی جان،مال اوراولادکواللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر قربان کرنے کے لیے ہردم تیار رہتی تھیں۔

حضرت مصلح موعودؓ صحابیات کی عشق الٰہی کی خاطر قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

زنیرہؓ بھی ایک لونڈی تھیں اور ابتدائی ایام میں ہی ایمان لائی تھیں۔ابوجہل نے مار ماران کی آنکھیں پھوڑ دیں مگر انہوں نے رسول کریم ﷺ کی رسالت سے انکار نہ کیا ابوجہل انہیں دیکھ کر غصہ سے کہا کرتا تھا کہ کیا ہم اتنے حقیر ہوگئے ہیں کہ زنیرہؓ نے تو سچا دین مان لیا اور ہم نے نہ مانا۔اسی طرح نہدیہؓ اور ام عبیسؓ دو کنیزیں تھیں جو مکی زندگی میں اسلام لائیں اور دونوں نے اسلام لانے کی وجہ سے بہت سخت مصائب برداشت کئے...... حمامہ حضرت بلالؓ کی والدہ تھیں یہ بھی اسلام لائیں اور انہوں نے اسلام کی خاطر بڑی تکالیف اٹھائیں پھر بعض غلاموں کو مکہ والوں نے اس طرح بھی قتل کیا کہ ان کی دونوں ٹانگوں کو دو اونٹوں سے باندھ دیتے اور پھر ان اونٹوں کو مخالف اطراف میں دوڑا دیتے اور وہ کٹ کر ہلاک ہو جاتے۔ (تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 444)

ایک موقع پر حضرت اسماء بنت یزید جب چند اور عورتوں کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بغرض بیعت حاضر ہوئیں تو عرض کیا کہ: ''یا رسول اللہ! میں مسلمان عورتوں کی طرف سے کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں۔حضور نے اجازت دی تو عرض کیا کہ ہم بھی حضور کے دست حق پرست پر ایمان لائی ہیں۔مگر ہماری حالت مردوں سے مختلف ہے۔مرد نماز باجماعت اور نماز جمعہ میں شریک ہوتے ہیں، نماز جنازہ پڑھتے ہیں، مریضوں کی عیادت کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہیں مگر ہم پردہ نشین ہیں۔اور ان نیکیوں میں حصہ نہیں لے سکتیں۔گھروں میں بیٹھ کر اولاد کی پرورش کرتی ہیں اور مردوں کے مال و اسباب کی حفاظت کرتی ہیں تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی ثواب ملے گا۔'' آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: ''کیا تم لوگوں نے کبھی کسی عورت سے ایسی برجستہ گفتگو سنی ہے''؟ صحابہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! نہیں''۔آپ ﷺ نے حضرت اسماءؓ کو فرمایا کہ: ''اگر عورتیں فرائض زوجیت ادا کرتیں، اور شوہر کی اطاعت کرتی ہیں تو جس جس قدر ثواب مرد کو ملتا ہے اسی قدر عورتوں کو بھی ملتا ہے۔'' (اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۱۸)

صحابیاتؓ گو جنگوں میں لڑتی نہ تھیں مگر اپنے عزیزوں کی شہادت پر نوحہ و ماتم کرنے کی بجائے ان کی شہادت کو کامیابی کی کنجی اور قابل فخر سمجھتی تھیں۔حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ''غزوہ اُحد کے موقع پر اہلِ مدینہ میں خبر پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں۔یہ خبر سن کر مدینے میں آہ و بکا ہونے لگی اس پر انصار کی ایک عورت

بھی اُحُد کی طرف نکلی تو راستے میں اس نے اپنے والد، بیٹے، خاونداور بھائی کی نعشوں کو دیکھا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ معلوم نہیں سب سے پہلے اس نے کسے دیکھا۔ جب وہ ان میں سے کسی کے پاس سے گزرتی تو وہ کہتی یہ کون ہے؟ لوگ کہتے تمہارا والد ہے، تمہارا بھائی ہے، تمہارا خاوند ہے، تمہارا بیٹا ہے۔ وہ کہتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے سامنے ہیں یہاں تک کہ وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کے کپڑے کا دامن پکڑ کر عرض کرنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں جب آپؐ صحیح سلامت ہیں تو مجھے کسی کی موت کی کوئی پرواہ نہیں۔''

(خطبہ جمعہ 30 اکتوبر 2020ء فرمودہ حضرت مرزا مسرور احمد، خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

بچے بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر کٹ مرنے کے لیے جنگوں میں شریک ہوتے تھے۔ کم سنی کی وجہ سے اجازت نہ ملنے پر بچے کبھی روکر اور کبھی کشتی کر کے اور کبھی قرعہ اندازی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرتے اور رسول اللہ ﷺ ان کے جذبہ اور شوق کو دیکھ کر اجازت دے دیتے تھے۔ دو انصاری بچوں حضرت معاذؓ اور معوذؓ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کے بدترین دشمن ابو جہل کو شدید زخمی کر کے عبرت کا نشان بنا دیا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ حضرت معاذؓ کا ایک بازو کٹ جانے کی وجہ سے لٹک رہا تھا آپؓ نے اسے ایک جھٹکے سے اپنے وجود سے الگ کر دیا اور لڑائی جاری رکھی۔

صحابہ کرام صرف حقوق اللہ ہی ادا نہ کرتے تھے بلکہ حقوق العباد ادا کرنے میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ بیماروں کی عیادت کرتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے، یتیموں اور بیواؤں کی خدمت کرتے، قیدیوں اور غلاموں سے اچھا سلوک کرتے، رشتہ داروں اور ہمسایوں کا احترام کرتے، والدین اور بیوی بچوں کے حقوق احسن طریقے سے ادا کرتے غرض ان کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو نیکی اور بھلائی سے خالی ہو گویا تمام صحابہؓ حقیقی معنوں میں ''وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ'' کا عملی نمونہ تھے۔ ہمارے پیارے امام حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ''ہمارے لیے تو آنحضرت ﷺ کے سب پیارے ہی بہت پیارے ہیں۔'' (خطبہ جمعہ ۲ جنوری ۲۰۰۹ء) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے درجات بلند فرماتا چلا جائے اور ہمیں بھی اپنی محبت کے جام بھر بھر کر پلائے اور ہمارے اندر عشق الٰہی کی وہی لَو پیدا فرما دے جو صحابہ کرام کے سینوں میں تھی۔ آمین یا ربّ العالمین۔ ☆

قیام پاکستان میں مسیحیوں کا کردار!

معزز قارئین! جیسا کہ گزشتہ شمارہ میں بتایا گیا تھا کہ آئندہ آنے والے شمارہ میں پاکستان کے بننے میں غیر مسلموں نے کیا کردار ادا کیا تھا بیان کیا جائے گا تو اس سلسلے میں سب سے پہلے مسیحی برادری کا ذکر کیا جائے گا۔ نا صرف مسیحیوں کے پاکستان بنانے میں ان کے کردار کا ذکر ہو گا بلکہ بعد ازاں ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اسے بھی معزز قارئین کے سامنے رکھا جائے گا۔

جون 1947ء کو پنجاب اسمبلی میں پنجاب کے پاکستان میں شامل ہونے کے لئے ووٹنگ تھی اسمبلی میں گرما گرمی کا ماحول تھا اچانک سکھ رہنما ماسٹر تارا سنگھ نے نیام سے تلوار نکال کے زور سے نعرہ لگایا کہ اگر کسی نے پنجاب کی تقسیم یا پاکستان کا حصہ بننے کی بات کی تو اسے قتل کر دوں گا پنجاب صرف انڈیا کا حصہ بنے گا۔ سب ممبران سہم کر بیٹھ گئے کسی مسلمان لیڈر نے تارا سنگھ کی بات کا جواب دینے کی جرات نہیں کی۔ اچانک سفید پگڑی پہنے گھنی مونچھوں والے بارعب دیوان بہادر سنگھا جو ایک عیسائی تھے نے جرات سے ماسٹر تارا سنگھ کے سامنے کھڑے ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ پنجاب پاکستان کا حصہ بن کر رہے گا ہمت ہے تو چلاؤ تلوار، مقابلہ کروں گا دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ مشکل سے ممبران نے دونوں کو زخمی ہونے سے بچایا۔

اسمبلی میں قرارداد پیش کی گئی پنجاب کے ہندوستان کے ساتھ رہنے کے امکانات زیادہ تھے دونوں اطراف کے ووٹ اٹھاسی اٹھاسی برابر تھے۔ سپیکر اسمبلی بہادر سنگھا نے وارفتگی سے اعلان کیا کہ میں پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالتا ہوں ان کے ساتھ سیسل اور فضل الٰہی نے بھی پاکستان کی حمایت کر دی یہ دونوں بھی مسیحی تھے۔ پاکستان سے الحاق تین عیسائی ممبران کی بدولت ہو پایا۔

سنگھا صاحب 1948ء میں وفات پا گئے ان کا خاندان ان کی وفات کے کچھ عرصے بعد ہی پاکستان سے ہجرت کر گیا۔

کیا موجودہ صورتحال میں ہمارے ملک میں اقلیتیں محفوظ ہیں؟ کیا آزادی سے اپنی زندگی گزار سکتی ہیں؟ 1947 میں قائد اعظم کے متحدہ پاکستان میں 23 فیصد اقلیتیں تھیں اب صرف سات سے آٹھ فیصد رہ گئی

ہیں۔سوچنا چاہئے کہ ہم نے اپنے ملک کے ساتھ کیا کیا ہے کہ اقلیتوں کی اکثریت کیوں ہجرت کر گئی ہے۔ہم نے نسبتاً بہتر اور آزاد پاکستان دیکھا ہے۔کئی شہروں میں ایسے کئی بہترین تعلیمی ادارے تھے جہاں مسیحی اساتذہ بلا خوف تعلیم دیا کرتے تھے۔جن اداروں میں مسیحی اساتذہ تھے ان کا معیار دوسرے سکولوں سے حد درجہ بہتر تھا۔کسی طالبعلم کو اس سے غرض نہیں تھی کہ ڈیسک پر ساتھ بیٹھا طالبعلم مسلمان ہے یا غیر مسلم۔وہم وگمان میں ہی نہیں تھا کہ صرف عقیدہ اور مذہب کی بنا پر کسی بچے سے نفرت کی جائے۔

پاکستان کے کسی کونے میں چلے جائیں غیر مسلموں کے بنائے ہوئے ہسپتال،تعلیمی ادارے،سڑکیں،پل،فلاحی ادارے نظر آئیں گے۔لاہور تو خیر ہے ہی سر گنگا رام کی محنت کا ثمر۔ہم نے اپنی اقلیتوں کے ساتھ ہرگز ہرگز انصاف نہیں کیا۔انہیں سماجی سطح پر برابر تسلیم نہیں کیا۔ان کے اداروں کے نام بدلنے کی بھی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے ہیں ہمارے آئین میں درج شدہ اقلیتوں کے حقوق صرف کاغذ پر چھپے ہوئے بے جان لفظ ہیں جن پر کوئی عمل نہیں کرتا مگر ذرا غور کریں اگر بہادر سنگھا نہ ہوتا تو پاکستان کس جغرافیائی حالت میں ہوتا۔نہرو اور پٹیل نے مسیحیوں کو قائل کرنے کے لئے پورا زور لگایا اور یہ لالچ بھی دیا کہ اگر آپ پاکستان کے بجائے بھارت کے حق میں ووٹ دیں تو مسیحیوں کے لئے کچھ اہم وزارتیں ہمیشہ کے لئے مخصوص کر دی جائینگی لیکن مسیحی رہنماؤں نے یہ پیشکش مسترد کر دی۔ہندو اور سکھوں کا باہم ایکا تھا۔سکھوں کے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب اسمبلی کی سیڑھیوں پر باآواز بلند کہا:

''جو بنائے گا پاکستان۔وہ کھائے گا کرپان''

تو مسیحی لیڈر ایس پی سنگھا نے باآواز بلند جواب دیا:

''سینے پہ گولی کھائیں گے۔پاکستان بنائیں گے''

(راؤ منظر حیات کے مضمون شکریہ،سنگھا صاحب سے ماخوذ)

دیوان بہادر ایس پی سنگھا

دیوان بہادر ایس پی سنگھا سنہ 1893 کو پسرور،ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔مئی 2016 کو

حکومت پاکستان نے دیوان بہادر ایس پی سنگھا کی تحریک پاکستان میں خدمات پر اعلیٰ تعلیم کے لاہور منتقل ہوئے یہیں سے اپنے پروفیشنل کریئر کا آغاز کیا، وہ پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار بھی رہے۔ تعلیم کے شعبے میں اعلیٰ خدمات کے عوض انہیں 'دیوان بہادر' کا خطاب دیا گیا۔ وہ انڈیا میں مسیحیوں اور دلتوں کی حالت زار سے نالاں تھے اور ان کے خیال میں مسلم معاشرے میں وہ ذات پات اور چھوت چھات سے آزاد زندگی زیادہ بہتر طور پر گزار سکتے تھے۔

21 نومبر سنہ 1942 کو انہوں نے بطور رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی قائد اعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی اور انہیں قیام پاکستان کی حمایت کا یقین دلایا۔ فورمن کرسچیئن کالج لاہور کے طالب علموں اور اساتذہ نے بھی اتحاد کا یقین دلایا۔ بعد ازاں انہوں نے تمام مسیحی برادری کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک بیان جاری کیا جس میں قیام پاکستان کی بھرپور حمایت کی گئی تھی۔ سنہ 1946 کے انتخابات میں آل انڈیا کرسچیئن ایسوسی ایشن اور آل انڈیا کرسچیئن لیگ نے پہلی بار 'پاکستان زندہ باد' کے نعرے لگائے اور ایس پی سنگھا پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ یونینسٹ پارٹی کی حمایت سے وہ متحدہ پنجاب کی اسمبلی کے اسپیکر منتخب ہوئے۔ 23 جون 1947 کو ہونے والے انتخابات میں انہوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا تھا، 88 کے مقابلے میں 91 ووٹوں سے پاکستان کے حق میں فیصلہ ہوا۔

تاہم قیام پاکستان کے بعد پنجاب اسمبلی میں مذہب کو بنیاد بنا کر ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی گئی اور وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔

ان کا انتقال 22 اکتوبر 1948 کو ہوا۔ ان کی بیوی اور بیٹی نے سنہ 1958 میں ملک چھوڑ دیا اور انڈیا منتقل ہو گئیں۔

چند برس قبل مئی 2016 کو حکومت پاکستان کی جانب سے دیوان بہادر ایس پی سنگھا کی تحریک پاکستان میں خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری کیا گیا۔

مسیحیوں کے علاوہ سکھوں اور ہندوؤں نے بھی پاکستان بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء میں ہونے والی دوسری گول میز کانفرنس میں اقلیتوں کے تحفظ کے لیے ایک معاہدہ سر آغا خان کی قیادت

میں معاہدہ کیا تھا جسے اقلیتوں کا معاہدہ کہا جاتا ہے۔22 دسمبر 1939 میں جب اونچی ذات کے ہندو پالیسیوں کے احتجاج میں، قائداعظم کی کال پر، کانگریسی وزارتوں میں مسلمان نمائندوں کے مستعفی ہونے پر ''یوم نجات'' منایا گیا تو کانگریس یہ دیکھ کر حیران ہوگئی کہ ''یوم نجات'' میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ پارسی، مسیحیوں اور لاکھوں کی تعداد میں شیڈول کاسٹ بھی شریک ہوئیں۔



23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ نے مسلم لیگ سالانہ اجلاس لاہور میں تاریخ ساز قرارداد پاکستان پیش کی تو اس اجلاس میں الفریڈ پرشاد، آرائے گومزا اور ایس ایس البرٹ بھی شامل تھے۔

تقسیم کے وقت مسیحی قیادت نے باؤنڈری کمیشن سے مطالبہ کیا تھا کہ مسیحیوں کو مسلمانوں کے ساتھ شمار کیا جائے۔لاہور شہر کے اچھوت ہندوؤں نے بھارت جانے کی بجائے مسیحیت قبول کر لی اور پاکستانی قرار پائے۔ قائداعظم نے ہر بے زمین مسیحی کو ساڑھے بارہ ایکڑ زرعی اراضی دینے کا اعلان کیا۔ پاکستانی فوج کا پہلا سربراہ بھی مسیحی تھا۔قائداعظم نے برسر اقتدار آکر چھ وزیر مقرر کیے۔ پہلے ڈپٹی سپیکر بھی مسیحی تھے۔(قیام پاکستان میں مسیحیوں کا کردار از یاسر حمید اندھراوا10 / 08 / 2019۔ہم سب)

آپ غیر منقسم پنجاب اسمبلی کے اکیس مارچ 1946 تا چار جولائی 1947ء تک اسپیکر رہے۔ یہ پاکستان کے پنجاب کے پہلے اسپیکر کیوں نہ بنے۔؟ سنگھا صاحب نے اس کا ذکر اپنی بیس جنوری 1948ء کی پنجاب اسمبلی میں بطور رکن پنجاب اسمبلی تقریر میں بڑے دکھ سے ان الفاظ میں کیا ہے کہ''اگر مجھے پہلے کہہ دیا جاتا کہ یہ عہدہ اب صرف مسلمان کے لئے ہے۔تو میں آپ کا نام خود تجویز کرتا۔'' آگے ایک جگہ کہتے ہیں۔''

اب مسیحی جماعت وزیراعظم (جو کہ اس دور میں لیاقت علی خان تھے) کی بہت مشکور ہے۔کہ انہوں نے میری تعریف کرتے ہوئے یہ صاف کر دیا ہے۔کہ''یہ کرسی اب مسلمان کے لئے ہے۔''جناب ناصر ملک نے کیا خوب کہا ہے

گھر سے نکال کر مجھے سمجھا دیا گیا
اس گھر سے میرا واسطہ تعمیر تک ہی تھا

”اسکندرمرزاکی کہانی محمود علی خان چودھری کی زبانی“

معزز قارئین! لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد وزیرِ خزانہ غلام محمد گورنر جنرل بن گیا۔ محمود علی خان ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”جہاں تک ذاتی اقتدار و اختیار کا تعلق ہے وہ انتہائی چال باز اور بد دیانت انسان تھا اس نے آئین ساز اسمبلی کو معزول کیا اور اپنے حق میں عدالتی فیصلہ بھی لے لیا۔ قائد اعظم کے قریبی ساتھی خواجہ ناظم الدین کو غلام محمد نے وزیر اعظم کے عہدہ سے ہٹا کر پہلے محمد علی بوگرہ کو وزیر اعظم بنا دیا اور پھر اسے بھی ہٹا کر چودھری محمد علی کو وزیر اعظم بنا دیا۔ کو آخر میں غلام محمد تقریباً اپاہج ہو چکا تھا، زبان ایک لفظ بھی صحیح ادا نہیں کر سکتی تھی ،لیکن وہ اقتدار کی مسند چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ آخر کار ایک بیوروکریٹ اسکندر مرزا جو کہ کہیں زیادہ چال باز تھا، غلام محمد کو ہٹا کر خود گورنر جنرل بن گیا۔“

محمود علی خان چودھری اسکندر مرزا کے متعلق مزید لکھتے ہیں:۔

”برطانوی دور میں اسکندر مرزا نے حکومت کے مفاد کی خاطر ہر طرح کے غیر اخلاقی حربے استعال کرنے میں کمال حاصل کیا ہوا تھا کہا جاتا ہے کہ جن دنوں نوآبادیاتی حکمرانوں کے خلاف تحریک چل رہی تھی سکندر مرزا کو صوبہ سرحد میں ایک احتجاجی مظاہرہ سے نپٹنا پڑا پولیس بلا کر جلسے جلوسوں پر تشدد کرنے کی بجائے اس نے انتظامیہ کی طرف سے تمام احتجاجیوں کی ضیافت کر دی۔ مہمان نوازی اور مہمانی کے عادی سیدھے سادے پٹھان لوگوں نے ضیافت قبول کی، کھانا کھایا اور سب کے سب پیٹ پکڑ کر بیٹھ گئے اور سخت بیمار پڑ گئے۔ سکندر مرزا نے کھانے میں جمال گوٹہ ملایا ہوا تھا اس طرح یہ احتجاجی جلسہ نہ ہو سکا اور نہ ہی احتجاجیوں کو کوئی کیمپ لگ سکا۔ اسکندر مرزا کو انگریز حکام سے اس کارنامے کی مناسب داد ملی کہ اس نے اپنے ہم وطنوں سے دغابازی، مکاری اور غداری کر کے سرکار انگلشیہ کی خدمت گزاری اور وفاداری کی کتاب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا 1958ء میں جب سیاسی سرگرمیاں زوروں پر تھیں تو اسکندر مرزا نے اپنا ترپ کا پتہ کھیلا۔ سیاست دانوں کے جائز عزائم کو ناکام بنانے کے لئے اس نے ایوب کو اپنی سازش میں ساتھ ملایا تاکہ مارشل لاء کا اعلان

کر دیا جائے۔ایوب خاں شامل ہوگیا کیونکہ خود اس کے اپنے منصوبے کے لئے بھی یہی مناسب وقت تھا لہذا اس وقت جبکہ ملک میں ہر طرح سے امن وامان تھا عوام الیکشن کی تیاریوں میں مصروف تھے اور خوش تھے کہ اب وہ اپنے نمائندوں کے ذریعے ملک کے انتظام میں بھرپور حصہ لے سکیں گے۔8 اکتوبر 1958ء کو ملک میں مارشل لاء لگ گیا۔صرف انیس دن بعد ایوب خاں نے اسکندر مرزا کو معزول کر دیا اور کمال شفقت کا اظہار کرتے ہوئے اسے ملک سے باہر جانے کی اجازت دے دی۔'' (بحوالہ مارشل لاء کا سیاسی انداز)

محمود علی خان چودھری مزید لکھتے ہیں:۔

''اسکندر مرزا کا ذکر چھوڑنے سے پہلے ایک نیم مزاحیہ اور نیم مزاحیہ اور نیم المیہ واقعہ بھی بیان ہو جائے کہ اس میں عبرت کا پہلو بھی ہے۔میر جعفر جس نے بنگال میں تحریک آزادی کے وقت سراج الدولہ سے غداری کی تھی،اسکندر مرزا کے اجداد میں سے تھا۔یہ وہ میر جعفر تھا جسے اقبال نے ننگ دنیا،ننگ دیں،ننگ وطن کہا ہے اور ہر تاریخ کی کتاب میں اس کا نام غدار کی حیثیت سے لکھا جاتا ہے ساری زندگی اور خصوصاً اپنی ملازمت کے دوران اسکندر مرزا کی کوشش رہی کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ وہ میر جعفر کی اولاد میں سے ہے۔جب ایوب خاں نے اسکندر مرزا کو ذلیل کر کے نکال دیا تو وہ اپنے آقاوں کے دیس یعنی انگلینڈ چلا گیا اور لندن پکاڈلی ہوٹل piccadilly Hotel میں قیام پذیر ہوا۔ایک ماہ بعد اسے ایک فلیٹ مل گیا اور وہ اس میں منتقل ہو گیا۔جس وقت وہ ہوٹل چھوڑ رہا تھا تو حکومت برطانیہ کا ایک افسر بکار خاص وہاں گیا اور اسکندر مرزا کا ہوٹل کا بل ادا کر دیا۔جب اسکندر مرزا نے احتجاج کیا تو اس افسر نے کہا کہ ملکہ برطانیہ مرزا اور اس کے اجداد کی خدمت کے صلے میں حق میزبانی ادا کر رہی ہیں۔جھینپ کر مرزا نے یہ ادنیٰ سی خیرات قبول کر لی اور وہاں سے چلا گیا۔برطانیہ نے اپنا دیرینہ قرض چکا دیا اور سمجھا کہ اب اس پر اسکندر مرزا اور میر جعفر کی خدمات کے صلے کا اور کوئی بار نہیں رہا لہذا اس واقعہ کے بعد انہوں نے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔مسٹر جے حصواری جو ایک ممتاز انشورنس کمپنی کے جنرل مینجر ہیں۔اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں۔غداری کا یہ حقیر صلہ دیکھ کر انسان کانپ جاتا ہے۔دوستوں سے بیگانہ اور اپنوں کا فراموش کیا ہوا اسکندر مرزا لندن میں ایک ہندوستانی ہوٹل ویراسوامی کی ملازمت کرتا ہوا بالآخر مر گیا۔اللہ بہتر جانتا ہے بوقت مرگ اس کے پاس کوئی تھا بھی یا نہیں یا کسی نے اس کی

میت پر چار آنسو بھی بہائے یا حکومت برطانیہ نے اسے سرکاری خرچ پر ہی دفن کر دیا۔'' (بحوالہ مارشل لاء کا سیاسی انداز)

معزز قارئین! ممتاز دولتانہ کی ہوس اقتدار نے لاہور میں جنرل اعظم سے مارشل لاء لگوایا۔ اور اسکندر مرزا کی ہمیشہ اقتدار میں رہنے کی خواہش نے پورے ملک کو ہمیشہ کے لیے جنرلوں کے حوالے کروا دیا۔۔

''74ء کے فیصلے کے بعد''

بھٹو کابینہ کے 74ء کے فیصلے کے بعد سماج میں کئی تبدیلیاں آئیں اور سماجی گھٹن اور جنونی حبس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ سائنس اور علم دشمنی کی وجہ سے اختلافِ رائے کی گنجائش محدود ہو کر ختم ہو گئی۔ دلیل اور روشن خیالی کو سیکولر کا طعنہ، الحاد اور کفر کہا جانے لگا ہے۔ متنوع نقطہ ہائے نظر کی وسعت کے آگے جہالت اور تکفیر کا بند باندھ دیا گیا۔ پھر اس کے آگے مضبوطی کی خاطر مزید اشتعال انگیزی، فرقہ واریت، انتہا پسندی، نفرت اور تعصب کا زہریلا بیج بویا گیا جو جلد ہی امدادوں، وظیفوں کی بدولت ایک تنا آور درخت بن گیا جس کی مزید شاخیں مردِ مومن مردِ حق ضیاء الحق کے سنہرے جہادی عہد میں قادیانیت آرڈیننس کی صورت میں پھوٹیں۔ پھر یہ سلسلہ دراز ہی ہوتا گیا۔ شاخیں بھاری اور توانا ہو گئیں۔ یہ پودا خوب پروان چڑھتا گیا۔ آج اُسی زہریلے درخت کی بلند اور گھنی شاخوں پر فرقہ واریت اور قتل و غارت گری، عدم برداشت کے بھاری شگوفے لدے ہوئے ہیں، جو سرکاری توجہ و دیکھ بھال سے زمین تک خوب جھکے ہوئے ہیں۔ ان زہریلے خوشوں میں دوسروں کے خون کی بو رچی بسی ہے۔ اب صورتحال یہ ہے اب انہی کی باقیات نے ضیائی شجر کے زیرِ سایہ فتویٰ فیکٹری کا بڑا کشادہ پھاٹک اپنے دونوں ہاتھوں سے کھول دیا ہے۔ اب ہر کوئی اسی فتویٰ کفر کے کارخانے سے اپنے مطلب کی چھوٹے بڑے فتویٰ کفر کی نقلیں حاصل کر کے گلی کوچوں میں بانٹ رہا ہے۔ گھر گھر فتویٰ کفر کی تعویزیں پہنے عوام کے درمیان محبت و اخوت، برداشت اور تحمل و رواداری اور قربانی کے جذبوں کو فرقہ واریت کی دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ جگمگاتے آرائشی رنگ برنگے پتھروں سے سجی مسجدوں کے طاقچوں میں فتاویٰ کفر کے کتابچے دھرے ہیں لیکن منبر و محراب پر امن سلامتی کے وعظ پورے جوش و خروش سے جاری ہیں۔ فرقوں کے درمیان بحثیں، مناظرے، کفر بازی، جھگڑے اسی 74ء فیصلے کی پیداوار ہیں جس کے بعد رنگ برنگی پگڑیاں پہنے، منہ سے جھاگ اُڑاتے ملاں حضرات اپنی اپنی مسجدوں کی اینٹیں سیدھی کرتے رہتے ہیں۔

(ناصر شبیر۔ بلجیئم)

''آئین پاکستان اور جنرل ضیاء الحق''

۱۹۸۵ء میں غیر جماعتی انتخابات مکمل ہو جانے کے چند روز بعد مجلس شوریٰ (قانون ساز اسمبلی) کے پہلے اجلاس سے پہلے ہی بدنام زمانہ جنرل محمد ضیاء الحق نے آئین پاکستان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آئین پاکستان کو بے آبرو کر کے بے توقیر کر دیا تھا۔آئین پاکستان کے بدن پر آمرانہ، غیر اسلامی، غیر جمہوری ۵۶ وار کیے گئے تھے۔نمونے کے طور پر چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء کے ریفرنڈم (نام نہاد) کے نتیجے میں منتخب ہو کر جنرل ضیاء الحق پاکستان کے صدر ہوں گے۔۔۔۔صدارت کی مدت مجلس شوریٰ کے پہلے اجلاس کے دن سے شروع ہو گی۔۔۔۔۔کسی کو اختیار نہیں ہوگا کہ صدر کی جاری کردہ متبادل مد یا حکم کی قانونی حیثیت کے متعلق سوال اٹھائے۔۔۔۔وفاقی انتظامیہ کے تمام احکام صدر کے نام سے جاری ہوں گے۔۔۔۔کسی عدالت کو اختیار نہیں ہوگا کہ صدر کے نام سے جاری کیے کسی حکم کے خلاف اس امر پر سماعت کرے کہ خود صدر نے وہ حکم صادر کیا تھا یا نہیں۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔

اس ضمن میں کتاب ''مارشل لاء کا سیاسی انداز'' کے مصنف ایم۔اے۔کے چوہدری لکھتے ہیں:۔

''یہ ترامیم قومی اسمبلی میں زیر بحث آئیں کچھ دھواں دار تقریریں بھی ہوئیں اور پھر ان کا شین قاف درست کرنے کے بعد پاس ہو گئیں۔جیسا کہ بیرسٹر اعتزاز احسن نے کہا کہ ''انہوں (جنرل صاحب) نے 1973ء کے آئین کا مسلک ہی تبدیل کر دیا ہے۔'' ملک کی سالمیت پر چوٹ اس وجہ سے پڑی ہے وہ اظہر من الشمس ہے کیا جی ایم سید اور کیا ولی خان قبلہ سب کھل کر پاکستان کے وجود پر ہی معترض نہیں؟''

جناب ایم۔اے۔کے چوہدری مزید لکھتے ہیں کہ:۔

''1956ء اور 1962ء کے آئینوں کی منسوخی، بنیادی جمہوریت ایکٹ، پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ، یحییٰ خان کے آئین کا ڈرافٹ provisinonal constitution order یا پی سی او Revival Of Contitution Order یا آرسی او 1973ء کے آئین میں ترامیم، ریفرنڈم، غیر جماعتی انتخابات وغیرہ مختلف مارشل لاء کی حکومتوں کے دو اقدام ہیں جو انہوں نے مستقلا اقتدار میں رہنے کے لئے

کیئے۔ایسا کرنے میں اگران کوعوام کی بنیادی حقوق کا پامال کرنا پڑا تو انہوں نے بلا تامل کیا۔''

۱۹۷۴ء میں آئین پاکستان میں پہلی غیر اسلامی، غیر جمہوری اور غیر اخلاقی ترمیم کروانے میں پیش پیش مولانا نورانی بھی جنرل ضیاء کی بدمعاشی پر چیخ اٹھے اور صاف کہہ دیا:۔

''مارچ 1985ء میں کل 56 ترامیم آئین میں کی گئیں۔ان میں سے ایک کے سوائے اور کوئی ترمیم ایسی نہیں جس کا تعلق فروغ اسلام یا اسلامی نظام حکومت سے ہو۔سب کی سب صدر کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینے کے لئے کی گئیں،عدالتوں کے اختیارات چھین لئے گئے،عوام کے بنیادی حقوق سلب کئے گئے اوراسمبلیوں کو بے اختیار کردیا گیا''۔

مولانا شاہ احمد نورانی صاحب نے مزید کہا کہ:۔

ایک ترمیم جس کا تعلق اسلام سے ہے وہ قرارداد مقاصد Objectives Resolution کا آئین سے لی گئی ہے۔اگر 1977ء میں مارشل لاء نہ لگایا جاتا اور ۷۳ء کا آئین بحال رہتا تو اس آئین کی رو سے اب تک ملک میں اسلامی نظام حکومت قائم ہو گیا ہوتا۔یہ بیان جنگ کے 11 جولائی 1985ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ (بحوالہ مارشل لاء کا سیاسی انداز از ایم۔اے۔کے۔چوہدری)

سعادت حسن منٹو کے تین اقوال

☆ لیڈر جب آنسو بہا کر لوگوں سے کہتے ہیں کہ مذہب خطرے میں ہے تو اس میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔مذہب ایسی چیز ہی نہیں کہ خطرے میں پڑ سکے،اگر کسی بات کا خطرہ ہے تو وہ لیڈروں کا ہے جو اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے مذہب کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔

☆ پہلے مذہب سینوں میں ہوتا تھا آج کل ٹوپیوں میں ہوتا ہے۔سیاست بھی اب ٹوپیوں میں چلی آئی ہے۔زندہ باد ٹوپیاں!

☆ سیاست اور مذہب کی لاش ہمارے نامور لیڈر اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں اور سیدھے سادے لوگوں کو جو ہر بات مان لینے کے عادی ہوتے ہیں یہ کہتے پھرتے ہیں کہ وہ اس لاش کو از سر نو زندگی بخش رہے ہیں۔

بیٹوں کے خلاف والدین کی شکایت

پشاور ہائی کورٹ کے جج جسٹس اشتیاق ابراہیم نے ایک کیس کی سماعت کے دوران ریمارکس دیے کہ والدین ایک کمرے میں 8 بچوں کو پال سکتے ہیں لیکن بڑے ہوکر وہی اولاد بوڑھے ماں باپ کو نہیں سنبھال سکتے، بیوی کا بھی حق ہے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کا بھی لیکن والدین کا حق سب سے پہلے نمبر پر اور سب سے زیادہ ہے۔

قبل ازیں، بوڑھے والدین کو بے سہارا چھوڑنے پر بیٹوں کے خلاف دائر کیس میں ایس ایچ او نے بیٹوں کو بغیر ہتھکڑیوں کے عدالت میں پیش کیا تو عدالت نے ایس ایچ او کی سرزنش کردی، جسٹس روح الامین نے ریمارکس دیے کہ ہم نے ان کی ناقابل ضمانت وارنٹ جاری کیے تھے، بغیر ہتھکڑی کیوں پیش کیا؟ ہتھکڑیوں میں ان کو لاتے تو ان کو کچھ احساس ہوتا۔

جسٹس روح الامین نے والدین کو بے سہارا چھوڑنے والے بیٹوں سے استفسار کیا کہ آپ کی شادیاں کس نے کرائیں، کیا خود شادی کی یا والدین نے شادی کا خرچہ برداشت کیا، اس پر عدالت میں موجود تینوں بھائیوں سے جواب دیا کہ والدین نے ان کی شادیاں کی ہیں، جسٹس روح الامین نے کہا کہ آپ کے والدین عدالت میں کھڑے ہیں اور شکایت کررہے ہیں کہ آپ لوگوں نے اس عمر میں ان کو بے سہارا چھوڑا ہے، آپ لوگوں کو کچھ محسوس نہیں ہورہا۔

جسٹس اشتیاق ابراہیم نے ریمارکس دیے کہ آپ تینوں نے داڑھی رکھی ہے اور ٹوپیاں پہنی ہیں، یہ اچھی بات ہے نیکی کے کام کرنا چاہیے لیکن جب تک آپ والدین کی خدمت نہیں کریں گے اللہ آپ کو نہیں بخشے گا۔

عدالت میں بے آسرا ماں نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے عدالت کو بتایا کہ ان کے پانچ بیٹے ہیں تین عدالت میں موجود ہیں، ایک بیرون ملک ہے، لیکن ہم اکیلے رہ رہے ہیں، ایک بیٹا ہے اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں، گھر کا 6 ہزار ماہانہ کرایہ ہے اور اس کے علاوہ 2 ہزار بجلی کا بل بھی ہے، لیکن ان کے بچوں نے انھیں چھوڑ دیا

ہے اور اب وہ خود کوئی کام بھی نہیں کرسکتی، شوہر بیمار ہے کل بھی اسپتال لے کر گئی لیکن علاج کے پیسے نہ ہونے پر واپس گھر آ گئے۔

ماں نے بتایا کہ ایک کمرے میں نے 8 بچوں کو پالا تھا لیکن اب میرا کوئی آسرا نہیں ہے، بزرگ خاتون کی فریاد پر عدالت میں موجود زیادہ تر لوگ جذبات پر قابو نہ رکھ سکے، اور آبدیدہ ہو گئے۔ جسٹس روح الامین نے ریمارکس دیے کہ کتنی مشکل سے ان ماں باپ نے آپ کو بڑا کیا ہوگا آپ لوگ ان کا خیال نہیں رکھیں گے تو کون رکھے گا، بیوی کا بھی حق ہے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کا بھی حق ہوتا ہے لیکن بزرگ والدین کی خدمت سب سے پہلے ہے، ابھی اس سے پہلے ایک کیس سن رہے تھے ہم، 4 بیٹوں نے والد پر جان قربان کر دی تھی، والدین کے قدموں تلے جنت کا کہا گیا ہے اور آپ لوگوں نے بزرگ والدین کو ایسے چھوڑ دیا ہے، ہم آپ کو ایک مہینے کے لیے ڈی آئی خان جیل بھیج دیں گے، رمضان کا مہینہ جیل میں بیوی بچوں سے دور گزاریں گے تو کچھ احساس ہوگا۔

عدالت میں موجود بزرگ والدین کے بڑے بیٹے نے والدین کو ساتھ لے جانے پر رضامندی ظاہر کی تو عدالت نے ان کو والدین ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی، اور ہر مہینے تین تین ہزار روپے تمام بھائیوں سے والدین کو دینے کا حکم دے دیا۔

جسٹس اشتیاق ابراہیم نے عدالت میں موجود ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل مجاہد علی خان سے استفسار کیا کہ حکومت کا ایسا کوئی پروگرام نہیں ہے جس سے ایسے لوگوں کی امداد ہو سکے، اے اے جی نے عدالت کو بتایا کہ احساس پروگرام اور بیت المال سے ہوسکتی ہے ان کی مدد، اس پر جسٹس روح الامین نے ریمارکس دیے کہ احساس پروگرام تو ہے لیکن لوگوں میں احساس نہیں ہے۔

جسٹس اشتیاق ابراہیم نے ریمارکس دیے کہ اے اے جی صاحب والدین کے تحفظ کے لیے آپ لوگوں نے جو آرڈیننس بنایا تھا کیا وہ صرف دکھانے کے لیے تھا، صوبائی حکومت کو اس حوالے سے قانون سازی کرنی چاہیے تاکہ ایسے والدین کی مدد کی جا سکے، عدالت نے اے اے جی مجاہد علی خان کو بزرگ والدین کو صحت کارڈ اور احساس پروگرام سے مدد فراہم کرنے کی بھی ہدایت کر دی ہے۔

نیا سال ۲۰۲۳ء

معزز قارئین پیشوا انٹرنیشنل اور دنیا بھر میں بسنے والے انسانوں کو نیا سال ۲۰۲۳ء بے حد مبارک ہو۔اللہ تعالیٰ اس نئے سال میں تمام انسانوں کو وباؤں،جنگوں،نا انصافیوں،خودغرضیوں اور دیگر برائیوں کی دلدل سے نکلنے کی توفیق عطا فرمائے۔اس وقت بظاہر یہی دیکھائی دیتا ہے کہ انسانوں کی اپنے رب سے دوری دنیا کومزید دلدل میں دھنسائے گی۔ساری دنیا میں اس وقت معاشی حالات ابتر سے ابتر ہوتے ہی چلے جارہے ہیں اگر یہ سلسلہ کچھ عرصہ اور جاری رہا تو بیماریوں اور جنگوں کے نتیجے میں مرنے والے انسانوں سے بہت بڑھ کر بھوک سے انسانوں کے مرنے کا حقیقی خطرہ پیدا ہو جائے گا۔اسی طرح موسمیاتی تبدیلیوں کے باعث دنیا تباہی کی جانب تیزی سے بڑھ رہی ہے۔سال ۲۰۲۲ء میں موسمیاتی تبدیلیوں نے جو تباہی پھیلائی تھی اس سے زیادہ تباہی اس سال متوقع ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ فوری طور پر موسمیاتی تبدیلیوں کا باعث بننے والے تمام عوامل کو روکا جائے۔اللہ کرے کہ ترقی یافتہ مما لک ہوش کے ناخن لیں۔

سال ۲۰۲۲ء میں ہمارا پیارا وطن اسلامی جمہوریہ پاکستان سیاسی و معاشی عدم استحکام کا شکار رہا۔کہا جاتا ہے کہ جب سے عمران خان کی بقول بلاول بھٹوسلیکٹڈ حکومت کے خاتمے کے بعد بقول عمران خان امپورٹڈ حکومت آئی ہے تب سے ملکی حالات سنگین رخ اختیار کرتے ہی چلے جارہے ہیں۔اگر بغور دیکھا جائے تو صاف دکھائی دے گا کہ اگر اس سنگین صورتحال کے سیاستدان سو فیصد ذمہ دار ہیں تو ایک ہزار فیصد جنرل باجوہ گروپ ذمہ دار ہے۔سیدھی سی بات ہے کہ جنرل باجوہ نے اپنی مدت ملازمت میں ناجائز توسیع کے چکر میں ملک کو نہ ختم ہونے والے چکروں میں ڈال دیا ہے۔کاش جنرل باجوہ ملکی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے باعزت طریقے سے بغیر توسیع لیے گھر چلے جاتے۔کتنی عجیب بات ہے کہ جنرل باجوہ،عمران خان کو وزیراعظم دیکھنا چاہتے تھے اور پھر فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ عمران خان نے جنرل باجوہ کو توسیع دینے کے وعدے پر اُن کے ساتھ مل کر نازک سی حکومت بنائی جنہیں وہ اپنی تقریروں میں ڈاکو،غدار اور چپڑاسی کہتے تھے۔جب سپریم کورٹ نے توسیع کو غیر آئینی قرار دے دیا تو عمران خان نے اپنا وعدہ وفا کرنے کے لیے قانون سازی کی اور جنرل باجوہ کو تین

برس کے لیے توسیع مل گئی۔ جب تین برس گزر گئے تو جنرل باجوہ اور عمران خان کے تعلقات جرنیلوں کی تعیناتی اور مزید توسیع کے معاملے پر خراب ہو گئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ عمران خان کو وزیراعظم ہاؤس چھوڑنا پڑا اور اتحادی جماعتیں وزیراعظم ہاؤس پر قابض ہو گئیں۔ اس جرنیلی اور سیاسی اکھاڑ بچھاڑ اور قدرتی آفات نے ملک کو مہنگائی اور دہشت گردی کے بھنور میں پھینک دیا ہے۔ اگر ملک دیوالیہ ہو گیا تو اللہ نہ کرے ملک کا وجود بھی خطرے میں آ سکتا ہے۔ سچ یہی ہے کہ ملک کو اس حالت تک پہنچانے والا جنرل باجوہ، عمران خان گٹھ جوڑ ہے۔ دونوں بے عہدہ ہو چکے ہیں مگر قوم ان کی کرتوتوں کے نتائج نجانے کب تک بھگتے گی۔ اللہ تعالیٰ ارباب اختیار اور عوام کو عقل سلیم دے۔ آمین یارب العالمین۔

پھیکی چائے: کچھ لوگ چائے میں چینی اس لیئے نہیں ڈالتے کہ اس کا ذائقہ بدل جاتا ہے اور کچھ لوگ چینی یہ کہہ کر ڈالتے ہیں کہ چائے کیا پینی اگر اس میں چینی نہیں۔ کچھ لوگ تو ایسا کہتے ہیں کہ تین چار چمچ ڈال دو، کم ہوئی تو اور ڈال لوں گا۔ بعض تو ہنس کر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کے اتنی چینی ڈالو کہ چمچ اس میں کھڑی ہو جائے۔ چائے اور چینی والے لوگوں کی ایک اور قسم بھی ہوتی ہے، یہ ہیں شوگر کے مریض جن کو چینی اچھی تو لگتی ہے مگر اس بیماری کی وجہ سے لے نہیں سکتے۔ روز اخبار اور ٹی وی میں چینی کے مضر اثرات بتائے جاتے ہیں۔ بہت دفعہ چاہا کہ اس پر عمل کروں مگر نجانے کیوں چائے چینی کے بغیر پی نہ سکا۔ یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ یونہی چلتا رہا۔ مجھ پر اوپر کہی گئی کوئی بات اگرچہ درست نہیں بیٹھتی مگر پھر بھی میں نے اب پھیکی چائے پینی شروع کر دی ہے۔ زندگی پر غور کروں تو یہ خوشیوں بھری نظر آتی ہے۔ ایک متواسط گھر میں پلا بڑھا، اچھی تعلیم ملی، اچھا کام ملا اور پھر وقت کے ساتھ ایک اچھا جیون ساتھی بھی مل گیا۔ زندگی کچھ اور ہی اچھی گزرنے لگی اور پھر اس سکوں بھری زندگی کے ساتھ وقت گُزرنے کا پتا ہی نہ چلا کہ کب بچے ہوئے، کب پلے بڑھے، کب ان کی شادیاں ہوئیں اور پھر نہ صرف وہ اپنے گھروں میں خوشی خوشی رہنے لگے بلکہ انکے بچوں نے ہماری زندگی میں ایک نیا رنگ بھر دیا۔ گویا زندگی ایک بار پھر چالیس سال پہلے والی ہو گئی، گویا انسان پھر سے جوان ہو گیا، مگر اس کے ساتھ ساتھ زندگی نے ایک نیا رخ لیا۔ نئے ننھے وجودوں کی محبت میں نجانے کیوں یہ احساس شدت سے ہونے لگا کہ میرا اپنا ساتھی انکی محبت میں مجھ سے دور ہو رہا ہے۔ اب ہم میں دوری آنی شروع ہو گئی ہے۔ پیار چیز ہی ایسی ہوتی ہے کہ اس میں رقابت بری لگتی ہے چاہے یہ رقیب بھی آپ کو اچھا کیوں نہ لگتا ہو۔ نہ جانے کیوں یہ احساس ہونے لگا کہ وہ اب پھیکی پھیکی ہونے لگی ہے۔ چونکہ وہ اب بھی اچھی لگتی ہے اس لیئے اب پھیکی چائے بھی اچھی لگتی ہے۔۔۔

(تحریر: ہیرداتا۔ لندن)

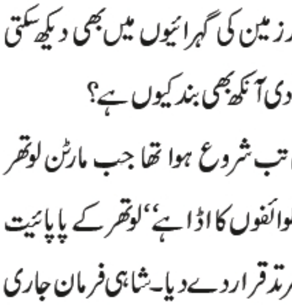
مذہب بیزاری اور منافقت کی تاریخی وجوہات

اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ انسانوں میں مذہب بیزاری ومنافقت کی وجوہات کیا ہو سکتی ہیں؟ سادہ الفاظ میں ان وجوہات کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جب مذاہب کے کرتا دھرتا دین کی اصل تعلیمات کو بھلا کر گلے سڑے افکار، نا قابل یقین فضول عقائد اور فرسودہ و بیہودہ رسومات کا طوق مذاہب کے گلے میں ڈال کر انہیں مضحکہ انگیز بنا دیتے ہیں تب مذہب بیزار لوگوں کی تعداد بڑھنے لگتی ہے۔ بے شمار مذہبی لوگ جو مذاہب پر یقین رکھتے ہیں وہ بھی، نا قابل یقین فضول عقائد کو تسلیم نہیں کرتے مگر وہ اپنی بیزاری کا اظہار کرنے کی ہمت بھی نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نام نہاد مذہبی رہنما عقائد کے خلاف بات کرنے والوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔ یہی غلطی ہر اک مذہب میں موجود ہے۔ یعنی ہر مذہب میں تاریک کنوئیں موجود ہیں اور ان میں بیٹھے مذہبی مینڈک نہ روشنی سے خود لگاؤ رکھتے ہیں اور نہ اپنے مریدوں پر روشنی کا گزر ہونے دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو بھی مرید روشنی دیکھ لیتے ہیں وہ اندھیروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ روشنی دیکھ لینے والے اپنے ساتھیوں کو بھی بتاتے ہیں کہ روشنی میں ہم صاف دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ان کی اکثریت صاف کہہ دیتی ہے کہ "خود تو اندھے ہو گئے ہو اب ہمیں بھی اندھا کرنا چاہتے ہو" سچ یہی ہے کہ مذہبی تاریک کنوئیں ہی ہیں جن کی وجہ سے مذہب بیزاروں کی تعداد دنیا بھر میں بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ بڑی اور کم تعداد رکھنے والے مذاہب بھی بڑی تیزی کے ساتھ برف کی طرح گھل کر چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جین مذہب کے ماننے والوں کی اکثریت دہریہ ہو چکی ہے۔ سب سے بڑے مذہبی گلیشیئر یعنی مذہب عیسائیت کے پگھلنے کی رفتار بھی بہت تیز ہو چکی ہے۔ فرانس، برطانیہ اور دیگر بہت سارے مغربی ممالک میں بھی دہریت نے عیسائیت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مذہب اسلام کے دنیا میں تیزی سے بڑھنے کا ذکر بھی تواتر سے ہو رہا ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ مسلم ممالک میں آبادی کی بڑھوتری نا قابل کنٹرول ہو چکی ہے، ذرا اندازہ تو لگائیے بھوک اور بیماریوں سے اور جنگوں اور حادثوں میں بے

شمار لوگوں کے مرنے کے باوجود مسلم آبادی ہے کہ کم ہونے میں آتی ہی نہیں۔ مثال کے طور پر وطن عزیز جب معرض وجود میں آیا تو مغربی پاکستان کی آبادی پونے چار کروڑ تھی اب چوبیس کروڑ ہو چکی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جتنے نئے لوگ اسلام قبول کرتے ہیں اتنے ہی اسلام چھوڑ بھی دیتے ہیں۔ سو فیصد، غیر مسلم پر امن، روحوں کی پیاس بجھانے والی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے ہیں مگر اسلام قبول کرنے کے بعد جب انہیں پتا چلتا ہے کہ ''ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں'' تو وہ بدک جاتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ فرقہ بندیوں نے ہی ہمیشہ مذاہب کی وحدت کو پارہ پارہ کیا ہے۔ جس طرح عیسائی، ہندو اور دیگر مذاہب کے کرتا دھرتاؤں نے اپنے اپنے مذاہب کے ماننے والوں کی گردنوں میں ''مرتد کی سزا، سر تن سے جدا'' لکھے طوق ڈال کر دائروں کے اندر بٹھا دیا تھا ویسا ہی اب نام نہاد مسلمان علماء کر رہے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ عیسائیت کے روحانی اور مادی اندھے پن کا آغاز کب ہوا اور مکمل اندھے پن کے بعد مادی آنکھ کیونکر چمک اٹھی۔ (یہ مادی روشن آنکھ خلا کی وسعتوں اور زمین کی گہرائیوں میں بھی دیکھ سکتی ہے) اور مسلمانوں کے زوال کا سبب کیا تھا، اور آج تک ان کی روحانی اور مادی آنکھ بھی بند کیوں ہے؟

دیگر بہت سارے عوامل کے ساتھ سفاک عیسائیت کا زوال تب شروع ہوا تھا جب مارٹن لوتھر (1483ء تا 1546ء) نے روم سے واپس جرمنی آ کر کہا تھا کہ ''روم تو طوائفوں کا اڈا ہے'' لوتھر کے پاپائیت کے خلاف مہم چلانے پر ۱۵۲۱ء پوپ نے دینی حکم جاری کرتے ہوئے اسے مرتد قرار دے دیا۔ شاہی فرمان جاری ہوا کہ اس کے خیالات غیر قانونی ہیں اور اس کو جلانے کا حکم جاری کیا جاتا ہے۔ کیتھولک چرچ جو کئی صدیوں سے من مرضیاں کر رہا تھا لوتھر کی اصلاح پسند تحریک کے نتیجے میں کیتھولک اور پروسٹینٹ چرچ میں تقسیم ہو گیا۔ یہاں تک کہ برطانیہ بھی ۱۵۳۴ء میں روم کے چرچ سے الگ ہو گیا۔ اور سولہویں صدی عیسوی ہی میں گلیلیو کو وہ حقیقت بیان کرنے سے روک دیا گیا تھا جو عیسائی مذہب سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔



عیسائی عقیدے کے مطابق زمین ساکن ہے۔ زبور کے باب ایک کی آیت ۹۳ میں ہے کہ ''زمین حرکت نہیں کرتی''۔ مشہور اٹلی کے فلسفی، ریاضی دان ماہر فلکیات گلیلیو (۱۵ فروری ۱۵۶۴ء تا ۸ جنوری ۱۶۴۲ء) نے اپنی ایجاد

کردہ دوربین کی مدد سے دیکھ لیا تھا کہ ہر سیارہ زمین سمیت سورج کے گرد گھوم رہا ہے اور وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ زمین کائنات کا مرکز نہیں ہے مگر جب عدالت نے دھمکی دی کہ اگر وہ ایسی بات کہنے سے باز نہیں رہ سکتا تو برونو Giordano Bruno کی طرح مرنے کے لیے تیار ہو جائے تو اس نے اپنی جان بچا لی۔ جب اس کے شاگرد نے کہا کہ جو آپ نے کہا تھا وہ تو حقیقت تھا اس پر گلیلیو نے جو تاریخی جواب دیا وہ یہ تھا کہ میرے حقیقت کو جھٹلا دینے سے زمین کی حرکت بند نہیں ہو جائے گی۔ Giordano Bruno بھی ایک فلسفی، ریاضی دان اور



ماہر فلکیات تھا اسے کیتھولک چرچ نے عیسائی عقائد جیسے کہ تثلیث، جہنم، کرسٹولوجی اور دیگر عقائد سے انکار پر سزائے موت سنائی تھی۔ اسے زندہ جلا دیا گیا تھا کیونکہ جس طرح منگول، قید کیے جانے والے قیدی بادشاہ کے خون کا زمین پر گرنا بدشگونی سمجھتے تھے اور قالین میں لپیٹ کر گھوڑے کے سموں سے مارتے تھے اسی طرح کیتھولک چرچ بھی بدعتیوں کا لہو زمین پر گرنا برا سمجھتے تھے بوجوہ اس کے بدعتی کو زندہ جلا دیتے تھے۔ چرچ نے اسی دور میں کم از کم چھ افراد کو عقیدے کے اختلاف پر زندہ جلایا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس دور میں مذہب کی ستائی ہوئی انسانیت سسک رہی تھی، تڑپ رہی تھی، مر رہی تھی۔

جس وقت عیسائی دنیا چرچ کے بدترین مظالم کا نشانہ بن رہی تھی اس وقت علمی طور پر نسبتاً مسلمان بہت بہتر حالت میں تھے۔ علمی طور پر اگر دیکھا جائے تو عربوں نے یونانی کتب کا ترجمہ کر کے انہیں عام کیا اور مسلمان یونانی کتب کے صرف مطالعہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ نت نئے تجربات شروع کیے جس کے نتیجے میں بے شمار ایجادات ہوئیں۔ خلافت عباسیہ کے دور کو علم دوست دور سمجھا جاتا ہے۔ جس وقت بغداد میں کتابوں کے ڈھیر لگے تھے اس وقت سارے یورپ میں کل پانچ سو کتابیں تھیں جو چرچوں میں پڑی تھیں۔

آیئے چلتے ہیں اصل موضوع کی طرف یعنی مسلمانوں کا زوال کیوں ہوا؟ جس طرح عیسائیت ایک ہزار فرقوں میں بٹ کر لہولہان ہوئی تھی بالکل اسی طرح مسلمانوں کے فرقے بھی باہم دست و گریباں تھے۔ عقائد کے اختلاف نے انہیں پارہ پارہ کر دیا، سائنسی اور فلسفیانہ خیالات بدعت قرار دے دیئے گئے، ایسے ایسے بدعقائد کو اسلام قرار دیا گیا جنہیں سرسری طور پر بھی اسلامی عقائد قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ عقائد کے

اختلاف پر بے شمار لوگ قتل کر دیے گئے۔ مسلمانوں میں بھی عیسائیت کے بدترین دور میں ہی عقائد کے اختلاف پر سزا دینے کا رواج شروع ہو گیا تھا۔اسی دور میں ابوعبداللہ امام مالک بن انسؒ نے ۹۳ھ تا ۱۷۹ھ حق کی حمایت میں قید و بند اور کوڑے کھائے۔ابوعبداللہ امام مالک بن انسؒ پر اس قدر ظلم کیا گیا کہ پچیس برس تک جمعہ و نماز با جماعت کے لیے باہر نہ نکل سکے۔ ذلّت کے ساتھ قید کیے گئے۔ ایسی بے رحمی کے ساتھ لوگوں نے ان کی مشکیں باندھیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا۔ اونٹ پر کھڑا کر کے پھرایا گیا۔ اور ایک مسئلہ سے انکار کرنے کی وجہ سے ستّر کوڑے مارے گئے اور قید رکھے گئے۔ امام شافعیؒ ۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ ۷۶۷ء تا ۸۲۰ء جو حضرت امام مالکؒ کے شاگرد رہے۔ محمد بن ادریس شافعیؒ کو موذیوں نے ''**اخســـرمـــن ابـلـيـــس**''(شیطان سے بڑھ کر مضرّت رساں) کہا اور رافضی نام رکھا۔ یمن سے بغداد تک بے عزّتی کے ساتھ قید کر کے بھیجے گئے۔ راہ میں لوگ اُنہیں گالیاں دیتے جاتے تھے۔ امام ابوحنیفہ ۸۰ھ تا ۱۵۰ھ ۶۹۹ء تا ۷۶۷ء۔ کو کم بختوں نے جاہل، بدعتی، زندیق، کافر تک کہا۔ خلیفہ وقت نے کئی دفعہ عہدہ قضا پر مامور کیا مگر انکار کر دیا اس حدیث کی بناء پر کہ:۔

''**من جعل قاضيا فقد ذبح بغير سكين**'' جو شخص قاضی بنا دیا گیا وہ بدون چھری سے ذبح کر دیا گیا۔ قید خانے میں قید کر کے آپؒ سے اینٹ گننے کا کام لیا گیا۔ آخر کو وہ قید خانے ہی میں زہر دیئے گئے۔ امام احمد بن حنبلؒ ۱۶۴ھ تا ۲۴۱ھ ۷۸۰ء تا ۸۵۵ء کو بھی بے حد ستایا گیا بغداد کے معتزلہ نے ہنگامہ کھڑا کر کے چاہا کہ آپ کسی طرح یہ تسلیم کر لیں کہ قرآن مخلوق ہے اور اس سلسلہ میں دربار خلافت سے سخت سزائیں دی گئیں حتیٰ کہ جس وقت آپؒ کو ایک ہزار کوڑے لگائے جا رہے تھے تو آپؒ کا کمر بند کھل گیا اور دو غیبی ہاتھوں نے کمر بند باندھا۔ (تذکرۃ الاولیاء) حضرت امام احمد بن حنبلؒ ۲۸ ماہ قید رہے۔ بھاری بھاری زنجیریں اُن کے پاؤں میں ڈالیں گئیں۔ ذلیل کرنے کے لیے مجلسوں میں بلائے گئے اور لوگ اُن کو طمانچے مارتے اور منہ پر تھوکتے۔ ہر شام کو جیل خانہ سے نکال کر کوڑے مارے جاتے۔ چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئیں، اِسی عالم میں بغداد سے طرطوس لے چلے اور حکم دیا گیا بلا کسی کی مدد کے خود ہی اُونٹ پر سوار ہوں اور خود ہی اُونٹ سے اُتریں، بوجھل بیڑیوں کی وجہ سے ہل نہیں سکتے تھے، اُٹھتے تھے اور گر پڑتے تھے، عین رمضان میں بھوکے پیاسے جلتی دھوپ میں بٹھائے گئے پیٹھ پر لگاتار کوڑے مارے گئے۔ خلیفہ کہتا تھا کہ قرآن مخلوق ہے آپؒ فرماتے تھے کہ

قرآن مخلوق نہیں۔ (بحوالہ تذکرہ از ابوالکلام آزاد) حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ اپنے وطن سے نکالے گئے۔ جب ثمرقند پہنچے تو ثمرقند والے بھی اس بات پر راضی نہ ہوئے کہ وہ ثمرقند میں رہیں۔ تو آپؒ نے تہجد کی نماز میں دُعا کی کہ خُداوند دُنیا اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی ہے تُو اب مجھ کو اپنی طرف بُلا لے۔ پس انہوں نے اُسی ماہ میں انتقال فرمایا۔ حضرت بایزید بسطامی شہر بسطام سے سات مرتبہ نکالے گئے۔ سلطان العارفین حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کی بھی تکفیر کی گئی۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کو نا صرف کافر بلکہ اکفر کہا گیا بلکہ علماء زمانہ نے یہ فتویٰ دیا کہ اِن کا کُفر یہود ونصاریٰ کے کُفر سے بڑھ کر ہے۔ اس پر بھی صبر نہ کیا بلکہ ان کے کل ماننے والوں کو کافر قرار دیا۔ پھر بھی دل کی ٹھنڈک نہ ہوئی۔ تب یہ لکھا کہ جو ان کے کُفر میں شک کرے وہ کافر اور پھر جو کُفر میں شک کرنے والے کے کُفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔ حضرت مولوی جلال الدین رومیؒ، مولانا جامیؒ اور شیخ فرید الدین عطارؒ کو کافر کہنے والے مسلمان سوترہ میں ابھی تک موجود ہیں۔ حجتہ الاسلام مولانا ابو حامد غزالیؒ :مُصنّف احیاء العلوم الدین و کیمیائے سعادت کافر ٹھہرائے گئے اور اُن کی کتابوں کو جلا دینا اور اُن پر لعنت کرنا ثواب سمجھا گیا۔ ایک شخص نے امام غزالیؒ کو لکھا کہ آپؒ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے اُس کے جواب میں حضرت نے لکھا، کہ ''حاسدوں کی باتوں پر خیال نہ کر اور جاہلوں کے لعن طعن سے رنجیدہ مت ہو۔ اے برادر! ذلیل جان اُس آدمی کو جس کا لوگ حسد نہ کریں اور حقیر سمجھ اُس شخص کو جس کو لوگ کافر اور گُمراہ نہ سمجھیں۔'' آپؒ کو ستّر شہروں سے شہر بدر کیا گیا۔ (بحوالہ البدر ۱۸۔۱۱ مارچ ۲۰۱۰ء)

امام غزالی اور ابن رشد کے درمیان مذہب اور فلسفہ کی آخری علمی لڑائی لڑی گئی۔ امام غزالی نے کتاب ''تہافتہ الفلاسفہ'' لکھی جس میں سقراط، ارسطو اور دیگر یونانی مفکرین کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا اور مسلمان فلسفیوں کو جو ان کی راہ اختیار کیے ہوئے تھے انہیں اسلام کی روح بگاڑنے والا قرار دیا گیا تھا۔ (ڈاکٹر احید حسن۔ مضامین ڈاٹ کام۔ ۲۹ دسمبر ۲۰۱۷ء) امام غزالی نے اپنی اس کتاب میں فلسفہ کے ان مسائل کا رد کیا ہے جنہیں وہ شریعت سے متصادم سمجھتے تھے۔ ان کی تنقید کا نشانہ فارابی، ابن سینا، الکندی بھی بنے۔ امام غزالی کو بھی جیسا بیان کیا جا چکا ہے کہ کافر اور لعنتی قرار دینے والے بھی موجود تھے ان دنوں مذہبی اور سیاسی رسہ کشی نے مسلمانوں کو تنزلی کی جانب پوری طرح گامزن کر دیا ہوا تھا۔ بغداد میں جب باطنیوں نے نظام الملک اور ملک

شاہ کو قتل کر دیا تو امام غزالی نے باطنیہ، امامیہ اور اسماعیلیہ مکتبہ فکر کے خلاف متعدد کتابیں لکھیں۔ امام غزالی کے نظریات کی جھلک فتاویٰ رضویہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بلاشبہ امام غزالی کی کتب احیاء العلوم الدین و کیمیائے سعادت بے نظیر کتابیں ہیں۔ تصوف پر لکھی گئیں کتابیں بھی زبردست ہیں۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ امام غزالی کی وفات کے چند دہائیوں بعد اندلس کے شہر قرطبہ میں پیدا ہونے والے علم و فن کے آخری تاجدار پر کیا گزری؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ اندلس علم و ہنر کا مرکز تھا یہ اندلس ہی تھا، دو پاپائے روم نے بھی یہیں تعلیم حاصل کی تھی۔ ابن رشد (۵۲۰ھ) کا خاندان اندلس کے معزز ترین خاندانوں میں شمار ہوتا تھا، کئی پشت سے اس کے افراد قاضی بنتے چلے آ رہے تھے۔ نوعمری ہی میں ابن رشد نے حدیث، فقہ اور علم و ادب میں کمال حاصل کیا۔ بعدازاں اندلس کے سب سے بڑے طبیب ابوجعفر سے علم طب سیکھا۔ ابن باجہ سے علوم فلسفہ پر دسترس حاصل کی۔ اندلس میں اس دور میں جتنے علماء و فضلاء تھے ابن رشد نے ان کی شاگردی اختیار کی تھی۔ ۵۴۸ھ میں ابن رشد کو موحدین کے پہلے بادشاہ عبدالمومن نے ارسطو کی کتب کی شروع و حواشی لکھنے کا حکم دیا۔ اندلس میں بھی بلاد مشرق کی طرح فلسفہ کے جانی دشمن تھے فلسفی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ فلسفہ داں گمراہ ہوتے ہیں۔ سیاسی مصلحت کے باعث سلاطین بھی ان فتویٰ بازوں کا ساتھ دیتے تھے۔ حکم بن ناصر اور یوسف کے سوائے کوئی ایسا بادشاہ نہیں گزرا جس نے فلسفیوں کا جینا حرام نہ کیا ہو۔ اندلس میں مسلمان فلسفیوں کو زندیق کہا جاتا، مارا پیٹا جاتا اور بعض اوقات انہیں سنگسار کر دیا جاتا یا زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ یہاں یہ بتانا ضروری لگتا ہے کہ قارئین کو بتایا جائے کہ ابن شد نے ایک بار کہا تھا کہ Anyone who studies anatomy will increase his faith in the omnipotence and oneness of God the Almighty. ابن رشد تمام اسلامی عبادات اور رسومات کی پابندی فرض منصبی سمجھتا تھا۔ وہ نہایت باحیا، نہایت رحم دل (اس قدر رتھا کہ کبھی کسی مجرم کو سزائے موت نہیں سنائی)، کم سخن، حد درجہ پاک باز اور پابند صوم و صلوٰۃ تھا، پانچوں وقت کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کرتا تھا۔ رسول کریم ﷺ کو خاتم النبیین دل و جان سے تسلیم کرتا تھا۔ اس نے ایک بار کہا تھا کہ every prophet is philosopher but not every philosopher can be a prophet.

(بحوالہ کتاب ابن رشد از زکریا ورک۔ صفحہ ۲۸)

ابن رشد کے خلاف بھرپور مہم چلانے کے بعد بادشاہ المنصور کے جب علماء نے کان بھرے کہ ابن رشد کے عقائد خلاف شریعت ہیں تو یعقوب المنصور نے ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن رشد سمیت سب فلسفیوں کو دربار سے نکال باہر کیا اور ان کی کتب کو جلا دینے کا حکم دیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ اس قسم کی خطرناک تعلیم کی ممانعت کر دی جائے۔ بھرے مجمع میں اسے بلا کر مشرک، ملحد اور گمراہ قرار دے کر ابن رشد کو ایک یہودی بستی الیسانہ میں قید کیا گیا، اسے یہودی کہا گیا، اس کے منہ پر تھوکا گیا اور اس کی کتابیں جلا دی گئیں۔ ابن رشد نے خود کہا تھا کہ مجھے سب سے زیادہ تکلیف مجھے اس وقت ہوئی جب زمانہ اخراج میں مجھے اور میرے بیٹے عبداللہ کو جامع مسجد قرطبہ میں نماز پڑھنے نہ دی گئی، میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد سے باہر نکال دیا گیا۔ تین برس زیر عتاب رہنے کے بعد اس شرط پر اسے رہائی ملی کہ وہ جامع مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلانیہ طور پر غلطی کا اعتراف اور توبہ کرے۔ اس نے اس شرط کو مان لیا اور برہنہ سر مسجد کے دروازے پر نماز ختم ہونے تک کھڑا رہا۔ المنصور نے اس کے لیے معافی نامہ جاری کر دیا اور کچھ عرصہ بعد اسے مراکش میں قاضی بنا کر بھیج دیا۔ مگر ابن رشد بہت جلد مراکش میں فوت ہو گیا۔ تین مہینے بعد اس کی ہڈیوں کو تابوت میں بند کر کے مراکش سے قرطبہ لے جایا گیا۔ ابن عربی نے یہ نظارہ دیکھا تھا کہ گدھے کے ایک جانب تابوت تھا اور دوسری طرف ابن رشد کی کتابیں لدی تھیں۔

ابن رشد پر ایک الزام یہ تھا کہ اس نے قدیم مصنف کے یہ الفاظ نقل کیے تھے کہ ''ناہید (زہرہ) خدا ہے۔'' اور عاد قوم کا انکار۔ عورتوں کے امامت کرانے کو جائز قرار دیا، خواتین کا حکمراب بننا بھی جائز قرار دیا، حقوق نسواں کے لیے آواز بلند کی۔ بالغ خواتین کو بغیر ولی کے نکاح کی طرف داری کی اور ابن رشد نے عیسائی مذہب کے ابن رشد اور دوسرے فلسفیوں پر سختی دیکھ کر اندلس کے لوگوں نے علوم فلسفہ کو خیر باد کہہ دیا۔ آج تک امت مسلمہ غور وفکر چھوڑ کر ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔ اس آخری لڑائی میں امام غزالی بظاہر جیت گئے مگر اس جیت نے امت مسلمہ کی کامیابی، سرفرازی اور ترقی کی ہر شاہراہ بند کر دی۔ 'امام غزالی کی کتاب 'تہافتہ الفلاسفہ'' جیت گئی اور غور وفکر کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ مگر ابن رشد کی کتاب ''تہافتہ التہافتہ'' ہار کر بھی بازی جیت چکی ہے وہ اس طرح سے کہ ''تہافتہ التہافتہ'' کے مصنف ابن رشد کی کتابوں سے فائدہ اٹھانے والے مریخ تک جا پہنچے اور ان

سے فائدہ نہ اٹھانے والوں پر زمین تنگ سے تنگ ہوتی جارہی ہے اور مغربی اقوام کو امن وسکون سے جینا سکھا دیا اور فائدہ نہ اٹھانے والے آج تک بد امنی، فتنہ فساد اور مذہبی جنگ وجدل جیسے منحوس ماحول میں جی رہے ہیں۔ عیسائی مخالفت کرنے والوں نے امام غزالی کے دلائل کو بھی اپنی کتب میں جگہ دی ہے، یہودیوں نے ابن رشد کی کتب سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ عیسائی دنیا نے بھی مسلمانوں کی طرح ابن رشد کو آسانی سے قبول نہیں کیا، ڈومینکن فرقہ فلسفہ عرب کے ماہر ابن رشد اور اس کے شاگردوں کو زندیق اور ملحد سمجھتا تھا اس فرقہ کے ایک شخص نے جو کتاب لکھی اس میں پیروؤں کو بے دین اور گمراہ قرار دیا۔ ۱۲۱۵ء میں رابرٹ ڈی کارسن نے فتویٰ جاری کیا کہ ''ارسطو، ابن سینا اور دیگر فلسفیوں کی کتابیں پڑھنا پڑھانا حرام ہے۔'' اسی فرقے کے ایک شاعر گریگوری نہم نے حکم دیا کہ ''عرب فلسفہ پڑھنا قطعاً موقوف کر دیا جائے۔'' جہاں مغرب میں فلسفہ ابن رشد کے رد میں کتابیں لکھی گئیں وہیں اس کی کتابوں کے تراجم دھڑا دھڑ ہونے لگے۔ وہاں فلسفہ ابن رشد کے رد میں کتابیں لکھنے لگے۔ Dante نے بھی دنیا کے ذہین ترین لوگوں کا Divine comedy میں مذاق اڑایا ہے۔ ڈیوائن کامیڈی میں دانتے دوزخ کے حصے (Limbo) میں ایسے لوگوں کو دکھاتا ہے جو نصرانیت سے پہلے گزر چکے ہیں۔ جن میں جولیس سیزر، سقراط، افلاطون، آرفیوس وغیرہ جبکہ ظہور اسلام کے بعد کی کچھ شخصیات جنھوں نے اپنی قابلیت، ذہانت اور فہم سے علم اور تمدن کی آبیاری کی جن میں ابن سینا، ابن رشد، اقلیدس، جالینوس اور صلاح الدین ایوبی شامل ہیں۔

ابن رشد کی مخالفت آج تک کسی علم دوست نے نہیں کی، مسلمان، عیسائی مذہبی علماء نے ہی اس سے دشمنی کی۔ ابن رشد قرآن کریم، حدیث، فقہ کو خوب سمجھتا تھا۔ ابن رشد کو مئوطا مالک حفظ تھی، اسے ابوتمام اور متنبّی کا دیوان بھی حفظ تھا۔ جب ابن رشد نے امام غزالی کی کتاب کا جواب لکھا تو اس میں امام غزالی کی نسبت کہتا ہے کہ ''یہ مرتد فلسفہ، یہ احسان فراموش، اس نے تمام معلومات کو کتب ہائے فلسفہ سے اخذ کیا اور پھر انہیں بنیادوں کو لے کر ان پر جھک پڑا جو خود ان سے عاریتاً لے گیا تھا۔ غزالی نے اس لیے فلسفہ پر حملہ کیا ہے کہ اہل مذہب کو خوش کر سکے۔ اس کے ''تہافتہ الفلاسفہ'' لکھنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس کی دماغی ترکیب اپنی جگہ سے ہٹ کر بالکل اوندھی ہو گئی تھی۔ یا اس کی خواہش تھی کہ علمائے مذہب جو اسے شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے تھے، راضی کر لیا

جائے۔(غزالی نے ایک عرصے تک مذہب سے دوری اختیار کیے رکھی تھی،ادھر دھر پھرتے رہے تھے۔)علمائے مذہب ہمیشہ ہی سے فلاسفہ کے دشمن رہے ہیں اس لیے اس نے تہیہ کیا کہ پہلے ہی سے ان کی نفرت کے مقابلہ کے لیے اپنے واسطے ایک جگہ محفوظ کر لے۔''(یاد رہے امام غزالی نے فلسفہ بھی پڑھا تھا۔پھر تصوف کی طرف ان کا رجحان ہوا۔انہیں اسی پر مشقت تصوف کا بانی کہا جاتا ہے جس پر علامہ اقبال نے لفظی بمباری کی ہے۔)

(بحوالہ ابن رشد و فلسفہ ابن رشد صفحہ ۱۶۷)

ابن رشد کا سب سے بڑا جرم اس کا نظریہ صداقتین (Two Truths) ٹھہرایا گیا۔اس نظریے کی رو سے صداقتیں دو ہیں اور وہ ہیں مذہبی صداقت اور فلسفیانہ صداقت۔ابن رشد کے مطابق ان صداقتوں کو متوازی صداقتوں کی حیثیت سے قبول کر لینا چاہیے اور ان کو باہم خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔اسی نظریے کے ایک پہلو پر عمل کر کے یورپ اور دیگر مغربی ممالک میں مذہبی تنگ نظری کو دفن کر کے مادی بیش قیمت عمارت تیار کی ہے۔روحانی سنہری عمارت تعمیر نہ ہونے کی وجہ مذہب کے کرتا دھرتاؤں کا قول و عمل میں تضاد اور خدا تعالیٰ کی معرفت نہ ہونا ہے۔ابن رشد کا یہی نظریہ اگر مسلمان آج بھی اپنا لیں تو کم از کم علم و دانش اور ترقی کی شاہرہ جو صدیوں سے بند ہے کھل سکتی ہے، مذہبی گھٹن سے نجات مل سکتی ہے۔۔

مکالمہ میں اعجاز الحق اعجاز کا مضمون ابن رشد کا مجسمہ کے نام سے چھپا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:۔

''اس نظریہ سے مذہبی راسخ العقیدگی کے مقابلے میں سائنس و فلسفہ کو مغرب میں زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔کولٹن کے نزدیک یہ ابن رشد کی اثرانگیزی اس زمانے میں ویسی ہی تھی جیسی ہمارے دور میں ڈارون کی ہے۔ابن رشد کا فلسفہ پیرس کی یونی ورسٹیوں میں نصاب کا خصوصی حصہ تھا۔خاص طور پر جامعہ پادوا (Padva) ابن رشد کے فلسفے پر بحث و مباحثے کا مرکز تھی۔یہ فلسفہ عیسائی راسخ العقیدگی کے خلاف اتنا بڑا خطرہ بن کر ابھرا کہ پیرس کونسل کو ابن رشد کی کتابوں کو ممنوع قرار دینا پڑا۔مگر اس فلسفے کے آگے بند باندھنا ممکن نہ تھا۔رینان اپنی کتاب ''ابن رشد اور ابن رشدیت'' Averroism&Averroes میں لکھتا ہے کہ سولھویں صدی کے لگ بھگ یہ فلسفہ ایک طرح سے اطالیہ کا سرکاری فلسفہ بن کر سامنے آیا۔''

عصر حاضر میں مذاہب کی حالت بدترین ہو چکی ہے۔اگر مغرب میں دہریت بڑھ رہی ہے تو مشرق

میں منافقت پھیلتی ہی چلی جارہی ہے۔سچ تو یہ ہے کہ مذہب اور فلسفہ (اس میں سبھی علوم شامل ہیں) جب تک ہاتھ نہیں ملاتے تب تک دہریت اور منافقت انسانی روح کو زخمی کرتے رہیں گے۔دنیا میں جتنے بھی علوم ہیں وہ معرفت الٰہی میں اضافہ کرتے ہیں۔معرفت الٰہی جس قدر بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے محبت بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

خبر ہے کہ برطانیہ اور ویلز کی نصف سے زائد آبادی لا مذہب ہو چکی ہے۔یعنی برطانیہ میں دہریت اول نمبر پر، دوسرے نمبر پر مسلمان اور عیسائیت تیسرے نمبر پر چلی گئی ہے۔بعض لوگ دہریت کو جہالت سمجھ کر نفرت کرتے ہیں مگر حقیقت کچھ اور ہی ہے، دہریے عام طور پر بے حد ذہین ہوتے ہیں، جدید علوم سے بھی آراستہ ہوتے ہیں اور مذاہب عالم کے عقائد بھی جانتے ہیں۔عیسائیت نے دنیا کو کیا دیا؟ اس سوال پر ذرا سا تدبر کرنے سے بھی دہریوں کا مسئلہ سمجھ آ سکتا ہے۔آج کا انسان تثلیث، کفارہ اور دیگر قصے کہانیوں کو کسی صورت نہیں مان سکتا۔آج کا انسان جانتا ہے کہ چرچ کی اجارہ داری کے دور میں انسانیت کی کس طرح تذلیل کی گئی تھی، طویل مذہبی جنگیں لڑ کر اخلاقیات کا جنازہ نکالا گیا تھا، بھوتوں اور چڑیلوں کو کس طرح استعمال کیا گیا، خواتین کو اس قدر ذلیل کیا گیا کہ وہ خود کو جانور سے بھی برتر سمجھتی تھی۔کہا جاتا ہے کہ خواتین کے گلے میں رسی ڈال کر منڈیوں میں فروخت کے لیے لایا جاتا تھا۔وغیرہ وغیرہ۔آج کا انسان نہیں چاہتا کہ اس کی گردن چرچ دوبارہ دبوچ لے۔یہی وجہ ہے سارا یورپ ہی لا مذہب ہونا پسند کرتا ہے۔لا مذہب ہوتے ہی مذہبی عقائد و رسومات کا طوق گلے سے اتر جاتا ہے۔عجیب بات یہ بھی ہے کہ اکثر دہریے خدا پر یقین بھی رکھتے ہیں۔یہ عیسائیت کی بہت بڑی ناکامی ہے کہ وہ عیسائی افراد کو مطمئن نہیں کر پائی۔پادریوں کے پاس دہریوں کے کسی سوال کا جواب نہیں ہے، اگر ہوتا تو دہریت اس تیزی سے نہ پھیلتی۔

مسلمانوں کی حالت بھی کم تشویش ناک نہیں ہے۔اکثر اسلامی ممالک میں اسلام قبول کر کے چھوڑنے والوں کی سزا سزائے موت مقرر ہے اس لیے کسی بھی اسلامی ملک میں دہریت بڑھنے کی رفتار انتہائی کم ہے مگر منافقت آسمان کو چھو رہی ہے۔اسلامی تعلیمات میں مرتد کی سزا موت کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی مگر یہ تعلیم موجود ہے کہ منافق، کافر سے بدتر ہوتا ہے۔مرتد کی سزا موت قرار دینے کی غیر اسلامی وجہ بھی یہ خوف ہے کہ کہیں

مسلمان دہریہ نہ ہو جائیں۔حقیقت یہ ہے کہ سبھی فرقے بالکل اسی نوعیت کے جھگڑوں میں مبتلا ہیں جن کا آغاز بغداد میں عباسیوں اور اندلس میں امویوں کے دور میں ہوا تھا۔کتا کنوئیں میں گر جائے تو اس میں سے پانی کی کتنی بالٹیاں نکالی جائیں کہ باقی ماندہ پانی وضو کے قابل ہو جائے۔یہ وہ اہم ترین سوال تھا جو اس دور کے علماء کی توجہ کا مرکز تھا،شہادت کی انگلی کاٹنے کا فتویٰ دیا گیا،ایک دوسرے کی مساجد میں جانا جرم تھا،آمین زیرلب کہنا یا بالجہر کہنا ممنوع تھا،قرآن کے مخلوق وغیر مخلوق کہنے پر قتل کر دیا جاتا اور گھروں کو جلا دیا جاتا۔مخالفانہ نظریات ناقابل برداشت تھے۔امام اشعری،امام رازی اور امام غزالی نے اس ڈر سے کہ کہیں عقلیت پسند اسلامی عقائد، اسلامی تعلیمات کے لیے خطرہ نہ بن جائیں ہر قسم کے فلسفہ کی مخالفت کی،ہر فلسفی تحریک کو بدعتی یا الحاوی (یعنی راہ راست سے ہٹ جانے والے) قرار دے دیا گیا۔صوفی ازم نے بھی اسی دور میں بے حد اثر رسوخ قائم کیا۔جہاں تمام معروف صوفیاء کرام کا اللہ تعالیٰ سے مستقل تعلق پیدا ہوا وہاں ایسے صوفی بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کے بنیادی اصولوں سے کلیتہً اپنا تعلق توڑ لیا ان کے لیے رسمی عبادات بیکار محض تھیں۔اس طبقہ میں جلد ہی نشہ کی لت اور موسیقی نے راہ بنالی۔

سچ تو یہ ہے کہ مسلمان روحانی اور علم وآگہی کے چشمے سے بہت دور جا پڑے تھے۔علم ودانش کے آخری چراغ ابن رشد نے مسلمانوں کی راہنمائی کرنے کی کوشش کی تھی مگر اسے بھی کافر،زندیق،بے دینی کے خطاب دے کر اس سے ذلت آمیز سلوک کیا گیا۔ابن رشد کا یہ دعویٰ تھا کے علم الکلام کی بنیاد قرآن مجید ہے۔اس نے تمام مسائل کا حل قرآن کریم کو قرار دیا۔اس نے بتایا کہ:۔

''تاویل اور نصوص کے متعلق غلطیوں سے بچنے کا صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ اپنے مزعومہ اصول و دلائل کے بجائے ہر مسئلہ میں قرآن مجید کو حکم قرار دیا جائے۔یعنی یہ دیکھا جائے کہ قرآن مجید کس طرح اور کس حد تک کسی خاص عقیدہ کی تشریح کرتا ہے۔اور اس پر کس طرح دلیلیں قائم کرتا ہے۔''

مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ قرآن مجید سے دوری ہی ہے۔اسی دوری نے مسلمانوں کی اکثریت کو منافقت و جہالت کا بدنما بدبودار چوغہ پہنا دیا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیتا ہے۔مسلمانوں میں شرک کس قدر سرایت کر چکا ہے سب جانتے ہیں۔صرف جھوٹ

ہی کو دیکھ لیجیے، بے دریغ خاص و عام شب و روز بولتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت ڈالی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے سو فیصد دور ہو کر خانقاہوں اور مزاروں کو پرستش گاہ بنا رکھا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اکثر مسلمان ایک خدا کو مانتے ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی بات نہیں مانتے۔ جب بھی دہریت اور منافقت بہت بڑھ جاتی ہے تب اللہ تعالیٰ نبی مبعوث فرماتا ہے۔ اب بھی دہریت اور منافقت کا علاج صرف اور صرف نبی ہی کر سکتا ہے، اسی لیے اسلام سمیت ہر بڑا مذہب عصر حاضر میں ایک نبی کا منتظر ہے۔ یہ فیج عوج کا زمانہ ہے، اس میں وہی بچ سکتا ہے جو الٰہی حکم کے تحت تیار کی گئی کشتی نوح میں سوار ہو جائے گا۔

☆☆☆

آج کے مسلمان تو عملاً یہود سے بھی آگے گزر گئے

منہاج القرآن کے سربراہ مولانا طاہر القادری صاحب جنہیں مسیحا اور مجدد نیز شیخ الاسلام بھی کہا جاتا ہے فرماتے ہیں:۔

’’لیکن آج کے مسلمان تو عملاً یہود سے بھی آگے گزر گئے ہیں کہ اپنے گروہی، مسلکی، جماعتی اور طبقاتی مفادات کی خاطر انھیں رسول اکرم ﷺ کی تعلیم وحدت کا اتنا بھی پاس نہیں رہا کہ اسلام کی کشتی میں سوار ہر فرقہ کشتی ملت کے تختوں کو اکھاڑ اکھاڑ کر سمندر میں پھینک رہا ہے۔ اور کسی کو اتنا بھی خیال نہیں کہ اگر خدانخواستہ یہ کشتی ڈوب گئی تو وہ بھی اِس کے ساتھ غرق ہو جائیں گے۔

قول و فعل میں تضاد، منافقت، ریاکاری، تصنع، کذب و افتراء، روزمرہ معاملات میں فریب دہی، عیاری مکاری اور چالبازی نے ہماری پوری کی پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔‘‘

(فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے از ڈاکٹر طاہر القادری صفحہ ۳۳ اور ۳۹)

جناب آفتاب احمد خانزادہ صاحب لکھتے ہیں کہ ’’ کہتے ہیں سارے ملک کا بگاڑ تین گروہوں کے بگڑنے پر ہوتا ہے، حکمران جب بے علم ہوں علماء جب بے عمل ہوں اور فقرا جب بے توکل ہوں۔ ہمیں اس سچ کو مان لینا چاہیے کہ ہمارے ملک میں اب صرف بگاڑ ہی بگاڑ ہے اور ہم اپنے تمام بگاڑ کے ذمے دار خود ہیں ہم نصیب کے نہیں بلکہ نیت کے مارے ہیں اس نیت نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔‘‘

پہلی، دوسری جنگ عظیم اورلیگ آف نیشن و یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن کاکردار

معزز قارئین! جب بھی دو بڑی طاقتیں اپنے اتحادیوں سمیت میدان جنگ میں اترتی ہیں تو مرجاؤیا ماردو کا نعرہ بلند کرتی ہیں۔ دونوں اطراف سے اپنی جنگی مہم کو حق قرار دیا جاتا ہے۔قومیت ،رنگ،نسل کے کیچڑ میں لتھڑے لیڈران اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے اپنی قوموں کو حب الوطنی اورحب مذہب کے نام پر جنگ کے شعلوں میں دھکیل دیتے ہیں۔ لاکھوں زندہ جاوید لوگوں کی ہلاکت کے ذمہ دار فاتح لیڈران، لاشوں پر بیٹھ کر مفتوح قوموں کے مقدر کے سفاکانہ فیصلے کرتے ہیں جن کے اثرات عالمی طور پر مرتب ہوتے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی نے جہاں حب الوطنی کے نام پر اپنی قوم کو جنگ میں جھونکا وہیں تمام دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کو بھی برطانیہ اوراس کے اتحادیوں کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دی ،اس غرض سے اس نے چھ زبانوں میں رسائل شائع کیے یعنی عربی ،اردو، ہندی،ترک ،روسی اور جارجین۔عربی رسالے کا نام الجہاد اوررا ردورسالے کا نام ہندوستان تھا۔ان رسائل کے شائع کرنے کا مقصد دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ باور کروانا تھا کہ جرمنی حق پراور برطانیہ اوراس کے اتحادی باطل ہیں اس لیے مسلمانوں کا فرض عین ہے کہ ان باطل قوتوں کے خلاف جہاد کریں۔پہلی جنگ عظیم میں جرمنی اوراس کے اتحادیوں ترکی اوراٹلی کوشکست ہوئی۔جنگ کے خاتمے پر شکست خوردہ قوموں پر بھاری تاوان جنگ کا ناقابل برداشت بوجھ ڈالا گیااور ترکی کے ٹکڑے کرنے جیسا مقصد حاصل کرنے کے لیے یونان کوترکی کے ایک حصے پر قبضہ کروایا گیا۔کمال اتاترک نے ترکی کوتو بچالیا مگر دیگر مسلم ممالک اس کے تسلط سے نکل گئے اور ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کا سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔(جرمنی جوکہ پہلی جنگ عظیم میں ہار گیا تھااس نے اس جنگ کے تاوان کی آخری قسط ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۰ء میں ادا کردی ہے)1919ء میں معاہدہ ورسائی میں فاتح قوتوں (ریاستہائے متحدہ امریکہ، برطانیہ،فرانس اوردیگر اتحادی ممالک) نے شکست خوردہ جرمنی پر سزا کے طور پر علاقائی،فوجی اور اقتصادی پابندیاں عائد کردیں۔ مغرب میں جرمنی نے فرانس کوالسیس لورین لوٹا دیا جو 40 برس سے زیادہ عرصے تک جرمنی کے قبضے میں رہا تھا۔

علاوہ ازیں، بلجیم کو اینٹور پن اور مالمیڈی واپس کر دیئے گئے، سار کے صنعتی علاقے کو جو کوئلے کی کانوں سے بھرا ہوا ہے 15 سالوں تک لیگ آف نیشنز کے زیر انتظام رکھا گیا اور ڈنمارک کو شمالی شلیس وگ واپس کر دیا گیا۔ بالاخر رائن لینڈ کو غیر فوجی علاقہ بنا دیا گیا جس کا مطلب یہ تھا کہ جرمن فوجوں یا اُن کی حصار بندی کی مکمل ممانعت کر دی گئی۔ مشرق میں پولینڈ نے مغربی پرشیا اور سیلیسیا کے علاقے جرمنی سے واپس لے لیے۔ اس کے علاوہ چیکوسلواکیا نے جرمنی سے ھلٹشن کا ضلع حاصل کر لیا، جرمنی کا بڑا شہر ڈینزگ لیگ آف نیشنز کی حمایت سے ایک آزاد شہر بن گیا؛ اور بحر بالٹک کے قریب مشرقی پرشیا میں واقع ایک چھوٹے سے مامی نامی علاقے کو قطعی طور پر لیتھووانیا کے کنٹرول میں رکھا گیا۔ یورپ کے باہر جرمنی اپنی تمام نوآبادیوں کو کھو بیٹھا۔ مختصر طور پر جرمنی یورپ کے 13 فیصد علاقوں اور اپنی آبادی کے دسویں حصے کو (یعنی 6،5 تا 7 ملین لوگ گنوا بیٹھا)

۱۹۱۹ء میں لیگ آف نیشن بنائی گئی تھی جس کا مقصد ممالک کے درمیان تنازعات کو حل کیا جائے مگر یہ لیگ آف نیشن کوئی ایک تنازع بھی حل نہ کر سکی گو اس کے منشور میں بہت اچھی باتیں لکھی گئی تھیں۔ روس لیگ آف نیشن میں شامل نہیں تھا جب اس نے ۱۹۲۰ء میں فارس کی ایک بندگاہ پر حملہ کر دیا تو فارس نے لیگ سے مدد طلب کی مگر فارس کو کسی بھی قسم کی مدد دینے سے انکار کر دیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں یونان میں اطالوی کپتان کو قتل کر دیا گیا بدلے میں مسولینی نے یونان کے ایک جزیرے کورفو نامی پر قبضہ کر لیا تو لیگ نے مداخلت کرنا چاہی مسولینی نے لیگ سے بات تک کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جینوا چارٹر کے تحت لیگ نے اقوام عالم کو اسلحہ سے پاک کرنے کے لیے ایک کانفرنس منعقد کی جسے ایڈولف ہٹلر (۱۹۳۳ء کو جرمنی کا چانسلر بنا تھا) نے مسترد کر دیا اور اسلحے کی دوڑ اب بھی جاری ہے، فرق یہ ہے کہ اب ایٹمی اور کیمیائی ہتھیاروں کی دوڑ بھی جاری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان ہتھیاروں کو تلف کرنے کے لیے کانفرنسیں بھی منعقد ہو رہی ہیں۔

لیگ آف نیشن کے متعلق ب قدرت اللہ شہاب نے اپنی سوانح حیات ''شہاب نامہ'' میں لکھا ہے:۔

''پہلی جنگ عظیم کے بعد دنیا میں امن وامان کو فروغ دینے کے لیے لیگ آف نیشنز وجود میں آئی تھی، لیکن یہ انجمن کفن چوروں کی جماعت ثابت ہوئی اور اقوام عالم کی بہت سی قبریں آپس میں تقسیم کرنے کے بعد اس نے آرام سے جنیوا میں دم توڑ دیا۔''

پہلی جنگ عظیم کے بعد جو سفا کانہ فیصلے کیے گئے تھے ان کا نتیجہ دوسری جنگ عظیم نکلا جس میں کروڑوں لوگ مارے گئے۔ یہ جنگ برطانیہ اوراس کے اتحادیوں نے جرمنی اوراس کے اتحادیوں کے خلاف لڑی تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد سفا کانہ فیصلوں کا جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ جرمنی سب سے زیادہ شکار ہوا تھا۔ معاہدہ ورسائی کی شق ۲۳۱ کے مطابق جنگ کا ذمہ دار جرمنی کوقرار دیا گیا تھا جس کی وجہ سے بھاری تاوان جنگ بھی اسی پر عائد کیا گیا تھا۔ بحری آبدوزوں، بڑے بحری جہازوں اور فضائی فوج پر پابندی، نئی بھرتیوں پر پابندی وغیرہ وغیرہ جرمنوں کے لیے شق ۲۳۱ نا قابل برداشت اور شرمناک شق تھی۔ ہٹلر نے اعلیٰ قومیت اور غلامی سے نجات حاصل کرنے کا نعرہ لگا کر جرمن قوم کو مشتعل کیا جرمنی جو شکست کے بعد وائمار جمہوریہ بن گیا تھا ہٹلر کی آمریت ایک بار پھر مذہب اور حب الوطنی کے نام پر اپنی قوم کو جنگ کا ایندھن بننے پر قائل کرنے میں کامیاب رہی۔ ہٹلر نے تمام سفا کانہ فیصلوں کو جوتے کی نوک پر رکھ کر جرمن قوم میں جوش وخروش پیدا کر دیا۔ جرمن قوم نے ہٹلر کے ہر فیصلے کو مقدس جان کر قبول کیا۔ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی نے پولینڈ پر قبضہ کر کے دوسری جنگ عظیم کا آغاز کر دیا۔ ۱۹۴۱ء تک جرمنی نے ناروے، ڈنمارک، فرانس، یوگوسلاویہ، یونان وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہٹلر سمجھتا تھا کہ یہودیوں نے جرمنی کی معیشت تباہ کی ہے اس لیے یہودیوں کو ہلاک کر دینا چاہیے۔ اوراس سوچ پر عمل کرتے ہوئے لاکھوں یہودیوں کو دردناک طریقے سے ہلاک کر دیا گیا۔ جب جرمنی نے ۱۹۴۱ء میں روس پر حملہ کر دیا تو روسیوں نے بھی یہ خیال کیا کہ صرف حب الوطنی کے نام پر جرمنوں کو شکست دینا ممکن نہیں جیتنے کے لیے مذہب کا تڑکا دینا بھی ضروری ہے۔ اس غرض کے لیے روسی حکومت اور پادریوں کے تعلقات کچھ دواور کچھ لو کے نظریے پر استوار ہو گئے، پادریوں نے ازروئے بائبل حب الوطنی اور قومی اتحاد کا درس دینے کے بدلے میں حکومت نے ایسٹر اور دیگر مذہبی تقریبات منعقد کرنے کی آزادی اور نئے چرچ بنانے کی بھی اجازت دے دی۔ یاد رہے کہ ۱۹۱۷ء کے کیمونسٹ بالشویک انقلاب کے بعد پہلے پانچ برسوں میں ۲۸ بشپ اور ۱۲۰۰ پادری قتل کر دیے گئے تھے، جنگ عظیم اول میں چرچوں کی تعداد ۵۴۰۰ تھی جو ۱۹۴۱ء میں صرف ۵۰۰ رہ گئی تھی۔ بہرحال پادریوں کی دعاؤں اور روسی لیڈروں کی فراست نے جرمن فوجیں جو ماسکو تک پہنچ گئی تھیں پیچھے دھکیل دیا۔ ۱۹۴۲ء میں اسٹالن گراڈ میں روسی فوجیوں نے جرمنوں کو گھیر لیا، ڈیڑھ لاکھ جرمن مار دیے گئے باقیوں نے

ہتھیار ڈال دیے۔ 30 اپریل 1945ء کو جیسے ہی سوویت افواج وسطی برلن میں واقع ایڈولف ہٹلر کے بنکر کے قریب آئے، ہٹلر نے خودکشی کر لی۔ برلن نے 2 مئی 1945ء کو سوویت افواج کے سامنے ہتھیار ڈال دئے۔ جرمن افواج سے ہتھیار ڈلوانے کی قیمت دو کروڑ روسیوں کی ہلاکت تھی۔ اس جنگ میں ۶۵ لاکھ جرمن، ۱۶ لاکھ اٹلی اور دیگر یورپین اتحادی اور ۱۹ لاکھ جاپانی مارے گئے تھے۔ یہ اہم بات روس کے ضمن میں بتانا ضروری ہے کہ جنگ عظیم کے آغاز سے پہلے ہٹلر نے اسٹالن سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے۔ جس کی وجہ سے جب جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا تو دوسری طرف روس نے بالٹک ریاستوں (ایسٹونیا، لیٹویا اور لتھوانیا) پر قبضہ کر لیا۔ جب جرمنی نے بلقان ریاستوں پر قبضہ کر لیا تو روس نے بھی جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، اور ہٹلر نے بھی روس پر حملہ کر دیا تھا۔ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ امریکا کیوں اس جنگ میں کودا تھا؟ جب برطانیہ کا جرمنی بینڈ بجا رہا تھا تب جاپان کے بھی ۷ ستمبر ۱۹۴۱ء کو ۳۶۰ جنگی جہازوں نے امریکہ کے جزائر ہوائی میں پرل ہاربر Pearl Harbor کے بحری اڈے پر فضائی حملہ کر کے امریکا کے 8 بحری جہازوں کو تباہ اور نو بحری جہازوں کو شدید نقصان پہنچانے کے علاوہ ۱۸۸ امریکی جنگی جہازوں کو تباہ کر دیا۔ اس حملے میں 2403 امریکی فوجی اور 68 شہری ہلاک ہوئے تھے۔

James Rusbridger نے اپنی کتاب Betrayal at Pearl Harbor (پرل ہاربر کی غداری) میں لکھا ہے کہ:۔

''برطانوی وزیراعظم ونسٹن چرچل کو جاسوسی اداروں نے پرل ہاربر پر جاپانیوں کے حملے کی پیشگی اطلاع دے دی تھی مگر چرچل نے اسے امریکی صدر روزویلٹ سے چھپا کر رکھا تا کہ امریکہ کو بھی جنگ میں شامل ہونا پڑے۔''

اور جاپانی حملے کے بعد امریکا بھی جنگ میں کود پڑا۔ چار دن بعد جرمنی نے بھی امریکا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ جرمنی کا روس پر حملہ اور جاپان کا امریکا پر حملہ فاش غلطی ثابت ہوا، ان دونوں نے جرمنی کا سینڈوچ بنا دیا۔ اگر امریکا اس جنگ کا حصہ نہ بنتا تو برطانیہ یقینی طور پر جرمنی کے قبضہ میں چلا جاتا۔ امریکا اور برطانیہ کی فوجوں نے شمالی افریقہ میں بھی جرمنی کو بدترین شکست سے دوچار کر دیا۔ جرمن افواج نے مغرب میں 7

مئی اور مشرق میں 9 مئی 1945ء کو غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دئے۔ یورپ کی فتح کا 8 مئی 1945ء کو اعلان کر دیا گیا۔ مسولینی کو پھانسی دے دی گئی۔ جرمن اتحادی جاپان اگست تک لڑتا رہا، ۶ اگست کو امریکا کی جانب سے ہیروشیما پر ایٹم بم گرایا گیا، نو اگست کو ناگاساکی کو ایٹم بم سے تباہ کر دیا گیا۔ ۱۴ اگست کو جاپان نے بھی ہتھیار ڈال دیے اور ایک خوفناک جنگ کا دردناک طریقے سے خاتمہ ہوگیا۔ بلاشبہ اس جنگ کا باعث جرمنی پر لگائی گئی سخت پابندیاں ایک اہم سبب تھیں۔

دوسری عالمگیر جنگ دوم کے بعد بہت کچھ بدل گیا۔ جرمنی، جاپان اور اٹلی جمہورت پسند ہو گئے، فرانس، جرمنی اور برطانیہ دیوالیہ ہو گئے، فرانس، برطانیہ کے زیر تسلط ممالک آزاد ہو گئے۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ دنیا کا نقشہ ہی تبدیل ہوگیا۔ روس نے مشرقی یورپین ممالک اور مشرقی جرمنی پر اجارہ داری کر کے ان میں کیمونزم نافذ کر دیا، اور امریکا، برطانیہ اور فرانس نے مغربی یورپ اور مغربی جرمنی کو اپنے تحت کر کے انہیں جمہوریت کا تحفہ دے دیا۔ جنگ عظیم دوم میں اتحادیوں کی فتح اور امریکا کا ایک غالب عالمی قوت کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آنا موجودہ بین الاقوامی سیاسی منظرنامے کو تبدیل کرنے کا باعث بنا۔ اور روس اور امریکہ کے درمیان سرد جنگ کا آغاز ہوا۔

جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد لمبی بحث وتمہید کے بعد دنیا کو آئندہ لڑائیوں سے مکتی دلانے کے لیے ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء اقوام متحدہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ہر سال ۲۴ اکتوبر کو اقوام متحدہ کے منشور کے نافذ العمل ہونے کی سالگرہ کی یاد تازہ کرنے کیلئے تمام ممبر ممالک اس دن کو مناتے ہیں۔ یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن (اقوام متحدہ) کا نام امریکہ کے سابق صدر فرینکلن ڈی روز ویلٹ نے تجویز کیا تھا۔ ابتداء میں اس ادارے کے صرف ۵۱ ممالک ممبر تھے بعد میں ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور اب دنیا کے ۱۹۳ ممالک اس کے رکن ہیں۔ سلامتی کونسل کے 15 ارکان ہیں، ان میں پانچ مستقل ارکان ہیں (چین امریکہ، روس، برطانیہ اور فرانس) باقی ارکان کو ایک علاقائی ترتیب کے مطابق جنرل اسمبلی منتخب کرتی ہے۔ پانچ مستقل ارکان کے پاس ویٹو پاور ہے جسے یہ ارکان ہمیشہ عدل کی بجائے اپنے ریاستی مفادات کی حفاظت کے لیے اس طاقت کو استعمال کرتے ہیں۔

یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن کے منشور کی تمہید میں درج ہے کہ ہم اقوام متحدہ کے ممبروں نے ارادہ کیا

ہے کہ آنے والی نسلوں کو جنگ کی لعنت سے بچائیں گے۔انسانوں کے بنیادی حقوق پر دوبارہ اعتقاد کریں گے اور انسانی اقدار کی عزت اور قدر و منزلت کریں گے۔ مرد اور عورت کے حقوق یکساں ہوں گے۔ اور تمام قوموں کے حقوق یکساں ہوں گے۔ ایسے حالات پیدا کریں گے کہ عہد ناموں اور بین الاقوامی آئین کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو نبھایا جائے۔ آزادی کی ایک وسیع فضا میں اجتماعی ترقی کی رفتار بڑھے اور زندگی کا معیار بلند ہو۔ لہٰذا، یہ مقاصد حاصل کرنے کیلئے: رواداری اختیار کریں۔ ہمسایہ کے ساتھ پرامن زندگی بسر کریں۔ عالمی امن اور تحفظ کی خاطر اپنی طاقت متحد کریں نیز اصولوں اور روایتوں کو قبول کر سکیں اس بات کا یقین دلائیں کہ مشترکہ مفاد کے سوا کبھی طاقت کا استعمال نہ کیا جائے۔ تمام اقوام عالم اقتصادی اور اجتماعی ترقی کی خاطر بین الاقوامی ذرائع اختیار کریں۔

معزز قائین! اتنی اچھی اچھی باتیں اقوام متحدہ کے منشور میں درج تو ہیں مگر عالمی منظر نامے میں ہمیں یہ باتیں عملی طور پر کہیں دکھائی نہیں دیتیں۔ اقوام متحدہ کے متعلق جناب قدرت اللہ شہاب اپنی کتاب شہاب نامہ میں درست لکھتے ہیں کہ:۔

''دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ کی تنظیم نو یواین او نے جنم لیا۔اس ادارے کا رہنما اصول جس کی لاٹھی اس کی بھینس ہے۔ جب کوئی لاٹھی والا طاقتور ملک جارحیت سے کام لے کر کسی چھوٹے اور کمزور ملک کی بھینس زبردستی ہنکا کر لے جاتا ہے تو یواین او فوراً جنگ بندی کا اعلان کر کے فریقین کے درمیان سیز فائر لائن کھینچ دیتی ہے۔ جنگ بندی کے خط پر یواین او کی نامزد فوج اور مبصر متعین ہو جاتے ہیں۔ جو اس بات کی خاص نگہداشت رکھتے ہیں کہ مسروقہ بھینس دوبارہ اپنے ملک کے پاس واپس نہ پہنچنے پائے۔ اس کے بعد یہ سارا معاملہ جنرل اسمبلی اور سکیورٹی کونسل کی قراردادوں میں ڈھل ڈھل کر نہایت پابندی کے ساتھ یواین او کے سرد خانوں میں جمع ہوتا رہتا ہے۔''

گذشتہ 76 برسوں میں ڈھائی سو سے زیادہ جنگیں ہو چکی ہیں۔ کچھ جنگوں کا حال پیش خدمت ہے۔

کورین جنگ (1950-1953) کے دوران بارہ لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ 1975 سے لے کر سنہ 1979 کے درمیان کمبوڈیا میں خمر روگ (انتہا پسند تنظیم کا نام) کے دور میں ہونے والی نسل کشی میں ایک اندازے

کے مطابق، بیس لاکھ کے قریب افراد ہلاک ہوئے۔ باوجود اس کے کہ خمر روگ بدترین قسم کی نسل کشی کی ذمہ دار تھی، اقوام متحدہ نے اُس کی قانونی حیثیت کو جائز قرار دیا ہوا تھا۔ اگر ویتنام کمبوڈیا پر حملہ کر کے خمر روگ کو ختم نہ کرتا تو نہ جانے مزید کتنے معصوم لوگ نسل کُشی کا شکار ہوتے۔ ویتنام اور فرانس کے درمیان آٹھ برس طویل جنگ ہوئی جو فرانس کی شکست پر منتج ہوئی۔ ۵۸ ہزار فرانسیسی اور ۵۵ ہزار ویتنامی ہلاک ہوئے۔ اور بعدازاں امریکا بیس برس ویتنام میں لڑتا رہا۔ اس جنگ میں ویتنام کے تقریباً اکتیس لاکھ اور امریکا کے ۵۵ ہزار فوجی اور عام شہری ہلاک ہوئے۔ مشرقِ وُسطیٰ میں فلسطین کا اسرائیل سے تنازع آج بھی ایک سلگتی ہوئی آگ ہے جس میں اکثر و بیشتر چنگاریاں نکلتی رہتی ہیں۔ کشمیر مسئلے پر پاکستان اور بھارت کے درمیان تین جنگوں میں اور بھارتی فوجیوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے زائد ہو چکی ہے۔

روانڈا میں ۱۹۹۴ء میں ہُوتو قبائل کے افراد نے انتہائی بے دردی سے ٹُوتسی قبائل کے دس لاکھ افراد کو صرف سو دنوں میں قتل کر دیا تھا۔ 1995ء میں سربیرینیکا، بوسنیا میں اقوام متحدہ کی ایک بٹالین کی اقوام متحدہ کے اعلان کردہ 'فری زون' میں موجودگی کے باوجود آٹھ ہزار مسلم شہری سربوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ یوگوسلاویہ میں کل ڈھائی لاکھ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ روہنگیاہ مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ ہمیشہ انسانیت کا منہ چڑاتا رہے گا۔ سنہ 2003 میں امریکہ کی جانب سے عراق پر حملہ، جس کی (ادارے کے سابق سیکرٹری جنرل کوفی عنان سمیت بہت سے لوگوں کی نظر میں) کوئی قانونی حیثیت نہیں تھی اور سلامتی کونسل کی اجازت کے بغیر تھا، میں کم ازکم پانچ لاکھ افراد مارے جا چکے ہیں۔ عراق کے بعد لیبیا، شام اور یمن میں لاکھوں افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور مسائل یوں کے توں ہیں، ہلاکتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ افغانستان وہ بدقسمت ملک ہے جسے پہلے روس نے بعدازاں امریکہ نے تباہ و برباد کیا، اور دونوں بار پاکستان، امریکا کا اتحادی تھا۔ اب تک کم و بیش ۲۷ لاکھ افغانی ہلاک کیے جا چکے ہیں، اور افغانی جنونیت اور تحریک طالبان کم و بیش ایک لاکھ پاکستانیوں کو ہلاک کر چکی ہیں۔ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا دہشت گردوں کے لیے جنت بن چکی ہے۔ مذہبی، سیاسی اور معاشی دہشت گردی کروڑوں افراد کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینک چکی ہے۔ کم ازکم ایک ارب افراد کو ایک وقت کا پیٹ بھر کھانا نصیب نہیں ہوتا اور مزید ایک ارب افراد کو ایک وقت کا کھانا میسر ہے۔ کم ازکم تیس لاکھ

پانچ سال سے کم عمر کے بچے بھوک سے سالانہ مرجاتے ہیں۔ بھوک سے دنیا بھر میں سالانہ کم از کم ایک کروڑ بیس لاکھ لوگ مرجاتے ہیں۔ بیماریاں ترقی پذیر اور غریب ترین اقوام کو نگل رہی ہیں۔ اقوام متحدہ ان تمام حالات پر قابو پانے میں مکمل طور پر ناکام ثابت ہوئی ہیں۔

روس اور یوکرین کی جنگ تیسری عالمی جنگ کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔ اور اگر ایسا ہوا تو اس کی اولین ذمہ دار اقوام متحدہ ہوگی اور سلامتی کونسل کے ویٹو پاور رکھنے والے ممالک ہوں گے جنہوں نے اقوام متحدہ کو اپنا زرخرید غلام بنا رکھا ہے اور اقوام عالم کو دھوکا اور غیر منصفانہ فیصلوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔ اس ضمن میں قاہرہ یونیورسٹی کے احمد مدہت اپنی کتاب ''ایک تنقیدی تجزیہ'' میں لکھتے ہیں:۔

''اقوام متحدہ کے تمام مسائل کا کلیدی حل اور اقوام متحدہ کے داغدار بین الاقوامی امیج کو بہتر بنانے کی کنجی پانچ مستقل ارکان کے ہاتھ میں ہے۔ سلامتی کونسل میں اصلاحات اور دیگر اصلاحاتی قراردادوں کے مسودوں کو پرعمل درآمد کے لیے سنہری کلید بگ فائیو کے پاس ہے کیونکہ ان قراردادوں کو منظور کرنے اور ضرورت پڑنے پر چارٹر میں ترامیم کے لیے ان کی منظوری ضروری ہے۔''

''اقوام متحدہ کی کارکردگی موجودہ عالمی چیلنجز کی روشنی میں مزید لکھتے ہیں کہ:۔

''اقوام متحدہ ایک بیمار جسم بن چکا ہے، خاص طور پر آخری دہائی کے دوران مستقل اراکین کے اقدامات کی وجہ سے، جو نہ مرتا ہے اور نہ کبھی ٹھیک ہوتا ہے۔ فی الحال صرف دو ممکنہ راستے ہیں جن کے اپنے اپنے ممکنہ اثرات ہیں۔ لیکن ان میں کسی کا انتخاب انہی مستقل ارکان کو کرنا ہوگا۔ ایک راستہ یہ ہے کہ سیاسی قوت ارادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عالمی طاقتیں اپنے تصادموں اور مفادات کو الگ کرتے ہوئے دنیا اور غیر مستحکم علاقوں اور خانہ جنگیوں میں مصیبت زدہ اقوام کا احساس کریں اور دوسرے ممالک اور اقوام متحدہ کے ساتھ قدم بقدم بحرانوں کا خاتمہ کریں اور ایک روشن مستقل کے نقیب بنیں۔''

''دوسرا مایوس کن راستہ ان طاقتوں کا اپنا تکبر جاری رکھنا ہے، جس کا مطلب اقوام متحدہ کے پہلے سے کمزور ہوتے ہوئے ادارے کو مسمار کرنا اور تنازعات اور مسائل کو مزید خراب کرنا ہے۔ لیکن پانچ مستقل ارکان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر انھوں نے موخر الذکر راستے کا انتخاب کیا تو وہ اس کی بھاری قیمت ادا کریں گے اور یہ

طاقتیں قلیل مدتی فوائد حاصل کرنے کے لیے، جلد یا بدیر اپنے اعمال کے غیر منصفانہ اور برے اثرات کا خود بھی شکار ہوں گی۔''

اقوام متحدہ کے دوسرے سیکریٹری جنرل ڈاگ ہیمر سکولڈ نے ایک موقعہ پر کہا تھا کہ:۔

'' اقوام متحدہ 'انسانیت کو جنت میں لے جانے کے لیے نہیں، بلکہ انسانیت کو جہنم سے بچانے کے لیے بنایا گیا ہے۔''

معزز قارئین! اگر کسی کو دنیا جنت نظیر لگ رہی ہے تو یقیناً اس کی دماغی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ ۶۹ سالہ اقوام متحدہ کی تاریخ ہمیں صاف بتا رہی ہے کہ اقوام متحدہ کے دوسرے سیکریٹری جنرل ڈاگ ہیمر سکولڈ نے غلط کہا تھا، اصل بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ آرگنائزیشن انسانیت کو جنت میں لے جانے کے لیے نہیں بلکہ انسانیت کو جہنم میں لے جانے کے لیے بنائی گئی تھی۔''

تیسری جنگ عظیم اگر ہوئی تو اس کے ذمہ دار سو فیصد بگ فائیو ہوں گے۔

''مولانا'' (حبیب جالبؔ)

بہت مَیں نے سنی ہے آپ کی تقریر مولانا
مگر بدلی نہیں اب تک مری تقدیر مولانا
خدارا شکر کی تلقین اپنے پاس ہی رکھیں
یہ لگتی ہے میرے سینے پہ بن کر تیر مولانا
نہیں مَیں بول سکتا جھوٹ اس درجہ ڈھٹائی سے
یہی ہے جرم میرا اور یہی تقصیر مولانا
حقیقت کیا ہے یہ تو آپ جانیں یا خدا جانے
سنا ہے جمی کارٹر آپ کا ہے پیر مولانا
زمینیں ہوں وڈیروں کی مشینیں ہوں لٹیروں کی
خدا نے لکھ کے دی ہے یہ تمہیں تحریر مولانا
کروڑوں کیوں نہیں مل کر فلسطیں کے لیے لڑتے
دُعا ہی سے فقط کٹتی نہیں زنجیر مولانا

ہوائی جہاز میں نماز

کراچی ہوائی اڈے پرعین فجر کے وقت ٹرکش ائر لائن کا جہاز اڑان بھرنے کے لیے تیار کھڑا تھا، جونہی پائلٹ نے اعلان کیا کہ ہم استنبول کی جانب سفر شروع کرنے لگے ہیں، اچانک جہاز میں کچھ لوگ کھڑے ہوگئے، ان میں سے ایک شخص نے اذان کہنا شروع کردی۔عجیب منظر تھا جہاز رینگ رہا تھا، جہاز کا عملہ نام نہاد مئوذن کو بٹھانے کی کوشش میں مصروف تھا اس شخص نے اذان اٹھک بیٹھک میں مکمل کی، جہاز رک چکا تھا، اب باجماعت نماز فجر ادا کرنے کے لیے درجن بھر افراد کھڑے ہوگئے، عملے کے افراد انہیں زبردستی بٹھاتے اور وہ پھر کھڑے ہوجاتے، اسی شور شرابے میں ان ریا کار افراد نے نماز مکمل کی۔اور بیس منٹ کی تاخیر سے جہاز روانہ ہوا۔جہاز میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، چند بزرگوں نے ان ریاکاروں کو بتایا بھی کہ نماز سیٹ پر بیٹھ کر بھی ادا ہوسکتی ہے، مگر یہ باز نہیں آئے۔کچھ غیر مسلم مسافر ہنستے رہے اور چند خوفزدہ بھی دکھائی دے رہے تھے۔

اس ضمن میں جناب حبیب خواجہ صاحب لکھتے ہیں:۔

کچھ عرصے سے یورپ کی گلیوں، پارکوں، مارکیٹوں، ائیرپورٹوں یا کسی بھی ایسے عوامی رش کے مقامات پر کچھ توجہ حاصل کرنے کے بھوکے(attention seeker type)لوگ کہیں بھی عام لوگوں کے بیچ نیت باندھ کر نماز پڑھنے لگتے ہیں۔شاید آزادی کے اس غلط استعمال پر وہ فخر محسوس کرتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ اس کی ویڈیو بنا کر اس فعل کو مزید گلیمرائز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔حالانکہ ان مقامات پر ایک طرف، الگ تھلگ، کچھ علیحدہ جگہیں بھی ہوتی ہیں، جہاں آسانی سے کسی کو تنگ کئے بغیر، اور اپنے کسی مذہبی ہرج کے بغیر بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے، مگر یوں انہیں اپنی آزادی کا کیسے معلوم ہو؟ یا ان کی وڈیو بھلا کیسے وائرل ہو؟

جہاز کے اندر کی وڈیو بھی دیکھ رکھی ہے، جہاں شدید قسم کے موذی ایمان والوں کو نماز کا زور آیا ہوتا ہے تو باقی کے غیر مسلم لوگ ایک طرف دبکے ہوئے سہمے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں، حالانکہ جہاز کے اندر نماز نشست پر بھی ادا ہوسکتی ہے، مگر تنگڑے اور شرارتی ایمان والوں کا کیا کہیے۔ہم خود ہی بیل کو بلاتے ہیں کہ آ ہمیں مار! اور ایسا سب کچھ کرتے ہیں، جو اپنے ملک میں بھی نہیں کرسکتے، مگر جب جواب آتا ہے تو پھر ہمیں اسلاموفوبیا

یاد آ جاتا ہے نماز گھروں یا مساجد میں ہی پڑھنی چاہیے، چوکوں چوراہوں اور مصروف مرکزی کاروباری مقامات پر تو اسلامی ممالک میں بھی نماز نہیں پڑھی جاتی، تراویح تو دور کی بات ہے۔اللہ اسلام کو ایسے مسلمانوں سے بچائے، دنیا کو ایسے لوگوں کے فتنے سے بچائے۔آمین۔ (بشکریہ مکالمہ March 2023.30)

مسلمان دنیا میں پہلا چھاپہ خانہ اور مولوی

مسلمان دنیا میں سب سے پہلا چھاپہ خانہ ۱۵۸۷ء میں چھاپہ خانہ کی ایجاد کے تقریباً ۱۵۰ سال بعد لگایا گیا۔مگر ترکی کے شیخ الاسلام نے اسے شیطانی مشین قرار دے دیا اور کہا کہ اس مشین پر قرآن مجید اور احادیث چھاپنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔سلطان مراد سوم کے منت سماجت کرنے پر شیخ الاسلام نے یہودی اور عیسائی لٹریچر چھاپنے کی اجازت دے دی۔شیخ الاسلام کے اس منحوس فتوے کے ۱۴۰ سال بعد سلطان احمد سوم کے دور میں محمد سعید نامی ایک بہادر شخص نے شیخ الاسلام کے فتوے سے بغاوت کرتے ہوئے ''اصول الحکم فی نظام الامم'' کے عنوان سے عربی زبان میں ایک کتاب شائع کروادی۔مولویوں نے گلی بازاروں میں طوفان بدتمیزی اور کفر کفر کا وہ شور بلند کیا کہ شیطان بھی شرما گیا ہوگا۔اس بہادرانہ بغاوت کی سزا کے طور پر سلطان احمد سوم کو برطرف کر دیا گیا اور وزیر اعظم محمد ابراہیم اور نیول چیف کو قتل کر دیا گیا۔محمد سعید اور اس کے باپ کو ملک سے فرار ہونا پڑا۔سلطنت عثمانیہ کے اٹھائیسویں سلطان، سلطان سلیم کا فوج کو جدید خطوط پر استوار کرنا مولویوں کی نظر میں کافرانہ اقدام ٹھہرا اور اسے اس کی پاداش میں جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔تیسویں ترکی کے سلطان محمود نے جدید طب اور سرجری وغیرہ پر اپنی توجہ مرکوز کی اور مقامی ڈاکٹروں کی تربیت کے لیے یورپ سے اس شعبے کے ماہرین کو بلایا۔چیچک کی ویکسین ایجاد ہونے پر سلطان محمود نے بچوں کو چیچک سے بچاؤ کے لیے ٹیکے کرائے۔سٹیم انجن سے چلنے والی کشتیاں اور کوٹ اور پتلون متعارف کروائے۔ان تمام شاندار اور عظیم اصلاحات کو نام نہاد مذہب کے ٹھیکیداروں نے غیر اسلامی اور کافرانہ اقدام قرار دے ملک کو دارالفساد بنا دیا۔چیچک کے ٹیکے کے متعلق کہا گیا کہ یہ کافرانہ عمل اور قدرت کے کام میں مداخلت ہے۔سلطان عبدالحمید نے بھی کچھ اچھے کام کرنے کی کوشش کی مگر مولویوں نے ایک نہ چلنے دی۔انہوں نے سیکولر عدالتیں، مدارس کی جگہ اسکول اور غیر مسلموں کو برابری کے حقوق وغیرہ جیسے اہم معاملات پر کام شروع کیا تو انہیں مولویوں نے آڑے ہاتھوں لیا۔جب جنگ عظیم اول ہوئی تو ترکی میں حکمران نااہل تھے، تمام ادارے کرپٹ تھے، معاشرہ بے حس تھا اور مولوی حضرات نفاق اور شیطان کا شکار تھے۔ترکی بربادی کے دہانے پر اور یورپ اسے ہڑپ کر جانے کے درپے تھا اور مولوی حضرات ایک دوسرے کو کافر کافر کہہ کر پکار رہے تھے، مسجدوں میں لڑائی روزمرہ کا معمول تھا، ایک مکتبہ فکر کے لوگ دوسرے مکتبہ فکر کے طالب علم سے ہاتھ تک نہ ملاتے تھے اور یہاں تک کہ ایک دوسرے کے اشاعت گھر سے شائع ہونے والے قرآن مجید تک نہیں خریدتے تھے۔

روس کی یوکرین پر چڑھائی کے اسباب و نتائج!

کم وبیش بیس سال تک روس کی یوکرائن سے بات چیت اس موضوع پر ہوتی رہی کہ یوکرین، یورپی یونین اور نیٹو میں شمولیت کا ارادہ ترک کردے اور اپنی غیر جانب دارانہ پالیسی بنائے۔ مگر یوکرین، یورپی یونین اور نیٹو کی درازریشمی زلفوں کا اسیر ہوکر ہوش وہواس کھوبیٹھا تھا، یہ بھی بھول چکا تھا کہ ۱۹۹۱ء میں وہ سوودیت یونین کی قید سے آزاد ہوا تھا اور اپنی بے وجہ بلند پروازی کی بدولت ۲۰۱۴ء میں کریمیا نامی صوبہ بھی گنوا چکا تھا۔ آخر کار ۲۴ فروری کو روس نے یوکرین کے دل ودماغ سے یورپ اور نیٹو کا بخارِ عشق دور کرنے کے جنون میں مبتلا ہوکر اس کو بارودی انجکشن لگانے شروع کیے جو کہ صبح، دوپہر، شام اور رات کو بھی تاحال دیے جارہے ہیں۔ علاج عشق شروع ہونے کے دودن بعد ہی یوکرین کے دوصوبے آزاد جمہوری ریاستوں میں تبدیل ہو چکے تھے جنہیں روس نے فوراً تسلیم بھی کرلیا۔ ڈیڑھ ہزار سے زائد شہری مرواکر، یوکرین کے کھنڈر بن جانے اور تین ملین افراد کی ہجرت کے بعد یورپ اور نیٹو سے عشق کا نشہ بھی ہرن ہو چکا ہے مگر شاید ابھی یوکرین کو امید ہے کہ اس کے محبوب اسے بچالیں گے۔ یوکرینی صدر نیٹو، امریکا اور یورپی یونین وغیرہ کی دن رات منت سماجت کرتا رہا ہے کہ افواج بھیج کر اپنے عاشق کی مدد کرو مگر سب نے کہہ دیا ہم کسی صورت میں بھی اپنی افواج نہیں بھیجیں گے، خود ہی لڑو ہاں ڈالر اور ہتھیار جتنے چاہو گے ملیں گے۔ روس، یوکرین جنگ کا سبب تو یہی لگتا ہے جو بتایا جاچکا ہے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ روس کو یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ یوکرین کی یورپ، امریکا سے بڑھتی ہوئی قربتیں روس کی سلامتی کے لیے خطرہ بن سکتی ہیں۔ یوکرین، روس سرحد میزائل پیڈ بن جائے گی۔

مغربی ممالک کا اتحاد بھی قابل دید ہے۔ کاش اگر اسی اتحاد کا مظاہرہ مشرقی ممالک بھی کرتے تو عراق، لیبیا، شام اور افغانستان میں کروڑوں لوگ نہ مرتے۔ جنگ عظیم دوم کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ جنگ نے یورپ کے دروازے پر دستک دی ہے۔ اور اس جنگ کو شعلوں میں تبدیل کرنے کا سہرا امریکا اور برطانیہ کے سر پر سجایا جاسکتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر اسرائیل داد کا مستحق ہے کہ اس نے سانپ بھی ماردیے اور اپنی لاٹھی بھی

ٹوٹنے سے بچالی۔کہا جاتا ہے کہ یہودی خود پر کیے جانے والے مظالم کو کبھی نہیں بھولتے۔تاریخ کے پنوں پر لکھا ہے کہ نازیوں نے جو جرمن ہونے کے علاوہ عیسائی مذہب سے بھی تعلق رکھتے تھے،ساٹھ لاکھ یہودیوں کا بے دردی سے قتل عام کیا تھا۔ہے ناں یہ مزے کی بات کہ اسرائیلی وزیراعظم نے ناصرف روسی حملے کی مذمت نہیں کی بلکہ روس کے خلاف امریکا کی امارت میں بننے والے اتحاد نے جو روس کے خلاف پابندیاں لگائی ہیں انہیں بھی تنقید کا نشانہ یہ کہہ کر بنایا ہے کہ ان پابندیوں کی وجہ سے اسرائیل کے مفادات کو چوٹ لگ سکتی ہے،شام میں ایرانی اور لبنان میں حزب اللہ اسرائیل کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔اور ساتھ ہی یہ کہنا بھی نہیں بھولے کہ اگر یہ جنگ مزید پھیل بھی جائے تب بھی وہ روس پر پابندیاں لگانے والے ممالک میں شامل نہیں ہوگا۔یوکرین کو کسی صورت بھی کسی بھی قسم کے ہتھیار اسرائیل نہیں دے گا۔ہاں کمبل،ادویات،سونے کے لیے بیگ،ٹینٹ اور پانی صاف کرنے کے لیے فلٹر دے گا۔President Volodymyr Zelensky کئی بار اسرائیل سے ہتھیار مانگ چکے ہیں اور ہر بار انہیں شرمندگی اٹھانی پڑی ہے۔ایک اور بات بھی بہت دلچسپ ہے وہ یہ کہ چیلسی فٹ بال کلب کے ارب پتی یہودی مالک abramovich پر بھی پابندی لگائی گئی ہے،ایک اور ارب پتی یہودی بینکر Mikhail Fridman پر بھی پابندی عائد کی ہے یہ برطانیہ میں رہتا ہے اور اس کی شہریت اسرائیل ہے۔اسرائیلی وزیرخارجہ Yair Lapid نے یورپ اور امریکا کو خبردار کیا ہے کہ روسی یہودی ارب پتیوں پر پابندیوں سے باز رہے کیونکہ ان امیر یہودیوں کے اسرائیل میں بھی مفادات ہیں۔یادرہے جب روس کریمیا میں داخل ہوا تھا تب بھی اسرائیل صرف تماشا دیکھتا رہا بغیر ایک سینٹ خرچ کیے،امریکا اور یورپ کی اتنی جرآت بھی نہیں تھی کہ یہ کہہ سکتا ''میاں اسرائیل کچھ تو حصہ ڈالو بہت نہیں تو تھوڑا سا۔''

معزز قارئین! ایک لفظ ہے hypocrisy جسے اردو میں منافقت کہتے ہیں اور ایک دوسرا لفظ ہے double standards جسے اردو میں دوغلا پن کہتے ہیں۔جب سے دنیا بنی ہے تب سے فلک نے اتنے منافق اور دوغلے انسان نہیں دیکھے ہوں گے جتنے اس وقت دنیا میں رینگ رہے ہیں اور ان کے double standards اور hypocrisy کی بدولت ہر سال کروڑوں انسان بھوک، جہالت اور بیماری سے مر رہے ہیں۔اسرائیل فلسطینیوں، شامیوں، لبنانیوں وغیرہ کے علاقوں پر مدت سے قابض ہے، ہندوستان کشمیریوں

کے لہو سے ہولی کھیل رہا ہے، افغانستان کو تباہ و برباد کر کے کئی ملین انسان قتل کر کے امریکا صاحب بہادر چلے گئے، تین ملین افغانی تیس برس سے پاکستان میں بنے کیمپوں میں رل رہے ہیں، برما میں روہنگیا لوگ کیڑوں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں، یمنی عوام گزشتہ پانچ برس سے مرمر کر جی رہے ہیں، شام کھنڈر بنایا جا چکا ہے، لبیا اور عراق کا بھی بینڈ بجایا جا چکا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

معزز قارئین! کیا جس طرح کی ساڑھے پانچ ہزار پابندیاں اب روس پر لگائی گئی ہیں ان کی نظیر پہلے کبھی دیکھی ہے؟ کیا یہ پابندیاں لگانے والے دودھ کے دھلے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اس سے بھی زیادہ روس پر پابندیاں لگائی جائیں تاکہ معصوم عوام کو درندگی سے بچایا جا سکے۔ مگر صرف روس پر ہی نہیں بلکہ ہر ظالم ملک پر پابندیاں لگائی جائیں۔ ذاتی طور



پر یہ عاجز سمجھتا ہے کہ اقتصادی پابندیاں مسائل کا حل نہیں ہو سکتیں وہ اس لیے کہ ان کے نتیجے میں اتنے لوگ جنگ میں نہیں مرتے جتنے بھوک اور بیماری سے مر جاتے ہیں، اور ان اقتصادی پابندیوں سے ظالم ملک ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ پابندیاں لگانے والے ہی زیادہ تکلیف اٹھاتے ہیں۔ جنگ وہ برائی ہے جس کے بطن سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے جنگ کا علاج بھی جنگ ہی سے ممکن ہے۔ ہم گزشتہ پینتیس برس سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک بھی جنگ ایسی نہیں ہوئی جس میں امن قائم کرنے کے لیے انصاف کے تقاضے پورے کیے گئے ہوں۔ بلا شرکت غیر واحد سپر پاور نے یکطرفہ طور پر کمزور ممالک سے جنگیں لڑیں اور کم و بیش ایک کروڑ افراد مارے گئے۔ اقوام متحدہ، یورپی یونین اور نیٹو بھی واحد سپر پاور کے آلہ کار بنے رہے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اب پہلی مرتبہ روس نے سپر پاور، یورپین یونین اور نیٹو کو للکارا ہے، صرف للکارا ہی نہیں بلکہ یوکرین میں اپنی افواج بھیج دی ہیں۔ حالات کا مشاہدہ بتا رہا ہے کہ مشرق اور مغرب ایک دوسرے کے مقابل سینہ تانے کھڑے

ہیں۔بدقسمتی کی بات ہے کہ دنیا میں ایک بھی طاقتور ملک ایسا نہیں ہے جس کے سربراہ کا دماغ بھی پختہ ہو۔ ایک بھی ایسا عالمی لیڈر نہیں ہے جو ایک چھوٹے سے بحران کا حل نکال سکے اور یا کم از کم سچ ہی بولے۔ یہ بدقسمتی کی بات نہیں تو اور کیا ہے کہ سپر پاور امریکہ اور اس کے اتحادی سرد جنگ کے بعد گزشتہ پینتیس برس سے دنیا کو ناانصافی کے شعلوں میں جلا رہے ہیں۔ان نام نہاد طاقتوروں نے سلامتی کونسل ہو یا نیٹو، عالمی ادارہ صحت ہو یا عالمی مالیاتی ادارے، سبھی کو اپنی لونڈی بنا رکھا ہے۔ مغربی طاقتور قوموں نے بجائے اس کے کہ کمزور اور غریب قوموں کو اپنے جیسے انسان سمجھ کر ان کے دکھ درد کا مداوا کر کے اپنے اعلیٰ اقدار اور اخلاق کے بل بوتے پر اپنا اعلیٰ بلند مقام ثابت کرتے، انہوں نے کمزور اور غریب قوموں کے انسانوں سے خود کو اپنی دانست میں نسلی طور پر برتر و اعلیٰ قرار دے دیا ہوا ہے۔ دراصل قوموں کے اندر ناانصافی کا اصول سائنسی نظریات سوشل ڈارون ازم کی وجہ سے در آیا جن کے مطابق جس طرح بعض Species بعض دوسری Species سے بہتر ہوتی ہیں لہٰذا بعض قومیں بھی بعض قوموں سے بہتر ہوتی ہیں اور اس لیے ان کے حقوق زیادہ ہیں۔ یہ خیال جو کہ مغرب کی قوموں کے اندر زہر کی طرح سرایت کر گیا ہے۔اس خیال نے دنیا کو ایک ایسی جنگ کے دہانے پر پہنچا دیا ہے جس کی گرمی وینس سیارے سے بھی زیادہ ہے مرکری سیارے جیسی۔ یوکرین پر روسی حملہ بھی اسی احساس برتری ہی کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے جس کا مظاہرہ مغرب نے ۹ الیون کے بعد کیا تھا۔اس ضمن میں دی گارڈین ۱۱ مارچ میں مشہور صحافی Jonathan Freedland لکھتا ہے کہ جس طرح ۹ الیون کے بعد ہوا تھا اس کا (پیوٹن) یہ خیال ہے کہ بڑی ریاستیں چھوٹی ریاستوں کو ہڑپ کر سکتی ہیں اور انہیں محکوم ریاستوں میں تبدیل کر سکتی ہیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس نے وہی طریقے استعمال کیے جن کے مطابق دنیا کا نظام چلتا ہے۔

دنیا موجودہ حالات کے تناظر میں عالمی جنگ کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔اگر عالمی جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے تو کرہ ارض پر جنگوں کا سلسلہ طویل مدت کے لیے ختم ہو جائے گا۔اقوام متحدہ، یورپی یونین، نیٹو اور طاقتور مشرقی جنات کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔اگر اقوام متحدہ نے اپنی امن لانے والی کوششوں کو تیز تر نہ کیا تو شاید یہ زمین ایٹمی دھماکوں کی تاب نہ لا کر اپنا مدار چھوڑ کر سورج کی خوراک بن جائے اور انسان کا وجود بھی کائنات سے نابود ہو جائے۔مریخ پر یا کسی اور ستارے کے سیارے پر انسانی بستیاں بسانے کا خواب، خواب ہی رہ جائے۔۔

''سپر پاور، سیاستدان، اشرافیہ اورعوام''

وطن عزیز کی معاشی حالت نہایت بری ہو چکی ہے۔ بعض معاشی ماہرین کے مطابق پاکستان دیوالیہ ہو سکتا ہے اور کچھ ماہرین یہ بھی کہتے پائے جاتے ہیں کہ وطن عزیز دیوالیہ نامی بھنور میں داخل ہو چکا ہے اگر آئی ایم ایف اور دیگر عالمی مالیاتی اداروں نے اس بھنور سے نکالنے کے لیے کردار ادا نہ کیا تو خدانخواستہ پاکستان کی معیشت ہی نہیں عوام کا مستقبل بھی ڈوب سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ گزشتہ حکومت نے غیر دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے، مغرب کو مسلمانوں کا بالعموم اور پاکستانیوں کا بالخصوص دشمن قرار دے دیا۔ ایسا صرف عمران خان ہی نہیں کہتے بلکہ عام عوام بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ عوام کے ایسا سمجھنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا مگر عمران خان کے مغرب بالخصوص امریکا کو دشمن قرار دینے سے بہت فرق پڑا ہے۔ عمران حکومت کے ابتدائی ایام میں ہی امریکا نے خاموشی سے ایک ارب تیس کروڑ ڈالر سالانہ کی امداد بند کر دی۔ جی ہاں اس طرح کے ایک بلین ڈالر سعودیہ سے لینے پر ذلت کا منہ دیکھنا پڑا تھا، ایک برس بعد سعودیہ نے پاکستان کا گلا دبوچ کر یہ رقم واپس لے لی تھی۔ عمران خان نے چین سے ادھار لے کر یہ رقم واپس کی۔ پھر عمران حکومت نے سعودیہ سے تین برس کے لیے ادھار تیل لیا اور پھر تین برس کے بعد مزید تین برس کے لیے ادھار تیل لینے کا معاہدہ کر لیا۔ موجودہ حکومت بھی کشکول ہاتھ میں لیے در در کی خاک چھان رہی ہے۔

بڑا عجیب لگتا ہے جب سیاستدان قومی غیرت اور آزادی کی بات کرتے ہیں۔ ۲۰۰۸ء میں بننے والی پی پی پی کی حکومت پانچ برس تک روزانہ پانچ ارب روپے قرض لیتی رہی۔ ن لیگ کی حکومت پانچ برس تک روزانہ آٹھ ارب روپے قرض لیتی رہی۔ اور پی ٹی آئی کی حکومت نے انتالیس مہینوں میں روزانہ ۱۷ ارب روپے قرض لیا۔ اس وقت قرضوں کا مجموعی حجم ایک سو ستائیس بلین ڈالر ہو چکا ہے اگر آئی ایم ایف پروگرام جاری رہتا ہے تو مجموعی حجم ایک سو پینتیس بلین ڈالر ہو جائے گا۔ اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ پٹرولیم مصنوعات میں ہوشربا اضافہ پاکستانی قوم کو نچوڑ کر رکھ دے گا۔ ۱۵ جون کو پاکستان میں ڈیزل ۲۶۴ روپے فی لٹر اور پٹرول ۲۳۴ روپے فی لٹر دستیاب تھا۔ ذرا تصور کیجیے کہ اگر پانچ سو روپے لٹر تیل ملنے لگے تو کیا ہو گا۔ اگر آئی ایم ایف کا مطالبہ مان

کر ۵۰ روپے لیوی چارجز لگا دیے گئے تو چند دنوں میں ڈیزل ۲۶۴ روپے فی لٹر کی بجائے کم از کم تین سو چودہ روپے کا ہو جائے گا۔

امریکا سپر پاور ہے، ہر قسم کی ساش اور مداخلت کرنے کی طاقت رکھتا ہے، صرف طاقت رکھتا ہی نہیں بلکہ اسے استعمال بھی کرتا ہے۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے اس کے مظاہر چھاؤنیوں، شہروں، گاؤں، گھروں، محلوں میں بسنے والوں میں ہی نہیں بلکہ جانوروں کے علاوہ اجرام فلکی میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور تو اور تحریک انصاف میں سب سے طاقتور انسان عمران خان ہیں، مجال نہیں ہے کسی کی کہ وہ ان کی بات نہ مانے۔ پنجاب اسمبلی کے ۲۵ ارکان نے جب بقول ان کے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپوزیشن کے امیدوار کو ووٹ دے دیا تو سپر پاور عمران خان نے انہیں لوٹے، بکاؤ مال، ضمیر فروش اور نجانے کیا کچھ کہتے ہوئے انہیں پارٹی سے نکال دیا۔ قومی اسمبلی میں بھی بیس ارکان نے بھی جب بقول ان کے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپوزیشن کا ساتھ دیا تو وہ لوٹے، بکاؤ مال، ضمیر فروش ہو گئے۔ عمران خان شاید بھول گئے کہ پی ٹی آئی میں اسی فیصد وہ لوٹے، بے ضمیر اور بکاؤ مال ہیں جو پی پی پی، ن لیگ وغیرہ کو چھوڑ کر ان کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ حقیقت یہی ہے جس جماعت کے ساتھ لوٹے وافر مقدار میں ہوتے ہیں وہی حکمران بن جاتی ہے۔ دیکھ لیجیے جونہی لوٹوں نے کروٹ بدلی عمران خان فارغ ہو گئے۔ کل تک نواز شریف کہتے تھے مجھے کیوں نکالا؟ اب عمران خان کہتے ہیں کہ مجھے سازش یا مداخلت کر کے کیوں نکالا؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے ان دونوں کے لیے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان کی سدا بہار سپر پاور کی دم پر جو بھی پاؤں رکھتا ہے اسے عبرت کا نشان بنا دیا جاتا ہے اور جو بے چون و چرا اس کے گلے میں ڈالروں کے ہار پہنا تا ہے مسند پر بٹھا دیا جاتا ہے، اس سپر پاور کی حیثیت شاہین کے مشابہ ہے اور سیاستدانوں کی اوقات ممولے کے جیسی ہے۔ اور ان نام نہاد شاہینوں اور ممولوں کی نگاہ میں زندہ باد، مردہ باد کے نعرے لگانے والی عوام کی اوقات اس خاتون سے زیادہ نہیں جسے جاہل مرد پاؤں کی جوتی سمجھتا ہے۔ پاکستان کے تمام ادارے ان شاہینوں کے ڈر سے کبھی کپڑوں سے اور اپنی اوقات سے باہر نہیں نکلتے۔ اور اشرافیہ کی شاہینوں سے معاشی، کاروباری، خونی، جذباتی وغیرہ وغیرہ رشتہ داریاں ہیں۔ اشرافیہ جب بھی رشتوں سے بالا ہو کر قومی مفاد کو ترجیح دینے لگتی ہے تو ان نام نہاد شاہینوں کے پر ٹوٹنے لگتے ہیں، چونچیں جھڑنے لگتی ہیں

اوران کے پنجے مڑنے لگتے ہیں اور یہ سلسلہ ان کی موت پر منتج ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ابھی تک پاکستانی اشرافیہ کے پاؤں میں لالچ کی بیڑیاں ہیں، ہاتھوں میں ہیرے جواہرات کی ہتھکڑیاں ہے، ان کے دل و دماغ محلوں میں قید ہیں۔ اللہ کرے کہ وطن عزیز جلد نااہلوں اور پلیدوں سے آزاد ہو کر پاک ستان بن جائے۔

☆☆☆

سرطان کا نینوٹیکنالوجی سے علاج

سرطان کے علاج کے لیے کیموتھراپی میں پورے جسم کو خطرناک زہریلے مرکبات (toxins) سے دھویا جاتا ہے جو کینسر کے خلیات کے ساتھ ساتھ عام خلیات کو بھی خاصا نقصان پہنچاتے ہیں۔ نیز اس کی وجہ سے بالوں کا گرنا، گھن آنا، جسمانی کمزوری اور جلد کے انفیکشن سمیت کئی سائیڈ ایفیکٹس کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کئی مریض کینسر کی بجائے، کیموتھراپی کی اذیت سے ہی مر جاتے ہیں۔ نینو پارٹیکلز کی بدولت یہ سب کچھ تبدیل ہو کر رہ جائے گا۔ اس میں کیموتھراپی کی ادویات کیپسول نما مالیکیولز میں رکھی جائیں گی۔ پھر انھیں خون کے بہاؤ میں شامل کیا جائے گا۔ یہ پارٹیکلز جب اپنی منزل پر پہنچیں گے تو وہاں دوا کو خارج کر دیں گے۔ ان نینو پارٹیکلز کی اصل خوبی ان کی جسامت ہے۔ یہ محض 10 سے 100 نینو میٹر کی جسمات کے حامل ہوں گے اور خون کے خلیے کے اندر داخل نہیں ہو سکیں گے۔ اس طرح یہ خون کے عام خلیات کے ساتھ بے ضرر انداز سے ٹکراتے پھریں گے۔ چونکہ کینسر کے خلیات ذرا مختلف ہوتے ہیں اور ان کی دیواریں بڑے اور بھدے مساموں کے ساتھ چھیدی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس طرح یہ نینو پارٹیکلز کینسر کے ان خلیات کے اندر بآسانی داخل ہو سکیں گے اور وہاں مطلوبہ دوا پہنچا سکیں گے۔ ڈاکٹر حضرات کو ان کینسر زدہ خلیات تک مطلوبہ دوا پہنچانے کے لئے کسی پیچیدہ مددگار نظام کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ان نینو پارٹیکلز کی اور خوبی یہ ہوگی کہ ان کی وجہ سے کسی قسم کے ضمنی اثرات پیدا نہیں ہوں گے۔

نیز ان کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ان کی تیاری کے لئے کسی پیچیدہ فیکٹری اور کیمیکل پلانٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ مختلف کیمیکلز کو ایک مناب تناسب کیساتھ آپس میں مکس کیا جاتا ہے اور نینو پارٹیکلز تیار ہو جاتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ چونکہ انھیں تیار کرنے کے لئے کسی خاص پیچیدگی کی ضرورت نہیں ہے اس لیے انھیں کلوگرام کے حساب سے آسانی سے تیار کیا جا سکتا ہے۔ ان پارٹیکلز کو چوہوں میں پراسٹیٹ، چھاتی اور پھیپھڑوں کے کینسر کے لئے استعمال کرنے کی اجازت مل چکی ہے۔

”توہین مذہب قانون اورپاکستان جنت نظیر باغ“

عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والی آسیہ بی بی جسے توہین مذہب کے الزام میں سزائے موت سنائی جا چکی تھی سے جیل میں ملاقات کر کے ہمدردی جتانے اور توہین مذہب کو کالا قانون کہنے کے جرم میں گورنر پنجاب سلمان تاثیر ۴ جنوری ۲۰۱۱ء کو قتل کر دیے گئے تھے۔سلمان تاثیر کے قتل پر سرکاری طور پر تین روز تک سوگ تو منایا گیا مگر ان کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کوئی مولوی تیار نہ تھا، ان کا جنازہ بالآخر پیپلز پارٹی علماء ونگ کے علامہ افضل چشتی نے گورنر ہاؤس میں پڑھایا۔علامہ افضل چشتی کو بھی ہمیشہ کے لیے بیوی بچوں سمیت ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔سلمان تاثیر کے بیٹے کو اغوا کر لیا گیا، ۲۰۱۶ء میں اسے رہائی ملی۔قاتل ممتاز قادری کو ملک بھر میں سچا عاشق رسول ثابت کرنے کا ٹھیکا مولویوں نے لے لیا، وکلاء برادری نے بھی ممتاز قادری پر گلاب کی پتیاں نچھاور کر کے اچھا مسلمان ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔قاتل ممتاز قادری کو ۲۰۱۶ء میں پھانسی دے دی گئی۔دس برس تک آسیہ بی بی کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کروانے کے بعد سپریم کورٹ نے ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء کا عدم ثبوت کی بنا پر باعزت بری کر دیا۔اور آسیہ بی بی اپنی فیملی کے ساتھ ہمیشہ کے لیے کینیڈا چلی گئیں۔

معزز قارئین! سلمان تاثیر نے شہادت سے محض آٹھ گھنٹے قبل کہا تھا: ”میرا عزم اتنا پختہ ہے کہ میں باہر کے شعلوں سے نہیں ڈرتا، مجھے صرف پھولوں کی چمک سے ڈر لگتا ہے کہ یہ میرے باغ کو جلا دے گا۔“ سلمان تاثیر کے یہ الفاظ سچے تھے وہ خود تو شعلوں کی نظر ہو گیا اور اس کا ڈر بھی سچ ثابت ہو چکا ہے، لال، گلابی، موٹے اور بھدے گالوں والے مذہبی جنونیوں نے پاکستان نامی جنت نظیر باغ کو تنگ نظری، تعصب، نفرت اور فتووں کے شعلوں سے جلا دیا ہے۔وہ آگ جس میں سلمان تاثیر کو جلایا گیا تھا وہ آگ احمدیوں، شیعوں، عیسائیوں، سکھوں، ہندوؤں کو جلاتی ہوئی پرنتھیا کمارا (پرنتھیا کو ڈنڈوں سے مار کر جلا دیا گیا تھا اور پھر اس کی راکھ پر بھی جوتیاں برسائی گئیں تھیں) تک پہنچی تھی اب سیاستدانوں، جرنیلوں، ججوں کے گرد رقص کر رہی ہے۔اگر سلمان تاثیر کی شہادت کے بعد سر جوڑے جاتے، برائی کو جڑوں سے کاٹنے کا بندوبست کرتے تو چار سو سے

زائد سنی مسلمان اور ۱۴۰۰ اشیعہ مسلمان کہلانے والے توہین رسالت کے الزام میں جیلوں میں قید نہ ہوتے، کم از کم سات مسلمان عدالتوں میں آتے یا جاتے ہوئے قتل نہ ہوتے، کم از کم ۶۰ افراد ماروائے عدالت قتل نہ ہوتے، خانیوال میں ذہنی مریض کو باندھ کر اس کی انگلیاں کاٹ کر پتھر مار کر ہلاک کر کے اس کی لاش درخت سے نہ لٹکائی جاتی، کم از کم پاکستان کو پاک کرنے کے لیے کم از کم ساٹھ خواجہ سرا بے دردی سے قتل نہ کیے جاتے، نہ مشال خان قتل ہوتا، نہ خوشاب میں بے گناہ بنک مینیجر قتل ہوتا، نہ کمرہ عدالت میں ذہنی مریض قتل ہوتا، بہاول پور میں دو لڑکیوں کے ہاتھوں استانی ذبح نہ ہوتی، ہزارہ برادری ۸۰ لاشیں سڑک پر رکھ کر احتجاج نہ کرتی، سلمان تاثیر کے قتل کے ایک ماہ بعد شہباز بھٹی قتل نہ ہوتا، عورت مارچ کے منتظمین کے خلاف توہین مذہب کا مقدمہ درج نہ ہوتا، وکلاء کو جان سے مارنے کی دھمکیاں نہ ملتیں، احسن اقبال کو گولی نہ لگتی، پرویز رشید کے سر پر جوتے نہ پڑتے، رانا ثناءاللہ کو کافر مرتد نہ کہا جاتا، جنرل باجوہ کو صحافیوں کو بلا کر میلاد نہ کروانا پڑتی، تحریک لبیک کا جنم نہ ہوتا، ججوں کو انگریزوں کے کتے نہلانے والے نہ کہا جاتا، بے گناہ جانباز درجنوں سپاہی نہ مارے جاتے اور تو اور عاطف میاں اور ان کے ساتھی مشیر خزانہ ہوتے، پاکستان کی معیشت تباہ و برباد نہ ہوتی، یورپ، امریکا اور چین سے تعلقات خراب نہ ہوتے، سب سے بڑی بات یہ کہ ہندوستان میں ہندوتوا کا نعرہ نہ لگتا اور منو کے قوانین نافذ کرنے کا مطالبہ زور نہ پکڑتا، ہندوستان کی مسلمان اقلیت کو مظالم کا نشانہ نہ بنایا جاتا وغیرہ وغیرہ۔ یاد رہے گزشتہ برس ۵۸۶ توہین مذہب کے کیس رجسٹر ہوئے تھے۔

پاکستان کے سینے پر ۱۹۷۴ء میں جو گھاؤ لگا تھا وہ ۱۹۸۶ء میں ناسور بن گیا تھا، سارے بدن کو بدبودار بنا رہا ہے۔ انتہا پسند جنونی اور ان کے چیلے چانٹے اس ناسور کی حفاظت اور پرورش کے لیے جان کی بازی تک لگائے ہوئے ہیں۔ انتہا پسند جنونیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ پاکستان کے تمام ادارے یوں لگتا ہے گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں یا اپنا وجود نامسعود بچانے کے لیے انتہا پسند جنونیوں کے انگوٹھے چوس رہے ہیں۔ جرنیل ہوں یا سیاستدان، جج ہوں یا وکلاء، قانون نافذ کرنے والے ادارے ہوں یا محکمہ خوراک و صحت، دانشور ہوں صحافی اس ناسور کا علاج کرنے کی بجائے اس ناسور کو چھیڑنا مذہب کی توہین سمجھنے لگے ہیں۔ مذہبی جنونیوں کی کارروائیوں پر ان کا فقط دو چار بیان ٹھوک دینا ثابت کرتا ہے کہ ان کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں ان

کی دانش کو زنگ لگ گیا ہے، انہیں بھیڑیوں سے محبت ہے اور عوام سے نفرت، یہ خدا اور رسول اللہ ﷺ سے خود کو منسوب کرتے ہیں مگر اللہ کے احکامات پر عمل کرنا ان کے لیے دوبھر ہو چکا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے مقدس ارشادات کی ان کی نگاہ میں اہمیت باقی نہیں رہی۔ شاید اسی لیے حسن نثار اور سلیم صافی پاکستانیوں کو منافق کہتے ہیں۔

گزشتہ برس جبکہ عمران خان کی حکومت تھی ۵۸۶ توہین مذہب کے کیس رجسٹر ہوئے تھے۔ ایک برس میں یہ سب سے زیادہ تعداد ہے۔ جناب عمران خان اپنے دور حکومت میں ساری دنیا کو اسلاموفوبیا کا سبق پڑھاتے رہے۔ دنیا نے ان کی بات کو سنا اور ۱۵ مارچ کو اسلاموفوبیا کے خلاف عالمی دن منانے کا اعلان بھی کر دیا۔ اس کا فخر سے ذکر کرتے ہوئے عمران خان یہ کہنا نہیں بھولے کہ جب سے پاکستان بنا ہے صرف دو ہی تاریخی فیصلے ہوئے ہیں، اسلاموفوبیا کے خلاف عالمی دن منانے کی قرارداد منظور ہونا اور قادیانیوں کو پارلیمنٹ کا کافر قرار دینا۔ شاید نئی نسل کو یاد نہ ہو کہ ۷۴ء سے پہلے احمدی قانون کی نگاہ میں مسلمان اور برابر کے شہری تھے۔ احمدیوں نے اس فیصلے کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی وہ کریں گے کہ وہ غیر مسلم ہیں۔ کاش عمران خان تھوڑا سا مطالعہ فرما لیتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کو تو چھوڑیے ہم مذہب فرقوں کو کیا کچھ نہیں کہا ننگی گالیاں تک دی ہیں۔ ان فرقوں سے تعلق رکھنے والے بزرگوں کو کافر، زندیق، ملحد، مرتد، بد مذہب، بدعقیدہ تک کہا ہے۔ بعض فتووں میں اتنے غلیظ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ تحریک لبیک کے خادم رضوی نے اس گند کو کتابوں سے نکال کر عالمی طور پر متعارف کروا دیا ہے۔ احمدیوں اور شیعوں کو اور غیر مسلم اقلیتوں کو تو یہ مذہبی جنونی انسان ہی نہیں سمجھتے۔ آنے والے دنوں میں عمران خان اور ان کے ساتھیوں کو بھی اس نفرت کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا اظہار وہ گزشتہ برسوں میں کرتے رہے ہیں۔ وطن عزیز میں یہی چلن ہے کہ جس کے خلاف توہین مذہب کا کیس رجسٹر ہو جائے اس کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں، ان کی اور ان کے رشتے داروں کی زندگیاں بھی خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔ مسجد نبوی ﷺ کی بے حرمتی پر عمران جی کا یہ جو مئوقف آیا ہے کہ ''میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس مقدس جگہ لوگوں کو آوازیں کسنے کی ہدایت دوں، میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کا جو مقام ہے وہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔'' عمران جی شاید بھول گئے کہ وطن عزیز کے آئین کے

مطابق ثابت کرنا ضروری ہے۔ جناب وزیراعظم ایسے ہی نہیں بن گئے تھے، یہ حلفیہ بیان دے کر بنے تھے کہ میں ختم نبوت پر یقین رکھنے والا مسلمان ہوں۔ محمد نعیم نامی شہری نے تھانہ مدینہ ٹاؤن فیصل آباد میں اور دیگر لوگوں نے سات شہروں میں عمران خان، قاسم سوری، فواد چودھری، شہباز گل، شیخ رشید، انیل مسرت، شیخ راشد اور دیگر 150 افراد کے خلاف توہین مذہب کیسز رجسٹر کروائے ہیں۔ سبھی نے ضمانت قبل از گرفتاری کرا رکھی ہے۔ عمران خان اکثر کہا کرتے ہیں کہ وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی جس کے بڑوں کو چھوڑ دیا جاتا ہو اور غریبوں کو رگڑا جاتا ہو۔ جی ہاں توہین مذہب کے کیسز میں گو گرفتاری کے بعد ضمانت ہو سکتی ہے مگر آج تک کسی کی بھی ضمانت سیشن جج نے قبول نہیں کی کیونکہ اسے اپنی جان عزیز ہوتی ہے اور ملزم کو موت کے منہ میں جانے سے بچانا بھی مقصود ہوتا ہے۔ آئین کے مطابق مسجد نبوی ﷺ کی بے حرمتی کرنے کرانے والوں کو جیل میں ہونا چاہیے جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے توہین مذہب کے بے گناہ ملزمان رہائی سے پہلے کئی برس جیل میں ناکردہ گناہ کی سزا کاٹتے ہیں۔ محترمہ آسیہ بی بی تو دس برس جیل کاٹ کر باعزت رہا ہوئی تھیں۔ چیئرمین نیشنل رحمتہ للعالمین اتھارٹی ڈاکٹر انیس احمد کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ ''اتھارٹی ممبران نے خصوصی قرارداد کے ذریعے واقعے پر اظہارِ افسوس کیا۔ انہوں نے کہا کہ احاطہ حرمِ نبوی شریف کے مقام پر حالیہ واقعہ باعثِ ندامت ہے، واقعے میں ملوث تمام لوگوں کو اللہ کے حضور معافی اور توبہ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر انیس احمد نے کہا کہ کسی بھی مسلمان کو ایسی حرکت پر اپنی آخرت بچانے کے لیے اللہ کے حضور معافی کا خواستگار ہونا چاہیے۔''

معزز قارئین! بے شرمی اور بے غیرتی کی انتہا ہے کہ آسیہ بی بی نے ناکردہ گناہ کی سزا دس سال بھگتی تھی، اور ان کے لیے صرف اللہ سے معافی۔ مشال کو کارل مارکس کی تصویر لگانے پر قتل کر دیا گیا، اور ان کے لیے صرف اللہ سے معافی۔ پروفیسر یونس نے توہین مذہب کیس میں تین برس جیل میں ناکردہ گناہ کی سزا بھگتی ،اوران کے لیے صرف اللہ سے معافی۔ پرنتھیا کمارا کو اسٹیکر اتارنے کا کہنے پر تشدد کر کے قتل کرنے کے بعد لاش کو جلا دیا گیا اور راکھ پر بھی جوتے برسائے گئے۔ اور ان کے لیے صرف اللہ سے معافی۔

معزز قارئین: حقیقت یہ ہے کہ ایسے تمام قوانین کا خاتمہ ہی وطن عزیز کے تمام مسائل کا حل ہے۔ اگر نام نہاد مولویوں کے ہاتھوں سے وہ کلہاڑا جو انہیں ریاست نے توہین مذہب قانون کی صورت میں مہیا کیا ہے

چھین لیا جائے تو یہ جنونی، قاتل اور فسادی مذہبی طبقہ کینچوے سے بھی زیادہ کمزور ہوکر دم توڑنے لگے گا۔توہین مذہب کی ذیل میں آنے والے قوانین نے بہادر، زندہ دل، پرامن، سچے، کھرے پاکستانیوں کو تقسیم در تقسیم کر دیا ہے اور پرتشدد بنا دیا ہے۔آتشِ مذہبی منافرت نے ساری قوم کو جھلسا دیا ہے، بے گناہ مارے جانے والوں کے عزیز و اقارب اور ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنے والوں کی بد دعائیں رنگ دکھا رہی ہیں، کم از کم ایک کروڑ پاکستانی بیرون ملک آباد ہو گئے ہیں، مثبت مباحثوں کا گلا گھٹ گیا ہے، جھوٹ عام ہو گیا ہے، ساری قوم منافقت جیسی گندگی سے لتھڑ گئی ہے، نام نہاد مذہبی طبقہ کے کفر کے فتووں نے پاکستان کو کافرستان بنا دیا ہے، ستانوے فیصد مسلمان ہونے کے باوجود سرکاری، سیاسی اور فوجی نوکری کے لیے مسلمانوں کو حلفیہ بیان دینا پڑتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں، تین طرح کے عدالتی نظاموں کے شکنجے میں جکڑا انصاف تڑپ رہا ہے، قرضوں کے بوجھ نے اسلامی جمہوریہ کو کبڑا کر دیا ہے، سارا ملک کرپشن کو جائز اور رزق حلال سمجھنے لگا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اے ریاست پاکستان کے سیاسی، فوجی فنکارو! سر جوڑ لو اور اس توہین مذہب قانون کو توڑ دو۔اسی میں تمہاری، اسلام، عوام اور پاکستان کی بھلائی ہے۔اے دانشورو! گونگی شرافت کا بت توڑ دو۔اٹھو اپنی تحریروں اور تقریروں سے ملائیت کا پردہ چاک کر کے قوم کے چہرے پر اجالے بکھیر دو۔اے منصفو! ظلم کے مقابل سیسہ پلائی دیوار بن کر ہر ظالم کو سزا دو، ناانصافی کو دفن کر دو اور بے خوف ہو کر انصاف کا پرچم اٹھا لو۔اے اشرافیہ کہلانے والو! خوابِ غفلت سے جاگو اس بدقسمت قوم کی ڈوبتی کشتی کے پتوار بن کر اسے منجدھار سے نکالو۔اے صحافیو! کب تک بکتے رہو گے، لفافے دینے والوں سے تم ناطہ توڑ لو اور سچ کہو، سچ لکھو۔قلم کی طاقت سے تاریکیوں میں ایسے روشن چراغ جلاؤ جن کی روشنی میں انسان بھٹکنے کی بجائے سیدھے راستے کی جانب بلاخوف وخطر گامزن ہوں۔اللہ ہم سب کو اس نیک کام میں اپنا اپنا حصہ ڈالنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

منافقت جب ایمان میں بدل جائے گی
تو یہ معیشت بھی جلد ہی سنبھل جائے گی
اے غافلو جو اخلاقی ہے وہ بیماری بھی
شفایابی میں ہاں جلد ہی بدل جائے گی

رانا محمد حسن

"موجودہ حالات ایک نبی کا تقاضاکرتے ہیں"

بے فکر اشرف المخلوقات اس وقت ایٹم بموں، ہائیڈروجن بموں اور نائٹروجن بموں کے ڈھیر پر بیٹھ کر ایک دوسرے کی جوئیں نکالنے میں مصروف ہے۔ اگر مغرب میں بسنے والے تعلیم یافتہ انسان اپنے خالق کے انکار پر مُصر ہیں تو دوسری طرف رینگنے والے جاہل انسان اپنے ایک خالق کو برائے نام مانتے ہیں مگر خودساختہ لاکھوں خداؤں پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔ اہل مغرب ایک خدا سے بے نیاز ہو کر ہم جنس پرستی کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں، شراب نوشی، زنا، جوئے، فحش فلموں وغیرہ کو قانونی تحفظ دے رہے ہیں۔ اہل اسلام اخلاقیات کی تمام حدیں عبور کر کے ایسی دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں کہ جس کا انجام اجتماعی موت کے سوا کچھ ہو نہیں سکتا ہے۔ اسلامی لٹریچر کے مطابق اعلانیہ کافر سے منافق بدتر ہوتا ہے۔ جب ہم مغرب کے کافروں اور اہل اسلام کی اکثریت کی منافقت کا انصاف کا دامن نہ چھوڑتے ہوئے موازنہ کرتے ہیں تو یقین آ جاتا ہے کہ یقیناً کافر ،منافق سے بہتر ہوتا ہے۔ عصر حاضر میں اہل مغرب کی اکثریت جنہیں کافر کہا جاتا ہے نے قانون کی حکمرانی کو متفقہ طور پر سب سے بڑی قوت کے طور پر تسلیم کر لیا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گرجا گھروں کو تالے لگنے شروع ہو گئے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ گرجا گھروں اور ان میں بیٹھے پادریوں نے کئی صدیوں تک اہل مغرب کو جہالت، بیماری، بے روزگاری، بھوک اور فرقہ واریت میں جکڑے رکھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ منافقت کے جام بھر بھر کر پلائے گئے۔ اب بھی نام نہاد پادری ماضی کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ بچوں سے جنسی زیادتی، زنا، شراب نوشی بھی کرتے ہیں۔ بعض اوقات قانون کے شکنجے میں بھی جکڑے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک بزرگ پادری صاحب تبلیغ کرنے میرے گھر آئے، باتوں باتوں میں نے ان سے پوچھا آپ بھی شراب پیتے ہیں تو انہوں نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا اور شرمندگی سے جواب دیا کہ "ہاں! بچوں پر برا اثر نہ پڑے اس لیے چھپ کر گھر کے تہہ خانے میں پیتا ہوں۔"

مورخ ٹوئن بی کے مطابق شراب نوشی اہل مغرب کی بہت بڑی کمزوری ہے جو انہیں ہلاکت میں ڈال

سکتی ہے۔ بہرحال قانون کی حکمرانی نے اہل مغرب کو مادی و جسمانی طور پر امن وسکون عطا کر دیا ہے مگر روحانی پیاس میں ہر ڈھلتے دن کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔اس کے بالمقابل اہل اسلام میں جوں جوں مدارس اور خوبصورت مساجد میں اضافہ ہورہا ہے توں توں منافقت، جہالت، بیماری ، بے روزگاری، بھوک اور فرقہ واریت میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔مشہور کالم نگار سلیم صافی نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ بلا شک وشبہ پاکستانی من حیث القوم منافق ہو چکے ہیں۔سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نہ خدا اور رسول کی بات مانتی ہے اور نہ ہی قانون کو عزت دیتی ہے۔

اللّٰہ عَزَّ وَجَل قرآن مجید میں ارشادفرماتا ہے:۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَ ھُوَ خَادِعُھُمْ—وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی—یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ (سورۃ النساء آیت ۱۴۲)

ترجمہ: کنز الایمان: ''بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کوفریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی سے لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا۔''

اور ایسے منافقوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے بھی اللہ کے رسول ﷺ کو منع کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے:۔

''اے نبی! تم خواہ ایسے لوگوں کیلئے معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو اگر تم ستر مرتبہ بھی انھیں معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا'' (سورہ توبہ 80)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس فرمان ہے کہ:۔

''چار صفتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں کوئی ایک صفت ان میں سے پائی جائے تو اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ یہ کہ جب امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب بولے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو اس کی خلاف ورزی کرجائے اور جب لڑے تو اخلاق و دیانت کی حدیں توڑ ڈالے''۔ (بخاری ومسلم)

آیئے اب اہل مغرب اور اسلامی دنیا کو چھوڑ کر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں آباد مسلمانوں کی اکثریت کا جائزہ مقدس آیات قرآنیہ اوراحادیث کی روشنی میں لیتے ہیں۔

معزز قارئین! دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ کیا آپ ایسے کسی بھی پاکستانی جو آئین پاکستان کے مطابق بھی پکا مسلمان ہو کے متعلق یہ گواہی دے سکتے ہیں جو باقاعدگی سے مسجد نماز پڑھتا ہواور کرپٹ نہ ہواور جھوٹ بھی نہ بولتا ہو، امانتوں کا حق ادا کرنے والا، وعدوں کو پورا کرنے والا اور بدگو و بداخلاق بھی نہ ہو۔ اگر کسی کو کوئی ایسا شخص مل جائے تو ضرور بتایئے گا تا کہ یہ عاجز اپنے کہے پر شرمندہ ہواوراستغفار کرے۔ ہم نے تو یہی دیکھا ہے کہ جو جتنے بڑے عہدے پر ہوتا ہے وہ اتنا ہی بڑا جھوٹا ہوتا ہے۔ سیاسی و مذہبی لیڈران کی منافقت زدہ چرب زبانی کے سحر میں گرفتار عام جھوٹے مسلمان شہریوں کو تو یہ بھی تمیز نہیں کہ سیاست اور شرافت کا آپس میں کچھ لینا دینا نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اہل مغرب اور اہل اسلام کے حالات ایک نبی کا تقاضا کرتے ہیں۔ ہمیشہ سے جب بھی کافروں اور منافقوں کی اکثریت ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ نبی بھیجتا ہے تا اتمام حجت ہو۔

سیلاب کی تباہ کاریوں پر ہمیں بھی بے حد دکھ ہے، ہمیں ملکہ برطانیہ کی وفات پر بھی اتنا دکھ نہیں ہوا جتنا اس باپ کے ڈوب جانے کا دکھ ہے جو اپنے تین بچے اور بیوی لاوارث چھوڑ گیا۔ اور حیرانگی اس بات پر تو بالکل بھی نہیں ہوئی کہ ان سیلاب کے ماروں نے جن منافقوں کو ووٹ دیے تھے انہوں نے ان کے سروں پر شفقت کا ہاتھ نہیں رکھا، اس بات پر بھی کچھ برا نہیں لگا کہ سیلاب زدوں کے لیے بھیجی جانے والی عالمی امداد بازاروں میں بک رہی ہے۔ اور ہاں تب تو ضرور اچھا لگے گا جب سیلاب کے مارے اپنے ووٹ آئندہ کسی سیلاب زدہ کو دیں گے۔ مگر منافقت ایسا ہونے نہیں دے گی۔ خدا کرے کہ جلد از جلد منافقت کا قومی بلکہ عالمی بت پاش پاش ہو جائے۔

صفاتی انبیاء: اسرار عالم صاحب اپنی کتاب ''دجّال'' میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت علامہ اقبال نبویانہ نہاد کے حامل تھے۔ چونکہ یہ حضرات قدس ختم نبوت کے بعد تشریف لائے اس لیے منصب کے اعتبار سے تو نبی نہیں تھے لیکن صفات کے لحاظ سے نبی تھے۔۔۔۔حضرت مجدد صاحب ''نبی الملوک'' تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ''نبی العلماء'' تھے اور حضرت علامہ اقبال ''نبی الخضرم'' تھے۔'' اگلی سطور میں بتاتے ہیں کہ ''ان تینوں کی مسلمانوں نے تکذیب کر دی تھی۔''

تہذیب بابلؔ کی مستقل اوریروشلم کی عارضی تباہی کے اسباب !

جب بھی کوئی انسان، قوم، قبیلہ، شہر، ملک یا تہذیب ترقی اور خوشحالی کی منازل جانفشانی سے طے کرنے کے بعد فخر وتکبر میں مبتلا ہو کر عیاشی، ناانصافی، قتل وغارت گری کے مرتکب ہو جاتے ہیں تو زمانہ قدیم سے ان کے وجود نامسعود حرف غلط کی طرح مٹا دیے جاتے ہیں۔ان کی شان وشوکت تاریخ کا ایک گم شدہ باب بن جاتی ہے۔تاریخ کے اوراق میں کوئی بھی تہذیب ایسی نہیں ہے جو کھنڈروں میں تبدیل نہ ہوئی ہو۔ ہر دور میں انبیاء کرام مبعوث ہوئے اور سبھی اقوام کے کرتا دھرتاؤں کو وہ راستہ بتاتے رہے جن پر چل کر وہ دنیا وآخرت میں سرخرو ہو سکتے تھے۔مگر ہر نبی کی شدید مخالفت کی گئی۔جس کا نتیجہ ہمیشہ یہی نکلتا رہا کہ ترقی یافتہ تہذیبیں صفحہ ہستی سے مٹ جاتیں اور نئی تہذیبیں جنم لیتیں، مٹ جانے کے لیے۔ جب کوئی تہذیب ترقی وخوشحالی کے زعم میں مالک کائنات کو بھلا دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرنے سے پہلے نبی لازماً بھیجتا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهلِكَ القُرٰى حَتّٰى يَبعَثَ فِى اُمِّهَا رَسُولًا يَّتلُوا عَلَيهِم اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهلِكِى القُرٰى اِلَّا وَاَهلُهَا ظٰلِمُونَ ۔ (سورۃ القصص۔آیت ۶۰)

ترجمہ: ''اور تیرا ربّ بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا یہاں تک کہ ان (بستیوں) کی ماں میں رسول مبعوث کر چکا ہوتا ہے جو اُن پر ہماری آیات پڑھتا ہے۔اور ہم اس کے سوا بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے کہ ان کے بسنے والے ظالم ہو چکے ہوں۔''

پھر اللہ تعالیٰ سورۃ ہود کی آیت ۱۰۳ میں فرماتا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ اَخذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ القُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخذَهٗ اَلِيمٌ شَدِيدٌ ۔

ترجمہ: ''اور تیرے ربّ کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے جب وہ بستیوں کو اس حال میں پکڑتا ہے کہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔یقیناً اس کی پکڑ بڑی اذیت ناک (اور) بڑی سخت ہے۔''

اوراس کی وجہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَو اَنَّا اَهلَكنٰهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبلِهٖ لَقَالُوا رَبَّنَا لَولَا اَرسَلتَ اِلَينَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِن قَبلِ اَن نَّذِلَّ وَنَخزٰى۔ (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۵)

ترجمہ:''اوراگرہم انہیں اس سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کردیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے ربّ! کیوں نہ تُو نے ہماری طرف رسول بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے پیشتر اس کے کہ ہم ذلیل اوررُسوا ہوجاتے۔''

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ تباہ کردی جانے والی چند اقوام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

اَلَم يَاتِهِم نَبَاُ الَّذِينَ مِن قَبلِهِم قَومِ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُودَ وَقَومِ اِبرٰهِيمَ وَاَصحٰبِ مَديَنَ وَالمُؤتَفِكٰتِ اَتَتهُم رُسُلُهُم بِالبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظلِمَهُم وَلٰكِن كَانُوا اَنفُسَهُم يَظلِمُونَ ۔ (سورۃ التوبہ آیت ۷۰)

''کیاان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جواُن سے پہلے تھے(یعنی) نوح کی قوم کی اور عاداور ثمود کی اورقومِ ابراہیم کی اور مدین والوں کی اوران بستیوں کی جوتہ وبالا ہوگئیں۔ان کے پاس بھی ان کے رسول کھلے کھلے نشانات لے کرآئے۔پس اللہ تو ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔''

اس مختصر تمہید کے بعد قدیم ترین سمیرین تہذیب اور دیگر تہذیبوں کا ذکر چھوڑتے ہوئے بابل کا ذکر کرتے ہیں۔

بابل دریائے فرات کے دونوں طرف کا سرسبز وشاداب علاقہ تھا۔ یہی علاقہ تھا جس پر نمرود نے حکومت کی تھی،اسی سرزمین پر حضرت نوح علیہ السلام نے الٰہی منشاء کے مطابق کشتی بنائی بعدازاں سارا علاقہ ڈوب گیا،کہا جاتا ہے کہ اسی سرزمین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کواس آگ میں پھینکا گیا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں گل وگلزار ہوگئی تھی،سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ بیسیوں انبیاء کرام کے قدم اس دھرتی نے چومے ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ باغ عدن بھی یہیں تھا جہاں حضرت آدم علیہ السلام اوراماں حوا نے ممنوعہ پھل کھایا تھا،اس کی مٹی میں سکندراعظم،سینچرب،سلیوکس ایسے جنگجواور متکبر ظالم حکمران بخت نصر کے جسم ملے

ہوئے ہیں، بابل ہی کی ملکہ سمی رامس نے فارس، حبشہ اور ہندوستان پر چڑھائی کی تھی، اس وقت بولی جانے والی تمام زبانوں کا چشمہ یہیں سے جاری ہوا، (قدیم ترین بابل کی زبان عربی تھی) یہ بھی اسی سرزمین کا خاصہ ہے کہ اس کی پیاس انسانی لہو سے بجھتی رہی ہے اسی کی مٹی نے سومیریوں، مصریوں، اسیریاؤں، اشوریاؤں، سامیوں، خالدیوں، میڈیاوالوں، رومیوں، تاتاریوں، یونانیوں اور ایرانیوں اور نجانے کتنی قوموں کا لہو پیا ہے۔ آج تک اس سرزمین کی خونی پیاس بجھنے کا نام نہیں لے رہی۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ بیسیوں انبیاء کرام کے قدم اس دھرتی نے چومے ہیں۔

سام کا پوتا نمرود جسے بیلوس کہا جاتا ہے کا تعلق منگول یعنی مغل قوم سے تھا اس نے طوفان نوح کے بعد بابل شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اس نمرود کا اولین دارالحکومت سوزانیہ یا ایلام تھا جو کہ کوہ قاف کے قریب تھا، یہاں سے جا کر تمام علاقہ فتح کر کے دریائے فرات کے کنارے اس نے شہر بابل کی بنیاد رکھی تھی۔ اسی نمرود کی حکومت روم پر تھی اور وہ خالدی کہلاتے تھے۔ یہ بھی کتبوں پر لکھا ہوا ملا ہے کہ اس نمرود کی ملاقات حضرت نوح علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ توریت میں لکھا ہے:۔

طوفان نوح کے بعد لوگوں نے اس خوف سے کہیں پھر ایسا ہی طوفان نہ آجائے آپس میں صلاح کر کے کہا" آؤ ہم ایک ایسا شہر اور منار تعمیر کریں جس کی چوٹی آسمان سے جا ملے۔ پھر ہمارا نام قائم رہے گا اور ہم روئے زمین پر بکھر جانے سے بچ جائیں گے۔" مگر اللہ نے ان کے کام کو درہم برہم کر کے انہیں دنیا میں پھیلا دیا جس کی وجہ سے بابل نام رکھا گیا یعنی ابتری رکھا گیا۔ (پیدائش باب ۱۱ آیات ۴ تا ۸)

تاریخ قدیم میں یہ بھی لکھا ہے کہ "بیلوس یعنی نمرود کی سلطنت ایشیائی کوچک سے سندھ اور کاٹھیواڑ تک پھیلی ہوئے تھی۔ قوم بلوچ کا نام بھی نمرود کے نام پر بیلوس قوم تھا۔ ایرانیوں نے بعدازاں اس علاقہ کا نام بلوچستان رکھ دیا۔"

یونانیوں، عربوں اور پھر اہل مغرب نے جو بھی سائنسی، طبی، حسابی ترقی میں نام کمایا ہے اس کی جڑیں بابل میں تھیں۔ اہل بابل نے سب سے پہلے صفر کو ہندسوں میں استعمال کیا یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ صفر کے موجد یونانی نہیں بلکہ بابلی تھی، جیومیٹری کی وہ شکل جسے فیثا غورث تھیورم کہا جاتا ہے اسے بابلیوں نے

جیومیٹری سے دلچسپی نہ ہونے کے باوجود ڈیڑھ ہزار برس قبل سمجھ لیا تھا، بابل میں الجبرا پڑھایا جاتا تھا ایک لوح ملی ہے جس پر الجبرا کا مسئلہ لکھا ہوا ہے، حساب کتاب کرنے کے طریقے بھی اہل بابل جانتے تھے مگران نے الجبرا کو فروغ دیا، بابل میں قابل ترین معمار و سنگتراش تھے، بابل میں بہترین نہری نظام تھا، پہلا دنیا کا نقشہ بابلیوں نے بنا کر جغرافیہ سے اپنی دلچسپی ثابت کی، بابل کے کھنڈروں سے چھٹی صدی ق م کی دنیا کا ایک نقشہ ملا ہے، ایک لوح پر یہ تک لکھا ملا ہے کہ کرہ شمالی میں دس مہینے سورج کا گزر نہیں ہوتا، حمور بی دور میں میں قمری کیلنڈر بنایا گیا تھا جس میں مہینہ ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہوتا تھا اس دور میں بارہ مہینوں کے نام بھی رکھے گئے تھے مگر بخت نصر کے زمانے میں شمسی کیلنڈر بن گیا تھا، طب اور جراحی جانتے تھے اب تک ۵۸۸۰ طبی نسخے دریافت ہو چکے ہیں، بابل کے سورج اور چاند گرہن کی حقیقت جانتے تھے، صحیح پیشگوئی کرتے تھے بخت نصر کے دور میں یہ تک پروہب حساب کتاب کر کے یہ بھی بتا دیتے تھے کہ کن کن مقامات پر گرہن ہوگا مگر عوام سے مال بٹورنے کے لیے اسے دیوتاؤں کی ناراضگی اس کا سبب قرار دے دیتے تھے،، یہ بھی جانتے تھے کہ اجرام فلکی کا زمین سے فاصلہ ایک جیسا نہیں ہے، ان کے نزدیک اجرام فلکی آٹھ تھے اور ان میں چاند زمین سے قریب ہے، انہوں نے راس منڈل بھی بنائی تھی جس میں تیس تیس زاویے کے بارہ برج تھے اور ان بارہ برجوں کے نام اب تک مستعمل ہیں، سیاروں کے نام پر بخت نصر نے کثیر منزلہ عمارت بھی بنائی تھی۔ بابلی غضب کے ستارہ شناس تھے، زائچے بنانے میں ماہر تھے، یہ جو آج کل اخبارات میں لکھا ہوتا ہے آج یا یہ ہفتہ کیسے گزرے گا؟ یہ بابلی تہذیب کی دین ہے۔ (ہٹلر ہر کام ستاروں کی روشنی میں تیار کیے گئے زائچے کے مطابق کرتا تھا، اب بھی ہندوستان، پاکستان کے اور دیگر عالمی سیاسی و غیر سیاسی لیڈر اسی علم سے استفادہ کرتے ہیں) بابلی یہ بھی جانتے تھے کہ ہماری کہکشاں تیس ہزار برس بعد اپنا زاویہ بدلتی ہے جس سے زمین کے ماحول پر بھی اثر پڑتا ہے۔ شہنشاہ حمور بی نے زبردست قوانین بنائے تھے (ان قوانین کو پڑھ کر لگتا ہے کہ کسی نبی نے حمورابی کی راہنمائی کی تھی) کم و بیش وہی بخت نصر کے دور میں بھی تھے، جب بابل تباہ ہوا تب بدکرداری اور لاقانیونیت کا راج تھا۔

بابلی لوگوں کا سب سے بڑا بت بعل تھا جی ہاں وہی بعل جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۃ الصفات کی آیت ۱۲۶ میں فرماتا ہے:۔

اَتَدعُونَ بَعلًا وَّتَذَرُونَ اَحسَنَ الخَالِقِینَ ۔

کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور پیدا کرنے والوں میں سے سب سے بہتر کو چھوڑ دیتے ہو۔

اہل بابل خدا کو چھوڑ کر، بھول کر پوجتے تھے اس بت کا نام بعل تھا مگر اس کا اصل نام میرودخ ہے۔ اسے سورج کا دیوتا بھی کہا جاتا تھا۔ سورج کا اوتار یا عکس سمجھ کر اس کی اہل بابل پوجا کرتے تھے۔ بعل کا عام معنی خداوند ہے۔ اسے نمرود کا بت بھی کہا جاتا ہے۔ نمرود نے اسے چاندی کا بنوایا تھا بخت نصر نے اسے خالص سونے کا بنوا دیا تھا، بعل بت چودہ ہاتھ یعنی تقریباً ۲۸ فٹ لمبا تھا اور اس کے چار منہ تھے۔ اس کے چاروں جانب چھوٹے بت تھے۔ دو سونے کے اور بت تھے جو بعل کی بیوی بلتیس اور ایشتر کے تھے۔ یہ آٹھ منزلہ بتخانہ ایک میل کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اور عجیب بات یہ تھی کہ اسے ایک فرلانگ کی بلندی پر نصب کیا گیا تھا۔ اس بت خانہ سے محل کا فاصلہ نو میل تھا اور اس بت خانہ اور محل کے بیچ نہایت دلفریب معلق باغ تھے جن کی دیکھ بھال کے لیے چار ہزار مالی تھے۔ بخت نصر نے اپنی بیوی امی طیس بنت شاہ میڈیا کے لیے یہ معلق باغات سات درجوں میں بنوائے تھے۔ ان باغات میں بارہ دریاں، فوارے، حمام، پھل دار اور خوشبودار پودے لگائے گئے تھے اور ایک ناچ گھر بھی بنایا گیا تھا۔ ایک مورخ کے مطابق ایک ہزار من عرق گلاب بعل اور مندر دھونے میں روزانہ صرف ہوتا تھا۔ اس مندر کے کمروں میں عنبر، مشک اور عود کی پانچ سو انگیٹھیاں جلائی جاتی تھیں۔ اس بت پر اس قدر چڑھاوے چڑھتے تھے کہ حکومت کی سہ ماہی آمدن سے بھی زائد ہوتے تھے۔

بخت نصر کا محل اس قدر شاندار تھا کہ بخت نصر نے اس محل کا نام "نسل انسانی کا حیرت انگیز کارنامہ رکھا تھا"۔ اس کی بنیادوں میں لگی ہر اینٹ پر شاہ کا نام اور لقب کندہ ہے۔ اس محل میں کئی سو کمرے، حجرے ہیں۔ دیواروں پر خوش رنگ تصویریں بنی ہیں۔ سنگ مرمر بھی استعمال کیا گیا ہے۔ بابل میں ایک برج بھی تھا جسے برج بابل، برج نمرود اور "عبادت گاہ ہفت سیارگان" بھی کہا جاتا تھا۔ یہ برج سات منزلہ تھا یہ منزلیں سات سیاروں سے منسوب تھیں۔ پہلی سیاہ منزل زحل کے لیے تھی، دوسری نارنجی منزل مشتری، تیسری سرخ مریخ، چوتھی سنہری منزل سورج، پانچویں زرد زہرہ، چھٹی نیلی منزل عطارد اور ساتویں منزل چاند کی علامت تھی۔ بخت نصر نے اس برج کا نام زمین کی ۷ روشنیوں یعنی "سیاروں کا مندر" رکھا تھا۔

بخت نصر کے دور میں بابل نہایت خوشحال، سرسبز و شاداب تھا، طاقتور فوج تھی، ہر طرح کے ہنر مند موجود تھے۔ پھر بابل کیوں کھنڈروں میں تبدیل ہو گیا؟ پہلی بات تو یہی ہے کہ الٰہی نوشتے پورے ہو کر رہتے ہیں۔ حضرت یسیعاہ بن عاموس (۷۴۰ ق م تا ۶۸۱ ق م) جو بنی اسرائیل کے عظیم الشان نبی گزرے ہیں انہوں نے بابل کی بربادی سے تقریباً ایک سو برس قبل درج ذیل پیشگوئی کی تھی۔

''دیکھو خداوند کا وہ دن آتا ہے جو غضب میں اور قہر شدید میں سخت درشت ہے تا کہ ملک کو ویران کرے اور گنہگاروں کو اس پر سے نیست و نابود کردے۔ کیونکہ آسمان کے ستارے اور کواکب بے نور ہو جائیں گے اور سورج طلوع ہوتے ہوتے تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا۔ اور میں جہان کو اس کی برائی کے سبب سے اور شریروں کو ان کی بدکرداری کے سبب سزا دوں گا اور میں مغروروں کو نیست اور ہیبت ناک لوگوں کا گھمنڈ پست کردوں گا۔ میں آدمی کو خالص سونے سے بلکہ انسان اوفیر کے کندن سے بھی کمیاب بناؤں گا۔ اس لیے میں آسمانوں کو لرزاؤں گا اور ربّ الافواج کے غضب سے اور اس کے قہر شدید کے زور سے زمین اپنی جگہ سے جھٹکی جائے گی۔ اور یوں ہوگا کہ وہ کھدیڑے ہوئے آہو اور لاوارث بھیڑوں کی مانند ہونگے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے لوگوں کی طرف متوجہ ہوگا اور ہر ایک اپنے وطن کو بھاگے گا۔ ہر ایک جو مل جائے آر پار چھیدا جائیگا اور ہر ایک جو پکڑا جائے تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ اور ان کے بال بچے ان کی آنکھوں کے سامنے پارہ پارہ ہوں گے۔ انکے گھر لوٹے جائیں گے اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی ہوگی۔ دیکھو میں مادیوں کو ان کے خلاف برانگیختہ کروں گا، ان کی کمانیں جوانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گی اور وہ شیر خواروں پر ترس نہ کھائیں گے اور چھوٹے بچوں پر رحم کی نظر نہ کریں گے۔ اور بابل جو مملکتوں کی حشمت اور کسدیوں کی بزرگی کی رونق ہے سدوم اور عمورہ کی مانند ہو جائے گا جن کو خدا نے الٹ دیا۔ اور وہ ابد تک آباد نہ ہوگا اور پشت در پشت اس میں کوئی نہ بسے گا۔ وہاں عرب ہرگز خیمے نہ لگائیں گے اور وہاں گڈریے گلوں کو نہ بٹھائیں گے۔ پر بن کے جنگلی درندے وہاں بیٹھیں گے اور ان کے گھروں میں اُلو بھرے ہوں گے۔ وہاں شتر مرغ بسیں گے اور چھگ مانس وہاں ناچیں گے۔ اور گیدڑ ان کے عالیشان مکانوں میں اور بھیڑیے ان کے رنگ محلوں میں چلائیں گے۔ اس کا وقت نزدیک آ پہنچا ہے اور اس کے دنوں کو اب طول نہیں ہوگا۔'' (یسیعاہ باب ۱۳ آیات ۹ تا ۲۲)

حضرت یسیعاہ علیہ السلام کی ان پیشگوئیوں سے جو کہ پوری ہوئی تھیں ثابت ہوتا ہے کہ بابل کی سلطنت نہایت ظالموں کے ہاتھ میں آنے کے بعد برباد ہوئی۔ اور یہ وجہ بھی صاف دکھائی دیتی ہے کہ بابل عیاشیوں کا مرکز بن چکا تھا، شراب نوشی زنا کاری میں ساری قوم مبتلا ہو چکی تھی اور ہر قسم کی حرام کاریوں کو عبادت کا درجہ حاصل ہو چکا تھا، یہاں تک کہ مندروں کے پروہتوں میں بھی اخلاق نام کی کوئی چیز بھی باقی نہ رہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بعض عورتیں تمام عمر کنواری رہ کر اپنے آپ کو بعل کی نذر کر دیتی تھیں ان کو مندر کی پروہت بنا دیا جاتا، عام لوگوں کا خیال تھا یا باور کروا دیا گیا تھا کہ ان مقدس عورتوں سے خدا رات کے وقت ہمبستری کرتا ہے اس لیے مندر میں ایک چارپائی پڑی رہتی تھی۔ جس پروہتن کو خدا سے ہم بستری کی خواہش ہوتی وہ اس چارپائی پر سو جاتی تھی اور مندر کے پروہت ان سے منہ کالا کرتے تھے۔ اور پھر مندر میں ہونے والی بدکاریوں نے اہل بابل کو بدکاری کی طرف دھکیل دیا، بات یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ بابلی عورتیں خواہ ان کا تعلق شاہی خاندان سے بھی ہوتا ان کے لیے لازم ہو گیا کہ اپنی عمر میں کم از کم ایک دفعہ ہر ایک عورت بعل کی بیوی بلستیس کے مندر میں جائے اور وہاں جو مرد اسے ملے اس سے ہم بستر ہو۔

کتاب دانیال پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بخت نصر اور اس کے بیٹے میں آنے والے انبیاء کرام نے مثبت تبدیلی پیدا کر دی تھی اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ بخت نصر کے ہاتھوں یہودہ سلطنت کی تباہی کے بعد حضرت حزقیل بھی بنی اسرائیل کے ساتھ بابل چلے گئے۔ اور اسیری کے پانچویں سال یعنی (581 ق م میں) انہیں نبوت ملی۔ ان کے ہم عصر انبیاء میں میسا ایل، عبدیاہ اور دانیال نبی تھے۔ حضرت دانیال نبی نے رؤیا دیکھی جس کی یہ تعبیر کی کہ میدو فارس کے بادشاہ خورس کے ذریعہ بنی اسرائیل کو آزادی ملے گی۔ حضرت دانیال علیہ السلام جو ایران کے بادشاہ خورس کے آنے کے ایک برس بعد فوت ہوئے تھے، کے الفاظ میں جو کہ بائبل کے باب دانی ایل میں درج ہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ بخت نصر، حضرت دانیال علیہ السلام، میسا ایل، عبدیاہ اور حضرت حزقیل کا قدر دان تھا۔ بخت نصر دوم نے بھی ان کی قدر دانی کی تھی۔

دانیال باب دو میں لکھا ہے:۔

”جب دانیال نے بادشاہ کی دیکھی خواب کی تعبیر بتا دی تب بادشاہ نبوکدنضر نے دانیال کو سجدہ کیا۔

بادشاہ نے دانیال کی ستائش کی۔اور حکم دیا کہ اس کو نذرانے اور بخور پیش کئے جائیں۔ پھر شاہ نے دانیال سے کہا:

''فی الحقیقت تیرا خدا خداؤں کا خداوند اور بادشاہوں کا خداوند اور رازوں کا کھولنے والا ہے، کیوں کہ تو اس راز کو کھول سکا۔''

بادشاہ نے دانیال کو اپنی حکومت میں ایک بہت ہی اہم عہدہ عطا کیا اور بادشاہ نے بہت سے انمول تحفے بھی اس کو دیئے۔ نبوکدنضر نے دانیال کو بابل کے پورے صوبہ کا حکمران مقرر کردیا۔اور اس نے دانیال کو بابل کے سبھی دانشمندوں میں سے سب سے زیادہ دانشمند بھی اعلان کیا۔دانیال نے بادشاہ سے درخواست کی کہ وہ سدرک، میسک اور عبدنجو کو بابل ملک کا اہم حاکم بنادیں۔اس لئے بادشاہ نے ویسا ہی کیا جیسا دانیال نے چاہا تھا۔دانیال خود ان اہم لوگوں میں ہوگیا تھا جو بادشاہ کے قریب رہا کرتے تھے۔(صحیفہ دانیال باب 2 سے ماخوذ)

کتاب دانیال کے باب ۴ کی آیت ۳۷ میں بخت نصر کا یہ اقرار بھی موجود ہے کہ:۔

''اب میں نبُوکدنضر آسمان کے بادشاہ کی ستائش اور تکریم و تعظیم کرتا ہُوں کیونکہ وہ اپنے کاموں میں راست اور اپنی سب راہوں میں عادل ہے اور جو مغروری میں چلتے ہیں اُن کو ذلیل کرسکتا ہے۔''

بابل کی مکمل تباہی کا حال بیان کرنے سے پہلے آیئے دیکھتے ہیں کہ یہودہ سلطنت کی تباہی کیوں اور کیسے ہوئی۔پہلی بات یہی ہے کہ یہودی نافرمان ہوکر انبیاء کرام کو عزت نہ دیتے تھا جس وقت تباہی آئی اس وقت بھی انبیاء موجود تھے، جادو،ٹونہ کرتے ، بتوں کی پوجا کرتے ،کتاب حزیقل کے مطابق ناصرف مرد نبوت کے جھوٹے دعوے کرتے تھے بلکہ عورتیں بھی یہ گناہ کرتی تھیں،شریعت موسوی کو بھول چکے تھے،فسق و فجور ان کا اوڑھنا بچھونا بن چکا تھا۔

کتاب حزقی ایل میں لکھا ہے کہ:۔

''پس خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ چونکہ تم اپنے آس پاس کی اقوام سے بڑھ کر فتنہ انگیز ہو اور میرے آئین کی پیروی نہیں کی اور میرے احکام پر عمل نہیں کیا اور اپنے آس پاس کی اقوام کے آئین و احکام پر بھی کاربند نہیں ہوئے۔'' (حزقی ایل باب ۵)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

''پس میں غیر قوموں میں سے بدترین کو لاؤں گا اور وہ ان کے گھروں کے مالک ہوں گے اور میں زبردستوں کا گھمنڈ مٹاؤں گا اور ان کے مقدس مقام ناپاک کئے جائیں گے۔ ہلاکت آتی ہے اور وہ سلامتی کو ڈھونڈیں گے پر نہ پائیں گے۔ اور میں تم کو اس سے باہر نکالوں گا اور تم کو پردیسیوں کے حوالہ کردوں گا اور تم کو سزا دوں گا۔تم تلوار سے قتل ہو گے۔'' (حزقی ایل باب ۷)

یروشلم کی تباہی کی وجوہات کا مزید نقشہ بائبل نے یوں بیان کیا ہے۔

''صدقیاہ اکیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اُس نے گیارہ برس یروشلیم میں سلطنت کی۔ اور اُس نے وہی کیا جو خُداوند اُس کے خُدا کی نظر میں بُرا تھا اور اُس نے یرمیاہ نبی کے حضور جس نے خُداوند کے منہ کی باتیں اُس سے کہیں عاجزی نہ کی۔ اور اُس نے نبوکدنضر بادشاہ سے بھی جس نے اُسے خُدا کی قسم کھلائی تھی بغاوت کی بلکہ وہ گردن کش ہو گیا اور اُس نے اپنا دل ایسا سخت کر لیا کہ خُداوند اسرائیل کہ خُدا کی طرف رجوع نہ لایا۔ اُس کے سوا کاہنوں کے سب سرداروں اور لوگوں نے اور قوموں کے سب نفرتی کاموں کے مُطابق بڑی بدکاریاں کیں اور اُنہوں نے خُداوند کے گھر کو جسے اُس نے یروشلیم میں مُقدس ٹھہرایا تھا ناپاک کیا۔ اور خُداوند اُن کے باپ دادا کے خُدا نے اپنے پیغمبروں کو اُن کے پاس بروقت بھیج بھیج کر پیغام بھیجا کیونکہ اُسے اپنے لوگوں اور اپنے مسکن پر ترس آتا تھا۔ لیکن اُنہوں نے خُدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھوں میں اُڑایا اور اُس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اُس کے نبیوں کی ہنسی اُڑائی یہاں تک کہ خُداوند کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا۔ چنانچہ وہ کسدیوں کے بادشاہ کو اُن پر چڑھا لایا جس نے اُن کے مُقدس گھر میں اُن کے جوانوں کو تلوار سے قتل کیا اور اُس نے، کیا جوان، کیا کنواری، کیا بُڈھا کیا، عُمر رسیدہ کسی پر ترس نہ کھایا۔ اُس نے سب کو اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور خُدا کے گھر کے سب ظرُوف کیا بڑے، کیا چھوٹے اور خُداوند کے گھر کے خزانے اور بادشاہ اور اُس کے سرداروں کے خزانے یہ سب وہ بابل کو لے گیا۔ اور اُنہوں نے خُدا کے گھر کو جلا دیا اور یروشلیم کی فصیل ڈھا دی اور اُس کے تمام محل آگ سے جلا دئے اور اُس کے سب قیمتی ظرُوف کو برباد کیا۔ اور جو تلوار سے بچے وہ اُن کو بابل لے گیا اور وہاں وہ اُس کے اور اُس کے بیٹوں کے غلام رہے جب تک فارس کی سلطنت شروع نہ ہوئی۔'' (تواریخ باب ۲ آیات ۱۱ تا ۲۰)

یروشلم کی تباہی کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

فَاِذَا جَآءَ وَعدُ اُولٰهُمَا بَعَثنَا عَلَيكُم عِبَادًا لَّنَا اُولِى بَاسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلٰلَ

الدِّيَارِ وَكَانَ وَعدًا مَّفعُولًا ۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ٦)

ترجمہ: ''پس جب ان دونوں میں سے پہلے وعدے کا وقت آ پہنچا، ہم نے تمہارے خلاف اپنے ایسے بندوں کو کھڑا کر دیا جو سخت جنگجو تھے پس وہ بستیوں کے بیچوں بیچ تباہی مچاتے ہوئے داخل ہو گئے اور یہ پورا ہو کر رہنے والا وعدہ تھا۔''

یہودہ سلطنت ساتویں صدی قبل مسیح میں اشوریوں جن کا دارالحکومت نینوا تھا کی متوکل تھی۔ جب بابلیوں نے ان اشوریوں کا تخت الٹ دیا تو مصر کے فرعون نے یہودیوں کے ساتھ مل کر اسوریوں کے علاقوں پر دریائے فرات تک آ گئے مگر بابلیوں نے فرعونوں کو نکال باہر کیا۔ بخت نصر نے یہودیوں کی بغاوت کی بناء پر یروشلم کا محاصرہ کرلیا۔ اس محاصرے کے دوران یہودی بادشاہ یہوقیم مر گیا۔ اس کے اٹھارہ سالہ بیٹے یہویاقین کو بادشاہ بنا دیا گیا بخت نصر نے یروشلم پر قبضہ کر کے اسے اپنے ساتھ بابل لے گیا لوٹ مار کے بعد یہوقیم کے چچا صدقیاہ کو شاہ بنا دیا۔ گیارہ برس بعد یرمیاہ اور دوسرے بابل کے حامیوں کی طرف سے انتباہ کے باوجود, صدقیاہ نے بابل کے خلاف بغاوت کر دی اور فرعون اپریٹ کے ساتھ اتحاد کر لیا بخت نصر واپس ہوا اور مصریوں کو شکست دی اور پھر سے یروشلم کا محاصرہ کیا، جس کے نتیجے میں 587 قبل مسیح میں شہر پر قبضہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ بخت نصر نے فصیل شہر، ہیکل سلیمانی اور اہم شہریوں کے گھروں کو تباہ کیا۔ صدقیاہ اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا اور اس کے سامنے اس کے بیٹوں کو قتل کیا، خود اسے اندھا کر کے بہت سے دوسروں کے ساتھ بابل لے جایا گیا جہاں وہ مر گیا۔ یہوداہ، ایک بابلی صوبہ بن گیا جسے پھر یہود کہا جانے لگا اور یوں آزاد مملکت یہودہ کا اختتام ہوا ۔ گیدالیہ بابل کی جانب سے سب سے پہلا گورنر مقرر ہوا مگر کچھ عرصہ بعد یہوداہ کے شاہی خاندان کے ایک زندہ بچ جانے والے شہزادے نے گیدالیہ اور اس کے بابلی مشیروں کو قتل کر دیا۔ جس طرح ساتویں صدی قبل مسیح میں بابل اور مَید کے بادشاہوں نے مشترکہ طور پر نینواہ پر حملہ کیا اور ایک طویل محاصرہ کے بعد شہر فتح کر کے پورا شہر نذر آتش کر دیا تھا اور اس قوم کی فوجی قوت اور شان و شوکت کی صف ہمیشہ کے لئے لپیٹ دی تھی اسی طرح بابل والوں نے یہودہ سلطنت کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ جس طرح منگولوں نے بہت بعد میں بغدادی مسلمانوں کے سروں کے منار بنائے تھے اور بغداد کو کھنڈر بنا کر عباسیوں کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب کر دیا تھا اسی طرح اللہ

تعالیٰ کی نافرمانی نے یہودیوں کو بخت نصر سے سزا دلوائی۔ شاید اسی مقصد کے لیے بابلیوں کو اور منگولوں کو قوت عطا کی گئی تھی۔

بابل نے جب آخری موت کی ہچکی لی اس وقت بھی حضرت حزقیل علیہ السلام، حضرت دانیال علیہ السلام اور دو دیگر نبی موجود تھے۔ ستر برس تک یہودیوں نے بابلی مظالم کو برداشت کیا۔ انبیاء کرام کی دعاؤں کی بدولت انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی گئی کہ وہ نسل جس نے گناہ کیا تھا وہ تو ہلاک ہو چکی اب ہم ان کی خبرگیری کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ ''ہاروت و ماروت نے انبیاء کرام کی معرفت ایسی باتیں رازداری کی تلقین کے ساتھ بابلی امراء کو بتائیں جن میں بابل کے بادشاہ کی ہلاکت کا اور اس کی سلطنت مٹ جانے کا ذکر ہوتا۔ اور انہیں میدہ فارس کے بادشاہوں سے تعلق پیدا کرنے کے لیے کہا جاتا۔''

(یرمیاہ باب ۳۵ میں ایرانی بادشاہ سے تعلق قائم کرنے کی تفصیل موجود ہے)

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی یہودیوں نے ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا تھا۔ گورنر یمن کے حکم پر جو دو ایلچی آپؐ کو گرفتار کرنے آئے تھے تیسرے دن ان سے آپؐ نے یہ تاریخی فقرہ کہا تھا کہ:۔

''دیکھو! اپنے گورنر سے جا کر کہہ دو کہ میرے خدا نے آج رات تمہارے خداوند کو مار دیا ہے۔''

یہودی بھول گئے تھے بابل کی تباہی انبیاء کرام کی دعاؤں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے کروائی تھی۔ بائبل کے مطابق آئرس اعظم نجات دہندہ کے طور حملہ آور ہوا تھا۔

جی ہاں یہ 539 ق م ہی وہ سال ہے جس میں ہزاروں برس پرانی تہذیب کو دفن کر دیا گیا۔ جس تہذیب نے دنیا کو علم و ہنر کی بنیاد فراہم کی، جس تہذیب نے پہلا باضابطہ تحریری آئین دیا، مصر کے فرعونوں، آشوریوں، یہودیوں اور دیگر اقوام کو دھول چٹائی تھی بالآخر خورس شاہ فارس نے اس تہذیب کا کچومر نکال دیا بابلیوں کو بدترین شکست سے دوچار کر دیا۔ اور بابل کو اس طرح تباہ کیا گیا کہ اس کی عظمت اور شان وشوکت زمین بوس ہو گئی۔ بابلی سمجھتے تھے کہ بلند و بالا، چوڑی مضبوط فصیل شہر ناقابل تسخیر ہے مگر فارسی بادشاہ آئرس اعظم شاہ خورش یا کورش نے اس دیوار کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ''ملکوں کی ملکہ'' کی عظمت و عصمت کو تار تار کر دیا۔ یرمیاہ نبی کی یہ پیشگوئی شان وشوکت سے سو فیصد پوری ہوئی کہ:۔

''ربُّ الافواج یوں فرماتا ہے کہ بابؔل کی چوڑی فصیل بالکل گرادی جائیگی اور اُسکے بلند پھاٹک آگ سے جلادیئے جائینگے۔'' (یرمیاہ باب۵۱آیت۵۸)

مندروں، محلوں کولوٹ کرتوڑ پھوڑ دیا گیا، باغات، سرسبز وشاداب کھیتیاں اجاڑ دی گئیں، فلک بوس عمارتیں زمین بوس ہوگئیں، ہر شے جلادی گئی، دریائے فرات جس کا پانی بابل کوسیراب کرتا تھا متعفن ہوکرزہر بن گیا۔ یرمیاہ نبی نے سچ کہا تھا کہ ''قوموں میں اِعلان کرواور اِشتہار دواور جھنڈا کھڑا کرو۔ منادی کرو۔ پوشیدہ نہ رکھو۔ کہدو کہ بابؔل لے لیا گیا۔ بیؔل رُسواہُوا۔ مرودکؔ سراسیمہ ہوگیا۔ اُسکے بُت خجل ہُوئے۔ اس کی مُورتیں توڑی گئیں۔ کیونکہ شمال سے ایک قوم اُس پر چڑھی چلی آتی ہے جواُس کی سرزمین کواُجاڑ دے گی یہاں تک کہ اُس میں کوئی نہ رہے گا۔ وہ بھاگ نکلے۔ وہ چل دیئے کیااِنسان کیا حیوان۔'' (یرمیاہ باب۱آیت۲،۳)

۳۳۱ق م میں جب سکندر اعظم نے بابل کا علاقہ فتح کیا تواس نے ارادہ کیا کہ بعل کا مندر مرمت کیا جائے، مگراس مندر کا ملبہ اٹھانے کے لیے بھی دس ہزار مزدوروں کو دو ماہ درکار تھے، گوسکندر زندہ نہ رہنے کی وجہ سے اسے مرمت نہ کرواسکا مگر یقیناً اگر زندہ بھی رہتا تو بھی بابل کی ایک دیوار بھی کھڑی نہ کر پاتا وہ اس لیے کہ الٰہی نوشتے پورے ہوکر رہتے ہیں۔ اور پھر فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ سکندر اعظم نے (333 ق م) میں عراق، شام اور مصر تک پھیلی ہوئی سلطنت فارس کو بری طرح روندڈالا۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ تہذیبیں کیوں اور کب مرتی ہیں سبطِ حسن اپنی کتاب ''ماضی کے مزار'' میں لکھتے ہیں کہ:۔

''تہذیبوں پر جب بڑھاپا آتا ہے تو مرجاتی ہیں۔ کوئی بھی تہذیب جب تک معاشرے کے اعمال و تحقیقات اور افکار وعقائد میں جب تک اجتہاد کی قوت اور ردوبدل کی صلاحیت باقی رہتی ہے تہذیب کا پودا بھی پھولتا پھلتا رہتا ہے لیکن معاشرہ جب روایتوں کا یکسر غلام ہوجاتا ہے اور اوامر ونواہی کی بندشوں میں اپنے آپ کو جکڑ لیتا ہے اور نئے خیالات اور تجربات سے گریز اختیار کرتا ہے تو پھر معاشرہ اور اس کی تہذیب دونوں جمود کا شکار ہوجاتے ہیں اور ان میں ترقی کی یا دوسری تہذیبوں کے مقابلے کی طاقت نہیں رہ جاتی۔ (تین ہزار سالہ) بابلی تہذیب کا بھی یہی حشر ہوا۔''

جناب سبط حسن نے درست لکھا ہے مگر شاید ان کے نزدیک یہ بتانا خلاف مصلحت تھا کہ :۔

''انبیاء کرام کی تعلیمات سے انحراف ہی معاشروں اور تہذیبوں سے اعمال وتحقیقات اور افکار وعقائد میں اجتہاد کی قوت اور ردوبدل کی صلاحیت چھین لیتا ہے۔''

یہ بھی حقیقت ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے خدا کو بھول کر کوئی بھی تہذیب مادی ترقی جتنی بھی کر لے تباہ ہو کر رہتی ہے۔ سچ یہ بھی ہے کہ تہذیبوں کو کوئی اور نہیں مارتا وہ اپنی کرتوتوں کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں، کسی تہذیب کی موت اچانک نہیں ہوتی بلکہ لمبا عرصہ کی معذوری کے بعد موت ہوتی ہے۔ حالت پیری میں جس طرح بے شمار تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی طرح تہذیبوں کے دور معذوری میں انہیں بھی وباؤں، قحطوں، موسمیاتی تبدیلیوں، بھونچالوں، سیلابوں وغیرہ کا صدمہ برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

موجودہ دور میں بھی تہذیبوں کی جنگ نے انسانوں کی اکثریت کو دو طبقات میں تقسیم کر دیا ہے، ایک طبقہ وہ ہے جو سائنس وٹیکنالوجی کے گھوڑے پر سوار ہو ایک خدا کا انکاری ہے اور دوسرا طبقہ وہ ہے جو جہالت کی کشتی پر سوار ہے، ایک خدا کو مانتا ہے مگر خدا کی نہیں مانتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ روحانی خلا وسیع سے وسیع تر ہونے کے نتیجے میں فطرت صحیحہ پر پیدا ہونے والے انسانوں کی روحانی پیاس بڑھ رہی ہے۔ جو تہذیبیں فسق و فجور میں بڑھتی چلی جاتی ہیں آخر کار تباہ ہو جاتی ہیں۔

مشہور تاریخ دان Toynbee Arnold نے تیس برس کی تحقیقات کے بعد ۲۸ تہذیبوں کے عروج وزوال کی داستان بارہ جلدوں میں Civilization On Trial کے نام سے بیان کی ہے۔ اس نے ان میں ثابت کیا ہے کہ روحانیت سے پیدل دو تہذیبوں کے آپس میں ٹکراؤ کے نتیجے میں ایک نئی تہذیب جنم لیتی ہے۔ Toynbee صاف کہتا ہے کہ دو تہذیبوں کے آپس میں ٹکراؤ کے نتیجے میں جو روحانی خلا پیدا ہوتا ہے اسے نبی کی الٰہی جماعت پر کرتی ہے، اس دور میں جب کہ دو تہذیبیں برسرِ پیکار ہیں وہ جائزہ لینے کے بعد لکھتا ہے کہ عیسائیت، یہودیت اور دیگر مذاہب سوائے اسلام کے کسی پاس ایسی جماعت نہیں ہے جو اس خلا کو پر کر سکے۔ اسلام میں بھی اسے صرف دو جماعتیں ایسی لگیں جو اس خلا کو پر کر سکتی ہیں اور وہ ہیں بہائی اور لاہوری احمدی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ Toynbee Arnold ہی کی زبان میں ان کا بیان معزز قارئین! کی خدمت میں

من وعن پیش کردیا جائے۔Toynbee Arnold لکھتے ہیں:۔

Indeed, under the impact of the West, the great deeps of Islam are already stirring, and even in these early days we can discern certain spiritual movements which might conceivably become the embroys of new higher religions. The Bahai and Ahmady movements, which, from Acre anf Lahore, have to begun to send out their missionarise to Europe and America, will occur to the contamporary Westren obsrvor,s mind but at this point of prognostication we have reached our Pillars of Hercules, where the prudent investigator stays his course and refrains from attempting to sail out in to an ocean of future time in which he can take no more than the most general bearings. While we can speculate with profit on the general shape of things to come, we can foresee the precise shadows of particula coming events only a very short way ahead, and those historical preceedents which we have taken as our guiding lights inform us that the religions which are generated when civilisations clash take many centuries to grow to maturity and that, in a race that is so long drown out, a dark horse is often the winner.

[Civilization-On-Trial by Arnold J. Toenbee . 204 ..pub.1948]

☆☆☆

قناعت اور شکرگزاری!

عصر حاضر میں گزشتہ زمانوں سے بہت بڑھ کر مادیت پر پرزے نکال رہی ہے۔ راتوں رات امیر بننے یا امیر ترین بننے کی خواہش نے انسانوں کے ہاتھوں سے قناعت جیسا چمکتا دمکتا ہیرا چھین کر ان کے ہاتھوں میں حرص وحسد جیسا ناقص کشکول تھما دیا ہوا ہے۔ ہمیں تمام مذاہب کی تعلیمات میں قناعت کا مضمون ملتا ہے مگر عمل کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ وہ زمانے قصہ پارینہ بن چکے جب خاندان مل جل کر کام کرتے تھے اور مل بیٹھ کر کھاتے پیتے تھے، حرص، لالچ، حسد کی بجائے قناعت وشکرگزاری نے انہیں ہر قسم کی ذلتوں سے محفوظ رکھا تھا۔ کسی کی نوکری کرنے کو توہین سمجھتے تھے۔ جب یہ خاندان اور قبیلے ٹوٹنے لگے تو قناعت جیسا وصف بھی ان سے دور سے دور تر ہوتا چلا گیا۔ جب شکرگزاری اور قناعت کی بجائے حرص، لالچ، حسد پیدا ہو گیا تو ضرورت سے زیادہ کی تمنا نے انہیں مجبور کر دیا کہ انسانی حقوق کا احترام نہ کرتے ہوئے وہ ایک دوسرے کے وسائل پر زبردستی قبضہ کریں۔ فاتح ہمیشہ وہی ہوتے جو علم و ہنر میں بہتر ہوتے۔ ابتدا میں آگ سے ناآشنا انسان ننگا غاروں میں رہتا تھا، جانوروں کا اتنا شکار کرتا تھا جس سے پورا خاندان پیٹ بھر سکے۔ جب ہل ایجاد ہوا تو پہلا وار خواتین پر ہوا جو خاندان کی سربراہ ہوتی تھیں۔ ان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہی وہ دور تھا جب زن، زر، زمین نے انسانوں کو اپنا غلام بنانا شروع کیا۔ خاندان بکھر کر قبیلے، گاؤں، شہر اور ملک بن گئے۔ اس دور میں بھی جدید ٹیکنالوجی نے سب سے پہلا وار خواتین پر ہی کیا ہے آزادی کے نام پر ان سے خاندانوں کی سربراہی چھین کر بدترین غلامی کا کانٹوں بھرا تاج ان کے سروں پر رکھ دیا ہے۔ خواتین کو مردوں کی جنسی تسکین اور بچے پیدا کرنے سے تو کیا آزادی ملتی الٹا ان پر نوکریوں اور دوسری بیہودگیوں کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ ترقی یافتہ کہلانے والے ممالک نے علم و ہنر کی بنیاد پر غیر ترقی یافتہ ممالک کو اپنا غلام بنا لیا ہوا ہے۔ جس طرح لوہے کو لوہا کاٹتا ہے اسی طرح غیر ترقی یافتہ ممالک علم و ہنر کے بغیر ناممکن ہے کہ جدید غلامی سے نجات حاصل کر سکیں۔ غیر ترقی یافتہ ممالک کے لیے ضروری ہے کہ قناعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر مستقل مزاجی سے اپنے نونہالوں کو علم و ہنر کے زیور سے آراستہ کریں۔

سچ یہی ہے کہ قناعت اور شکر گزاری ہر قسم کی غلامی سے نجات کا باعث ہے۔ترقی یافتہ اقوام میں تو یوں لگتا ہے کہ قناعت سے نفرت پائی جاتی ہے۔ان اقوام کے حرص کے بڑے بڑے پیالے بھرنے کا نام نہیں لے رہے، امریکا، برطانیہ اور چند دوسرے امیر ممالک نے گزشتہ چالیس پچاس برسوں میں جس طرح غریب ممالک کے وسائل کو لوٹا ہے اس کی نظیر ماضی میں کہیں شاید ہی ملے۔مغرب جدید ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر اپنی برتری قائم رکھنے کے لیے مشرق میں روس اور چین کو دبانے کے لیے ہر حربہ آزمارہا ہے اور چین اور روس بھی اسی طرح کے عزائم رکھتے ہیں۔سرمادارانہ سوچ ترقی یافتہ اقوام تک ہی محدود نہیں بلکہ ترقی پذیر غریب ممالک میں بھی سرمایہ دارانہ غلامی کا ناگ پھن پھلائے بیٹھا ہے۔

جہاں تک اسلامی دنیا کا تعلق ہے وہ قناعت ہی سے نہیں بلکہ سبھی اَخلاقی وصفوں سے دور سے دور تر ہوتے چلے جارہے ہیں۔حالانکہ مسلمانوں کو، حرص، لالچ، حسد سے دور رکھنے اور قانع بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ البَنِينَ وَ القَنَاطِيرِ المُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الفِضَّةِ وَ الخَيلِ المُسَوَّمَةِ وَ الاَنعَامِ وَ الحَرثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الحَيٰوةِ الدُّنيَا وَ اللّٰهُ عِندَهٗ حُسنُ المَاٰبِ ۔ (سورۃ ال عمران آیت)

’لوگوں کے لئے طبعاً پسند کی جانے والی چیزوں کی یعنی عورتوں کی اور اولاد کی اور ڈھیروں ڈھیر سونے چاندی کی اور امتیازی نشان کے ساتھ داغے ہوئے گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتیوں کی محبت خوبصورت کر کے دکھائی گئی ہے۔یہ دنیوی زندگی کا عارضی سامان ہے اور اللہ وہ ہے جس کے پاس بہت بہتر لوٹنے کی جگہ ہے۔“

اصل بات یہی ہے کہ کسی بھی انسان کو حد سے زیادہ دنیا سے دل لگانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی طرف دل کو موڑنا چاہیے۔قناعت کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا ہے کم یا زیادہ اس پر راضی رہنا۔یقیناً دنیا اور اس میں خوبصورت دکھائی دینے والی ہر چیز فانی ہے۔ان سے حسب ضرورت اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں استفادہ کرنا منع نہیں ہے دنیا کا ہی ہو جانا گناہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

''متقی بنو، سب سے بڑے عابد بن جاؤ گے۔ قناعت اختیار کرو سب سے زیادہ شکر گزار بن جاؤ گے۔ لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو حقیقی مومن بن جاؤ گے۔ اپنے پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرو حقیقی مسلمان بن جاؤ گے۔ کم ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنا دیتا ہے''۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب الورع والتقوٰی)

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ۔ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ العنکبوت:۵۶)

''اور یہ دنیا کی زندگی غفلت اور کھیل تماشا کے سوا کچھ بھی نہیں اور یقیناً آخرت کا گھر ہی دراصل حقیقی زندگی ہے کاش کہ وہ جانتے۔''

اس دور میں سرمایہ داری نظام نے انسان کو اتنا مشغول کر دیا ہے کہ لگتا ہے وہ اپنے پیدا کرنے والے اور پیدا کیے جانے کے مقصد کو بھی بھول گیا ہے۔ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی قومیں قناعت سے کام لینا چھوڑ کر شکر گزاری کے جذبات سے عاری ہو جاتی ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے حرص، حسد اور لالچ میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو قحط، وبائیں اور جنگیں انہیں تباہ کر دیتی ہیں۔ اس دور میں کہا جاتا ہے کہ قحط، وباؤں اور جنگوں پر قابو پا لیا گیا ہے مگر سچ یہی ہے کہ ایسا دعویٰ کرنا سوائے دِیوانے کی بڑ کے کچھ نہیں۔ امیر ممالک کی نہ ختم ہونے والی نفسانی خواہشات کی وجہ سے سالانہ کروڑوں انسان بھوک، وباؤں اور جنگوں کا ایندھن بن رہے ہیں۔ اگر امیر ممالک قانع نہ ہوئے تو صاف دکھائی دے رہا ہے کہ آدھی سے زیادہ دنیا کی آبادی امیر ممالک کے وسیع وعَریض حرص کے پیالے میں ڈوب کر ہلاک ہو سکتی ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ مسلمان بھی الٰہی منشاء کو نہیں سمجھ رہے، قناعت اور سادگی چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔ ان کی ہوا ہوس اور لَہو ولَعَب کی طرف بہت زیادہ رغبت ہے۔

قناعت کی ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

''فلاح پا گیا جس نے اس حالت میں فرمانبرداری اختیار کی جبکہ اس کا رزق صرف اس قدر ہو کہ جس میں بمشکل گزارا ہوتا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسے قناعت بخشی ہو۔'' (ترمذی کتاب الزھد)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

''(جو لوگ قناعت نہیں کرتے اور حرص میں رہتے ہیں ان کے بارے میں یہ ہے)۔ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی بھی ہو تب بھی وہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس دوسری وادی بھی آ جائے۔اس کے منہ کو سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے''۔

(سنن الترمذی ابواب الزهد باب ماجاء لوکان لابن آدم وادیان ...)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''کسی بندے کے اندر خدا کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔اور نہ ہی کسی بندے کے دل میں ایمان اور حرص جمع ہو سکتے ہیں''۔ (سنن نسائی کتاب الجہاد باب فضل من عمل فی سبیل اللہ علی قدمہ)

اس دنیا میں انسان کا رہنا عارضی ہے اسی لیے انسانی بدن بھی عارضی بنایا گیا ہے،مرنے کے بعد اسے مٹی میں ہی ملنا ہوتا ہے بدن سے اصل جوہر جسے روح کہا جاتا ہے اگلی دنیا جسے عالم برزخ کہا جاتا ہے میں چلی جاتی ہے جہاں اسے اس کے دنیاوی اعمال کے مطابق نورانی یا ظلماتی نیا بدن ملتا ہے۔بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ انسان اس عارضی دنیا سے دل لگائے۔سچی بات یہی ہے کہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے۔ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے،اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں۔عرض کیا یا رسول اللہ!ہم لوگ کوئی گدّا بنوا کر حاضر کریں،ارشاد ہوا:۔

''مجھے دنیا سے کیا غرض،مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی سائے میں بیٹھ جاتا ہے۔پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے شکر گزار بندے بنیں ناں کہ فقط دنیادار۔

مال کی طمع سبھی رشتے بھلا دیتی ہے
باپ کو ہاتھ سے بچوں کے سزا دیتی ہے
حرص کا پیالہ کبھی بھرتا نہیں ہے صاحب
آگ دیکھا ہے یہ گھر بار جلا دیتی ہے

رانا محمد حسن خاں

میدان عرفات میں آنحضرت ﷺ کا آخری خطبہ)

عصر حاضر میں جھوٹ اور منافقت کا دور دورہ ہے۔ ملاوٹ بے خوفی سے کی جاتی ہے، زنا جیسی بے حیائی عام ہو چکی ہے، کمسن بچوں اور جانوروں تک کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کوئی ایسی برائی نہیں ہے جس نے مسلم معاشروں کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لیا ہو۔ منافقت کی حد ہے کہ اپنے عقائد کو سچ ثابت کرنے کے لیے حقیقت پر تاویلوں کی چادر ڈال کر اسے چھپا دیا جاتا ہے۔ میدان عرفات میں آنحضرت ﷺ نے جو آخری خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں مسلمانوں کے لیے ہدایت ہی ہدایت ہے اسے بیان تو کیا جاتا ہے مگر اس پر عمل کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم معاشرے پستیوں میں گرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس خطبہ کو بار بار شائع کیا جائے اور حبیب آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقدس ارشادات پر عمل کرنے کی دعا کے ساتھ ساتھ بھرپور کوشش کی جائے۔

خطبہ حجۃ الوداع کے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

''اے لوگو! میری باتیں غور سے سنو۔ کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اگلے سال میں اس جگہ تمہارے درمیان ہوں گا۔ اے لوگو! سن لو کہ تم سب کا خدا ایک خدا ہے اور تم سب کا باپ ایک ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ ہی عجمی کو عربی پر فضیلت ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو۔ اے لوگو! جو کچھ میں تمہیں کہتا ہوں سنو اور اچھی طرح اُس کو یاد رکھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ تم سب ایک ہی درجہ کے ہو۔ تم تمام انسان خواہ کسی قوم اور کسی حیثیت کے ہو انسان ہونے کے لحاظ سے ایک درجہ رکھتے ہو۔ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملا دیں اور کہا جس طرح ان دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں برابر ہیں اسی طرح تم بنی نوع انسان آپس میں برابر ہو۔ تمہیں ایک دوسرے پر فضیلت اور درجہ ظاہر کرنے کا کوئی حق نہیں۔ تم آپس میں بھائیوں کی طرح ہو۔ اے لوگو! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے غلاموں کا اپنی لونڈیوں کا (اپنے ماتحتوں کا) پورا پورا خیال رکھنا اُن کو وہی کچھ کھلانا جو تم خود کھاتے ہو اور ان کو وہی کچھ پہنانا جو تم خود پہنتے

ہو۔اگراُن سے کوئی ایسا قصور ہو جائے جو تم معاف نہیں کر سکتے تو اُن کو کسی اور کے پاس فروخت کر دو۔کیونکہ وہ خدا کے بندے ہیں اور اُن کو تکلیف دینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔خبردار! مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔باپ اپنے بیٹے کے جرم کا ذمہ دار نہیں اور نہ بیٹا باپ کے جرم کا ذمہ دار ہے۔اے لوگو! شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین پر اس کی پرستش ہوگی۔مگر اس کے علاوہ جو چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن میں وہ تمہیں بہکانے کا لالچ رکھتا ہے وہ ان کاموں پر خوش ہے جنہیں تم ناپسند کرتے ہو۔سو اس سے بچ کر رہو۔''

(جامع ترمذی ابواب الفتن باب ماجافی تحریم الدماؤالاموال)

''تمہارے خون اور تمہارے اموال ایک دوسرے پر حرام ہیں، جیسے آج کے دن کی، اس مہینے کی، اور اس شہر کی حرمت ہے۔حتّٰی کہ تم اپنے ربّ سے جاملو۔وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں جو پہلے ہی اس کے پاس پہنچ چکے ہیں، ضرور پوچھے گا۔پس تم میں سے اگر کسی کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ امانت والے کو واپس لوٹا دے۔اب جاہلیت کے خون بھی کالعدم ہیں۔سب سے پہلے میں ابن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا خون معاف کرتا ہوں۔جو بنولیث پر قابل ادا تھا۔پس ہذیل نے اسے قتل کیا تھا اور یہ جاہلیت کا وہ خون ہے جس سے میں خون کی معافی شروع کرتا ہوں۔یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ہر قسم کا سود ناجائز ہے۔اسی طرح زمانہ جاہلیت کا سب سود چھوڑ دیا گیا ہے اور پہلا سود، جو ہم اپنے ہاں کے سود میں سے چھوڑتے ہیں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔وہ سب معاف کر دیا گیا ہے۔تمہیں رأس المال ملے گا۔نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائیگا۔''　(سنن ابن ماجہ کتاب المناسک باب الخطبۃ یوم النحر)

''اے لوگو تمہارے کچھ حق تمہاری بیویوں پر ہیں اور تمہاری بیویوں کے کچھ حق تم پر ہیں۔اُن پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ عِفّت کی زندگی بسر کریں اور ایسی کمینگی کا طریق اختیار نہ کریں جس سے خاوندوں کی قوم میں بے عزّتی ہو۔اگر وہ ایسا کریں تو تم اُنہیں سزا دے سکتے ہو، مگر اس میں بھی سختی نہ کرنا۔لیکن اگر وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرتیں جو خاندان اور خاوند کی عزت کو روندنے والی ہو تو تمہارا کام ہے کہ تم اپنی حیثیت کے مطابق اُن کی خوراک اور لباس وغیرہ کا انتظام کرو۔اور یاد رکھو کہ ہمیشہ اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اُن کی نگہداشت تمہارے سپرد کی ہے۔عورت کمزور وجود ہوتی ہے اور وہ اپنے حقوق کی خود حفاظت نہیں کر سکتی تم نے

جب اُن کے ساتھ شادی کی تو خدا تعالیٰ کو اُن کے حقوق کا ضامن بنایا تھا اور خدا تعالیٰ کے قانون کے ماتحت تم اُن کو اپنے گھروں میں لائے تھے۔ پس خدا تعالیٰ کی ضمانت کی تحقیر نہ کرنا۔ اور عورتوں کے حقوق کے ادا کرنے کا ہمیشہ خیال رکھنا۔'' (دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ 227)

''اے لوگو! اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے۔ اپنی پانچوں نمازیں پڑھو اور اپنے ایک مہینے کے روزے رکھو۔ اپنے مال کی زکوٰۃ دو اور اطاعت کرو، جب بھی تمہیں حکم ہو (اگر تم ایسا کرو گے) تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔'' (جامع ترمذی کتاب الزکوٰۃ باب ماذکر فی فضل الزکوۃ)

''اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اگرچہ تم پر حبشی غلام حاکم بنایا جائے جس کی ناک کٹی ہو یا کان کٹے ہوں، اور وہ تمہیں خدا تعالیٰ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔''

(جامع ترمذی ابواب الجہاد باب ماجائی الامام)

''جو بچہ جس کے گھر میں پیدا ہو وہ اُس کا سمجھا جائیگا۔ اور اگر کوئی بدکاری کی بنا پر اُس بچے کا دعویٰ کرے گا تو وہ خود شرعی سزا کا مستحق ہوگا۔ جو شخص اپنے باپ دادوں کے علاوہ کسی اور سے اپنا نسب ملائے اور اس دوسری قوم و نسل سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے حقیقی آقا کے سوا کسی اور خاندان، قوم یا شخص کی طرف غلامی کی نسبت کرے، اس پر اللہ کی، سب فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''

(سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب لا وصیۃ لوارث)

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر شخص کے لیے وراثت میں اس کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ کوئی وصیت ایسی جائز نہیں جو دوسرے وارث کے حق کو نقصان پہنچائے۔'' (سنن ابوداؤد کتاب الوصایا باب لا وصیۃ لوارث)

''اے لوگو! جب تک انعامات شاہی انعام کی حیثیت میں رہیں، لے لیا کرو۔ لیکن جب قریش ملک پر لڑنے لگیں اور انعامات یہ صورت اختیار کرنے لگیں کہ دین کے عوض ملنے لگیں تو دست برداری اختیار کر لینا۔''

(سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب فی کراھیۃ الافتراض فی آخر الزمان)

''اے لوگو! دینی معاملات میں مبالغہ کرنے اور آگے بڑھنے سے بچتے رہو۔ تم سے پہلی قوموں کو اسی زیادتی نے غارت کر دیا۔'' (سنن ابن ماجہ کتاب المناسک باب قدر حصی الرمی)

''سنو! میں اپنی شفاعت سے بہت سے لوگوں کو جہنم سے چھڑانے والا ہوں اور ایسے لوگ بھی ہیں، جو مجھ سے الگ کر دیے جائیں گے میں کہوں گا کہ اے اللہ! یہ تو میرے ساتھی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے نہیں معلوم انہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعتیں ایجاد کی تھیں۔'' (سنن ابن ماجہ کتاب المناسک باب الخطبۃ یوم النحر)

''سنو! کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ خاوند کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے۔ قرض ادا کیا جائے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے۔ اور ضامن تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔ (سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 1024) یقیناً زمانہ ایک بار پھر چکر لگا کر اُسی جگہ آ گیا ہے جس پر اسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بناتے وقت شروع فرمایا تھا (یعنی ایک بار پھر روئے زمین پر کلیۃً خدا تعالیٰ کی حکومت قائم ہوگئی ہے) یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ ہے۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں تین تو آپس میں ملے ہوئے ہیں ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور چوتھا مہینہ رجب ہے۔ جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! یہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے۔ صحابہؓ کو گمان ہوا کہ شاید آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ ذُوالحِجّہ نہیں صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ ﷺ! پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون سا شہر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے صحابہؓ کو خیال ہوا کہ شاید آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ شہر مکہ مکرمہ نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ! پھر آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون سا دن ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے۔ صحابہؓ نے خیال کیا۔ شاید آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ آج کے دن تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں تم پر حرام اور قابل احترام ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینہ میں واجب الاحترام ہے۔ اے لوگو! عنقریب تم اپنے رب سے ملوگے وہ تم سے پوچھے گا کہ تم نے کیسے عمل کیئے؟ دیکھو میرے بعد دوبارہ کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے لگ جاؤ اور آگاہ رہو

تم میں سے جو یہاں موجود ہے ان لوگوں کو پیغام پہنچا دے جو کہ موجود نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس کو پیغام پہنچایا جائے وہ سننے والے سے زیادہ سمجھدار ہو۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا؟ آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین بار دہرائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہاں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا۔ اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! گواہ رہنا۔" (جامع صحیح بخاری، کتاب المغازی)

"اے لوگو میں بھی تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں اور قریب ہے کہ میرے رب کا ایلچی آئے گا اور میں اس کے بلاوے کا جواب دوں گا۔ اے لوگو مجھے لطیف وخبیر خدا نے یہ بتایا ہے کہ ہر نبی کو اس سے پہلے نبی سے نصف عمر ضرور دی جاتی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اب مجھے بلاوا آئے گا تو میں اس کا جواب دوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم یہ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس کی جنت حق ہے۔ اس کی جہنم حق ہے۔ موت حق ہے۔ اور دوبارہ جی اٹھنا حق ہے۔ اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں، اور یہ کہ جو قبروں میں ہیں انہیں زندہ کیا جائے گا۔ صحابہؓ نے جواب دیا کہ وہ اس کی گواہی دیتے ہیں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو گواہ رہنا" (سیرت خاتم النبیین جلد 2 صفحہ 688)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میری ذرّیت ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ یہ مجھے حوضِ کوثر پر ملیں گی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تمہارا کیا جواب ہوگا؟ صحابہؓ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ ﷺ نے پوری طرح پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا اور بڑے احسن طور پر ادا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ۔ اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ۔ اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ۔

اے میرے اللہ! تو بھی گواہ رہ۔ اے میرے اللہ! تو بھی گواہ رہ۔ اے میرے اللہ! تو بھی گواہ رہ۔

(مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی ﷺ)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قربان گاہ تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے تریسٹھ جانور ذبح کیے۔ یہ جانور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔ یہ تریسٹھ قربانیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی زندگی کے ہر سال پر ایک ایک قربانی کے طور پر معلوم ہوتی ہے۔اس پہلو سے اس میں یہ پیشگوئی بھی نظر آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ آخری سال ہے۔دس ذوالحجہ قربانیوں کی وجہ سے یوم النحر اور یوم الاضحیٰ بھی کہلاتا ہے۔

قربانیوں کی ادائیگی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معمر بن عبداللہؓ سے حلق کروایا۔انہوں نے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی دائیں جانب کے بال مونڈے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد کھڑے لوگوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیے۔پھر حضرت معمرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی بائیں جانب کے بال مونڈے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہؓ کو بلا کر وہ بال انہیں عنایت فرمائے۔سر کے بال منڈوانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کھول دیا۔اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی القصواء پر سوار ہو کر بیت اللہ کے طواف کے لیے روانہ ہوئے۔یہ طواف جو قربانی کے حلال ہونے پر کیا جاتا ہے،طواف افاضہ کہلاتا ہے۔طواف کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زم زم کے پاس جا کر پانی پیا اور منیٰ واپس لوٹ آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر منیٰ پہنچ کر ادا فرمائی۔یہ رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں گزاری اور وہیں قیام فرمایا۔منیٰ میں تین دن رات ایام التشریق کہلاتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ دس ذوالحجہ ہفتہ کے روز کیا اس کے بعد اتوار،سوموار،منگل یعنی 13.12.11 ذوالحجہ کے تین دن جو ایام تشریق تھے منیٰ میں گزارے۔ان دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی زیارت کے لیے آتے رہے۔یوم النحر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کے وقت رمی کی تھی۔جبکہ ایام تشریق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیز وال آفتاب کے بعد تینوں جمرات پر رمی کی۔سب سے پہلے آپ نے جمرۂ صغریٰ پر رمی کی اس جمرہ کو سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری مارنے کے بعد تکبیر کہی۔رمی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ سے آگے کھڑے ہوتے اور قبلہ رُو ہو کر ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرتے تھے۔اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمرۂ وسطیٰ کی رمی کرتے۔پھر قبلہ رُو ہو کر کھڑے ہو جاتے اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرتے۔پہلے دونوں جمرات کے بعد جمرۂ کُبریٰ کی رمی کرتے لیکن اس کے بعد اس کے پاس نہ کھڑے ہوتے نہ دعا کرتے۔13 ذوالحجہ بروز منگل آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے بطحاء میں قیام کے لیے روانہ ہوئے۔آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے 13 ذوالحجہ کی نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء یہیں بطحاء میں ادا کیں۔ نماز عشاء کے بعد آپ ﷺ کچھ دیر کے لیے سو گئے۔ پھر رات کے کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لائے اور طوافِ وداع کیا۔

14 ذوالحجہ بروز بدھ بمطابق 10 مارچ 632ء کو فجر کی نماز بیت اللہ میں ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ مہاجرین اور انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راستے میں تین راتیں قیام فرمانے کے بعد 17 ذوالحجہ بروز ہفتہ بمطابق 13 مارچ 632ء کو مدینہ میں ورود فرمایا۔ جب مدینہ کی آبادی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار تکبیر کہی اور یہ دعا پڑھی:۔

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ بادشاہت اور حمد اسی کی ہے اور وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہم واپس لوٹ رہے ہیں فرمانبرداری کے ساتھ جھکتے ہوئے۔ توبہ کرتے ہوئے سجدے کرتے ہوئے۔ اور اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اُس اکیلے (واحد و لاشریک) نے ہی تمام لشکروں کو ہزیمت دی۔''

ادائیگی حج کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کمزور تھی اور اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے سارے مناسک سواری پر ہی سرانجام دیے۔

معزز قارئین! حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھائی:۔

''اے اللہ! میرا باطن میرے ظاہر سے اچھا کر دے اور میرا ظاہر نیک بنا دے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکام اور رسول اللہ ﷺ کے مقدس ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ: اس مضمون کا زیادہ تر مواد جناب م۔ا۔ شہزاد کے مضمون ''آنحضرت ﷺ کا سفر حج اور خطبہ حجۃ الوداع'' سے لیا گیا ہے۔

☆☆☆

طاقتور جرنیل اور عمران خان

نو مئی ۲۰۲۳ء وہ دن ہے جب طاقت وروں نے نہایت آسانی سے اپنے لے پالک عمران خان اور ان کی جماعت کا مناسب بندوبست کرنے کا آغاز کیا۔ اور چند دن بعد اپنی دانست میں عمران خان اور ان کی جماعت کو کھڈے لائن لگا دیا۔ نو مئی کے پرتشدد واقعات کی وجہ عمران خان کی گرفتاری بنی تھی۔ رینجرز نے خلاف آئین وقانون انہیں گرفتار کیا تھا۔ طاقت وروں کی عین منشاء کے مطابق ردعمل آیا۔ پورے پاکستان میں چند ہزار افراد نے فوجی تنصیبات اور شہداء کی چند یادگاروں کو نقصان پہنچایا۔ عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ شرپسندوں کو کسی جگہ بھی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ کور کمانڈر ہاؤس لاہور اور جی ایچ کیو کی حفاظت کے لیے بھی کوئی فوجی موجود نہ تھا۔ جب عمران خان نے اس کے متعلق سوال اٹھایا تو پیمرا کی جانب سے ان کی زبان بندی ہی نہیں کی گئی بلکہ ان کی تصویر اور ان کے نام لینے پر بھی پابندی عائد کردی گئی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ یکطرفہ طور پر عمران خان کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کیا جارہا ہے۔ عمران خان کو شرپسندوں کا سرغنہ قرار دیا جارہے، شرپسندوں اور دیگر لیڈروں کو سہولت کار قرار دے کر ان کے خلاف ملٹری کورٹس میں کاروائی کی جاری ہے۔ عجیب بات یہ بھی ہے کہ شرپسندوں کا مبینہ سرغنہ اب بھی یعنی یکم جولائی کو بھی آزاد ہے اور اپنے مئوقف پر قائم ہے۔

اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ عمران خان گزشتہ دو برس سے مسلسل جرنیلوں کو لتاڑ رہے تھے، اپنے سیاسی مخالفین کی پگڑیاں اچھال رہے تھے، الیکشن کمیشن اور نیب کے لتے لے رہے تھے۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ عمران خان پر ڈیڑھ صد مقدمات قائم ہونے کے باوجود آزادی سے بیان بازی کررہے تھے، عدلیہ ایک ایک دن میں انہیں جھولی بھر کر ضمانتیں دے رہی تھی۔ یہ صورت حال صاف بتارہی تھی کہ پاک فوج کے اندر تقسیم موجود ہے، جس کی وجہ سے عمران خان دلیر اور حکومت سوچ میں گم تھی۔ پاک فوج کے اندر سو فیصد مذہبی اور لبرل تقسیم موجود ہے۔ مذہبی سوچ رکھنے والا فوجی طبقہ عمران خان اور لبرل فوجی طبقہ پی ڈی ایم کو سپورٹ کررہا تھا اور کررہا ہے۔

جنرل حمید گل جو مذہبی سوچ رکھتے تھے عمران خان کو لائے تھے اور جنرل فیض حمید نے عمران خان کو مذہبی بیانیہ دیا، ہاتھ میں تسبیح تھمائی، دیوبندی کے ساتھ ساتھ انہیں بریلوی بنایا اور تحریک لبیک ان کا ہراول دستہ بنایا، چیف جسٹس

ثاقب نثار، چیف جسٹس آصف سعید کھوسہ اور اب چیف جسٹس عطا عمر بندیال جیسے ججوں کو عمران کا پشت پناہ بنایا، آئی ایس آئی کے ذریعے بلیک میلنگ کر کے ممبران اسمبلی اور دیگر اتحادیوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ عمران خان کا ساتھ نہ چھوڑیں وغیرہ وغیرہ۔ شروع میں جنرل باجوہ بھی اپنی مدت ملازمت میں توسیع کے چکر میں جنرل فیض حمید کے ہم خیال تھے۔ جب جنرل فیض حمید کو کور کمانڈر پشاور بنایا گیا، تب سے ان دونوں جرنیلوں کی راہیں جدا ہو گئیں۔

حال ہی میں پاکستان فوج کے ترجمان میجر جنرل احمد شریف چوہدری نے راولپنڈی میں پریس بریفنگ میں کہا ہے کہ تین افسران بشمول ایک لیفٹیننٹ جنرل کو نوکری سے برخاست کر دیا گیا ہے، جبکہ پندرہ دوسرے آفیسرز بشمول تین میجر جنرلز اور سات بریگیڈیئرز کے خلاف سخت تادیبی کارروائی مکمل ہو چکی ہے۔ اس وقت ایک ریٹائرڈ فور سٹار جنرل کی نواسی، ایک ریٹائرڈ فور سٹار جنرل کا داماد، ایک ریٹائرڈ تھری سٹار جنرل کی بیگم، اور ایک ریٹائرڈ ٹو سٹار جنرل کی بیگم اور داماد اس احتسابی عمل سے، ناقابل تردید شواہد کی بنیاد پر گزر رہے ہیں۔ انہوں نے نوکریوں سے نکالے جانے والے یا تحقیقات کا سامنا کرنے والے افسران کے نام یا پوسٹنگ کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ اس کارروائی سے یہ تو بہرحال ثابت ہو گیا ہے کہ پاکستانی فوج میں ویسی ہی تقسیم موجود ہے جو اس وقت عدلیہ میں دکھائی دے رہی ہے۔

ڈی جی آئی ایس پی آر کا یہ بھی کہنا تھا کہ "کوئی توقع نہیں کرتا تھا کہ ایک سیاسی جماعت اپنے ہی ملک میں اپنی ہی فوج پر حملہ آور ہوگی۔" اس ضمن میں عرض ہے کہ اس طرح کی سیاسی جماعت بھی دنیا کی کوئی فوج نہیں بناتی۔ اس سیاسی جماعت کو پال پوس کر اس کی رگوں میں مصنوعی طاقت دینے کے لیے نشیلے ٹیکے جرنیلوں نے ہی لگائے تھے۔ یاد رکھنا چاہیے جب اپنے ہاتھوں پالے ہوئے کتے باؤلے ہو جائیں تو انہیں اگر مارا نہ بھی جائے تب بھی کم از کم قید ضرور کیا جاتا ہے۔ سچی بات یہی لگتی ہے کہ چند جرنیلوں کی عمران خان کو طیب اردگان بنانے کی کوشش کو دیگر جرنیلوں نے ناکام بنا دیا ہے۔ مگر کامیاب ہونے والے جرنیلوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ان کی عارضی فتح ثابت ہوگی اگر فوج کی اچھی طرح تطہیر نہ کی گئی۔ اور یہ تطہیر ممکن نہیں ہوسکتی جب تک آئین پاکستان کی اصلاح نہیں کی جاتی اور آئین پاکستان کی اصلاح کرنے کے قابل کوئی بھی سیاسی جماعت نہیں ہے، آئین کی اصلاح کے لیے بظاہر لگتا ہے کہ سوائے سرخ مارشل لاء کے کوئی اور صورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم وطنوں کو عقل سلیم دے، رحم فرمائے۔

☆☆☆

ضیاء الحق سے عمران خان تک

جنرل ضیاءالحق نے جنرل حمید گل کو ڈی جی آئی ایس آئی بنایا تھا۔ جنرل ضیاء الحق کی موت کے بعد جنرل حمید گل نے اسلامی جمہوری اتحاد کی تشکیل میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اسلامی جمہوری اتحاد میں نو دائیں بازو کی جماعتیں شامل تھیں۔ جماعت اسلامی، جمیعتہ علماء اسلام (مولانا سمیع الحق گروپ) مسلم لیگ اور نیشنل پیپلز پارٹی اہم جماعتیں تھیں۔ جس طرح قومی اتحاد کے نو ستاروں کو بھٹو کے خلاف جرنیلی مدد حاصل تھی اسی طرح جرنیلی ٹولے نے بے نظیر بھٹو کے خلاف بھی اسلام کے نام پر نو جماعتی اتحاد کھڑا کر دیا مگر بے نظیر بھٹو کی مقبولیت کے سامنے یہ اتحاد ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ اسلام کا نام جنرل حمید گل اسی قدر استعمال کرتے تھے جیسے عمران خان استعمال کرتے ہیں بلکہ کچھ زیادہ۔ جنرل صاحب کے متعلق اس ضمن میں محمد آصف بھلی اپنے مضمون بیادِ جنرل حمید گل میں لکھتے ہیں:۔

''جنرل حمید گل ایک جذباتی اور جنونی مسلمان تھے۔ 1988ء میں جب وہ فوج کے حساس ترین ادارے آئی ایس آئی کے سربراہ تھے تو انہوں نے جنرل اسلم بیگ کے کہنے پر بے نظیر بھٹو کے اقتدار میں آنے کا راستہ روکنے کے لئے مختلف سیاسی جماعتوں پر مشتمل اسلامی جمہوری اتحاد کی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔''

(بیادِ جنرل حمید گل از محمد آصف بھلی Sep10,2015 روزنامہ پاکستان)

شاید یہی وجہ تھی کہ جنرل حمید گل کی مذہبی جنونیت نے انہیں حافظ سعید سے ہاتھ ملانے پر مجبور کیا ہوگا بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ حافظ سعید جیسے دہشت گردوں کو پالنے پر مجبور کیا ہوگا۔ یاد رہے کہ سنہ 2012ء میں جنرل حمید گل جماعت الدعوۃ اور اہلِ سنت والجماعت سمیت دیگر چالیس مذہبی و سیاسی جماعتوں کے اتحاد دفاعِ پاکستان کونسل کے مرکزی کنوینر بھی بنے۔ (16 اگست 2015 بی بی سی نیوز)

یہ دفاعِ پاکستان کونسل نیٹو سپلائی روکنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ کونسل کے چیئرمین جمیعت علماء اسلام (س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق تھے جبکہ دیگر قیادت میں جماعت الدعوہ کے امیر پروفیسر حافظ محمد سعید، جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن، اہلسنت والجماعت کے محمد احمد لدھیانوی، عوامی مسلم لیگ کے شیخ رشید احمد،

اعجاز الحق، آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل (ر) حمید گل اور دیگر شامل تھے۔ عمران خان بھی اس معاملے پر بے حد پرجوش تھے۔

مولانا ابوعمار زاہد الراشدی صاحب لکھتے ہیں:۔

''لاہور کے فلیٹی ہوٹل میں ایک سیمینار تھا جس میں جسٹس سید نسیم حسن شاہ مرحوم نے قرآن وسنت کی بالادستی پر بڑی اچھی گفتگو کی۔ راقم الحروف بھی اس میں شریک تھا۔ جسٹس صاحب مرحوم کے بعد جب جنرل حمید گل مرحوم نے گفتگو کی تو جسٹس مرحوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''جناب والا! جب آپ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے طور پر ''قرارداد مقاصد'' کو دستور کی بالادست دفعہ تسلیم نہ کرنے کا فیصلہ تحریر فرما رہے تھے تو قرآن و سنت کی بالادستی پر آپ کا یہ عقیدہ کون سے فریزر میں منجمد پڑا تھا جس کا آپ نے آج کے خطاب میں اظہار کیا ہے؟'' جنرل حمید گل مرحوم کے اس استفسار پر جسٹس صاحب مرحوم نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا اور میرے دل نے بے ساختہ دعائیں دینا شروع کر دیں۔'' (ماہنامہ الشریعہ ستمبر ۲۰۱۵ء)

اور فروری ۲۰۰۱ء کو ایوان اقبال لاہور میں ڈاکٹر اسرار احمد کی ''تحریک خلافت پاکستان'' کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ''انٹرنیشنل خلافت کانفرنس'' میں جنرل (ر) حمید گل نے خلافت کے قیام اور اسلامی نظام کے عملی نفاذ کے دستوری طریق کار کی وضاحت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ دستور میں قرآن وسنت کو ملک کا سپریم لاء قرار دینے سے نفاذ اسلام کی راہ ہموار ہو جائے گی اور پھر ملک میں رائج غیر شرعی قوانین کے خاتمے اور قرآن وسنت کے قوانین کی عملداری میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔ ان کا کہنا تھا کہ ''جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے ''قراردادِ مقاصد'' کو آئین کا واجب العمل حصہ قرار دے کر یہ کام کر دیا تھا اور قراردادِ مقاصد میں درج اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ اور قرآن وسنت کی مکمل عملداری کے وعدہ کو دستور و قانون پر بالادستی حاصل ہو گئی تھی جسے ہائی کورٹ نے تسلیم بھی کر لیا تھا لیکن سپریم کورٹ آف پاکستان کے فل بینچ نے یہ فیصلہ دے کر اس عمل کو بریک لگا دی تھی کہ قرارداد مقاصد بھی دستور کی باقی دفعات کے مساوی درجہ رکھتی ہے اور اسے دستور پاکستان کی دیگر شقوں پر کوئی بالادستی حاصل نہیں ہے۔ اس سے ملک میں نفاذِ اسلام کی گاڑی رک گی اور اب اسے دوبارہ چالو کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جنرل پرویز مشرف سپریم کورٹ کی طرف سے تفویض کردہ دستوری اختیارات

کو بروئے کار لاتے ہوئے قراردادِ مقاصد کی بالا دستی کو تسلیم کرنے اور قرآن وسنت کو ملک کا سپریم لاء قرار دینے کا دستوری حکم صادر کریں، اس کے سوا ملک میں نفاذ اسلام کا اور کوئی دستوری راستہ نہیں ہے۔''

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ:۔

حاکم خان بنام وفاق پاکستان (595SC1992PLD) میں وفاقی حکومت نے مؤقف اختیار کیا کہ شق 2 (الف) ماورائے آئین شق ہے۔

لاہور ہائی کورٹ نے ''حاکم علی کیس'' (595SC1992PLD) کے عنوان سے ایک رٹ میں فیصلہ دیا تھا کہ چونکہ ''قرارداد مقاصد'' کو دستور پاکستان میں بالاتر حیثیت حاصل ہے اور اس میں ضمانت دی گئی ہے کہ ملک کے دستور و قانون کی کوئی شق قرآن وسنت سے متصادم نہیں ہوگی، اس بنیاد پر پاکستان کے تحت صدر پاکستان کا یہ اختیار شریعت اسلامیہ کے منافی ہے کہ وہ قصاص میں قاتل کی سزائے موت کو رحم کی اپیل میں مقتول کے ورثاء کی مرضی کے بغیر بھی معاف کر سکتے ہیں۔ اس لیے صدر پاکستان کے اس اختیار کو قرآن وسنت کے احکام کے منافی قرار دے کر ختم کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ فیصلہ جب عدالت عظمیٰ میں گیا تو چیف جسٹس جناب ڈاکٹر سید نسیم حسن شاہ مرحوم کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے فل بینچ نے لاہور ہائی کورٹ کے اس موقف کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ ''قرارداد مقاصد'' کو ملک کے دستور میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل ہے اور اس کی بنیاد پر دستور کی کسی دوسری شق کے بارے میں کوئی فیصلہ دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ عدالت عظمیٰ نے صدر پاکستان کے اس اختیار کو بدستور بحال رکھا۔ (یاد رہے کہ وفاقی حکومت نے مؤقف اختیار کیا تھا کہ شق 2 (الف) ماورائے آئین شق ہے۔)

قرارداد مقاصد کی کہانی بڑی دلچسپ اور اپنے جلو میں بربادیوں کے نا ختم ہونے والے سلسلے کو بھی سموئے ہے۔ قائداعظم نے دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس میں پاکستان کا عمرانی معاہدہ بیان کرتے ہوئے بلا تفریق مذہب، رنگ، نسل تمام شہریوں کے لئے مساوی رتبے اور حقوق کا اعلان کیا تھا۔ دستور ساز اسمبلی کے کسی مسلم یا غیر مسلم نے اس کی مخالفت نہیں کی تھی سوائے مولانا شبیر احمد عثمانی کے۔ انہوں نے 30 اگست 1947ء کو ایک بیان کے ذریعے قائداعظم سے اختلاف کیا۔ اور قائداعظم کی وفات کے بعد مولانا زشبیر احمد عثمانی کی

جانب سے پیش کی گئی قرارداد مقاصد کو دستور ساز اسمبلی نے قائداعظم کے عمرانی معاہدے سے انحراف کرتے ہوئے منظور کرلیا۔ کسی ایک غیر مسلم ممبر اسمبلی نے بھی قرارداد مقاصد کی حمایت نہیں۔ مولانا مودودی جو پاکستان بننے کے مخالف تھے ریڈیو پاکستان پر اس قرارداد مقاصد کو پڑھ کر اپنی دانست میں اپنی سیاست کا قبلہ درست کر لیا۔ جب ۱۹۷۳ء کا متفقہ آئین منظر عام پر آیا تو پتا چلا کہ قرارداد مقاصد یعنی نام نہاد اسلام کو آئین کا حصہ نہیں بنایا گیا بلکہ اسے آئین کے دیباچے تک محدود رکھا گیا ہے۔ ۱۹۷۴ء میں دستور ساز اسمبلی نے (جس کے ممبروں کو جنرل ضیاء الحق نے اسمگلروں، چوروں، شرابیوں، زانیوں اور رسہ گیروں وغیرہ کا ٹولہ قرار دیا تھا) دستور پاکستان کی شق بیس اور دیگر شقوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک مسلمان جماعت کو کافر قرار دے کر قومی بربادیوں کی طرف اپنا سفر تیزی سے کرنا شروع کر دیا۔ قرارداد مقاصد کے عشاق مولانا حضرات نے پی این اے یعنی پاکستان قومی اتحاد بنا کر جسے آرمی کی بھرپور مدد حاصل تھی بھٹو اور اس کی پارلیمنٹ کا بینڈ بجا دیا اور جنرل ضیاء الحق مولانا لوگوں کے کندھوں پر سوار ہو کر مسند اقتدار تک پہنچ گئے۔ بھٹو کی پھانسی کے بعد جنرل ضیاء الحق دستور کی طرف متوجہ ہوئے اور ۹۶ بار اس کی عصمت دری کی۔ 12 اگست 1983ء کو جنرل صاحب نے اپنی خود ساختہ مجلس شوریٰ سے ایک خطاب میں پورے آئینی ڈھانچے کو بدلنے کا اعلان کر دیا۔ اس تقریر میں ضیاالحق نے کہا تھا:۔

''قرارداد مقاصد جو عوام کے دلی جذبات اور قومی امنگوں کی عکاسی کرتی ہے کبھی عوام کے دلوں سے محو نہیں ہوئی۔ یہی وہ امنگ اور یہی وہ جذبہ تھا جس کا مظاہرہ 1977ء کی تحریک میں بھی دیکھنے میں آیا لیکن مقام افسوس ہے کہ یہ اہم دستاویز وقتی مصلحتوں کے تحت ہمارے دساتیر میں وہ جگہ نہ پاسکی جس کی یہ مستحق تھی.... اپنی اصل شکل میں 1973ء کے آئین میں ''اسلام'' صرف دیباچے کی حد تک تو موجود ہے لیکن متن میں خال خال ہے جو میرے خیال کے مطابق عوام کی امنگوں کے منافی ہے....''

اور پھر قرارداد مقاصد کو جنرل ضیاء الحق نے 2 مارچ 1985ء کو صدارتی حکم نمبر 14 کے ذریعہ آئین کا حصہ بنا دیا جسے بعدازاں غیر جماعتی انتخابات میں منتخب ہونے والے اسمگلروں، چوروں، شرابیوں، زانیوں اور رسہ گیروں سے بننے والی پارلیمنٹ نے آٹھویں ترمیم کی صورت دے دی۔

قرارداد مقاصد کے متعلق مشہور دانشور جناب وجاہت مسعود صاحب لکھتے ہیں:۔

''دستور ساز اسمبلی کے تمام غیر مسلم ارکان نے قائد اعظم کے (برابر کے شہری حقوق دینے کے) اعلان کا خیر مقدم کیا۔قائداعظم سے اختلاف کی واحد آواز شبیر احمد عثمانی کی تھی جنہوں نے 30 اگست 1947ء کو ایک بیان کے ذریعے قائداعظم سے اختلاف کیا۔دوسری طرف دستور ساز اسمبلی کے کسی ایک غیر مسلم رکن نے قرارداد مقاصد کی تائید نہیں کی۔عمرانی معاہدہ معمول کی قانون سازی نہیں ہوتا کہ اکثریت رائے سے فصل نزاع ہو سکے۔کوئی ایک مذہبی گروہ ریاست پر اپنی اجارہ داری مسلط کرنے کا حق نہیں رکھتا۔جمہوریت اکثریت کا استبداد نہیں۔قرارداد مقاصد سے اختلاف کا سبب مذہبی نہیں، سیاسی ہے۔ریاست کسی ایک عقیدے کو ترجیحی درجہ دے تو اس مراعات یافتہ ڈھانچے میں مذہب اور فرقے کی بنیاد پر منافرت اور تفرقے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ پاکستان میں موجودہ انتہا پسندی کا سبب اسلام نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ریاست نے مذہب کی بنیاد پر جانبداری اختیار کر لی۔

ہمارے محترم دوستوں کو اختلاف رائے کا پورا حق ہے لیکن وہ آئین کی شق 2 (الف) کو نا قابل ترمیم قرار دے کر انصاف نہیں کرتے۔آئین کی شق 238 اور 239 میں آئینی ترمیم کا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے کسی حصے کو ماورائے ترمیم قرار نہیں دیا گیا۔آئین کی تشریح کا اختیار عدلیہ کے دائرے میں آتا ہے۔عدالت عظمیٰ نے اب تک آئین کی کوئی ایسی تشریح نہیں کی جس میں آئین کے کسی جز و کو بنیادی ڈھانچہ قرار دیا گیا ہو۔حاکم خان بنام وفاق پاکستان (PLD 1992 SC 595) میں وفاقی حکومت نے مؤقف اختیار کیا کہ شق 2 (الف) ماورائے آئین شق ہے۔تاہم سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ شق 2 (الف) ماورائے آئین نہیں گویا اسے اصول اولیٰ (Grund Norm) ماننے سے انکار کر دیا۔جسٹس نسیم حسن شاہ نے فیصلے میں لکھا کہ اگر شق 2 (الف) کو ماورائے آئین حصہ تسلیم کر لیا جائے تو ہمیں نئے سرے سے آئین تیار کرنا پڑے گا۔ ' قرارداد مقاصد پر مؤقف قائداعظم اور ضیاءالحق میں انتخاب کا معاملہ ہے۔''

(ہم سب، ۱۶ مارچ ۲۰۱۶۔ناانصافی طے شدہ معاملہ نہیں ہوتی)

معزز قارئین! سچ تو یہ ہے کہ پاکستانی قوم قائداعظم کو عزت سے یاد کرتی ہے مگر ان کے افکار کی ان

کے نزدیک دوکوڑی کی حیثیت نہیں۔اور پاکستانی قوم جنرل ضیاءالحق کونہایت ذلت بھرے الفاظ سے یادکرتی ہے مگراس کے گھٹیاافکار کو سینے سے لگائے بیٹھی ہے۔اسی لیے ابھی تک یہ ہی طے نہیں ہوسکا کہ دستور کی شقیں اسلامی ہیں یاغیراسلامی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے سرپرست اعلیٰ بلاول بھٹوکا کہنا ہے کہ''دستور پاکستان کی کوئی شق غیر اسلامی نہیں ہے'' جبکہ کالعدم تحریک طالبان کے ترجمان شاہداللہ شاہد کہہ رہے ہیں کہ''آئین کی کوئی شق اسلامی نہیں ہے۔''یعنی کہہ سکتے ہیں کہ دستور بھی کفر سے بدتر منافقت اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

جنرل (ر) حمیدگل کے مختصر تعارف اور قرارداد مقاصد کی کہانی کے بعداب دیکھتے ہیں کہ جنرل (ر) حمیدگل نے سیاست کی بساط پر کیا کیا چال چلی۔اوران چالوں کے نتائج کیا نکلے؟

معزز قارئین! جرنیلی ٹولے نے بھٹو کی پھانسی کے بعد پیپلز پارٹی کوغیر فعال کرنے کے لیے جہاں اسلامی جمہوری اتحاد بنایا تھاوہیں نوازشریف کو پنجاب میں اور الطاف حسین کوسندھ میں بویا تھا۔جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ بےنظیر بھٹو کی مقبولیت کے سامنے یہ اتحاد ریت کی دیوار ثابت ہوا اور بےنظیر بھٹووزیراعظم بن گئیں۔بےنظیر بھٹو نے جنرل حمیدگل کوڈی جی آئی ایس آئی کے عہدے سے ہٹا کرکور کمانڈر ملتان بنا دیا بعد ازاں جنرل حمیدگل اگلے ہیوی انڈسٹری ٹیکسلا تبادلہ کے حکم پر یہ کہہ کرگھر چلے گئے کہ''میں ٹینک بنانے نہیں بلکہ ٹینک چلانے کے لیے آیا ہوں''۔یادرہے کہنے کوگھر جانے سے پہلے بےنظیر بھٹو کی حکومت گرانے میں اپنا کردار نبھا کر گئے۔اوراگلے انتخابات میں نوازشریف جس کی صورت میں جنرل حمیدگل کواپنا باس ضیاءالحق (یہ الگ بات ہے کہ اپنے باس ضیاءالحق کو بچانہ سکے یہی کہتے رہے بلاثبوت امریکا نے سازش کی ہے۔بالکل ویسے ہی جیسے عمران خان نے اپنی نالائقی سے اقتدار کھوکر کہہ دیا کہ یہ امریکی سازش تھی) دکھائی دیتا تھا کے لیے وہ پر خارراستہ جوایوان بالا تک جاتا ہے،صاف ستھرا کردیا۔

جنرل حمیدگل نے جب نوازشریف میں سیاسی بلوغت کے آثار دیکھے تو نئے چہرے کی تلاش شروع کر دی۔عام طور پر جرنیلی ٹولہ انہیں لے پالک بناتا ہے جس نے کسی میدان میں نام پیدا کیا ہوتا ہے۔اس مرتبہ ایک کھلاڑی کوسیاسی مہرے کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

عمران خان کو گود لے لیا گیا۔ کرکٹ ورلڈ کپ جیتنا، شوکت خانم کینسر اسپتال بنانا عمران خان کو گود لینے کی وجہ قرار دیے گئے۔ حالانکہ ورلڈ کپ جیتنا ٹیم ورک کا نتیجہ تھا اور شوکت خانم کینسر اسپتال کے لیے زمین نواز شریف سے دلوائی گئی تھی۔ عمران خان کو گود لینے کے موقع پر باقاعدہ تقریب منعقد کی گئی۔ اس تقریب کا آنکھوں دیکھا حال جناب سلیم صافی صاحب کچھ یوں بیان کرتے ہیں:۔

''اگر ایک انسان اپنے خاندان اور اپنے دوستوں کا وفادار نہیں تو آگے جا کر اپنی قوم اور ملک سے بھی وفا نہیں نبھا سکتا۔ کیونکہ انسان وفادار ہوتا ہے یا بے وفا اور میں دیکھتا رہا کہ وہ (عمران خان) کسی کے ساتھ وفاداری نہیں نبھاتے۔ ایک اور صفت میں نے ان کے ہاں محسن کشی کی محسوس کی تھی جس کا نظارہ ان دنوں سب کر رہے ہیں کہ جس ادارے نے ان کی پارٹی کو ایک فین کلب سے اٹھا کر اقتدار تک پہنچایا اور ان کی خاطر ہر طرح کی بدنامی مول لی، وہ آج اس ادارے کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ کالم کا اختتام اس ایک واقعے پر کرنا چاہوں گا کہ جب عمران خان سیاسی پارٹی بنا رہے تھے تو ماڈل ٹاؤن کے ای بلاک کے ایک گھر میں ایک تحریری دستاویز پر دستخط ہوئے جس میں فیصلہ ہوا کہ جنرل حمید گل اور عمران خان میں سے ایک چیئرمین اور دوسرے صدر ہوں گے۔ اس کے گواہوں میں ڈاکٹر فاروق خان اور منصور صدیقی اس دنیا میں موجود نہیں لیکن دو گواہ یعنی محمد علی درانی اور جاوید احمد غامدی زندہ ہیں۔ اس معاہدے کی کاپی ایک غیر سیاسی مگر ایماندار انسان کے پاس موجود ہے جبکہ یہ سب کچھ میری نظروں کے سامنے ہوا تھا۔ معاہدے کے بعد عمران خان لندن اپنے سسرال گئے اور جب واپس آئے تو انہوں نے باقی لوگوں سے کہا کہ جنرل حمید گل کو ساتھ نہیں رکھنا اور پارٹی ایسے وقت میں اناؤنس کرنی ہے جب وہ ملک سے باہر ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جنرل حمید گل مرحوم اور دیگر لوگ حیران پریشان رہ گئے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس کے کہنے پر انہوں نے جنرل حمید گل کو یہ دھوکہ دیا۔ ان کی یہ چالبازی اور بے وفائی دیکھ کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا لیکن ساتھ یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ ان کی سیاست کی ڈوریں کہاں سے ہل رہی ہیں۔'' (2022/06/05 اوصاف۔ سلیم صافی)

جنرل حمید گل نے عمران خان کی جماعت اسلامی سے علیک سلیک کروائی اور ہارون الرشید جیسے صحافیوں کو ان کے ساتھ لگایا۔ اور عمران خان نے انہیں صدر پارٹی بنانے کی بجائے اچھوت بنا دیا۔ جنرل حمید گل

کے عمران خان کے قریب آنے سے پہلے جنرل ضیاء الحق بھی عمران کو مسلم لیگ میں شمولیت کی دعوت دے چکے تھے، نواز شریف نے بھی ایسی ہی دعوت دی تھی۔ غالب امکان ہے کہ عمران کے انکار کے بعد جنرل حمید گل کی ڈیوٹی لگائی گئی ہو کہ اس نوجوان کو سیاست میں لایا جائے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جنرل حمید گل اور محمد علی درانی جماعت اسلامی کے یوتھ ونگ پاسبان کے انچارج تھے ۱۹۹۴ء میں عمران خان بھی اس گروپ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۹۶ء میں تحریک انصاف بنائی گئی اگلے برس ہونے والے الیکشن میں کوئی سیٹ نہ ملی۔ مشرف دور میں انہیں ۲۰۰۲ء میں وزراعظم بنانے کی پیشکش کی مگر جواب انکار تھا۔

جنرل پرویز مشرف جو لبرل سوچ رکھتے تھے ان سے عمران خان کو جو خود بھی لبرل ماحول میں پلے تھے توقع تھی کہ وہ انہیں اقتدار کی کرسی تک پہنچا سکتے ہیں شاید اسی لیے انہوں نے شروع کے دنوں میں جنرل پرویز مشرف کی کھل کر حمایت کی تھی، مگر جنرل پرویز مشرف، مسلم لیگ (ق) کو گود لے چکے تھے اس لیے پہلے وزیراعظم ظفر اللہ جمالی بن گئے، ان کے استعفیٰ کے بعد چوہدری شجاعت حسین اور بعد میں شوکت عزیز وزیراعظم بن گئے۔ مشرف کے دور میں عمران خان صرف ایک سیٹ ہی حاصل کر پائے جوان کی اپنی تھی ۲۰۱۳ء وہ سال ہے جب تحریک انصاف کو ابھرنے کا موقع فراہم کیا گیا۔ انتخابات میں ن لیگ فاتح بنی، تحریک انصاف تیسرے نمبر پر رہی۔ صوبہ سرحد میں اصولی طور پر ن لیگ حکومت بنا سکتی تھی مگر اس نے تحریک انصاف کو اس کا موقع دے دیا اور تحریک انصاف نے جماعت اسلامی کے ساتھ مل کر حکومت بنائی مگر جلد ہی جماعت اسلامی الگ ہوگئی۔ تحریک انصاف نے نواز شریف کی حکومت کے خلاف دھرنے دینے شروع کیے اور ان کا ساتھ دے رہے تھے مولانا طاہر القادری۔ ان دنوں نواز شریف کہا کرتے تھے کہ خلائی مخلوق ان کی مدد کر رہی ہے اور عمران ایمپائر کی انگلی اٹھنے کا انتظار کرتے تھے۔ ثاقب نثار اور آصف سعید کھوسہ بھی اپنے فیصلے ہوا کا رخ بدلتے دیکھ کر کر رہے تھے۔ ڈان لیکس کے بعد عمران خان کو باجوہ گروپ نے موقع دینے کا جب فیصلہ کرلیا تو نواز شریف کو پانامہ لیکس کے شکنجے میں کس کر اقامہ کیس میں بیٹے سے تنخواہ نہ لینے کے جرم میں تاحیات نااہل کر دیا گیا۔ ایک اہم کام یہ کیا گیا کہ ختم نبوت پر سیاست کی گئی۔ حلف نامہ کو تبدیل کرنے کا الزام لگا کر ن لیگ کا ناطقہ بند کر دیا گیا۔ نواز شریف کو جوتا مارا گیا، احسن اقبال کو گولی ماری گئی اور خواجہ آصف پر سیاہی پھینکی گئی۔ تحریک لبیک کو بھی تیار کروایا گیا

جس نے پورے ملک میں طوفان بدتمیزی پیدا کر دیا تھا۔ جنرل باجوہ اور ثاقب نثار، عمران خان کے شیدائی بن چکے تھے۔

جنرل باجوہ کو قومی مفاد سے کوئی غرض نہ تھی ان کو اگر کوئی غرض تھی تو وہ تھی ایکسٹینشن۔ مدت ملازمت میں توسیع کی خواہش نے اس بندے اور ادارے کے عزت ووقار کو دوکوڑی کا کر دیا۔ ۲۰۱۸ء کے عام انتخابات میں عمران خان کو سادہ اکثریت دلوائی گئی۔ جنرل باجوہ کے ساتھ عمران جی کے مراسم اس طرح کے تھے جیسے یک جان دوقالب۔ عمران خان کو چونکہ سادہ اکثریت دلائی گئی تھی اس لیے دوسری چند سیاسی جماعتوں سے اتحاد لازمی تھا۔ پرویز الٰہی جسے عمران ڈاکو، شیخ رشید کو جسے اپنا چپڑاسی بھی رکھنے کے روادار نہیں تھے، ایم کیو ایم کو غدار جماعت کہتے نہ تھکتے تھے ان سب سے اتحاد کر لیا۔ اگر کوئی بااصول لیڈر ہوتا تو کسی صورت میں بھی مسند اقتدار پر نہ بیٹھتا۔ جہانگیر ترین، علیم خان نے دن رات ایک کر کے ممبروں کی تعداد پوری کی۔ اور جرنیل، فون کر کے ممبران کو اسمبلی لاتے اور انہیں مجبور کرتے کہ عمران کا ساتھ چھوڑنا نہیں۔ عمران خان بنیادی طور پر دیو بندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں مگر بظاہر لگتا ہے کہ بریلوی ووٹ حاصل کرنے کے لیے بشریٰ بی بی سے شادی فائدہ مند ثابت ہوئی تھی۔ بس ایک بار مزار پر سر ٹیکنا تھا سو وہ عمران جی نے ٹیک لیا۔

بطور وزیراعظم اپنی پہلی باتسبیح تقریر میں عمران نے ریاست مدینہ کی طرز پر پاکستان کو بنانے کا اعلان کیا۔ اور چند دن بعد عاطف میاں کو معاشی مشیر بنایا اور مخالفت پر انہیں محض مذہبی اختلاف کی بنا پر ناقابل قبول قرار دے دیا۔ جنرل باجوہ کو جب مدت ملازمت میں حسب وعدہ عمران نے توسیع دے دی تو سپریم کورٹ نے اسے خلاف آئین قرار دیتے ہوئے چھ مہینے کا وقت دیا کہ اس دوران قانون سازی کی جائے۔ بجائے اس کے کہ جنرل باجوہ گھر چلے جاتے، بے شرموں کی طرح ممبران اسمبلی کو فون کروانے شروع کر دیے جب تک مدت ملازمت میں توسیع نہ مل گئی چین سے نہ بیٹھے۔ بعد اس کے جنرل باجوہ سے عمران کے تعلقات کشیدہ ہونے کا آغاز ہوا۔ جنرل فیض حمید جو آئی ایس آئی کے چیف تھے ان کے کور کمانڈر پشاور بنائے جانے کی سمری عمران کو بھیجی گئی تو جناب نے اس پر دستخط نہیں کیے اور اصرار کیا کہ ان کا تبادلہ نہ کیا جائے۔ عمران خان کو جنرل فیض حمید کی صورت میں جنرل حمید گل دکھائی دیتے تھے۔ جنرل فیض حمید نے پریشر کے لیے تحریک لبیک بنائی، مذہبی

بیانیے کو تحریک انصاف کی اساس بنوایا، عمران کے ہاتھ میں تسبیح تھمائی اور ختم نبوت نامی راگ سکھایا جسے وہ بیہودگی اور کمال بے شرمی سے اپنی بھونڈی آواز میں وقت بے وقت آلاپتے رہتے۔ القادر یونیورسٹی بنانے کا مقصد عمران جی نے رحونیت یعنی روحانیت سکھانا بتایا تھا۔ اب یہ القادر یونیورسٹی لگتا ہے ان کی روح کو طمانچے مارے گی۔ ان کی ساکھ کی دھجیاں اڑا دے گی۔

عمران خان کے خلاف تحریک عدم اعتماد کسی صورت کامیاب نہ ہوتی اگر جرنیلی ٹولہ پی ڈی ایم کا ساتھ نہ دیتا۔ بی بی سی کے ایک رپورٹر کے مطابق عدم اعتماد کی رات جب جنرل باجوہ کو گھر بھیجنے کی عمران جی نے سمری تیار کر لی تو تین جرنیلوں کی وزیراعظم ہاؤس آمد ہوئی۔ دوران گفتگو ایک جرنیل نے عمران کے جواب نہ دینے پر تھپٹر مارا اور دوسرے جرنیل نے بالوں سے پکڑ کر عمران کے جھکے سر کو اوپر کیا۔ سوال جواب کے بعد وزیراعظم ہاؤس کی روشنیاں اور دروازے بند کر دیے گئے اور تینوں جرنیل اور عمران ہیلی کاپٹر پر روانہ ہو گئے۔

یہی وہ عدم اعتماد والی رات تھی جس نے پاکستان کو بعد ازاں بدترین صورت حال سے دو چار کر دیا۔ پہلے سپریم کورٹ نے متنازعہ بلکہ کہنا چاہیے کہ جاہلانہ فیصلہ کیا۔ بعدازاں جرنیلی ٹولے نے جس کے سربراہ جنرل باجوہ تھے احمقانہ فیصلہ کیا۔ جنرل باجوہ کی حرص کا پیالہ چھ سال کے بعد بھی نہیں بھرا، جنرل باجوہ نے اس امید پر شاید پی ڈی ایم انہیں چیف بنائے رکھے گی، عدم اعتماد کی کامیابی کے بعد انتخابات کروانا سو فیصد مسائل کا حل تھا مگر لالچی، خودغرض جنرل باجوہ نے ذاتی غرض کے لیے قومی مفادات کو قربان کر دیا۔ جس عمران کو سیاست سے آؤٹ کرنے کے لیے گزشتہ ڈیڑھ برس سے گندگی ہو رہی ہے اگر انتخابات کروا دیے جاتے تو عین ممکن تھا کہ عمران سیاست سے توبہ کر لیتے، اگر جیت جاتے تب بھی یہ حالت نہ ہوتی جواب ہے۔ ن لیگ اور زرداری پارٹی کے چور ڈاکو لیڈروں کو مسند پر بٹھانے سے بہتر تھا جرنیل مارشل لاء لگا دیتے۔ جس طرح عمران خان نے عدلیہ اور جرنیلی ٹولے کو سرعام ننگا کیا ہے اس کی مثال گزشتہ تاریخ پاکستان میں نہیں ملتی، اور عمران خان کے یوٹرنوں کی مثال بھی نہیں ملتی۔ اور یہ بھی پاکستانی قوم کی بدقسمتی ہے اور عمران کی تباہی کا باعث یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے بعد عمران نے سب سے زیادہ مذہب کو اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا۔ جنرل ضیاء الحق کے بیٹے اعجاز الحق جب تحریک انصاف کا حصہ بنے تو انہوں نے بغیر لگی لپٹی کے کہہ دیا کہ ہم جنرل ضیاء الحق شہید

کے مشن کو پورا کریں گے۔

جنرل باجوہ کسی صورت بھی گھر جانا نہیں چاہتے تھے مگران کے اقدامات اور خودغرضی کی وجہ سے ساری فوج ذلیل ورسوا ہورہی تھی۔افواج پاکستان کے اندر سے ہی باجوہ پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اب گھر چلے جائیں بالکل اسی طرح جیسے جنرل یحییٰ پر سقوط ڈھاکا کے بعد اور پرویز مشرف کے وردی اتارنے کے بعد دباؤ ڈالا گیا تھا۔

نومئی کے واقعات نے قوم کو عجیب وغریب صورت حال سے دوچار کردیا ہے۔عمران خان کی عوامی طاقت جاننے کے لیے یہ ناجائز اور مکروہ کھیل کھیلا گیا کہ عمران خان کو قانونی تقاضے پورے کیے بغیر گرفتار کرلیا گیا،اوراس غیرقانونی اقدام کورینجرز کی کارروئی قرار دیا گیا۔جس کا ردعمل تحریک انصاف کی جانب سے آیا،اس پرتشدد ردعمل کا نشانہ آرمی تنصیبات تھیں،جی ایچ کیو،ریڈیو اسٹیشن پشاوراور جناح ہاؤس میں مٹھی بھرشرپسندوں نے توڑ پھوڑ کی اور آگ لگادی،حیرت کی بات یہ ہے شرپسندوں کو معمولی مزاحمت کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا۔بعد ازاں آرمی چیف نے ان واقعات کو ناقابل قبول قرار دے کرشرپسندوں کے خلاف سخت ترین کارروائی کا مطالبہ کر دیا۔حکومت نے بقول عمران خان ان کے دس ہزار ورکروں کو گرفتار کیااور پینتیس ورکر مار دیے ہیں۔عمران کی ضمانت ہوگئی اور باقی تقریباً تمام لیڈر گرفتار کرلیے گئے۔اورصورت حال ایسی بن گئی جو بھی لیڈر رہا ہوتا وہ تحریک انصاف سے علیحدگی کا اعلان کردیتا ہے۔اب تک سینکڑوں لیڈر تحریک انصاف کو چھوڑ چکے ہیں۔عمران خان کے خلاف پونے دوسو مقدمات بنائے گئے ہیں مگرانہیں گرفتار کرنے کی تاحال کسی کو جرآت نہیں ہوئی،نومئی کے واقعات کے بعد پچاس دن گزر جانے کے بعد آرمی کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ خوداحتسابی کا عمل مکمل کرلیا گیا ہے ایک فورسٹار جنرل،تین میجر جنرلز اور سات بریگیڈیئرز کے خلاف تادیبی کارروائی کی گئی ہے۔اس خوداحتسابی کے عمل سے ثابت ہوگیا ہے کہ افواج پاکستان میں تقسیم تھی اور یقیناً اب بھی یہ تقسیم موجود ہے۔

معزز قارئین! آخر میں یہی کہوں گا کہ بہتر یہی ہے کہ جرنیلی ٹولہ اب بندے کا پتر بن جائے،یہ سب آگ انہیں کی لگائی ہوئی ہے۔اس مرتبہ بھی عدلیہ نے نہایت قابل نفرت کردار ادا کیا ہے۔حالات وواقعات یہ بھی صاف بتارہے ہیں کہ جرنیلوں میں بھی تقسیم ہوچکی ہے،ایک ٹولہ لبرل اور دوسرا ٹولہ مذہبی انتہا پسند ہے۔لبرل ٹولہ عمران کو پسند نہیں کرتا اور مذہبی انتہاپسند ٹولہ عمران کے ساتھ ہے۔اس کا ثبوت عدالتوں کے فیصلے ہیں،ججوں

کے قانون سے بالا فیصلے ان کی منفی سوچ کے عکاس ہیں۔

جرنیلوں کی خرمستیاں اب بھی اگر ختم نہ ہوئیں تو اللہ نہ کرے یہ ملک ٹوٹ جائے گا۔اس طرح کی خبریں بھی گردش کر رہی ہیں کہ آئی ایم ایف کے رقم نہ دینے کی وجہ پاکستان کے ایٹمی اثاثے ہیں۔

☆☆☆

”جہالت میں پلوں کو سِحر اور ٹونا ہی آتا ہے“

میری اے قوم! حالت پہ تری رونا ہی آتا ہے
تجھے پانا نہیں آیا ، فقط کھونا ہی آتا ہے
وطن سے ہو گئے ناپید سارے ہی گلِ خوش رنگ
فقط نفرت کے بیجوں کا تجھے بونا ہی آتا ہے
ترے اب ہاتھ خالی ہیں ہر اک عزّ و شرافت سے
تجھے ہاتھوں کو ہر اخلاق سے دھونا ہی آتا ہے
کبھی پھولوں کی مالا بھی بناؤ کہ تمہیں تو بس
پِرونا ہار کانٹوں کے لہو چونا ہی آتا ہے
وطن کے باسیو! اب بھی گھڑی ہے کچھ سنبھل جاؤ
عذابوں کو بجانب فِسق تو ہونا ہی آتا ہے
مقابل حکمت و دانش کے سب بیکار ہیں حربے
جہالت میں پلوں کو سحر اور ٹونا ہی آتا ہے
حَسَن وہ اَور ہیں جو کہ کمندیں ڈال لیتے ہیں
میرے لوگوں کو تارے گن کے بس سونا ہی آتا ہے

رانا محمد حسن خاں

طاقت کا سر چشمہ ،جمہوریت،اسلامی خلافت اور ٹوئن بی

سابق بریگیڈیئر مستنصر اللہ ۱۹۹۵ء میں اسلامی خلافت قائم کرنے کے لیے کی گئی فوجی بغاوت کے سرغنہ تھے،ان کا کورٹ مارشل ہوا اور انہیں چودہ برس قید سخت سنائی گئی تھی۔امیر حمزہ کی کتاب'' آپریشن خلافت ۱۹۹۵ء'' وہ کتاب ہے جو صرف بریگیڈیئر مستنصر اللہ کی سوچ کی ہی عکاس نہیں ہے بلکہ ان تمام علماء کی بھی پول کھولتی ہے جو انسانی کوششوں سے نظام خلافت لانا چاہتے ہیں۔

مستنصر اللہ طاقت کا سرچشمہ عوام کہنے والوں کے متعلق کفر کا فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی سب سے بالا ہستی سرور دو جہان سردار انبیاء سراج المصطفیٰ ﷺ کو طاقت کا سرچشمہ نہیں بنایا تو ہم کیسے طاقت کا سرچشمہ ہو سکتے ہیں۔ساری دنیا کے انسان کفار اور مسلمان جنات وحیوان اکٹھے اور متحد ہو جائیں تو بھی طاقت کا سرچشمہ نہیں ہو سکتے۔جو یہ کہتے ہیں کہ طاقت کا سرچشمہ لوگ ہیں اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں وہ کفر کی بات کرتے ہیں۔مسلمانوں کو کم از کم یہ سوچنا چاہئے کہ ایسا نظریہ رکھنے اور کہنے سے ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی بھی ہوتی ہے جو شخص یہ جانتے ہوئے کہ جمہوریت لا دینیت ہے ایک شرکیہ نظریہ اور نظام ہے۔جمہوری نظام کو صحیح مانتا ہے اور صحیح کہتا ہے اسے بھی میں بغیر کسی ہچکچاہٹ بغیر کسی لحاظ اور بغیر کسی تکلف کے کافر کہوں گا۔''

اسی طرح جمہوری نظام کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے اور جمہوریت پسندوں کو مرتد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''جو مسلمان یہ جانتے ہوئے کہ جمہوریت ایک مکمل طور پر سیکولر نظریہ سیکولر نظام ہے اور شرکیہ نظریہ اور نظام ہے اور یہ کہے کہ پاکستان میں جمہوری نظام رائج ہونا چاہیئے وہ جو بھی ہو جس عہدہ پر بھی ہو اسے اتار کر وہ سزا دینی چاہیئے جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتد کے لئے رکھی ہے ہاں اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ہے۔

جیسے شراب پینے والا، بنانے والا۔ لانے والا۔ خریدنے والا، پہرہ دینے والا سب کے سب برابر کے گنہگار ہیں اسی طرح جمہوریت کے شرکیہ اور لادینی نظام چلانے والے اسے بقاء دینے والے، اس میں حصہ لینے والے، اس کے نفاذ پر اصرار کرنے والے، الیکشن کروانے والے، ووٹ ڈالنے والے، ڈلوانے والے سب گنہگار ہیں۔ ان کی حیثیت شرک کرنے والوں کی ہے۔ اور یہ جاننے کے باوجود کہ وہ شرکیہ نظام میں حصہ لے رہے ہیں اور اس سے تائب نہیں ہوتے تو ان کو کافر نہ کہنے والا کافر ہوگا۔

مشکل ہے کہ اک بندہ حق بیں و حق اندیش
خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دماوند

جمہوریت خاشاک کا تودہ نہیں عذاب کا تودہ ہے۔ مسلمانوں کو اسے سمجھنے میں بہت مغالطہ ہوا ہے۔ دراصل پہلے ذرائع ابلاغ اتنے وسیع نہیں تھے ہمارے علماء کو علم ہی نہ ہو سکا کہ جمہوریت کیا ہے۔ اب ہمارے پاس غلطی کا جواز نہیں۔''

ایک جگہ امریکی صدر ٹرومین کے قول '' There is no harm in walking with the Davil to cross over the bridge. '' کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

''مغربی جمہوریت کی اندھی تقلید کرنے والے دریائے مس پسی اور کولوروڈو کے پل تو اس بیان کی روشنی میں پار کر سکتے ہیں، لیکن جنت کے راستے کا واحد پل صراط ہے۔ اس لیے وہ افراد، گروہ یا جماعتیں جمہوریت کو پل بنا کر جنت میں جانے کی توقع کرتے ہیں ان کی خدمت میں بڑے دکھ سے صرف یہ عرض کروں گا کہ شیطان نے انہیں کندھوں پر بٹھا لیا ہے اور انہیں موقع ہی نہیں دے رہا کہ اس حقیقت کو جان پائیں کہ صراط مستقیم کسے کہتے ہیں۔ کیا انہیں یقین ہے کہ وہ پیغمبروں، صدیقین، صالحین اور صحابہؓ کے راستے پر ہیں؟۔۔ ہمیں حضور ﷺ کا فرمان ایک لمحہ کے لیے بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ''تمام فرقے (تمام لوگ) جہنم جائیں گے سوائے جو اس طریقے پر ہوگا جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے''۔۔۔۔ میری گزارش یہ ہے کہ ہمارے علماء سیاست و جمہوریت سے مکمل طور پر نکل آئیں اور لوگوں کے دلوں میں دل و جان سے فہم قرآن پیدا کرنے کے لیے خود کو وقف کر دیں تو جو دین پچاس سالوں سے اس ملک میں نہیں آیا انشاء اللہ دس سالوں میں رائج ہو جائے

گا۔۔ جمہوریت کے بل بوتے پچاس سال تو کیا سو سالوں میں بھی اسلام نہیں آ سکتا، جمہوریت جائے گی تو خلافت دوبارہ آئے گی۔'' (آپریشن خلافت ۱۹۹۵۔سوال نمبر۴۔ازسابق بریگیڈیئر مستنصر اللہ)

معزز قارئین! یہ تو تھی سابق بریگیڈیئر مستنصر اللہ کی اور ان جیسے دیگر نام نہاد علماء کی ناقص سوچ جس کے بل بوتے پر یہ نانہجار نظام خلافت کا احیاء کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قیامت تک کے واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔ آیئے اس کی ایک جھلک درج ذیل سطور میں دیکھتے ہیں:۔

معزز قارئین! یہ مولوی لوگ خود کو اسلام کے ٹھیکیدار سمجھتے ہوئے، کُفر اور اسلام کے پروانے تھمانے والے صرف اپنی کم فہمی کو سرمایہ حیات سمجھتے ہیں۔ اُن علماء اور بزرگوں سے اِن کا کوئی تعلق نہیں جو اسلام کو خُدا سے الہام پا کر سمجھے ہیں اور الہام جیسی نعمت سے مالا مال ہونے کے لیے رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسوہ حسنہ پر اخلاص اور عقیدت سے عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اِس کی توفیق بھی خُدا سے ہی طلب کرنی پڑتی ہے۔ آج کے مولوی کو نہ خوفِ خُدا ہے اور نہ مَرنے کا ڈر اور رسول اللہ ﷺ کے دین متین کو اُنہوں نے پیٹ کا دھندہ بنا رکھا ہے۔ اللہ اِنہیں ہدایت دے۔ اِن علماءِ سُو نے عقیدہ ختم نبوّت کے نام پر جو مار دھاڑ اور کُفر کُفر اور مُرتد مُرتد کا کھیل شروع کر رکھا ہے اُس کی سب سے بڑی وجہ رسول اللہ ﷺ کے واضح ارشادات مقدّسہ کو بھی کوئی حیثیت نہ دینا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ آخری زمانہ میں نبوّت کے طریق پر خلافت قائم ہوگی، اِن بدبختوں نے آنے والے مسیح و امام مہدی کو نبی ماننے سے ہی انکار کر دیا ہوا ہے۔

حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔

اَنَا سَیِّدُ الْاَوَّلِینَ وَ الْاٰخِرِینَ مِنَ النَّبِیِّینَ۔ (رواہ الدّیلمی)

یعنی مَیں تمام پہلے اور پچھلے انبیاء کا سردار ہوں۔ (اس حدیث کے مطابق آپؐ کے بعد بھی نبی آنے چاہئیں تا کہ آپ ﷺ آخرین کے بھی سردار قرار پائیں)

رسول اللہ ﷺ اپنی اُمّت میں آنے والے مختلف ادوار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

تکون النبوّۃ فیکم ماشاء اللّٰہ ان تکون ثُمَّ یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ ثُمَّ تکون خلافۃ علٰی منھاج النّبوّۃ ماشاء اللّٰہ ان تکون ثُمَّ یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ ثُمَّ تکون ملکاً عاضاً فتکون ماشاء اللّٰہ

ان تکون ثُمّ یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ ۔ثُمّ تکون ملکاً جبریة فتکون ماشاء اللّٰہ ان تکون ثُمّ یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ ۔ثُمّ تکون خلافة علٰی منھاج النّبوّة ثمّ سکت۔‘‘

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا تم میں نبوّت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر وہ اس کو اُٹھالے گا اور خلافت علٰی منھاج النبوّۃ قائم ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اُس نعمت کو بھی اٹھالے گا، پھر ایذا رساں بادشاہت قائم ہوگی اور تب تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ جب یہ دور ختم ہوگا تو اس سے بھی بڑھ کر جابر بادشاہت قائم ہوگی اور تب تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر وہ اس ظلم ستم کے اس دور کو ختم کردے گا جس کے بعد پھر نبوّت کے طریق پر خلافت قائم ہوگی! یہ فرما کر آپﷺ خاموش ہوگئے۔‘‘ (مسند احمد بن حنبل جلد۴ صفحہ۲۷۳۔ مشکوۃ باب الانذار والتحذیر)

(مشکوٰۃ میں اس حدیث کے بین السطور یہ الفاظ لکھے ہیں کہ **"الظّاھر انّ المراد بہ زمن عیسٰی و المھدی"**۔ یعنی یہ بات ظاہر ہے کہ خلافت کے اِس دوسرے دور سے مسیح اور مہدی (نبی اللہ) کا زمانہ مُراد ہے۔ (مشکوٰۃ طبع اصح المطابع کراچی صفحہ۴۶۱)

اور آنحضرتﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

ان رایت یو مئِذ خلیفتہ اللّٰہ فی الارض فالزمہ وان نھك جسمك واخذ مالك۔

یعنی ’’اگر تُو اللہ کے خلیفہ کو زمین میں دیکھے تو اسے مضبوطی سے پکڑ لینا اگرچہ تیرا جسم نوچ دیا جائے اور تیرا مال چھین لیا جائے۔‘‘ (مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفۃ بن الیمان حدیث نمبر ۲۲۹۱۶)

معزز قارئین! رسول اللہﷺ کے اِس واضح ارشاد مبارکہ کو پس پشت ڈال کر علماءِ سُوء اللہ کے خلیفہ پر ایمان لانے کے بجائے اُس خلیفہ اللہ پر ایمان لانے والوں کے جسم نوچنے اور مال چھیننے جیسے بد افعال کے مرتکب ہو رہے ہیں بالکل اُسی اسی طرح جس طرح کفّارِ مکّہ رسول اللہﷺ کی تکذیب کرتے ہوئے مسلمانوں کے جان و مال کے دُشمن بن گئے تھے۔ قارئین کرام! آنحضرتؐ سے دریافت کی گیا **مَن اھل السُنّة** ۔ یعنی سُنّت پر عمل پیرا کون لوگ سمجھیں جائیں گے؟ فرمایا: **ما انا علیہ الیوم و اصحابی** (المستدرک الحاکم ملل ونحل شہرستانی جلد ا صفحہ ۵) یعنی آج میرے زمانہ میں جو طریقہ میرا اور میرے اصحاب کا ہے اس پر چلنے

والےاوراس کے مطابق عمل کرنے والے اہلسنت ہیں۔ (الاعتصام ۱۵ااکتوبر ۱۹۵۴ء)

معزز قارئین! کیا جسم نوچنے والے، مال لوٹنے والے، ایک دوسرے کو کافر اور مُرتد کہہ کر مسلمان کہلانے والے، جہاد کے نام پر معصوم لوگوں کی جان لینے والے، اقلیتوں کی عبادت گاہوں اور مسجدوں کو فرقہ واریت کے جنون میں مسمار کرنے والے اور عبادت گزاروں کو خُون میں نہلانے والے، قرآن اور حدیث کے متوازی عقائد گھڑنے والے، ناچ گانے کے متوالے اور قوالی کے نام پر میوزک سے دِل بہلانے والے، فحاشی اور عریانیت میں ڈوبے ہوئے مدہوش راہبر، مال و دولت کے لیے ایمان بیچنے والے، رشوت خور، سود خور، زکٰوۃ چور، بیواؤں اور یتیموں کا مال کھانے والے قبضہ کی ہوئی زمین پر مساجد بنانے والے اور چوری کی بجلی سے مساجد اور مدرسے روشن کرنے والے، بچوں سے زیادتی اور کم سن بچیوں کی شادی کرنے والے، قرآن سے بچیوں کی شادی کرانے والے، غیرت کے نام پر بچوں اور بچیوں کی زندگی لینے والے، ونی اور کاروکاری کے نام پر عورتوں کی زندگیوں سے کھیلنے والے، اغواء برائے تاوان کے مُجرم، ناانصاف میڈیا والے اور انصاف کرنے والی عدالتوں کے ناانصاف منصف، فلمی اور اشتہاری کمپنیوں کے مالک اور فلموں سے دِل بہلانے والے رسول اللہ ﷺ کی سُنّت پر عمل کر رہے ہیں؟ اور کیا مسلمانوں کو نماز سے روکنے والے، حج سے روکنے والے، قرآن کی تلاوت پر تلملانے والے، کلمہ کی توہین کرنے والے، کلمہ گو مسلمانوں کو کافر اور مُرتد قرار دینے والے، السلام علیکم کہنے اور اذان دینے پر مقدمات درج کروانے والے اور پھر ان پاکیزہ جُرائم پر سزائیں سُنانے والے جج رسول اللہ ﷺ کے ربّانی پیغام پر عمل کر رہے ہیں؟ کیا صحابہ کا یہی طریق تھا؟ قطعاً نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو نماز پڑھنے سے روکا گیا، قرآن پڑھنے پر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا، بائیکاٹ کیا گیا، حج سے روکا گیا، نہ صرف تشدّد کیا بلکہ بعض اصحابؓ کی دردناک طریق سے جان بھی لے لی گئی، مال واسباب لوٹ لیا گیا اور ہجرت پر مجبور کر دیا گیا۔

اب نظام خلافت وہی صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والا گروہ ہی قائم کرسکتا ہے۔ اس کے لیے بغور جائزہ لینا پڑے گا کہ وہ کون سی جماعت ہے جو صحابہؓ کے نقش قدم پر چل رہی ہے، جس کا ایک امام ہے، اقلیت میں ہے، خلافت کا نظام رکھتی ہے اور کس جماعت کا حج بند کیا گیا،، اذان کہنے، نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت پر پابندی کس جماعت پر ہے۔

بریگیڈیئر مستنصر اللہ نے تواتر کے ساتھ مشہور تاریخ دان جناب ٹائن بی کے افکار کو بیان کیا ہے۔ایک جگہ لکھتے ہیں کہ"ٹائن بی نے کہا ہے روحانی زوال تہذیبوں کے ٹوٹنے اور ختم ہونے کا سبب بنتا ہے"۔

اور پھر اسے بنیاد بنا کر مغربی ممالک کو روحانیت سے خالی قرار دیکر ان کی بربادی کی پیشگوئی کی ہے اور اپنی دانست میں خود کو یعنی مسلمانوں کو نجات یافتہ تصور کیا ہے۔اور وہ یہ بھی بھول گئے کہ روحانی زوال کا علاج انبیاء ہی کر سکتے ہیں،کنوئیں کے مولوی،ملانے اور علامے کچھ نہیں کر سکتے۔ٹائن بی کی کتاب A Study of History پڑھ کر سابق بریگیڈیئر مستنصر اللہ نے جو نتیجے نکالے ہیں وہ حقیقت کے برعکس ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ٹائن بی بہت بڑا دانشور تھا۔اس نے اپنی مشہور کتاب Civilization On Trial جسے ۱۹۲۰ء میں تیس برس تحقیق کے بعد لکھا تھا میں دنیا کی اکیس تہذیبوں کے عروج وزوال کا ذکر کیا ہے۔اور وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ دو تہذیبوں کے ٹکراؤ کے نتیجے میں روحانی خلا پیدا ہو جاتا ہے،اور اس خلا کو پورا کرنے،نئی تہذیب وتمدن کی بنیاد رکھنے کے لیے اور انسانوں کی روحانی پیاس بجھانے کے لیے نبی آتے ہیں۔Civilization On Trial کے آخر میں وہ موجودہ تہذیبوں یعنی اسلام اور مغرب کے ٹکراؤ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے روحانی خلا کو کون پورا کرے گا؟اس سوال کے جواب میں اس نے تمام مذاہب کو کھنگالا اور دلائل سے ثابت کیا کہ تمام مذاہب بنجر ہو چکے ہیں سوائے اسلام کے اور آئندہ اسی مذہب کی جماعت پیاسی روحوں کی روحانی پیاس بجھائے گی وہ پیاسی روحیں مشرق کی ہوں یا مغرب،شمال کی ہوں یا جنوب کی۔۔ٹائن بی نے صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ساری دنیا میں سے ایسی دو ممکنہ جماعتوں کا نام بھی بتا دیا ہے۔وہ لکھتا ہے:۔

And even in these early days we can discern certain spiritual movements which might conceivably become the Embryos of new higher Religions. The Bahai and Ahmadi movements, which from Acre and Lahore , have begun to send out their missionaries to Europe and America

ترجمہ:اور یہاں تک کہ ان ابتدائی ایام میں بھی ہم بعض روحانی تحریکات کو دیکھ سکتے ہیں جو ممکنہ طور پر نئے اعلیٰ مذاہب کے جنین بن سکتے ہیں۔بہائی اور احمدی تحریکیں،جنہوں نے ایکڑ اور لاہور سے اپنے مشنریوں کو یورپ اور امریکہ بھیجنا شروع کر دیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

''کاندھوں پہ تو منکر نکیر ہوتے ہیں''

اُس زُلف کے جو بھی اسیر ہوتے ہیں
تعزیر کے لائق فقیر ہوتے ہیں
تسکیں غلامی ہو تو قوم میں پیدا
کم ذی خرد ، جاہل کثیر ہوتے ہیں
ہوں نفس کے قیدی یا خود پسندی کے
یہ سب تہی دامن سے پیر ہوتے ہیں
بچ کے ذرا ! زاہد سے ، شیخ سے ، جن کے
ترکش میں بس زہریلے تیر ہوتے ہیں
ہو نام علم و فن جہاں جہالت کا
وہ دیس تو جنگل نظیر ہوتے ہیں
کیا صاحبِ ثروت کو ڈر ، پہ مفلس کے
کاندھوں پہ تو منکر نکیر ہوتے ہیں
وہ ہونٹ گر کھولیں تو پھول جھڑتے ہیں
جو پاک دل ، روشن ضمیر ہوتے ہیں
اِن کا حَسنؔ آخر حساب دینا ہے
یہ حرف جو گرچہ لکیر ہوتے ہیں

رانا محمد حسن خاں

''عنادِ ضَو نے ہے کھایا مِرا یہ دیس پاکستان''

ہُوا دیکھو ہے کیا سے کیا مِرا یہ دیس پاکستان
چمن تھا اب ہوا صحرا مِرا یہ دیس پاکستان

یہ پَت جھڑ تو بدلتے موسموں کی ایک چھایا ہے
مگر کیوں گھر ہوا اِس کا مِرا یہ دیس پاکستان

لُٹیروں کے تَسلُّط میں سدا ہیں جشنِ آزادی
ہوا آزاد ہی کب تھا مِرا یہ دیس پاکستان

نزُولِ صبحِ تازہ کو شبِ دَیجُور روکے ہے
عَنادِ ضَو نے ہے کھایا مِرا یہ دیس پاکستان

تَعَفُّن سے اِنھیں اُلفت عداوت بھی ہے خوشبو سے
ہوا کب با مُسَمّیٰ تھا مِرا یہ دیس پاکستان

خودی کے فلسفوں نے ہے ڈبویا قوم کو ساری
وفا اور عشق کو ترسا مِرا یہ دیس پاکستان

مرے مالک کوئی فصلِ کنول اس میں کھِلا دے تُو
ہوا کیچڑ زدہ سارا مِرا یہ دیس پاکستان

برس اے آسماں اب تُو گل و گلزار کر دے سب
ہوا ہے نیم مردہ سا مِرا یہ دیس پاکستان

حَسَنؔ صد حیف مُردہ دل ہوئے ہیں ہم وطن کیسے
ہے بُو جَہلوں کا گہوارَہ مِرا یہ دیس پاکستان

رانا محمد حسن خاں